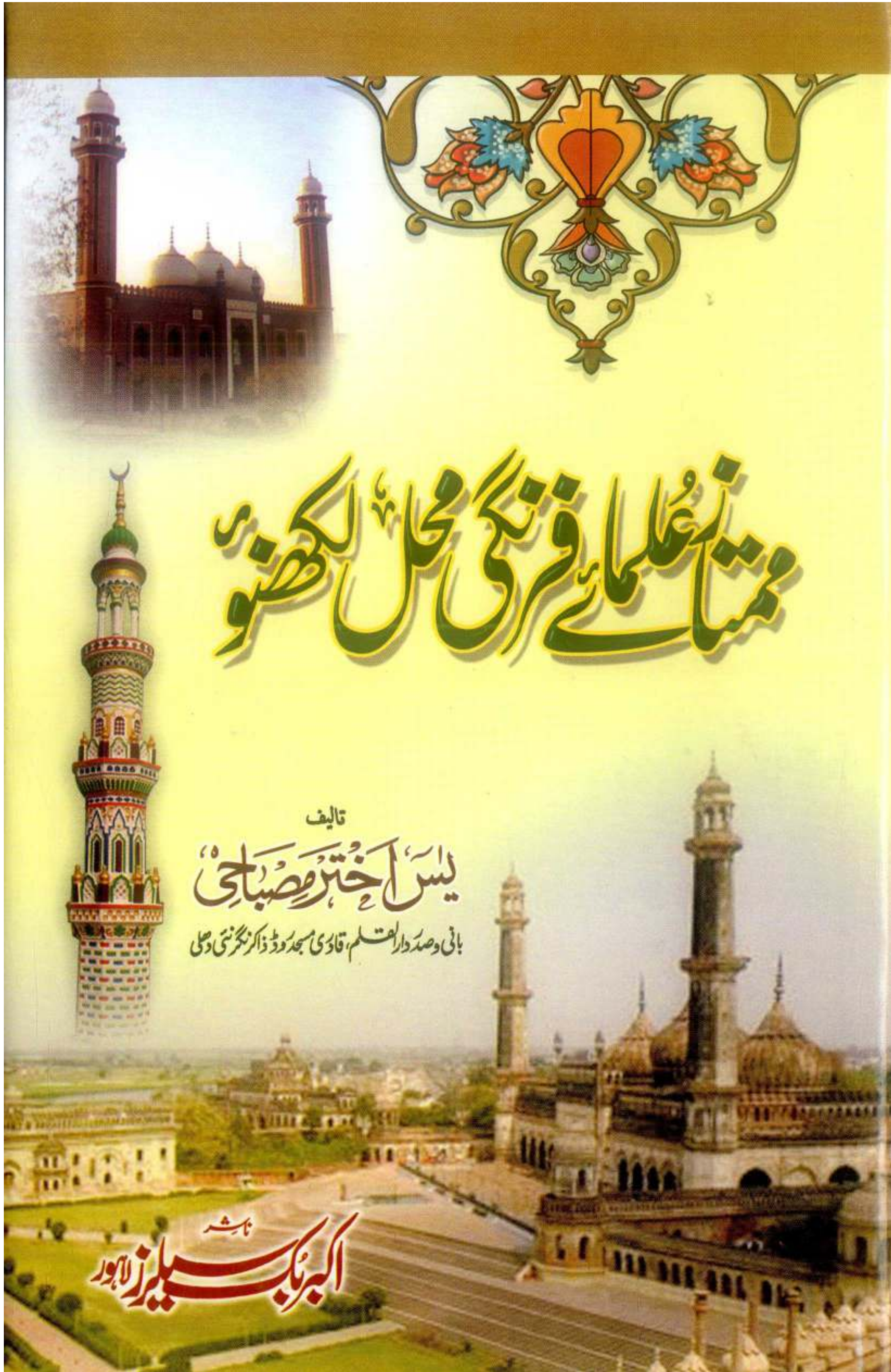

ممتاز علمائے فرنگی محل لکھنؤ
تالیف
یسٓ اختر مصباحی
بانی وصدر دارالقلم، قادری مسجد روڈ ذاکر نگر نئی دہلی
ناشر
اکبر بک سیلرز لاہور

ممتاز علمائے فرنگی محل لکھنؤ

تالیف

یٰسٓ اختر مصباحی

بانی و صدر دارالقلم، قادری مسجد روڈ ذاکر نگر نئی دہلی

ناشر
اکبر بک سیلرز لاہور

ممتاز علمائے فرنگی محل لکھنؤ

تالیف

یٰسٓ اختر مصباحی

بانی و صدر دار القلم، قادری مسجد روڈ ذاکر نگر نئی دہلی

ناشر

اکبر بک سیلرز

زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور

Ph: 37352022

الصلوٰۃ والسلام علیك یا سیدی یا رسول اللّٰہ

وعلیٰ الك واصحابك یا حبیب اللّٰہ

نام کتاب	....	ممتاز علمائے فرنگی محل لکھنؤ
مؤلف	....	علامہ یٰسین اختر مصباحی
صفحات	....	512
تعداد	....	600
اشاعت	....	فروری 2017ء
زیر اہتمام	....	محمد اکبر قادری
ناشر	....	اکبر بک سیلرز، لاہور
قیمت	....	400 روپے

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر 40 اردو بازار لاہور

فہرست

اِنتساب بنام

مشائخ وعُلماے دہلی

(۱) قُطْبُ الْاَقْطاب، خواجہ قطب الدین بختیار، کاکی، دہلوی — وصال ۶۳۳ھ

(۲) محبوبِ الٰہی، خواجہ نظام الدین اولیا، بدایونی، دہلوی — وصال ۷۲۵ھ

(۳) حضرت خواجہ نصیر الدین محمود، اَوَدھی، چراغ دہلی — وصال ۷۵۷ھ

(۴) حضرت سید ابراہیم، ایرجی، قادری، دہلوی — وصال ۹۵۳ھ

(۵) حضرت شیخ عبد العزیز شکر بار، دہلوی — وصال ۹۷۵ھ

(۶) حضرت خواجہ محمد عبد الباقی، باقی بِاللہ، نقشبندی، دہلوی — وصال ۱۰۱۲ھ

(۷) امام المحدِّثین، شیخ عبد الحق محدّث دہلوی — وصال ۱۰۵۲ھ

(۸) حضرت شاہ ولی اللہ، محدّث دہلوی — وصال ۱۱۷۶ھ

(۹) حضرت شاہ عبد العزیز، محدّث دہلوی — وصال ۱۲۳۹ھ

(۱۰) حضرت شاہ غلام علی، نقشبندی، مجدّدی، دہلوی — وصال ۱۲۴۰ھ

مشائخ وعلماے لکھنؤ

(۱) مخدومِ اَوَدھ، حضرت شاہ محمد مینا، چشتی، لکھنوی — وصال ۸۸۴ھ/۱۴۷۹ء

(۲) استاذُ الھند، مولانا نظام الدین محمد، فرنگی محلی، لکھنوی — وصال ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء

(۳) بحرالعلوم، مولانا عبد العلی محمد، فرنگی محلی، لکھنوی — وصال ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء

(۴) عارفِ حق، مولانا نورُ الحق، فرنگی محلی، لکھنوی — وصال ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء

(۵) حضرت مفتی ظہورُ اللہ، فرنگی محلی، لکھنوی — وصال ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء

(۶) حضرت مولانا ولی اللہ، فرنگی محلی، لکھنوی — وصال ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء

(۷) حضرت مولانا جمال الدین، فرنگی محلی، لکھنوی — وصال ۱۲۷۶ھ/۱۸۶۰ء

(۸) حضرت مولانا عبد الحلیم، فرنگی محلی، لکھنوی — وصال ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء

(۹) حضرت مفتی محمد یوسف، فرنگی محلی، لکھنوی — وصال ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء

(۱۰) ابوالحسنات، مولانا محمد عبد الحیّ، فرنگی محلی، لکھنوی — وصال ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء

تہدیہ، بخدمت

"پورب" "شیرازِ ماست۔ (شاہجہاں)

مرکزِ دینی وعلمی "الجامعۃ الاشرفیہ" مبارک پور

جس کا سلسلۂ منقولات ومعقولات اپنے اکابر واسلافِ کرام کے ساتھ، اس طرح، مربوط ومنظم ہے:

سلسلۂ منقولات

(۱) حافظِ ملّت، مولانا الشاہ عبدالعزیز، مرادآبادی، محدّث مبارک پوری (وصال ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) قُدِّسَ سِرُّہٗ۔ بانیِ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور۔ ضلع اعظم گڑھ (یوپی، انڈیا)

(۲) صدرُ الشریعہ، مولانا الشاہ مفتی محمد امجد علی، اعظمی، رضوی (وصال ذوالقعدہ ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) قُدِّسَ سِرُّہٗ۔ مؤلّفِ "بہارِ شریعت" وصاحبِ "فتاویٰ امجدیہ"۔

(۳) فقیہِ اسلام، امام احمد رضا، قادری، برکاتی، بریلوی (وصال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) قُدِّسَ سِرُّہٗ۔

(۴) خاتم الاکابر، سید شاہ آلِ رسول، احمدی، قادری، برکاتی، مارہروی (وصال ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء) قُدِّسَ سِرُّہٗ۔

(۵) سراج الھند، شاہ عبدالعزیز، محدّث دہلوی (وصال ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) قُدِّسَ سِرُّہٗ۔

سلسلۂ معقولات

(۱) حافظِ ملّت، مولانا الشاہ عبدالعزیز، مرادآبادی، محدّث مبارک پوری (وصال ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) قُدِّسَ سِرُّہٗ۔ بانیِ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور۔ ضلع اعظم گڑھ (یوپی، انڈیا)

(۲) صدرُ الشریعہ، مولانا الشاہ مفتی محمد امجد علی، اعظمی، رضوی (وصال ذوالقعدہ ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) قُدِّسَ سِرُّہٗ۔ مؤلّفِ "بہارِ شریعت" وصاحبِ "فتاویٰ امجدیہ"۔

(۳) استاذُ الاساتذہ، علّامہ ہدایت اللہ، جون پوری (وصال ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) قُدِّسَ سِرُّہٗ۔ صدرُ المدرسین، مدرسہ حنفیہ، جون پور۔

(۴) امام الحکمۃ والکلام، قائدِ جنگِ آزادی علّامہ فضلِ حق، خیرآبادی (وصال ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) قُدِّسَ سِرُّہٗ مصنّفِ "تحقیقُ الفتویٰ فی ابطالِ الطغویٰ" و"امتناعُ النظیر"۔

اُولٰئِکَ آبائی فَجِئْنا بِمِثْلِهِم

اِذاجَمَعَتْنَا یاجَرِیْرُ الْمَجَامِعُ

☆☆☆

کلمۂ آغاز

اَسلاف واکابرِ اسلام کی یاد اور ان کی حیات و خدمات کا ذکر و بیان، صرف تاریخی طور سے سرمایۂ قوم و مِلّت نہیں بلکہ دینی و مذہبی طور سے بھی ایمان و اسلام کے لئے سببِ ترقیِ مدارج و تائیدِ حق و ہدایت اور باعثِ تطہیر و تقویتِ قلب و روح و محرّکِ محاسن و مکارمِ اخلاق ہے کہ

اُن کے نقوشِ فکر، ہمارے لئے ''کَالنُّجُوم'' اور ان کے نقوشِ قدم، ہمارے لئے ''کَسَفِینَۃِ نُوح'' ہیں۔

یہی وہ حقیقتِ ثابتہ ہے، جس کی آرزو و تمنا، عرض و معروض اور اِلتجا و دعا کی تعلیم و ہدایت ہمیں، اِس آیتِ مبارکہ میں دی گئی ہے:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ (سورۂ فاتحہ)

اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ اُن کے راستے پر، جن پر تو نے انعام فرمایا۔
ان کے راستے پر نہیں، جن پر، تیرا غضب، نازل ہوا۔ نہ ان کے راستے پر، جو، گمراہ ہیں۔''

اور ہدایت یافتہ و انعام یافتہ نفوسِ قُدسیہ کی صراحت بھی فرمادی گئی ہے کہ:

وہ، انبیاء و مرسلین و صِدّیقین و شُہداء و صالحین ہیں۔

مزید وضاحت اور اُمّتِ محمدیہ کی ہدایت کے لئے، یہ بھی فرمایا گیا کہ:

**مَآ اَنَا عَلَيْهِ وَ اَصْحَابِي۔ ہدایت و نجات، اُسی راستے پر ملے گی۔
جس پر مَیں، اور میرے صحابہ ہیں۔''**

اِنحراف و کج رَوی سے بچنے کے لئے، یہ حکم بھی دے دیا گیا کہ:

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ۔ (مِشْکٰوۃُ الْمَصَابِیح)

**سَوادِ اعظم (جمہورِ اُمّت) ہی کے نقشِ قدم پر چلو۔ ورنہ جو، اکیلا ہوگا
وہ، اکیلے ہی، جہنم میں جائے گا۔''**

''سَوادِ اعظم'' کی تعیین، امام المحدثین، شیخ عبدالحق محدث دہلوی (وصال ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء)

اس طرح فرماتے ہیں:

"وبالجملہ سَوادِ اعظم، در دینِ اسلام، مذہبِ اہلِ سنّت وجماعت است۔"

(اَشِعَّۃُ اللَّمعَات شَرحِ مِشکوٰۃ۔ بابُ الاِعتِصام بِالکِتَابِ وَالسُّنَّۃ)

اور عارفِ حق، حضرت مولانا نورُ الحق، فرنگی محلی، لکھنوی (وصال ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء) کے تلمیذِ رشید، علّامہ فضلِ رسول، عثمانی، قادری، بدایونی (وصال ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء)

اس "کلمۂ حق" کی تشریح، اس طرح فرماتے ہیں:

"اور وہ سَوادِ اعظم، عقائد میں اشعری، ماتریدی اور فقہ میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی ہیں۔"

(ص ۱۰۔ سَیفُ الجَبَّار۔ مطبوعہ بدایوں)

زیرِ نظر کتاب "ممتاز عُلمائے فرنگی محل، لکھنؤ"، محض، ایک "کتابِ تعارف"

اور "تاریخِ فضل وکمال" نہیں، بلکہ در حقیقت، یہ ایک "کتابِ تذکرہ" ہے۔ فَاِنَّہَا تَذکِرَۃٌ۔

"عُلمائے فرنگی محل" اپنے آباؤ اجداد، مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی (متوفی ۱۱۰۳ھ)

و مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی، فرنگی محلی (متوفی ۱۱۶۱ھ) سے

مولانا محمد عبدالحیٔ، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۰۴ھ) و مولانا عبدالرزّاق، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۰۷ھ)

اور مولانا قیام الدین محمد عبدالباری، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۴۴ھ) تک (جن کا اس کتاب میں تعارف و تذکرہ ہے)

یہ سب کے سب، بِفَضْلِہٖ تَعالیٰ وَ بِکَرَمِ حَبِیبِہِ الْاَعْلیٰ (جَلَّ وَ عَلَا وَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) مشاہیر عُلمائے سَوادِ اعظم اہلِ سنّت وجماعت ہیں۔

اور ان کی اِسی دینی وعلمی حیثیت اور اہمیت و افادیت کے پیشِ نظر، ان کی حیات و خدمات کا مُجملاً و مُختصراً، ذکرِ خیر کرنے کی سعادت بھی، حاصل کی گئی ہے۔ رَضِیَ اللّٰہُ تَعالیٰ عَنْہُم اَجْمَعِین۔

متحدہ ہندوستان کے بہت سے دینی وعلمی خانوادے، اپنی روشن خدمات اور گراں قدر کارناموں کی وجہ سے، تاریخِ اسلامیانِ ہند میں نمایاں مقام کے حامل ہیں۔

اور نسلیں، انھیں، یاد رکھیں گی اور ان پر فخر بھی کرتی رہیں گی۔

لیکن، میرے محدود مطالعہ کے مطابق، خانوادۂ فرنگی محل، ان سب کے درمیان

اس حیثیت سے بے حد ممتاز و منفرد ہے کہ:

پورے تسلسل کے ساتھ، دو ڈھائی صدی تک اس خانوادے سے ایسے متبحر اور جلیل القدر

علما و فُضلا پیدا ہوتے رہے، جو، آفاقِ ہند پہ نجوم و کواکب ہی نہیں، بلکہ آفتاب و ماہتاب بن کر چمکتے اور دمکتے رہے۔فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔

اور ان کی درس گاہ و دانش گاہ کا سلسلۂ علم و حکمت اور دائرۂ فضل و کمال

پورے متحدہ ہندوستان کو حاوی و محیط ہے۔

اِس سے ملتی جلتی ایک تاریخ، بدایوں (روہیل کھنڈ) کے "خانوادۂ عثمانیہ" کی بھی ہے

جس پر تحقیق و ریسرچ کر کے اس کی دینی و علمی خدمات کو، منظرِ عام پر لانے کا کام ابھی باقی ہے۔

عُلمائے فرنگی محل سے متعلق، زیرِ نظر کتاب "ممتاز علمائے فرنگی محل" کوئی قابلِ لحاظ تاریخی تحقیق ہے، نہ علمی تحقیق، نہ ملک کی مختلف لائبریریوں کی چھان بین کر کے کچھ نایاب گوشوں کی پیش کش، نہ ہی مطبوعہ مواد کا اِستیعاب، بلکہ اپنے دارالقلم، دہلی میں بیٹھے بیٹھے جو کچھ

بآسانی، حاصل ہو سکا، اُسے پیشِ نظر رکھ کر ایک کتاب، تذکرہ، تیار کر دی گئی ہے۔

اور دستیاب مواد کے مطالعہ کے دَوران، علمائے فرنگی محل سے متعلق، جو تاثر، دل پہ قائم ہوا، وہ، ایک قابلِ ذکر، یافت ہے کہ علمائے فرنگی محل، باں علم و فضل، بالخصوص تبحُّرِ فنِ معقولات

(۱) اپنے دینِ قویم اور مذہبِ مستقیم سے وابستہ رہے۔

(۲) علم کے صحیح ذوق سے، بہرہ وَر، ہوتے رہے۔

(۳) عُسرت و تنگ دستی کے باوجود، پُر وقار زندگی، بسر کرتے رہے۔

(۴) اُمرا و حُکّام کے در پہ، کبھی، جبیں رسائی نہیں کی۔

(۵) زمانے کی گردش اور علم کی ناقدری نے بعض متبحر علما کو، ترکِ وطن پہ مجبور کیا۔

(۶) قناعت اور صبر و شکر کا دامن، ہاتھ سے، نہ جانے دیا۔

(۷) عالمانہ وقار کو، کبھی، مجروح نہ ہونے دیا۔

(۸) متحدہ ہندوستان کے بے شمار علما و مشائخ اور دینی و علمی خانوادے

سلسلہ بہ سلسلہ، ان کے فیضانِ علم سے سیراب ہوتے رہے۔

(۹) توفیقِ الٰہی اور ایک عارف باللہ شیخِ کامل (سید عبدالرزّاق، قادری، بانسوی) سے وابستگی نے

ان کے روشن دل و دماغ کو "معقولات" کے زَنگ اور اِنحراف و ضلال سے

(مجموعی طور پر) محفوظ رکھا۔

(۱۰) ملک العلما، سندُ الفضلا، بحرالعلوم، علّامہ عبدالعلی محمد، فرنگی محلی

مذہب ومسلکِ سوادِ اعظم اہلِ سنّت کے معیار ومنہاج اور امام ومقتدا
کل بھی تھے اور آج بھی ہیں۔فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔
بیشتر قارئین کو، اِس کا علم ہوگا کہ:
خانوادۂ عزیزی، ولی اللّٰہی، دہلی اور علماے فرنگی محل، لکھنؤ پر، دو تین سال سے
میں نے جمعِ مواد وتحقیقِ اَحوال وخدمات کے ساتھ، ان کی ترتیب وتدوین اور کمپوزنگ کا
سلسلہ، جاری کر رکھا ہے۔علاوہ ازیں، دیگر مصروفیات اور مسائل ومعاملات بھی پیش آتے رہتے ہیں
جنھیں دیکھنا اور سنبھالنا، ضروری ہوتا ہے۔
عزیز القدر، حافظ سبطین رضا، قادری، ایوبی، سجادہ نشین خانقاہِ قادریہ، ایوبیہ، رضا نگر
پرا کنک۔ضلع کوشی نگر۔(مشرقی اتر پردیش، انڈیا) میری تحریک وتجویز کے مطابق
اپنی خانقاہ کی جانب سے "بحر العلوم، علاّمہ عبد العلی، فرنگی محلی سیمینار وکانفرنس" کے اعلان
کے ساتھ، اس کی تیاری بھی، زور وشور سے کر رہے ہیں۔
اِس "بحر العلوم سیمینار وکانفرنس" کا انعقاد، ان کی خانقاہ کی طرف سے یکم فروری ۲۰۱۶ء کو
ہو رہا ہے۔برادرِ مکرّم، حضرت مولانا محمد احمد، اعظمی، مصباحی (ناظمِ تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور
ضلع اعظم گڑھ۔یوپی) اور بعض دیگر علما نے مجھ سے فرمایا کہ:
عُلماے فرنگی محل پر آپ، کام کر ہی رہے ہیں۔اس لئے اِس سیمینار سے پہلے
بہتر ہے کہ حضرت بحر العلوم، فرنگی محلی پر آپ کا تعارفی رسالہ آ جائے۔
اس سے مقالہ نگاروں کو سہولت ہوگی۔اور قارئین کی معلومات میں بھی اضافہ ہوگا۔
اس رسالہ کے لئے عزیز القدر حافظ سبطین رضا، تقاضا اور اِصرار کرتے رہے۔
میں نے سوچا کہ جب لکھنا ہی ہے، تو، کیوں نہ کچھ ممتاز ومنتخب عُلماے فرنگی محل کا
ایک ساتھ ہی، مختصر تعارف ہو جائے۔بعد میں تفصیل سے کام ہوتا رہے گا۔
چنانچہ، بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچی کی اجمالی تعارف وتذکرۂ عُلماے فرنگی محل پر
ایک مستقل کتاب ہی تیار ہو گئی، جو، اس وقت آپ کے زیرِ مطالعہ ہے۔
کتب ورسائلِ عُلماے فرنگی محل کی دستیابی اور پھر، ان کی تحقیق وتجزیہ وغیرہ
یہ ایک دو آدمی کے بس کی بات نہیں۔اور وہ بھی، ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔
اِس کے لئے جس علمی وتحقیقی دِقّتِ نظر کی ضرورت ہے، وہ، اہلِ علم پر مخفی نہیں۔

بعجلتِ ممکنہ، جو کچھ ہو سکا، وہ، اہلِ ذوق اور اہلِ علم کی خدمت میں حاضر ہے۔

اہلِ علم سے التماس ہے کہ:

مطالعۂ کتاب کے دوران، جس نقص و عیب اور سہو و خطا پر، نظر پڑے اُس سے مؤلّفِ کتاب کو، براہِ راست، مطلع کریں اور اپنی مفید ہدایات اور مشوروں سے نوازیں۔

انھیں، قبول کرتے ہوئے اگلے ایڈیشن میں، فراخ دلی کے ساتھ، ترمیم و اِصلاح وغیرہ کر کے کتاب کو مزید بہتر اور جامع بنانے کی کوشش کی جائے گی۔ اِن شاءَاللہ تعالیٰ۔

اور ایسے کرم فرما حضرات کا بتہِ دل سے شکریہ بھی ادا کیا جائے گا۔

ھٰذا وَمَا تَوفِیقِی اِلَّا بِاللّٰہ۔

یٰسٓ اختر مصباحی

دارالقلم، قادری مسجد روڈ

ذاکر نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

موبائل: 09350902937

ای میل: misbahi786.mk@gmail.com

مؤرخہ

۱۶؍ربیع الاول ۱۴۳۸ء

۱۶؍دسمبر ۲۰۱۶ء

جمعۃ المبارکہ

خانوادۂ فرنگی محل کا ''وَرقۂ نسب''

شیخ الاسلام، ابواسمٰعیل، عبداللہ، انصاری، ہَروِی (وصال ۴۸۱ھ/۱۰۸۸ء) سے سلسلہ بہ سلسلہ، منتقل ہوتا ہوا، میزبانِ رسول (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) حضرت ابوایوب انصاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ تک، خانوادۂ فرنگی محل کا

''وَرقۂ نسب'' اِس طرح، متّصل اور مربوط و منسلک ہے:

(۱) مُلّا قطب الدین شہید، سہالوی (۲) بن مُلّا، عبدالحلیم (۳) بن مُلّا، عبدالکریم (۴) بن شیخ الاسلام، مُلّا احمد (۵) بن مُلّا، محمد حافظ (۶) بن شیخ فضل اللہ (۷) بن شیخ محی الدین (۸) بن شیخ شرف الدین (۹) بن شیخ نظام الدین (۱۰) بن قطب العالم، شیخ خواجہ علاءُ الدین (۱۱) بن خواجہ اسمٰعیل (۱۲) بن جمال الدین (۱۳) بن خواجہ داؤد (۱۴) بن خواجہ عزیز الدین (۱۵) بن خواجہ جمال الدین (۱۶) بن خواجہ دوست محمد (۱۷) بن خواجہ، پیر، غیاث الدین (۱۸) بن پیر مُعزّ الدین (۱۹) بن پیر حبیب اللہ (۲۰) بن خواجہ شمس الدین (۲۱) بن خواجہ جلال الدین (۲۲) بن خواجہ ظہیر الدین (۲۳) بن خواجہ سلطان محمد (۲۴) بن خواجہ نظام الدین (۲۵) بن خواجہ شہاب الدین (۲۶) بن محمود (۲۷) بن ایوب (۲۸) بن جابر (۲۹) بن مقرّب باری (۳۰) بن خواجہ ابواسمٰعیل عبداللہ، انصاری، ہَروِی (۳۱) بن ابومنصور محمد (۳۲) بن ابومعاذ (۳۳) بن محمد (۳۴) بن احمد (۳۵) بن علی (۳۶) بن جعفر (۳۷) بن منصور، انصاری۔

(۳۸) بن حضرت ابوایوب، انصاری، خزرجی، مدنی (میزبانِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِم اَجْمَعِیْن۔

(''اغصانِ اربعہ'' (فارسی) مؤلّفہ: مولانا ولی اللہ، فرنگی محلی (متوفی ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء)

بحوالہ ص ۳۔ ''باقیات''، بقلم: مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی۔ متوفی ۱۴۱۰ھ/فروری ۱۹۹۰ء۔ مطبوعہ فرنگی محل لکھنؤ ۲۰۰۹ء

عُلماے فرنگی محل (لکھنؤ) کا سلسلۂ علم وحکمت

خانوادۂ فرنگی محل، لکھنؤ کے مورثِ اعلیٰ، مُلّا، قطبُ الدین شہید، سہالوی (ولادت تقریباً ۱۰۴۰ھ
شہادت ۱۹/رجب ۱۱۰۳ھ/۲۷/مارچ ۱۶۹۲ء) ہیں۔ رَحْمَةُ اللهِ تَبارَک وَتَعالیٰ عَلَیْہِ۔
سہالی، اَوَدھ (ضلع بارہ بنکی، صوبہ اتر پردیش) کے، مُلّا، قطب الدین شہید، انصاری کا
سلسلۂ نسب بواسطۂ شیخ الاسلام، ابو اسمٰعیل، عبد الله، انصاری، ہَرَوِی (ہرات، افغانستان۔
متوفی ۴۸۱ھ/۱۰۸۸ء) میزبانِ رسول، حضرت ابوایوب انصاری، رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ سے جاملتا ہے۔
''تذکرہ عُلماے فرنگی محل''، مؤلّفہ مولانا محمد عنایت الله، فرنگی محلی (ولادت ۱۳۰۶ھ/
۱۸۸۸ء۔ وفات ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء)، مطبوعہ فرنگی محل، لکھنؤ ۱۹۳۰ء سے پہلے کی مطبوعہ
ایک نایاب کتاب ''عُلماے فرنگی محل'' مؤلّفہ شیخ الطاف الرحمٰن قدوائی
(بڑا گاؤں، ضلع بارہ بنکی۔ صوبہ اتر پردیش۔ متوفی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء)
شائع کردہ: محمد عبد الله صدیقی، در مطبع مجتبائی، لکھنؤ
اِس وقت، پیشِ نظر ہے۔
شیخ الطاف الرحمٰن، قدوائی، حضرت مولانا عبد الباری، فرنگی محلی (وصال رجب ۱۳۴۴ھ/
جنوری ۱۹۲۶ء) رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْہِ کے شاگرد ہیں۔
اپنی تعارفی وسوانحی کتاب ''اَحوالِ عُلماے فرنگی محل'' میں، میزبانِ رسول، حضرت ابوایوب
انصاری، رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ کی اولاد میں سے ایک عالم ومحدّث وعارف
حضرت شیخ الاسلام، عبد الله انصاری (متولد ۳۹۶ھ۔ متوفی ۴۸۱ھ/۱۰۸۸ء) کے تعارف میں
شیخ الطاف الرحمٰن، قدوائی لکھتے ہیں کہ:

''آپ کی اولاد، نہ تھی۔ آپ نے اپنے بھانجے، یا۔ نواسے کو، اپنا بیٹا بنایا۔
اوران کی اولاد، آپ کی طرف، منسوب ہوئی۔

چنانچہ، ایک گروہ اہلِ ہَرات کا، حضرت استاذُ الھند، مولانا نظام الدین محمد کے پاس آیا
اور اس نے اِس واقعہ کو، بیان کرکے کہا کہ:

''آپ لوگ، سید ہیں۔ اِس لئے کہ اون کی ہمشیرہ، یا۔ صاحبزادی
سادات میں، بیاہی ہوئی تھیں۔''

مولانا (نظام الدین محمد، سہالوی) رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْه نے جواب دیا کہ:
"ہم، ایسی بے اصل مشہور روایتوں کی وجہ سے، اپنے اوس نسب کو
جو، برابر، اپنے آبا سے سنتے چلے آئے ہیں اور تواریخ بھی، اس کی تائید کرتی ہیں
بدل نہیں سکتے۔"
"اگر، تم لوگ سچے ہو، تو، یہ شرف، ہم، قیامت کے لئے اُٹھا رکھتے ہیں۔
دنیا میں، ہم، انصاری ہیں۔ اور یہ فضل، ہمارے واسطے کوئی کم نہیں ہے۔"
کتب تاریخ اور اَنساب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:
حضرت عبداللہ، انصاری کے بیٹے، اسمٰعیل نامی تھے۔
جن کی وجہ سے آپ کی کنیت، ابواسماعیل تھی۔ اور انھیں سے، آپ کا سلسلۂ نسب، جاری ہوا۔
ہندوستان میں، اور بھی خاندان، علاوہ، اس فرنگی محل کے، آپ کی اولاد میں ہیں۔
اور مشہور و معروف عُلما و فُقرا، آپ کی اولاد سے گذرے ہیں۔"
(حاشیہ: ۔ چنانچہ، عُلمائے پانی پت اور کرانہ اور سنبھل اور برناوا، اور فتح پور اور اہلِ سہالی بھی
انھیں کی اولاد میں ہیں۔ الطاف الرحمٰن)
ہرات سے حضرت خواجہ، جلال الدین بن خواجہ سلیم بن خواجہ اسمٰعیل بن عبداللہ، انصاری
بطورِ جہاد، ہندوستان میں تشریف لائے اور قریہ، سرسل میں قیام کیا۔
ایک مدت تک، درس و تدریس میں بھی، وہاں مشغول رہے۔
اور خانقاہ اور مسجد بھی، وہاں، تعمیر کرائی۔
.......آپ کی اولاد میں، بہت بڑے بڑے عُلما اور فُضلا گذرے ہیں۔
خاندانِ بَرناوہ (قریب دہلی کے ایک قریہ ہے) کے بھی اکابر ہیں۔ اون کے اَحوال
رسالۂ چشتیہ اور تکملۂ خیرالعمل اور مقدمۂ فتاویٰ قِیَامُ الْمِلَّةِ وَالدِّین میں، مکتوب ہیں۔
منجملہ ان کے، مخدوم بدرالدین بن مخدوم شرف الدین بن خواجہ فضیل بن خواجہ کلاں
بن خواجہ داؤد بن خواجہ حامد بن خواجہ جلال الدین ہیں۔
انھوں نے، دہلی میں علومِ عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کی اور عالمِ متبحر ہوئے۔
اور درس و تدریس میں، مدت تک، مشغول رہے۔
ایک مدرسہ، منارۂ شمسیہ (قطب صاحب کی لاٹ، مہرولی، دہلی) کے پاس بنایا

اوراوس کو نہایت درجہ رونق دی۔ایک مدت تک تو، درس وتدریس میں مشغول رہے
پھر، دنیا کو ترک کر کے حضرت خواجہ نصیرالدین، چراغ دہلی کے ہاتھ پر، بیعت کی اور خلافت
حاصل کی۔

شیخ، قُدِّسَ سِرُّہٗ نے حکم دیا کہ: موضع بَرناوا میں سکونت کرواور نکاح بھی، اپنا کرلو۔''
اگر چہ، ضعیف ہوگئے تھے، مگر، بحکم شیخ، نکاح کیا۔
شیخ قُدِّسَ سِرُّہٗ نے، یہ بھی فرمایا تھا کہ:
''تمہارے، ایک لڑکا ہوگا۔اس کا نام، میرے نام پر، رکھنا۔''
چنانچہ، ایک صاحبزادے، پیدا ہوئے اوراون کا نام، نصیرالدین رکھا گیا۔
مخدوم بدرالدین نے ۲۵رشوال ۷۸۲ھ میں، وفات پائی۔
مخدوم نصیرالدین نے اپنے والد کی بیعت کی اور عالم وفاضل، صاحبِ کرامات وخرقِ عادات
ہوئے۔نوے (۹۰) سال کی عمر میں، یا۔ننانوے (۹۹)
یا۔ایک سو، ایک (۱۰۱) برس کی عمر میں ۱۱رذوالحجہ ۸۴۹ھ، یوم یک شنبہ کو، وفات پائی۔
آپ کے صاحبزادے، مخدوم، علاءُالدین ہوئے۔
مخدوم، مُلّا علاءُالدین کالقب، بزرگ ہے۔آپ نے علوم عقلیہ ونقلیہ
اپنے والد ماجد اور مولانا افتخارالدین سے تحصیل کیے اور صاحبِ ارشاد ہوئے۔
چنانچہ، علاءُالدین خلجی، شاہِ دہلی، آپ کے مُریدتھے۔
۲۱رشوال ۸۷۶ھ میں، وفات پائی اور موضع شیخ پورہ، راپڑی میں
اپنے والدِ بزرگوار کے مقبرہ میں، دفن ہوئے۔
آپ کے صاحبزادہ، مخدوم، نظام الدین تھے۔
سرزمینِ اَوَدھ، جن کی وجہ سے مشرّف ہوئی ہے، وہ، یہی بزرگ (مخدوم، نظام الدین) ہیں۔
انھوں نے حفظِ قرآن سے فراغت کر کے تحصیلِ علم کیا۔اورایک مدت تک، درس وتدریس
میں مشغول رہے۔ہَرات کا بھی ایک سفر کیا۔وہاں سے واپسی کے وقت، بَرناوا میں آکر
ایک خانقاہ بنوائی۔بعداوس کے، اَوَدھ میں قصبہ سہالی ضلع بارہ بنکی میں آکر، توطّن اختیار کیا
اور وہیں، انتقال فرمایا۔اور کچھ تھوڑے فاصلہ پر، سہالی کی آبادی سے، دفن ہوئے۔
دفن گاہ ان کی، اِس وقت تک ''روضہ'' کر کے مشہور ہے۔''

(ص ۷ تا ۹۔ "اَحوالِ عُلماے فرنگی محل"۔ مؤلفہ الطاف الرحمٰن، قدوائی۔ مطبع مجتبائی، لکھنؤ)

اس سے آگے، ذکرِ مخدوم نظام الدین میں، شیخ الطاف الرحمٰن قدوائی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"جہاں تک، تاریخ سے پتہ چلتا ہے، یہ بات، ظاہر ہوتی ہے کہ:

شیخ الاسلام، عبداللہ، انصاری سے لے کر، اِس وقت تک

اِس خاندان میں، برابر، سلسلہ وار، علم چلا آرہا ہے۔

چنانچہ، حضرت مُلّا، نظام الدین مذکور کے بعد سے، تو، کوئی شبہ نہیں کہ:

علی التسلسل، یکے بعد دیگرے، خاندانِ فرنگی محل میں، عُلما ہوتے چلے آرہے ہیں۔

چنانچہ، آپ کے فرزند، شیخ شرف الدین، عالم فاضل مدرس تھے۔

یہ بھی اپنے والد کی قبر کے پاس، مدفون ہوئے۔

آپ کے پوتے، شیخ الاسلام، مُلّا، محمد حافظ بن شیخ فضل اللہ، مشہور و معروف عُلما میں سے ہیں۔ اور دور دراز سے طلبہ، آپ کے پاس، تحصیلِ علم کی غرض سے آتے تھے۔

چنانچہ، آپ کے مدرسہ میں اتنی جماعت کثیر طلبہ کی تھی، جس کے اِخراجات وخورد ونوش کے واسطے، بادشاہ اکبر نے ایک کثیر رقبہ زمین، معاف کی تھی۔

جیسا کہ، فرمانِ خطی شاہ اکبر سے معلوم ہوتا ہے۔ جو، اَب تک موجود ہے۔

مُلّا، محمد حافظ کی اولاد، اِس وقت تک، علاوہ فرنگی محل کے خاندان کے، اور بھی ہے۔

آپ کا انتقال، سہالی میں ہوا۔ اور درمیان قصبہ، اور "روضہ" کے، ایک باغ میں دفن ہوئے۔

اور آپ کی قبر کی جگہ پر، آپ کی اولاد کے بھی، کچھ لوگ، دفن ہیں۔

آپ کے فرزند، مُلّا احمد، عالم فاضل تھے اور اون کے فرزند، مُلّا عبدالکریم تھے۔ عالم فاضل متبحر تھے۔ ان دونوں کے متعلق، کوئی خاص بات ایسی نہیں ہے، جو، مذکور ہو۔

مُلّا، عبدالکریم کے صاحبزادے، مُلّا، عبدالحلیم نے عبدالسّلام، دیوی سے کتبِ درسیہ پڑھیں۔

مُلّا، عبدالسّلام، دیوی، اس زمانے میں لاہور کے مدرسے میں مدرس تھے۔

مُلّا، عبدالحلیم بھی بعد تحصیل کے، ایک مدت تک، اوسی مدرسہ میں مدرس رہے ہیں۔

آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا، ہدایہ اِس وقت تک، فرنگی محل میں موجود ہے۔

مُلّا، عبدالحلیم کے صاحبزادے، مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی تھے۔ جن کی اولاد میں یہ خاندان، فرنگی محل کا ہے کہ سوا، اِس خاندان کے، اوران کی اولاد، نہیں ہے۔

مُلّاؔ، قطب الدین، سہالی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی علوم اپنے والدِ بزرگوار کے ہمراہ لاہور کے مدرسہ میں تحصیل کیے۔ اور مُلّاؔ، دانیال جوراسی، شاگردِ مُلّا عبد السّلام، دیوی سے بھی تعلیم پائی۔ پھر، حضرت قاضی گھانسی، الہ آبادی، خلیفہ حضرت شیخ محب اللہ، الہ آبادی سے علومِ ظاہری و باطنی کی تحصیل کی۔ اور سلسلہ صابریہ چشتیہ میں، اَخذِ بیعت کی۔

اور علمِ اصولِ فقہ، معانی اور منطق اور طبعی اور اِلٰہی اور ریاضی

اور فنونِ عربیہ اور حدیث میں مرتبہ کمال، حاصل کیا۔

ایک مدت تک، درس و تدریس میں مشغول رہے۔ یہاں تک، کثرت سے تلامذہ تھے کہ صاحبِ مَآثِرُ الْکِرَام، سید غلام علی آزاد، بلگرامی لکھتے ہیں کہ:

اکثر عُلمائے ہند کا سلسلہ تلمذ، مُلّا، قطب الدین، سہالوی تک، تمام ہوتا ہے۔

اور لکھتے ہیں کہ: مُلّا، قطب صاحب کی تصنیف میں سے

حاشیہ شرحِ عقائد دَوّانی بہت، دقیق تھا۔"

صاحب "خَیْرُ الْعَمَل" تحریر کرتے ہیں کہ:

اون کی تصانیف میں سے زیادہ مشہور، حاشیہ تلویح اور حاشیہ شرحِ عقائدِ نسفی اور تفریعاتِ بزدوی اور حاشیہ مطوّل اور رسالہ، در تحقیقِ دارُالحرب اور حاشیہ شرح حکمۃُ العَین تھی۔

مگر، افسوس کہ، یہ تصانیف، اون کے معرکہ شہادت میں جل کر، خاکستر ہو گئیں۔

یومِ دوشنبہ، انیسویں رجب ۱۱۰۳ھ میں، تریسٹھ (۶۳) برس کی عمر میں آپ کے بعضے دشمنوں نے آپ کو شہید کیا۔ قصہ شہادت آپ کا مُحضرِ مُلّا سعید سے کَمَا حَقُّہٗ ظاہر ہوتا ہے۔"

(ص ۹ تا ص ۱۱۔ "اَحوالِ عُلمائے فرنگی محل"۔ مؤلفہ شیخ الطاف الرحمٰن، قدوائی۔ مطبع مجتبائی لکھنؤ)

مُلّاؔ، قطب الدین شہید، سہالوی کے والد، مُلّاؔ، عبد الحلیم کے استاذ، مُلّاؔ، عبد السلام، دیوی کے بارے میں، سید غلام علی آزاد، بلگرامی (متوفی ۲۵ ذی قعدہ ۱۲۰۰ھ) تحریر فرماتے ہیں:

"دیوہ، مضافاتِ اَوَدھ (دیوہ، ضلع بارہ بنکی۔ صوبہ اتر پردیش، انڈیا۔ مصباحی) میں ہے۔

اَصنافِ علوم، خصوصاً عربی، آپ نے اپنے وطن میں تحصیل کی۔

قسمت نے، انھیں، مُلّاؔ، عبد السّلام، لاہوری تک، لاہور پہنچا دیا۔

مُلّاؔ، عبد السلام، دیوی نے جو کچھ پڑھا تھا، اُس کی مُلّاؔ، عبد السلام، لاہوری کی خدمت میں تصحیح کی اور اپنے استاد کے قدم بہ قدم چلے۔

دونوں کے نام میں جس طرح، یکسانیت ہے، اُسی طرح، فضیلت میں بھی برابری کا رتبہ، حاصل کیا۔
کچھ دنوں تک، طلبہ کو تعلیم دینے میں مصروف رہے۔ اس کے بعد
صاحبِ قراں، شاہجہاں کے ساتھ، وابستہ ہو کر، فوجیوں کے اُمورِ قضا پر، مامور، رہے۔
بڑھاپے میں منصبِ قضا سے مستعفی ہو کر، لاہور میں گوشہ نشینی، اختیار کر لی۔
اور تشنگانِ علوم کو، اپنے علم سے فیض یاب و سیراب کرتے رہے۔
اِسی دَوران، تفسیر بیضاوی کا ایک حاشیہ بھی تحریر کیا۔"

(ص ۳۴۷۔ مَآثِرُ الْکِرام۔ مؤلّفہ: سید غلام علی آزاد، بلگرامی۔ اردو ترجمہ از مولانا محمد یونس، مونس اویسی جامعۃ الرضا، متھرا پور۔ بریلی شریف۔ یوپی۔ طبعِ اول ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء)

مُلّا، عبد السّلام، دیوی، اَوَدھی کے استاد، مُلّا، عبد السّلام، لاہوری کے بارے میں سید غلام علی آزاد، بلگرامی تحریر فرماتے ہیں:

آپ، مَعدنِ علومِ عقلیہ و نقلیہ تھے۔ اور فنونِ ادب فقہ و اصول کے بھی اچھے عالم تھے۔
میر فتح اللہ، شیرازی وغیرہ سے تعلیم، حاصل کی۔
اور تقریباً ساٹھ (۶۰) سال تک، خدمتِ درس و تدریس، انجام دیتے رہے۔
ایک بڑی جماعت کو مرتبۂ علم و فضل کا، حامل بنایا۔
اور تفسیرِ بیضاوی کا ایک حاشیہ بھی تحریر کیا۔ تقریباً نوے (۹۰) سال کی عمر پائی۔
آپ، فرماتے تھے کہ کتبِ متداولہ پر:
میرے بہت سے اعتراضات تھے، جنھیں، میں نے اہلِ علم کے سامنے رکھا، جسے سب نے درست، قرار دیا۔ لیکن، تدریس میں کثرتِ مشغولیت کی وجہ سے کچھ لکھنے کی فرصت نہیں ملی۔
اب، جب کہ ضعیفی نے گھیر لیا ہے، قوتِ حافظہ میں بھی کمزوری آ گئی ہے
تو، وہ باتیں، ذہن سے نکل چکی ہیں۔
اپنے تصورات و خیالاتِ ذہنی کے تحلّل و مفقود ہو جانے پر آپ، اظہارِ افسوس کیا کرتے تھے۔
۱۰۳۷ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔"

(ص ۳۴۸۔ مَآثِرُ الْکِرام۔ مؤلّفہ: سید غلام علی آزاد، بلگرامی۔ مطبوعہ بریلی ۲۰۰۸ء)

مُلّا، عبد السّلام، لاہوری (متوفی ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۸ء) کے استاذ، میر فتح اللہ، شیرازی (متوفی ۹۹۷ھ۔ در کشمیر) کی وجہ سے منطق و فلسفہ کی ترویج و اشاعت ہوئی۔

اور تقریباً تین صدی تک، ہندوستان کے اندر، معقولات کی گرم بازاری رہی۔ جس کا مرکز اَوَدھ تھا۔ اور اس کے علم بردار، علماے فرنگی محل وعلماے سندیلہ وگوپامئو وجون پور وخیرآباد تھے۔

اور اب اس کی محفل، اُجڑ چکی ہے۔ بساط، پلٹ چکی ہے۔

اور شمع، جھلملاتے ہوئے گُل ہو چکی ہے۔ رہے نام، اللہ کا۔

فرنگی محلی فیضانِ علم وحکمت

''درسِ نظامی'' سرزمینِ متحدہ ہند کے عظیم فرزند، اُستاذُ الھند، مُلّاً، نظام الدین محمد، سہالوی فرنگی محلی (ولادت ۱۰۹۰ھ یا ۱۰۹۱ھ/ ۱۶۷۸ء۔ وصال ۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ء)

فرزندِ مُلّاً، قطب الدین، سہالوی (شہادت ۱۹؍رجب ۱۱۰۳ھ/ ۲۷؍مارچ ۱۶۹۲ء)

کے ذہنِ رَسا وفکرِ بلند کا ایک تاریخ ساز نمونہ ہے۔

متحدہ ہندوستان کے مختلف علاقوں، بالخصوص، صوبہ متحدہ اَودھ وآگرہ، یعنی موجودہ صوبہ اتر پردیش کے سیکڑوں مدارسِ اسلامیہ میں، صدی دوصدی قبل بھی، یہی درسِ نظامی، رائج تھا۔

اور عہدِ حاضر میں بھی، اپنی بدلی ہوئی ہیئت کے ساتھ، یہی درسِ نظامی سیکڑوں مدارسِ ہندوپاک میں، داخلِ نصاب ہے۔

جس سے ہزاروں طلبہ، مستفید وسیراب اور فیض یاب ہورہے ہیں۔

اور آج بھی، اس کی اہمیت وافادیت میں کسی دیدہ وَر اور ژرف نگاہ عالم ومدرّس کو کسی طرح کا انکار واضطراب، نہیں ہے۔

اگر، کسی کو کچھ کلام ہے، یا۔ کسی طرف سے کوئی آواز آتی ہے

تو، داخلِ نصاب علوم وفنون میں عصری تقاضے، ملحوظ رکھنے کی ہے۔

جسے، اگر بنظرِ غائر، اور نگاہِ انصاف سے دیکھا جائے

تو، یہ ''درسِ نظامی'' اپنی تدوین وترتیب اور نفاذ واجرا کے لحاظ سے خود، اپنے عہد کے تقاضے کی تکمیل ہے۔

ایسی صورت میں، یہ حقیقت، واضح ہے کہ:

اسلامی علوم وفنونِ مقصودہ کی تعلیم وتحصیل کے ساتھ ہی مذہبی تقاضوں کی تکمیل کے لئے عصری علوم وفنونِ آلیہ کی تحصیل ہی ''درسِ نظامی'' کا بنیادی مقصد ہے۔

اِس حقیقت کو ''درسِ نظامی'' سے وابستہ بعض حضرات، یا۔ اس کے کچھ ناقدین، نہ سمجھیں۔

اور اس کی خاطر خواہ رعایت، نہ کرسکیں

تو، یہ ''درسِ نظامی'' کا نہیں، بلکہ اس کے بعض حامیوں کی کوتاہ نظری، یا غفلت و بے عملی
یا۔ اس کے بعض انتہا پسند ناقدوں کی بے خبری و بے بصری اور جسارتِ بے جا ہے۔
جس سے درسِ نظامی، برئُ الذِّمّہ اور اس کا دامن، بالکل بے داغ و بے غبار ہے۔
''درسِ نظامی'' کی اِستعداد آفرینی، مسلّم ہے۔ اس نے ایسے جلیل القدر علما و فُضلا
پیدا کیے ہیں، جنھیں اپنے دَور کا وقار و افتخار قرار دیا جانا چاہیے۔
کامل اساتذہ اور متبحر علما کی فہرست بنانے اور ان کا نام، شمار کرانے کی ضرورت نہیں۔
جن حضرات کا تاریخی مطالعہ ہے، اُن کی نگاہوں کے سامنے
بہت سی ایسی صورتیں، یا۔ اُن کے نام، گردش کرنے لگے ہوں گے
جن کی نظیر، اپنے زمانے میں تھی، اور نہ آج
خطۂ ہندو پاک کے کسی گوشے میں، اُن کا کوئی مثیل و نظیر ہے۔
ذہن نشین رہے کہ کل کا ''مُلّا'' ہی ''استاذُ الھند''، ''بحر العلوم''، ''امامُ الھند''
''استاذِ مطلق'' اور ''استاذُ الاساتذہ''، ہوا کرتا تھا۔
زیرِ نظر کتاب میں، یا۔ جہاں، کہیں، صدی دو صدی پیشتر کے
''مُلّا'' سے سابقہ پڑے، آپ، یہ باور کریں کہ:
یہ، وہی ''مُلّا'' ہے جس کے پایہ کا کوئی عالم و مدرِّس و صدرُ المدرسین و شیخ الحدیث
آج کے مدارس و مراکز میں
اور کوئی دانشور و پروفیسر، آج کی یونیورسٹیوں میں
ڈھونڈھنے سے بھی نہیں مل پائے گا۔
ہاں! آج کا ''مُلّا'' یقیناً، وہی سمجھا جاتا ہے
جو، عموماً، صرف علم نہیں، بلکہ عقل سے بھی، کوسوں دور ہوتا ہے۔
اور مسلم معاشرے میں، اس کی حیثیت کسی ''شئے زائد'' اور ''مَدِ فاضل'' کے علاوہ، کچھ نہیں ہوتی۔
جسے ''بیچارہ مُلّا'' اور ''قابلِ رحم مُلّا'' کے سوا، کچھ نہیں سمجھا اور کہا جاتا ہے۔
آج، نہ کہیں، کوئی ''مُلّا حَسَن'' ملے گا، نہ کوئی ''مُلّا مُبین''، نہ کوئی ''مُلّا اَعلم''
نہ کوئی ''مُلّا کمال'' جن کے علم و فضل اور جن کی دیدہ وَری و نکتہ رسی کی گونج
کسی زمانے میں لکھنؤ سے دہلی اور ملتان و لاہور سے گذر کر، وَسطِ ایشیا تک تھی۔

''درسِ نظامی'' میں شامل علوم وفنون اور کتبِ درسیہ کے کسی تعارف وتبصرہ کی
اور اِس تحریر میں کسی تحقیق وتفصیل کی ضرورت، نہ محسوس کرتے ہوئے
اِختصار کے ساتھ ہی، اس کے تعلق سے کچھ گفتگو کی جائے گی۔
''درسِ نظامی'' کے بارے میں ماضی قریب کے ایک فرنگی محلی عالم
مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی (استاذِ شعبۂ دینیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ یوپی۔
متوفی ۱۴۱۰ھ/فروری ۱۹۹۰ء) نے جو کچھ لکھا ہے، اُس کا ایک خلاصہ، درج ذیل ہے۔
جس میں کتب ومخطوطات کے حوالے، کتاب ''بانیِ درسِ نظامی'' مؤلّفہ مفتی محمد رضا
انصاری، فرنگی محلی سے ہی، دیے جارہے ہیں۔
مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ:
''درسِ نظامی'' کا مقصود ہے: طلبہ کو، اُن کتب کی تعلیم دینا
جن کے ذریعہ، متعلقہ علم وفن کی اِستعداد اور ملکہ، ان کے اندر پیدا ہوجائے
اور پھر، وہ اپنے طور پر، باقی کتب کا مطالعہ کرکے، انھیں، سمجھ سکیں۔''
اِس مقصود کی تحصیل میں ''درسِ نظامی'' کامیاب تھا۔ اور اب بھی کامیاب ہے۔
اور اگر، طالبِ علم، اپنی غفلت وکوتاہی سے دیگر کتابوں کا مطالعہ، نہ کرے
تو، یہ اُس کا نجی اور ذاتی قصور ہے۔ جس سے ''درسِ نظامی'' کا دامن، پاک ہے۔
''درسِ نظامی'' کے آغاز کا سلسلہ، بعض حضرات
مُلّا قطب الدین شہید، سہالوی سے کرتے ہیں۔
اگر، صورتِ واقعہ کچھ ایسی بھی ہو، تو، مُلّا، قطب بھی
صرف علومِ عقلیہ نہیں، بلکہ علومِ قرآن وحدیث وفقہ کے بھی، متبحر عالم وفاضل تھے۔
اس کا واضح وصریح ثبوت، اُس محضر نامہ میں پایا جاتا ہے
جسے، آپ کی شہادت (۱۱۰۳ھ/۱۶۹۲ء) کے بعد، آپ کے صاحبزادگان وعلما وعمائدین نے
سلطان اورنگ زیب عالم گیر کی خدمت میں پیش کیا تھا کہ:
مُلّا، قطب الدین کے اپنے کتب خانہ میں، نوسو (۹۰۰) کتابیں تھیں۔ (جو، حملہ آوروں نے
جلادیں) ان میں قرآن شریف کے چار نسخے اور مشکوٰۃ وغیرہ، حدیث کی کتابیں تھیں۔''
(وہ سب، جل گئیں)

اِس مَحضر نامہ میں، مسطور ومذکور ہے کہ:

"درس اور عبادت سے فرصت کے اوقات میں مُلّا، قطب الدین، سہالوی
علومِ تفسیر وحدیث وفقہ واصولِ فقہ میں، تصانیف کیا کرتے تھے۔"

مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی اپنے نامور والد (مُلّا، قطب الدین، سہالوی) کے علوم وفنون کے وارث تھے۔ انھیں، سندِ علمِ حدیث، شیخ محمد، مغربی، تلمسانی سے حاصل تھی، جو، آپ کے شاگرد بھی تھے۔

مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی (وفات ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) لکھتے ہیں کہ:

ایک کتاب کی پُشت پر میں نے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ، استاذُ الھند (مُلّا، نظام الدین محمد) نے، سندِ حدیث، اپنے شاگرد، مُلّا، محمد، مغربی، تلمسانی سے حاصل فرمائی تھی۔" وَاللّٰہُ تعالیٰ اَعْلَم۔

(ص ۱۸۲۔ "تذکرۂ علماے فرنگی محل"۔ مؤلّفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی۔ مطبوعہ اشاعت العلوم۔ فرنگی محل لکھنؤ۔ ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء)

مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی، فُصُوص اور، مشکوٰۃ وصحیح بخاری کا بھی، درس دیا کرتے تھے۔
انھیں، اپنے استاذ، مُلّا، غلام نقشبند، لکھنوی سے سندِ حدیث، ضرور ملی ہوگی۔

اور علومِ حدیث میں آپ کی وُسعتِ نظر، آپ کے ایک رسالہ "اَحْوَالُ وُضُوءِ النَّبِیّ" سے ظاہر ہوتی ہے۔

اس کا ایک اِقتباس، مفتی مظہر کریم، دریابادی (وفات ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۳ء) کے مجموعۂ فتاویٰ (مخطوطہ، مخزونہ کتب خانہ مولانا عبدالماجد، دریابادی) میں، موجود ہے۔

شاہ شاکر اللہ، سندولوی (وصال ۱۱۸۸ھ/۱۷۷۴ء۔ شاگردِ مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی وخلیفہ سید شاہ اسمٰعیل، بلگرامی ثم مَسَوْلِوِی۔ مصباحی) کے اَحوال میں، درسِ صحیح بخاری کے ایک واقعہ کا ذکر مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی کے حقیقی پوتے، مُلّا، عبدالاعلیٰ، فرنگی محلی (وصال ۱۲۰۷ھ) نے اپنے رسالہ قُطبیہ (مخطوطہ) میں کیا ہے۔

اور درسِ بخاری دینے والے استاذ، مُلّا، نظام الدین محمد کا نام لے کر
اس واقعہ کا ذکر اپنی دوسری تصنیف "مَحاسِنِ رزّاقیہ" میں کیا ہے۔

("مَحاسِنِ رزّاقیہ" از مُلّا، عبدالاعلیٰ۔ مخطوطہ۔ مخزونہ مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ یہ شرح ہے "مَناقِبِ رزّاقیہ" مؤلّفہ مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی کی۔
جس کا دوسرا ایڈیشن، شاہی پریس، لکھنؤ سے ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں، شائع ہوا)

مُلّاؔ، عبدالاُ علیٰ، فرنگی محلی (وصال ۱۲۰۷ھ) فرزندِ بحرالعلوم، مولانا عبدالعلی، فرنگی محلی (وصال ۱۲۲۵ھ) درسی کتب کے بارے میں لکھتے ہیں:

(فارسی سے ترجمہ) جان لینا چاہیے کہ ہر ایک استاذ کے پڑھانے کا انداز زمانہ اور حصولِ اِستعداد کے لحاظ سے، جُداگانہ، رہا ہے۔

اِس لئے کہ مُلّاؔ، قطب شہید، ہر فن کی ایک ہی کتاب جو اپنے موضوع پر بہترین ہوتی اُسے پڑھاتے تھے اور ان کے تلامذہ، صاحبِ تحقیق ہو جاتے تھے۔

مُلّاؔ، نظام الدین محمد، ہر علم کی، دو دو کتابیں اور بعض ذہین طلبہ کو، ایک ایک کتاب پڑھاتے تھے۔

بحرالعلوم (مولانا عبدالعلی، فرزندِ مُلّاؔ نظام الدین محمد، سہالوی، فرنگی محلی) بعض طلبہ کو ایک ایک، بعض کو، دو دو، اور بعض طلبہ کو، تین کتابیں، ہر علم و فن کی پڑھاتے تھے۔

یعنی، طلبہ کی اِستعداد کے مطابق، کتابوں کی تعداد کا، تعیُّن کرتے تھے۔

راقم (مُلّاؔ، عبدالاُ علیٰ، فرنگی محلی) نے اپنے زمانے کے طلبہ کی اِستعداد کے پیشِ نظر تدریس کا ایک بہت ہی اچھا طریقہ، مقرّر کیا ہے۔

جس سے طالب علم کے اندر کتاب کا مطلب سمجھنے اور علم و فن کے دوسرے پہلوؤں کے حصول کی اچھی استعداد، پیدا ہو جاتی ہے اور تحصیلِ علم سے جلد ہی فراغت اور تکمیل بھی ہو جاتی ہے۔"

(ترجمہ "رسالہ قُطبیہ" از مُلّاؔ، عبدالاُ علیٰ، فرنگی محلی۔ مخطوطہ۔ فرنگی محل، لکھنؤ)

مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی اپنی تحقیق و تجربہ کا خلاصہ، اِن الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"**وَاَبِ تدریس**" میں "**موافقِ زمانہ اِستعداد**" اور ردّ و بدل کرنا خود "**درسِ نظامی کے ھیولیٰ**" میں شامل، نظر آتا ہے۔

اِس لئے فکر و نظر اور حالات کے انقلاب کے ساتھ، اگر، اس درس میں تبدیلی کی جاتی ہے تو، اس کے قدر دانوں کو، ذرا بھی، شاق، نہ گذرنا چاہیے۔

اور نہ، تبدیلی کے مطالبہ کو، کسی مُعانِدانہ رَوَیّہ پر محمول کرنا چاہیے۔ خواہ، اس مطالبہ کے اظہار میں بعض پُر جوش طبیعتوں کی طرف سے ایسا ہی انداز کیوں نہ اختیار کیا گیا ہو جو مُعانِدانہ نظر آتا ہو۔

"**تدریسی نظریات**" مسلسل تجربوں کے نتیجے میں بہت کچھ بدلے ہیں۔

اور برابر بدلتے جا رہے ہیں۔ اور آج کی تیز رفتار دنیا میں ترقی کی رفتار بھی، بہت تیز ہو گئی ہے۔

"درسِ نظامی" کو، اگر، اِس پہلو سے دیکھا جائے کہ:
اِس تعلیمی وتدریسی تجربے کو کتنے طویل عرصے تک، اِستحکام، حاصل رہا
اور اس کی مقبولیت کی وُسعت، کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی؟
تو، یہی پہلو، اس کا خاطر خواہ امتیاز، نظر آئے گا۔"

(ص ۲۶۳۔ "بانیِ درسِ نظامی، استاذُ الہند، مُلّا نظام الدین محمد، فرنگی محلی"۔ مؤلفہ مفتی محمد رضا انصاری، فرنگی محلی مجلسِ صحافت ونشریات، ندوۃُ العلما، لکھنؤ۔ ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء)

"درسِ نظامی" کا وجود ہی، حالاتِ زمانہ کی رعایت اور تغیُّر وتبدُّل کی واضح دلیل ہے۔
یہ درسِ نظامی، از خود بدلتا رہا۔ یہ عمل، واضح طور سے، اِس حقیقت کا، اِعلامیہ ہے کہ:
ہر زمانے کی ضرورت، الگ ہوتی ہے۔ اور تغیُّر پذیر زمانہ سے، مَفر نہیں کہ:
یہ تغیُّر وتبدُّل، اِس جہانِ موجودات ومخلوقات کا، مقدَّر رہے۔
اور، یہ تغیُّر وتبدُّل ہی، اِس کائنات کے زوال وفنا کی علامت، بلکہ واضح دلیل وبُرہان بھی ہے۔
"درسِ نظامی" سے متعلق ایک دانشور، راقِم سطور (یٰسٓ اختر مصباحی) سے تبادلۂ خیالات کرتے ہوئے ایک بار، بہت کچھ، گرج برس رہے تھے کہ:
"ان مدارس نے، سو (۱۰۰) سال پُرانے نصاب کو، اب بھی اپنے سینے سے لگا رکھا ہے۔
اور اس میں کسی تبدیلی کے، اب بھی، رَوادار نہیں۔"
میں نے، انھیں، متانت ومعقولیت کے ساتھ سمجھایا کہ:
آپ نے "درسِ نظامی" کے بارے میں جس طرح، کہیں، کچھ پڑھ لیا، سن لیا ہے
وہ، اَمرِ واقعی نہیں ہے۔ نصاب میں ہر دَور کے اندر تبدیلی ہوتی رہی ہے۔ اور ہوتی رہے گی۔
کسی بھی، دارُ العلوم کا نصاب اٹھا کر، آپ، مطالعہ اور پھر موازنہ کر لیں
تو، پچاس سال پہلے کے، اور آج کے نصاب میں، زمین آسمان کا فرق، نظر آئے گا۔
اِس سلسلے میں اگر، آپ، ہمارے الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ (یوپی۔ انڈیا) کے نافِذ ورائج نصابِ تعلیم کا مطالعہ کر لیں
تو، آپ، خود، اِس نتیجے تک پہنچیں گے کہ:
یہ نصاب، بہت جامع ہے، جسے "درسِ نظامی خیر آبادی" کا مجموعہ
اور تبدیل شدہ شکل میں اسے "درسِ امجدی" بھی کہا جا سکتا ہے۔

اور اتنا ہی نہیں، بلکہ اس نصابِ تعلیم کو، جدید ضرورت و معیار کے مطابق
قرار دیتے ہوئے آپ کا خود، یہ فیصلہ ہوگا کہ:

"یہ نصاب تو، نہایت جدید ہے۔ البتہ، میرا تبصرہ، سو (۱۰۰) سالہ قدیم ہے۔"

اِس نصاب کو "درسِ امجدی" نہیں کہا جائے گا، بلکہ جس طرح، خیرآبادی اضافہ کے باوجود
درسِ نظامی، درسِ نظامی ہی رہا، اسی طرح، امجدی ترتیب و تقدیم جدید کے باجود
اسے "درسِ نظامی" ہی کہا جاتا ہے اور کہا جائے گا۔

بِحَمْدِهٖ تَعَالیٰ، یہ جدید مرتّبہ نصاب، صوبہ اتر پردیش کے پچاس (۵۰) سے زائد
بڑے مدارس میں نافذ اور رائج ہو چکا ہے۔ اور اس کا سلسلہ، جاری اور روز افزوں ہے۔

"خانوادۂ فرنگی محل" لکھنؤ، صدیوں پر مُحیط، اپنی دینی و علمی خدمات کے لحاظ سے
اور اس خانوادہ کے طویل سلسلۂ عُلما و تعدادِ عُلما کے لحاظ سے
متحدہ ہندوستان کا وہ عظیم خانوادہ ہے، جس کی اسلامی تاریخِ ہند کے کسی دَور میں، کوئی مثال
نہیں ہے۔ صدیوں تک، اسے دینی و علمی اہمیت و عظمت و مرکزیت، حاصل رہی ہے۔

"سلسلۂ فرنگی محل" کی ایک دیرپا اور بیش بہا شاخِ ثمر بار "سلسلۂ خیرآباد" ہے

جس کے عُلما و تلامذہ، سلسلہ بہ سلسلہ، آج، سارے ہند و پاک کی دینی و علمی فضا پر چھائے
ہوئے ہیں۔ اور مدارس و جامعات میں، اسی سلسلہ سے وابستہ عُلما و مدرسین کا دبدبہ اور وقار ہے۔
جس میں "سلسلۂ خیرآبادی امجدی" کا کردار، سب سے ممتاز اور نمایاں ہے۔

بِفَضْلِهٖ تَعَالیٰ راقمِ سطور (یٰسٓ اختر مصباحی)

اسی خیرآبادی امجدی سلسلۂ علم و حکمت سے وابستہ ہے۔ جس کی تفصیل، اِس طرح ہے:

(۱) استاذِ گرامی، حافظِ مِلّت، مولانا الشّاہ عبدالعزیز، مرادآبادی محدّث مبارک پوری
(وصال ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء۔ بانی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور)

(۲) صدرُ الشّریعہ، مولانا محمد امجد علی، اعظمی، رضوی (وصال ۱۳۶۷ھ)

(۳) استاذُ العلماء، علّامہ ہدایت اللہ، جون پوری (وصال ۱۳۲۶ھ)

(۴) امامُ الحکمۃ والکلام، علّامہ فضلِ حق، خیرآبادی (وصال ۱۲۷۸ھ)

(۵) علّامہ فضلِ امام، فاروقی، خیرآبادی (وصال ۱۲۴۴ھ)

(۶) "سلسلۂ خیرآباد" "فرنگی محل کے سب سے دیرپا" "بارآور شاخ" ہے۔

۱۹۸۰ء سے پہلے کی بات ہے۔جب، راقمِ سطور (یٰسٓ اختر مصباحی) سَوادِ اعظم اہلِ سُنّت و جماعت کی عظیم مرکزی درسگاہ، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ (یوپی۔انڈیا۔) کا ادنیٰ خادم تدریس تھا۔اپنے ذوق ومزاج کے مطابق
علمائے فرنگی محل سے متعلق، جدید اسلوب میں جامع ومختصر تعارف وتذکرہ پر مشتمل ایک کتاب کی ضرورت کا اِحساس دِلاتے ہوئے مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی، استاذِ شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو، کئی خطوط لکھے، جن کے جوابات، آپ نے عنایت فرمائے۔
مفتی محمد رضا فرنگی محلی کا ایک حوصلہ افزا جوابی مکتوب، یہاں، ریکارڈ کے طور پر، پیش کیا جارہا ہے:

۳۰ رمحرم الحرام ۔۱۴۰۲ھ

۲۸ رنومبر ۱۹۸۱ء

عَزیز محترم! دَامَتْ مَعَالِیْکُم　　　　وَعَلَیْکُمُ السَّلامُ وَرَحْمَةُ اللهِ

آپ کے گرامی نامہ، مؤرخہ ۱۸ رنومبر (۱۹۸۱ء) کا جواب، قدرے تاخیر سے دے رہا ہوں۔
جس کی معافی چاہتا ہوں۔

آپ نے جو تجویز کیا ہے کہ ''تذکرۂ علمائے فرنگی محل'' مصنّفہ جَدّی واستاذی، محمد عنایت اللہ مرحوم، دوبارہ، شائع کی جائے۔

ہم سب فرنگی محلی حضرات کے دیرینہ ارمان کی، مِنْ جانبِ اللہ، ایک ٹھوس شکل ہے۔
جو، آپ کے دل میں اِلقا، اور آپ کے قلم سے زیبِ قرطاس ہوئی۔
یہ تذکرہ، ۱۹۳۰ء میں، بعجلت تمام، مرتّب کر کے شائع کر دیا گیا تھا۔
اور عَمَلاً، اس کی حیثیت، تَذْکِرَةُ الْاَنْسَاب کی رہی۔

اب، نصف صدی گذرنے کے بعد، اس کو، از سرِ نو مرتّب کرنے کی فکر، اِس خاندان کے ہندو پاکستان اور عرب میں مقیم افرادِ خاندان کو عموماً اور مجھے، خصوصاً رہی، اور ہے۔
مگر، ہمیشہ، یہی مانع رہا کہ مُرتّب، طباعت کا بار، اُٹھا نہیں سکتا۔
اور دوسرے افراد، جو، مالی تعاون کر سکتے ہیں، اُن سے طالبِ امداد، نہیں ہو سکتا۔
آپ نے، یہ گرامی نامہ بھیج کر۔خدا کرے، یہ عملی شکل بھی، اختیار کر سکے۔
مجھے، ایک نیا ولولہ، بخش دیا۔
میں، اپنے ذاتی رُجحان کے پیشِ نظر، آپ کی تجویز کے دوسرے جُز کا

یعنی، آپ کے الفاظ میں "اِس موضوع پر، ایک مستقل تصنیف" کا زیادہ، مؤید ہوں۔
اور اس کے لئے دل و جان سے تیار ہوں۔ بلکہ کسی حد تک، تیاری ہو بھی چکی ہے۔
اب، آپ، یہ بتائیں کہ "اَلْمَجْمَعُ الْاِسْلَامِی" (مبارک پور)
اِس موضوع پر کتنے صفحات، شائع کرنا چاہے گا؟
میں نے، یہ اندازہ کیا ہے کہ چار سو اور پانچ سو کے درمیان صفحات
موضوع سے پوری طرح، انصاف کے لئے درکار ہوں گے۔
یہ شکل، طباعت کے آپ کے نظام کے تحت، قابلِ عمل ہوگی کہ:
پچاس ساٹھ صفحات، ابتدائی مرحلے میں بھیج دیے جائیں اور کتابت کا آغاز ہو جائے۔
اس کے بعد، تین ماہ کے اندر، سب کچھ پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے۔
یعنی، کتابت ہو جائے اور طباعت، شروع ہو جائے۔
موادِ تصنیف، تیار ہے۔ صرف اس کی ترتیب کا کام، باقی ہے۔
اِس لئے مَیں، اتنی مستعدی کا مظاہرہ کر رہا ہوں۔
میرا سلسلۂ ملازمت، جو ۳۰ رنومبر ۱۹۸۰ء کو پورا ہو گیا تھا، دو سال کے لئے بڑھا دیا گیا ہے۔
جس کا ایک سال، پرسوں، پورا ہو جائے گا۔
اور میں، بڑی سنجیدگی، بلکہ بے چینی سے سوچ رہا ہوں کہ:
باقی ایک سال کی توسیع سے، دست بردار ہو کر، لکھنؤ میں رہوں۔
اور حسبِ استعداد، خاندانی روایات پر، حتی الوسع، عمل پیرا ہو جاؤں۔
اگر لکھنؤ کا قیام، آپ کی تجویز کی تعمیل ہی سے شروع ہو تو، اِس سے بڑھ کر، اور کیا بات ہوگی؟
اندازہ ہے کہ اِس تجویز کی تکمیل میں میری طرف سے تین ماہ سے زیادہ، نہیں لگیں گے۔
اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِطُفَیْلِ حَبِیْبِهِ الْاَمِیْن صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم۔
.....بہر حال! آپ اپنی صواب دید پر جو شکل، تجویز فرمائیں گے
بہر صورت! اس کو عملی شکل دینے کی کوشش کروں گا۔
مولانا افتخار احمد قادری صاحب سے گذشتہ ہفتہ، یہاں (علی گڑھ) ملاقات، بہت سرسری ہوگئی
"نورُ الایمان" (تالیف: حضرت مولانا، عبدالحلیم، فرنگی محلی۔ اردو ترجمہ: از مولانا، افتخار احمد، قادری)
کے تیسرے زیرِ طبع ایڈیشن کے لئے، انھوں نے تأثرات کا تقاضہ فرمایا، مگر، کتاب مجھے، نہیں پہنچ سکی۔

(ڈاکٹر) محب الحق صاحب (رضوی) کے پاس سے کوئی صاحب
"میری کتاب" لے گئے۔ اب پھر، وعدہ فرما گئے ہیں۔
......ایک بات اور قابلِ ذکر ہے۔ وہ، یہ کہ:
ہمارے بعض اکابر کی، عقایدِ اہلِ سُنّت و جماعت سے متعلق کتابیں
اردو میں عرصہ ہوا، طبع ہوئی تھیں۔ اب، ناپید ہیں۔
دوبارہ اِشاعت کے بارے میں بھی، غور فرمائیں۔ مخلص! محمد رضا انصاری۔"

مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی کے اِس مکتوب میں جس کتاب "نُورُ الایمان" کا ذکر ہے، وہ، ابوالحسنات مولانا محمد عبدالحیَ، فرنگی محلی (وصال ۱۳۰۴ھ) کے والدِ ماجد حضرت مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی (وصال ۱۲۸۵ھ) کی تصنیف ہے۔
جو، آثار و تبرکات کے سلسلے میں ایک نہایت جامع و مفید کتاب ہے۔
اس کا اردو ترجمہ، صدیقِ محترم، مولانا افتخار احمد، قادری، مصباحی (موجودہ شیخ العلوم دائرالعلوم قادریہ غریب نواز۔ لیڈی اسمتھ، ساؤتھ افریقہ) نے کیا تھا۔
یہ کتاب، ہند و پاک سے متعدد مرتبہ، شائع ہو چکی ہے۔
اِس کتاب کے تعارف میں، شارحِ بخاری، حضرت مفتی محمد شریف الحق، امجدی (متوفی ۲۰۰۰ء) صدر شعبۂ اِفتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ۔ (یو پی۔ انڈیا) تحریر فرماتے ہیں:

"ملکُ العُلماء، بحرالعلوم، مولانا عبدالعلی، رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه
اور ان کے والدِ ماجد، حضرت مولانا نظام الدین، قُدِّسَ سِرُّہٗ کی بدولت
"فرنگی محل، لکھنؤ" ماضی قریب میں، مسلمانانِ ہند کا مرکزِ عقیدت رہ چکا ہے۔
معقولات میں معلومات کے بعد، عموماً عقائد پر، داغ آ جاتا ہے
مگر، موصوف (حضرت مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی) پر، اللہ عَزَّوَجَلَّ کا
یہ خاص فضل ہے کہ:
معقولات میں، تجرِ کامل رکھنے کے باوجود، ان کے عقائد پر
داغ، تو، بڑی چیز ہے، مَیل بھی، نہیں آیا۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔
(ص ۱۲۔ تعارف۔ نورُ الایمان۔ مؤلّفہ حضرت مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی۔ اردو ترجمہ
از مولانا افتخار احمد قادری، مصباحی۔ طبعِ اول ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء۔ المجمع الاسلامی، مبارک پور و لاہور)

بحرالعلوم، مولانا عبدالعلی، فرنگی محلی، لکھنوی (وصال ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) کے ایک ممتاز و متبحر شاگرد، حضرت مولانا نورالحق، فرنگی محلی (وصال ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء) ہیں۔

جن کے تعارف و تذکرہ میں، حضرت مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری لکھتے ہیں کہ:

آں نورکہ بود نورِ انوار

درنور چوں ظہورِ آں ظہور پیوست

سلطانُ العلما، استاذِ مطلق، حضرت مولانا شاہ نورُالحق بن حضرت مولانا شاہ انوارُالحق بن حضرت ملّا، احمد عبدالحق (بن ملّا، محمد سعید، سہالوی بن ملّا، قطب الدین شہید، سہالوی) کا نامِ نامی، علم و عرفان کے آسمان پر، شمس و قمر کی طرح، درخشاں ہے۔

آپ کی ذاتِ گرامی، قدرتِ خداوندی کی واضح بُرہان و آیت تھی۔

آپ نے اپنے والد اور ملّا مُبین قُدِّسَ سِرُّھُمَا سے درسیات پڑھی۔

تکمیل، حضرت ملکُ العلماء، بحرالعلوم، قُدِّسَ سِرُّہٗ کی خدمت میں فرمائی۔

بیعت و خلافت، والد ماجد سے حاصل فرمائی۔

آپ کے والد اور دادا، دونوں، قطب، علمائے فرنگی محل تھے۔

حضرت بحرالعلوم کے ممتاز ترین شاگرد اور مشہور عالم

حضرت مولانا سید عبدالرحمٰن، وجودی، لکھنوی فرماتے تھے کہ:

مولانا نورُالحق، علم میں اپنے والد ماجد، مولانا شاہ انوارُالحق سے فائق ہو گئے تھے اور معرفت میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔"

آبائے کرام کی رَوِش اور طریقے پر، مسندِ درس بچھائی۔

آپ کی تعلیم، بڑی بابرکت تھی۔ جو آیا، مہرِ انور و ماہِ مُنیر بن گیا۔

حضرت مولانا سید شاہ آلِ رسول، احمدی، محدِّث مارہروی و حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمٰن گنج مرادآبادی و سَیفُ اللّٰہِ الْمَسلول، حضرت مولانا شاہ مُعینُ الحق فضلِ رسول، بدایونی اور مرزا علی صغیر حَسَن، محدّث لکھنوی و مولانا احمد حسین، مُحدِّث ملیح آبادی، آپ کے، اَشہرِ مشاہیر شاگرد تھے۔

۲۳ رجب ۱۲۳۸ھ، حضرت کا، سالِ وصال ہے۔

اپنے والد ماجد کے باغ میں جو، باغِ ملّا انوار کے نام سے مشہور ہے، دفن ہوئے۔"

(ص ۷۵۔ "حیاتِ سید شاہ آلِ رسول، احمدی، مارہروی"۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی۔

خانقاہِ رفاقتی اشرفی، اسلام آباد۔ ضلع مظفر پور۔ بہار۔ طبع اول ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء)

خاتم الاکابر، سید شاہ آلِ رسول، احمدی، قادری برکاتی، مارہروی (وصال ذوالحجہ ۱۲۹۶ھ دسمبر ۱۸۷۹ء) کے تعارف وتذکرہ میں ''فرنگی محل میں تکمیلِ علوم'' کے عنوان سے حضرت مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری لکھتے ہیں:

..........حضرت مولانا شاہ انوارُ الحق بن حضرت مُلّا، احمد عبدالحق قُدِّسَ سِرُّھُمَا

سربراہِ خاندان تھے۔ حضرت موصوف وممدوح نے حضرت خاتم الاکابر مارہروی کی خاص پذیرائی فرمائی۔ اور حضرت مولانا عبدالواسع، سیدن پوری، تلمیذِ ارشد حضرت بحرالعلوم (مولانا عبدالعلی، فرنگی محلی) اور اپنے فرزند وجانشین

حضرت مُلّا، نورُ الحق کو، حضرت خاتمِ الاکابر کی تعلیم، سپرد فرمائی۔

ان بزرگوں کے بحرِ علم سے جو بھی، شاخ نکلی، عالَم کو سیراب کرگئی۔

اسی درس سے حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمٰن، گنج مرادآبادی، فیض یاب ہوئے۔

حضرت سیف اللہِ الْمسلول، شاہ معین الحق فضلِ رسول، قادری، بدایونی سیراب ہوئے۔

کس کس کا نام لیا جائے؟ پوری ایک جماعت تھی

جس کا علمی غلغلہ اور روحانی وباطنی طنطنہ، عالَم میں بلند ہے۔

حضرت خاتم الاکابر، مارہروی نے، ان دونوں فرنگی محلی عُلمائے کِبار سے

علومِ عقلیہ اور کلام وفقہ واصولِ فقہ وحدیث وتفسیر میں اِکتسابِ فیض کیا۔

......۱۲۲۶ھ کے ماہِ جمادیُ الاخریٰ میں حضرت شیخ احمد عبدالحق، چشتی صابری، قُدِّسَ سِرُّہٗ

کے عرسِ مبارک کے موقع پر، خاص ردولی شریف میں

عُلما ومشائخ کی ایک عظیم وجلیل جماعت کی موجودگی میں امتحان ہوا۔

حضرت مولانا شاہ انوارُ الحق، فرنگی محلی اور صاحب سجادہ، ردولی شریف کے

دستِ مبارک سے حضرت خاتم الاکابر کو، دستارِ فضیلت، باندھی گئی۔ اور سندِ فضیلت، عطا کی گئی۔

یہ سند، خانوادۂ برکاتیہ کے نُوادر میں مشترکہ طور پر، آج بھی

خانقاہِ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ میں موجود ہے۔'' اِلیٰ آخِرِہٖ۔

(ص ۸۵۔ ''حیاتِ شاہ آلِ رسول، احمدی، مارہروی'' ۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی۔ خانقاہ رفاقتی اشرفی، اسلام آباد شریف، ضلع مظفر پور، بہار۔ ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء)

دارُالعلم والعمل، فرنگی محل، لکھنؤ میں تعلیم اور خانقاہِ ردولی شریف میں بطورِ تبرک دستار بندی
جیسی ایک اور اہم روایت، بقلم مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری
مندرجہ ذیل تاریخی تحریر میں، ملاحظہ فرمائیں:

........''حضور قبلہ گاہی (مفتیِ اعظم کان پور، حضرت مولانا رفاقت حسین، مظفر پوری) کے تلامذہ کی دستار بندی کا جلسہ، صدرِ مجلسِ عُلمائے اہلِ سُنّت بریلی، مولانا خواجہ سید عبدالصّمد، چشتی نظامی، فخری عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ (تلمیذ تاجُ الفحول، مولانا عبدالقادر، بدایونی فرزند وخلیفہ سَیفُ اللہِ المَسْلول، مولانا فضلِ رسول، بدایونی وتلمیذِ علاّمہ، فضلِ حق، خیر آبادی) کے آستانہ
واقع، پھپھوند شریف ضلع اٹاوہ (یوپی) میں، بہ موقعِ عُرس، ہو رہا تھا۔

وہاں کے صاحبِ سجادہ، حضرت مولانا خواجہ سید مصباح الحسن (فرزندِ حافظ بخاری، خواجہ سید عبدالصّمد، چشتی، نظامی، سَہسوانی) عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ تھے۔

حضور قبلہ گاہی (مفتیِ اعظم کان پور) ان کو'' آفتابِ شریعت، ماہتابِ طریقت'' لکھتے تھے۔
وہ، حضرت صدرُ الشریعہ (مولانا محمد امجد علی، اعظمی، رضوی۔ مؤلفِ بہارِ شریعت) کے استاذ بھائی تھے۔

حضرت سجادہ نشین (پھپھوند شریف) نے اِفتتاحی تقریر میں فرمایا:

''حضرت مولانا رفاقت حسین صاحب، مفتیِ اعظم کان پور کی عنایت وتوجہ سے یہ جلسۂ دستار بندی، آستانۂ عالیہ پر ہو رہا ہے۔

مفتیِ اعظم کان پور، اگر چہ، فارغُ التحصیل اور متبحر عالم ہیں

حضرت صدرُ الشریعہ کے رشتے سے مجھے، چچا کہتے ہیں۔ اور میں نے سنا ہے کہ:

''ان کی دستار بندی نہیں ہوئی ہے، تو، میرا حق ہے کہ میں، ان کی دستار بندی کر دوں۔''

اِس جلسے میں حضرت مفتیِ اعظم، بریلی شریف بھی تشریف فرما تھے۔ شیخُ الاسلام، حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر، بدایونی، مفتیِ اعظم ریاستِ حیدر آباد، دَکن بھی رونق افروز تھے۔ حضرت صدرُ العُلما، محدِّث میرٹھی بھی شریکِ جلسہ تھے۔ علاّمہ مشتاق احمد، نظامی، الہ آبادی بھی موجود تھے۔

ان کے علاوہ، خواجہ غلام نظام الدین، بدایونی و حضرت مولانا شاہ محمد عمر، لکھنوی، مدیر ماہنامہ سُنّی لکھنو وبلبلِ ہند، مولانا رجب علی، نان پاروی وغیرھُم مشاہیر عُلمائے اہلِ سُنّت، تشریف فرما تھے۔
سب نے سنا اور مقرر رکھا۔''

(ص ۱۳۸ و ۱۳۹۔ ''سوانحِ رفاقتی''۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی۔ کاروانِ رفاقت۔ درگاہ شریف

حضرت امینِ شریعت ٹرسٹ۔ اسلام آباد۔ ضلع مظفر پور۔ صوبہ بہار۔ طبعِ اول ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء)

مندرجہ بالا تحریر میں ''استاد بھائی'' کا ذِکر، اس طور سے ہے کہ صدرُ الشّریعہ، حضرت مولانا امجد علی، اعظمی اور حضرت خواجہ سید مصباح الحسن، چشتی، یہ دونوں حضرات

علاّمہ ہدایت اللہ، جون پوری (تلمیذِ علاّمہ فضلِ حق، خیرآبادی) کے تلامذہ ہیں۔

چودھویں صدی ہجری کے عظیم المرتب عالم وفقیہ، مولانا الشّاہ المفتی، محمد احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی (وصال ۲۵ رصفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کے دادا

حضرت مولانا رضا علی، بریلوی (وصال ۱۲۸۶ھ) کے شیخِ طریقت

اُویسِ زمان حضرت مولانا فضلِ رحمٰن، گنج مرادآبادی، تلمیذِ حضرت مولانا نورالحق، فرنگی محلی ہیں۔

اور حضرت مولانا رضا علی، بریلوی کے والدِ محترم، حافظ کاظم علی خاں، بریلوی کے پیرومُرشد

حضرت مولانا شاہ انوارُالحق، قادری، رزّاقی، فرنگی محلی لکھنوی (وصال ۱۲۳۶ھ) ہیں۔

امام احمد رضا، قادری، برکاتی، بریلوی کے اساتذۂ گرامی کی فہرست میں آپ کے والدِ ماجد

حضرت مولانا نقی علی، بریلوی (ولادت ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء۔ وصال ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء)

اور مُرشدِ طریقت، خاتم الاکابر، سید شاہ آلِ رسول، احمدی، قادری برکاتی، مارہروی (وصال ذوالحجہ ۱۲۹۶ھ دسمبر ۱۸۷۹ء) کے علاوہ، ایک نام آپ کے اساتذہ کی فہرست میں ہے:

(۳) جناب مولانا عبدالعلی صاحب، رام پوری، رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ۔

(ص ۱۰۰۔ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت''۔ مؤلفہ مولانا محمد ظفرالدین قادری رضوی، عظیم آبادی۔ مکتبہ نبویہ، لاہور)

حضرت مولانا عبدالعلی، ریاضی داں، رام پوری (وصال ۱۳۰۳ھ)

امامُ الحکمۃ والکلام علاّمہ فضلِ حق، خیرآبادی کے شاگرد ہیں۔

اور خود اپنا ایک سلسلۂ تلمذ، امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی نے، اِس طرح تحریر فرمایا ہے:

''حضرت مولانا محمد نقی علی، قادری، بریلوی از حضرت مولانا رضا علی، بریلوی از حضرت مولانا خلیل الرحمٰن، محمد آبادی از فاضل محمد اَعلم، سندیلوی از ملک العلماء، بحرالعلوم، مولانا عبدالعلی فرنگی محلی لکھنوی۔ (ص ۳۰۵۔ ترجمہ اَلْاِجَازَاتُ الْمَتِیْنَۃ۔ مشمولہ رسائلِ رضویہ۔ مطبوعہ بریلی ولاہور)

آپ کے فرزند، مفتیِ اعظم، حضرت مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا، قادری برکاتی، بریلوی (وصال محرمُ الحرام ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء) اور پوتے، مفسّرِ اعظم، حضرت مولانا ابرٰہیم رضا، جیلانی، بریلوی (وصال ماہِ صفر ۱۳۸۵ھ/جون ۱۹۶۵ء) فرنگی محلی شاخ

''سلسلۂ خیرآباد'' کے دو معروف علما، حضرت مولانا شاہ رحم الٰہی، منگلوری (وصال ۱۳۶۱ھ) وحضرت مولانا ظہور الحسین، فاروقی، رام پوری (وصال ۱۳۴۲ھ) اساتذۂ ''منظرِ اسلام'' بریلی شریف کے تلامذہ ہیں۔

قارئینِ کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ سلسلۂ فرنگی محل ہی کی ایک شاخ ''سلسلۂ خیرآباد'' ہے۔

علما و حکماے خیرآباد، بالخصوص حضرت علّامہ فضلِ حق، خیرآبادی پر، تحقیقِ مزید اور نظرِ ثانی کے لئے راقمِ سطور (یٰسٓ اختر مصباحی) نے مولانا عبدالشاہد، شیروانی علی گڑھی اور مولانا سید نجم الحسن رضوی، خیرآبادی تلامذۂ مولانا معین الدین، اجمیری (تلمیذِ حکیم، سید برکات احمد، ٹونکی تلمیذِ علّامہ عبدالحق خیرآبادی) کو بذریعۂ مکتوب، متوجہ کیا۔

مولانا عبدالشاہد، شیروانی کو، خاص طور سے ''باغی ہندوستان'' پر نظرِ ثانی اور حذف و اضافہ کے ساتھ، ترتیبِ جدید کی طرف، اِصرار کے ساتھ، توجہ دلائی

جس میں بِحَمْدِہٖ تَعَالیٰ کامیابی، حاصل ہوگئی۔

مولانا عبدالشاہد، شیروانی، علی گڑھی کے متعدد خطوط میں سے دو خطوط کی نقل، بطورِ نمونہ، یہاں، پیش کی جا رہی ہے:

(۱) علی گڑھ۔ ۱۹۸۰/۱۲/۳۰ء ۷۸۶

مُحترمُ الْمقام دَامَ لُطْفُکُم وَعَلَیْکُمُ السَّلام وَرَحْمَةُ اللّٰهِ

مَوَدَّت نامہ، مؤرخہ ۱۹۸۰/۱۲/۲۳ء۔ ملا۔

''اِمْتِنَاعُ النَّظِیر'' مکتبۂ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور شائع کر رہا ہے۔ کئی ماہ ہوئے، یہ کتاب، مولانا عبدالحکیم شرف، قادری کو بھیج دی گئی۔

آپ، موصوف سے اس کے متعلق معلومات، بہم پہنچائیں۔

عرصہ ہوا، موصوف کا خط نہیں آیا جس سے کچھ پتہ چلتا۔ خط لکھیں، تو، میرا اسلام بھی لکھ دیں۔

خوشی ہوئی کہ آپ ''اِحیاءِ اسلاف'' کی طرف، متوجہ ہیں۔

امید ہے، مزاجِ گرامی، مع الخیر ہوگا۔

مجمع علمی نے اگر کوئی کتاب شائع کی ہو، تو، اس کی زیارت کا مشتاق ہوں۔

وَالسَّلام خیر اندیش شاہد شروانی ۱۴۰۱/۲/۲۱ھ

(۲) علی گڑھ۔ ۸۱/۱۱/۱۴ء ۷۸۶

مُحترمُ المقام دَامَ لُطفُکُم اَلسَّلامُ عَلَیکُم وَرَحمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

مودّت نامہ ۲۹/۱۰/۱۹۸۱ء نظر نواز ہوا۔ قدر افزائی کا شکریہ۔

میں، خود، اِرادہ کر رہا تھا کہ حذف و اضافہ کے ساتھ "باغی ہندوستان" کو، مرتّب کردوں۔

کچھ مزید مواد بھی مل گیا ہے۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی اور مالک رام صاحب نے

علاّمہ (خیرآبادی) کے جہادِ حرّیت پر، خامہ فرسائی کر کے، غلط فہمی پیدا کی ہے

اس کا مدلّل جواب بھی دوں۔

اب، آپ نے عزم کو پختہ کر دیا۔ آپ، تفصیل سے طباعت کے متعلق لکھیں۔

...شرف قادری صاحب نے دوسرا ایڈیشن شائع کیا تو مَیں، برسرِ کار تھا۔

آپ، جانتے ہیں۔ دو پہلوانوں میں کشتی ہو

تو ہارنے والے پہلوان کی، پہلے تعریف کرنی پڑتی ہے۔ تاکہ جیتنے والے کی قدر و منزلت ہو سکے۔

ورنہ، معمولی پہلوان کو، پچھاڑ دینا، کیا کمال ہو سکتا ہے؟

یہی اصول، پیشِ نظر رکھ کر، علاّمہ خیرآبادی کے فریقِ مخالف کو، سَراہا گیا۔

اور چوں کہ بہت بڑا گروہ، اس کا معتقد تھا اِس لئے کچھ زیادہ خامہ فرسائی ہوگئی۔ مگر، اس کا نتیجہ

یہ ہُوا کہ اس حلقے میں علاّمہ کی عظمت ایسی بڑھی کہ تقریر اور تحریر میں حوالے دیے جاتے رہے۔

پہلا ایڈیشن (۱۹۴۷ء) شائع ہونے کے بعد، ہندو پاکستان میں کوئی سیاسی و تاریخی کتاب

شائع نہیں ہوئی جس میں "باغی ہندوستان" کا حوالہ، نہ ہو۔

اس کی مقبولیت کا اندازہ، اِسی سے ہو سکتا ہے کہ ایک ایک ہزار کے تین ایڈیشن

(طبعِ ثانی ۱۹۷۴ء، لاہور۔ طبعِ ثالث ۱۹۷۸ء، لاہور) میری زندگی ہی میں شائع ہو گئے۔

میں، آپ کے جواب کا منتظر رہوں گا۔ اس کے بعد، کام شروع کر دوں گا۔

حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب، بریلوی کا سانحۂ اِرتحال، پوری جماعت کا حادثہ ہے۔

اللہ تعالیٰ، جوارِ رحمت سے ہم کنار کرے۔ اور آپ سب وابستگانِ سلسلہ کو

توفیقِ صبر بخشے۔ آمین۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔

خیر اندیش شاہد شروانی ۱۶/۱/۱۴۰۲ھ

(۳) ۲۹ر دسمبر ۱۹۸۱ء ۷۸۶

مکرمی! سلام و رحمت

مؤدّت نامہ ۱۰/۱۲/۱۹۸۱ء ۱۴/۱۲/۱۹۸۱ء کو ملا۔ کتابوں کا پیکٹ، اب تک نہیں ملا۔
''خلفائے خیرآباد'' پر، ضرور کام کرتا، مگر، ارشد، ایم اے
جامعہ مِلّیہ اسلامیہ، نئی دہلی سے اِسی موضوع پر، ریسرچ کر رہے ہیں۔
یہ، مولانا آزاد سبحانی کے نواسے ہیں اور علی گڑھ کے اِسٹوڈنٹ ہیں۔ گذشتہ ہفتہ، کئی روز
آتے رہے اور میرے یہاں سے مواد، حاصل کرتے رہے۔
مولانا سید نجم الحسن، خیرآبادی کو لکھ چکا ہوں۔
''باغی ہندوستان'' سے نبٹ لوں
تو پھر، مولانا (سید سلیمان اشرف) بہاری پر، کچھ لکھوں، یا۔ کسی کو متوجہ کروں۔
نظرِ ثانی کا کام، قریب قریب، ختم ہوگیا ہے۔ سیاسی اور اختلافی حصے، نکال دیے۔
کہیں کہیں، اضافہ بھی ہوگیا ہے۔ مُدافعت پر لکھنا، باقی ہے۔ یہ مستقل باب، بڑھ جائے گا۔
خیال ہے کہ علاّمہ (خیرآبادی) کے کچھ قصائد اور مکاتیب وغیرھا کا بھی
اضافہ کردیا جائے۔ تاکہ محفوظ ہوجائیں۔
آپ نے آنے کے لئے لکھا تھا۔ کب تک کا ارادہ ہے؟
خیراندیش شاہد شروانی۔ ۱۲/۲/۱۴۰۲ھ

مولانا عبدالشاہد، شیروانی، علی گڑھی، تلمیذِ مولانا معین الدین اجمیری، تلمیذِ حکیم سید برکات احمد ٹونکی، تلمیذِ علاّمہ عبدالحق، خیرآبادی کے رفیقِ درس، مولانا نجم الحسن، رضوی، خیرآبادی نے راقم السُّطور کے ایک مکتوب کے جواب میں تحریر فرمایا:

از خیرآباد، اَودھ۔ ضلع سیتاپور (یوپی)
۱۸/صفر ۱۴۰۲ھ۔ ۱۶/دسمبر ۱۹۸۱ء ۷۸۶
ذُوالْمَجْدِ وَالْاِحْتِرام اَلسَّلامُ عَلَیْکُم
آپ کے گرامی نامہ کے جواب میں عریضہ، اِرسال کیا تھا۔ اس کے بعد آپ کا کوئی مکتوب نہیں ملا۔ ''اَلْمجمع الاسلامی'' کو، شکریہ کا خط بھی لکھ دیا تھا۔ خدا کرے آپ، مع الخیر ہوں۔
مولانا شاہد صاحب ''اَلثَّوْرَۃُ الْھِنْدِیَّۃ'' پر، نظرثانی کر رہے ہیں۔
''باغی ہندوستان'' کے نام سے ہی، وہ، دوبارہ، آپ کی فرمائش پر، کتاب، شائع کریں گے۔
میں نے ''اَلْجَوَاھِرُ الْغَالِیَۃ'' کی بابت آپ کو لکھا تھا۔

اگر، فی الحال، اکیڈمی، اس کو شائع نہ کر سکتی ہو، تو، کوئی حرج نہیں ہے۔ آئندہ، دیکھا جائے گا۔
میں نے سوچا تھا کہ اس کے ساتھ ہی "خیرآباد کی ایک جھلک" آپ کو بھیج دوں گا۔
یہ کتابچہ، خیرآباد کی مختصر تاریخ ہے۔ اس میں علّامہ فضلِ حق خیرآبادی پر بھی مضمون ہے
جس کی آپ نے مجھ سے فرمائش کی تھی۔
اگر "اَلْجَوَاهِرُ الْغَالِيه" کا، سرِ دست، انتظام، نہیں ہو سکتا
تو، آپ کا جواب مل جانے کے بعد، مَیں، ایک آپ کو، اِرسال کر دوں گا۔
اَلْمَجْمَعُ الْاِسْلَامِي (مبارک پور) نے بہت ہی مفید کتابیں، شائع کی ہیں۔
دوسری بعض کتابوں کا بھی عِلم، ان کے مطالعہ سے ہوا۔
حضرت شیخ عبدالحق، محدِّث دہلوی کی **اَلتَّـالِيفُ الْاَلِيف** ماضی بعید میں، طبع ہو چکی ہے۔
شاید، اس کو، غیر مطبوعہ لکھ دیا گیا ہے۔
حاشیۂ شامی، یعنی **جَدُّ الْمُمْتَار** کی پہلی جلد کی طباعت کا بھی، عِلم ہوا۔
...... کئی روز سے آپ کے مکتوبِ گرامی کا انتظار کر رہا ہوں۔
یہ عریضہ، اِرسال کر رہا ہوں۔ امید ہے، جواب سے جلد سرفراز فرمائیں گے۔
فقط۔ دعا طلب — نجم الحسن **عُفِيَ عَنْهُ**

نظرِ ثانی وحذف واضافہ کے بعد "باغی ہندوستان" (**اَلثَّـوْرَةُ الْهِنْدِيَة** ۔ مؤلّفہ علّامہ فضلِ حق، خیرآبادی۔ اردو ترجمہ از مولانا محمد عبدالشاہد، شروانی، علی گڑھی) کی طباعت واشاعت اَلمجمع الاسلامی، مبارک پور اعظم گڑھ (یوپی۔ انڈیا) کے زیرِ اہتمام ۱۹۸۵ء میں ہوئی۔
"باغی ہندوستان" کے اِس نسخے کے کتابت شدہ مَواد کی تصحیح حروف کی اور اس کے چوتھے ایڈیشن کی طباعت واشاعت کی خدمت، برادرِ مکرّم، مولانا محمد احمد، اعظمی، مصباحی (موجودہ صدرُ المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ) نے بڑی محنت اور عَرق ریزی کے ساتھ انجام دی۔ اور آپ کی ہی نگرانی میں، اس کی کتابت سے طباعت تک کے جملہ مَراحل، طے ہوئے۔

نظرِ ثانی وکتابت کے مراحل میں برادرِ مکرم، مولانا محمد احمد، اعظمی، مصباحی کی خط وکتابت بھی مولانا عبدالشاہد، شیروانی، علی گڑھی سے ہوئی اور آپ ہی کی گزارش پر مولانا سید نجم الحسن، رضوی خیرآبادی نے "باغیِ ہندوستان" کے جدید ایڈیشن کے لئے "تقدیم" بھی لکھا۔ ملاحظہ فرمائیں:

’’باغیِ ہندوستان‘‘۔ مطبوعہ اَلمجمع الاسلامی، مبارک پور ۱۹۸۵ء)

فَجَزَاہُ اللہُ اَحْسَنَ الْجَزَاء۔

۱۹۹۷ء میں، جب کہ آزادیِ ہند کے پچاس سال (از ۱۹۴۷ء تا ۱۹۹۷ء) پورے ہو رہے تھے اور ۲۰۰۷ء میں جب کہ جنگِ آزادیِ ہند (۱۸۵۷ء) کے ڈیڑھ سو سال (از ۱۸۵۷ء تا ۲۰۰۷ء) پورے ہو رہے تھے، راقمِ سطور (یٰسٓ اختر مصباحی) نے ۱۸۵۷ء اور قائدِ جنگِ آزادی علاّمہ فضلِ حق، خیرآبادی پر، چھوٹی بڑی، متعدد کتابیں لکھ کر، شائع کرائیں۔

اور کچھ تنظیموں سے گفتگو کر کے، دہلی و ممبئی میں، پُر وقار اجلاس (ہال کے اندر) کرائے۔

۲۰۱۱ء میں جب کہ علاّمہ فضلِ حق، خیرآبادی کے (وصال در جزیرۂ انڈمان۔ ۱۸۶۱ء) کو، ڈیڑھ سو سال پورے ہو رہے تھے، علاّمہ فضلِ حق خیرآبادی یادگاری کانفرنسوں کی تحریک کی۔

اِس کے لئے دسمبر ۲۰۱۰ء میں دارُالقلم دہلی میں کچھ باشعور افراد اور دہلی کی چاروں یونیورسٹیوں کے کچھ سرگرم طلبہ کی میٹنگ کر کے، انھیں، اپنے منصوبے اور اس کی اہمیت و افادیت سے آگاہ کیا۔

جنوری ۲۰۱۱ء میں، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے اساتذہ و مدرسین کی میٹنگ زیرِ صدارت، عزیزِ مِلّت، مولانا شاہ عبدالحفیظ، عزیزی، سربراہِ اعلیٰ مُدَّ ظِلُّہُ الْعَالِی، منعقد کی۔ جس میں اساتذۂ اشرفیہ، شریک ہوئے۔

ان دونوں اہم میٹنگوں کی رپورٹیں، جرائد و رسائل میں شائع ہونے کے بعد ملک کے اندر ایک بیداری، پیدا ہوئی اور بِحَمْدِہٖ تَعَالٰی، دہلی و لکھنؤ و ممبئی و کلکتہ و پٹنہ و بھیونڈی وغیرہ میں بہت کامیاب اجلاس اور کئی ایک عظیم الشان کانفرنسیں ہوئیں۔

جن کی رپورٹیں بھی، اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکی ہیں۔

اسلاف شناسی کی یہ تحریک، آگے بڑھی اور دسمبر ۲۰۱۲ء کو، گوونڈی، بمبئی میں عظیم الشان پیمانے پر ’’امامِ اعظم ابوحنیفہ سمینار و کانفرنس‘‘ کا انعقاد زیرِ اہتمام خانقاہِ قادریہ ایوبیہ و تحریکِ اہلِ سُنّت و جماعت، پپرا کنک۔ ضلع کوشی نگر۔ مشرقی اتر پردیش، ہوا۔

۲۴؍ مارچ ۲۰۱۳ء کو، ’’امامِ اعظم ابوحنیفہ سمینار و کانفرنس‘‘، لکھنؤ (یوپی) کو بھی اِسی طرح کی تاریخی کامیابی، حاصل ہوئی۔ اِس کا اِہتمام و اِنصرام، دارُالعلوم حنفیہ، رنگ روڈ لکھنؤ کی جانب سے ہوا۔ لکھنؤ کے متعدد ادارے و تنظیمیں بھی، اس میں شریک اور معاون تھیں۔

اس کے کنوینر، مولانا محمد اقبال، قادری اور قاری محمد احمد، بقائی تھے۔

"امامِ اعظم ابوحنیفہ سیمینار و کانفرنس" بمبئی کی سرپرستی، حضرت امینِ مِلّت، پروفیسر سید محمد امین میاں، قادری برکاتی، سجادہ نشین خانقاہِ عالیہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ شریف نے فرمائی۔

کانفرنس کی صدارت، حضرت مولانا شاہ عبدالحفیظ عزیزی، سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور اور سیمینار کی صدارت، حضرت مولانا محمد احمد، اعظمی، مصباحی، صدرالمدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ۔ (یو پی۔ انڈیا) نے فرمائی۔

امامِ اعظم ابوحنیفہ سیمینار و کانفرس بمبئی کا ضخیم مجموعۂ مقالات و مضامین بنام "انوارِ امامِ اعظم" شائع ہو چکا ہے۔

متعدد اداروں اور تنظیموں کے ذِمّہ داران سے راقمِ سطور کی ترغیبی و تحریکی گفتگو کے نتیجے میں اِنْ شَاءَ اللہ، اِسی طرح کے پروگرام، بعض دیگر اکابر و اسلاف پر بھی ہوں گے۔

جن میں سے، یہ نام، طے ہو چکے ہیں:

قطبِ کوکن، مخدوم مہائمی (ممبئی) شہنشاہِ اَوَدھ، مخدوم شاہ مینا، لکھنوی۔

امامُ المحدِّثین، شیخ عبدالحق، محدّث دہلوی۔ سراجُ الھند، شاہ عبدالعزیز، محدّث دہلوی۔

بحرالعلوم، مولانا، عبدالعلی، فرنگی محلی لکھنوی عَلَیْہِمُ الرَّحْمَۃُ وَالرِّضْوَان۔

ایسا کرنا، اور اس سلسلے کو دراز سے دراز تر کرتے رہنا

یہ ہمارا قومی و ملّی اور جماعتی فریضہ ہونے کے ساتھ، تاریخی تقاضے کی بھی تکمیل ہے۔

ضبط کن تاریخ را، پائندہ شو

اَکابر و اَعاظم صوفیہ و مشائخِ کرام و علما و محدِّثین و فقہاے عِظام کی حیات و خدمات سے متعلق، سیمینار و کانفرنس کرنے کے ساتھ

اللہ ربُّ العزت، ہم سب کو، ان حضرات کے نقشِ قدم پر چلنے کی بھی، توفیق عطا فرمائے۔

آمِیْن بِجَاہِ حَبِیْبِہٖ وَرَسُوْلِہٖ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ عَلَیْہِ وَعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَفْضَلُ الصَّلَوٰاتِ وَاَکْرَمُ التَّسْلِیْمَاتِ۔

مُلّاؔ، قطب الدین شہید، سہالوی

متحدہ ہندوستان کے ممتاز علمی خانوادۂ فرنگی محل، لکھنؤ کے مورثِ اعلیٰ، مُلّاؔ، قطب الدین شہید سہالوی (شہادت ۱۹ر رجب ۱۱۰۳ھ/۲۷ر مارچ ۱۶۹۲ء۔ مدفون سہالی ضلع بارہ بنکی۔ اتر پردیش، انڈیا)

اپنے عہدو عصر کے بلند پایہ عالم و فاضل اور جامع و ماہرِ علوم و فنونِ نقلیہ و عقلیہ تھے۔

عبادت و ریاضت، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں

ہمیشہ، مصروف و منہمک، رہا کرتے تھے۔

مغل حکمراں، سلطان اورنگ زیب عالم گیر نے شہرۂ علمی سُن کر، مُلّاؔ، قطب الدین کو دعوتِ ملاقات، پیش کی، مگر، آپ نے سلطان اورنگ زیب کی اِس خواہش کو قبول اور منظور نہیں فرمایا۔

اورنگ زیب کو، آپ سے عقیدت تھی۔ آپ سے، اس کی مُراسلت بھی تھی۔

اپنے اُمَرا وحُکّام کو بھی، اورنگ زیب، آپ کے پاس، بھیجا کرتے تھے۔

آپ کے حادثۂ شہادت کے وقت، اورنگ زیب، دَکَن کے علاقے میں تھے۔

حادثہ کی اطلاع ملتے ہی، اورنگ زیب عالم گیر نے صوبیدارِ علاقۂ اَوَدھ کو حکم دیا کہ:

''مُلّاؔ، قطب الدین شہید کے قاتلوں کو گرفتار کر کے، انھیں، سخت سزا دی جائے۔''

مُلّاؔ، قطب الدین شہید نے تکمیلِ علوم اپنے والد ماجد، مُلّاؔ عبد الحلیم سہالوی اور مُلّاؔ دانیال جوراسی، تلامذۂ مُلّاؔ، عبد السّلام، دیوی (تلمیذِ مُلّاؔ، عبد السّلام، لاہوری، تلمیذِ میر فتح اللہ، شیرازی) سے کی۔

اور تکمیلِ تعلیم کے بعد، سہالی، اَوَدھ (ضلع بارہ بنکی، یو پی) میں مسندِ تدریس، آراستہ کی۔

پھر، شاہ مُحِبُّ اللہ، الٰہ آبادی کے خلیفہ و جانشین، قاضی صدرُ الدین، گھاسی سے چالیس (۴۰) سال کی عمر میں علومِ باطنی کی تحصیل کی۔

اور قاضی گھاسی سے ہی، تقریباً ۱۰۸۰ھ میں سلسلۂ چشتیہ میں مُرید ہو گئے۔

مُلّاؔ، عبد السّلام، دیوی، خطّۂ اَوَدھ کے ایک قصبہ ''دیوہ'' (ضلع بارہ بنکی۔ صوبہ اتر پردیش) کے رہنے والے تھے۔ وطن ہی میں آپ نے تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد لاہور پہنچ کر مُلّاؔ، عبد السّلام، لاہوری سے تکمیلِ علوم کیا۔ اور کچھ دن، لاہور میں مصروفِ درس و تدریس رہے۔

پھر، مغل سلطان، شاہجہاں نے آپ کو، اپنی فوج کے عہدۂ قضا پر، مامور کر دیا۔

مدت تک، یہ خدمت انجام دینے کے بعد، مُلّا، عبدالسّلام، مستعفی ہوکر، لاہور میں گوشہ نشینی کی زندگی گذارنے لگے۔اور تشنگانِ علوم کی تشنگی بجھاتے رہے۔
تفسیرِ بیضاوی پرآپ نے ایک وقیع حاشیہ لکھا تھا۔جو، نایاب ہے۔
مُلّا، عبدالسّلام، دیوی کے استاذ، مُلّا، عبدالسّلام، لاہوری اپنے عہد کے
مَعدنِ علومِ نقلیہ وعقلیہ تھے۔
آپ نے، میر فتح اللہ، شیرازی (متوفی ۹۹۷ھ) ودیگر علُما سے تحصیلِ علم کیا۔ساٹھ (۶۰) سال تک، درس وتدریس میں مصروف رہے۔تفسیرِ بیضاوی پرآپ نے بھی ایک حاشیہ لکھا تھا۔
نوے (۹۰) سال کی طویل عمر پائی۔۱۰۳۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔
حَسّانُ الہِند، سید غلام علی آزاد، بلگرامی (وصال ۲۴/ذوالقعدہ ۱۲۰۰ھ/۱۷۸۶ء)
مُلّا، قطب الدین، سہالوی کی تصانیف کے بارے میں لکھتے ہیں:
(ترجمہ) مُلّا، قطب الدین نے شرحِ عقائدِ علاّمہ دَوّانی پر، بڑی دِقّتِ نظر سے ایک حاشیہ لکھا تھا۔" (مآثِرُ الکِرام، فارسی)
اِسی طرح، حاشیۂ تلویح، حاشیۂ شرحِ عقائد، شرحِ تفریعاتِ بزدوی، حاشیۂ مطوّل اور تحقیقِ دارُالحرب، آپ کی معرکۃُ الآرا قلمی یادگاریں تھیں۔
جو، آپ کے حادثۂ شہادت (۱۱۰۳ھ) کے ساتھ، ظالموں کے ہاتھوں، نذرِ آتش ہوگئیں۔
صرف، حاشیۂ تلویح محفوظ تھا جو، بعد میں ضائع ہوگیا۔
مُلّا، قطب الدین، سہالوی کے شہرۂ آفاق فرزند وتلمیذ، استاذُ الہند، مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی فرنگی محلی (وصال ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء) کے علاوہ، چند معروف تلامذہ کے نام، ماضی قریب کے فرنگی محلی عالم، مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی لکھنوی (متوفی ۱۴۱۰ھ/فروری ۱۹۹۰ء) نے اِس طرح تحریر کیے ہیں:
(۱) قطب الدین، شمس آبادی مَسکناً و امیٹھوی مَوطِناً (۲) حافظ امانُ اللہ، بنارسی، مؤلّفِ محکم الاصول، (۳) قاضی، مُحِبُّ اللہ، بہاری، مؤلّف سُلّم وُمسلّم (۴) قاضی شہابُ الدین، گوپاموی (۵) حاجی، صفتُ اللہ، خیرآبادی (۶) زینُ العابدین، سندیلوی (۷) قاضی دولت، سہالوی (۸) مَلِک بہاءُ الدین، بلگرامی (۹) میر عبدالھادی بن میر عبدالواحد، بلگرامی (۱۰) مُلّا، محمد غوث، کاکوروی (۱۱) مولوی اسمٰعیل، اورنگ آبادی (۱۲) مُلّا، محمد اسعد، فرزند اکبر مُلّا، قطب الدین شہید (۱۳) مُلّا، محمد سعید، فرزندِ دوم، مُلّا قطب الدین شہید (۱۴) مُلّا، علی قُلی، جائسی (غالباً)۔"

(ص ۴۴۔ "بانیِ درسِ نظامی، مُلّا نظام الدین محمد" ۔ مؤلّفہ مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی ۔ شعبۂ صحافت ونشریات دار العلوم ندوۃ العلما، لکھنو۔ ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء)

حَسّانُ الْہِند، مولانا سید غلام علی آزاد، بلگرامی (وصال ۲۴ رذوالقعدہ ۱۲۰۰ھ/۱۷۸۶ء)

مُلّاً، قطب الدین شہید، سہالوی کے مختصر اَحوال، اِس طرح تحریر فرماتے ہیں:

آپ، اساتذہ کے امام، نقّادوں کے پیشوا، مَعدنِ معقولات ومَخزنِ منقولات ہیں۔

اصلاً، آپ، سہالی، علاقۂ لکھنؤ کے شیخ زادہ ہیں۔

سہالی کے شیخ زادے، دوطرح کے ہیں: انصاری اور عثمانی۔

اِس آبادی کی ریاست وزمینداری کا تعلق، انھیں دونوں فریقوں سے ہے۔

مُلّاً، قطب الدین، انصاری، شیخ زادہ ہیں۔ کسبِ کمال، مُلّاً، دانیال جوراسی سے کیا۔

جو، مُلّاً عبدالسلام، دیوہ اور قاضی گھاسی کے شاگردوں میں تھے۔ اور قاضی گھاسی کے مُرید تھے۔

قاضی گھاسی، شیخ مُحِبُّ اللہ الہ آبادی کے بہترین شاگردوں اور کامل خُلفا میں تھے۔

مُلّاً، قطب الدین، سہالوی، ساری عمر، تدریس کی انجمن، سجائے رہے۔

اور تحصیلِ علم کرنے والوں کی ایک بڑی جماعت کو، درجۂ کمال تک پہنچایا۔

آج کل کے اکثر عُلمائے ہند کا سلسلۂ تلمذ واستفادہ، انھیں پر، منتہی ہوتا ہے۔

عثمانی شیخ زادوں نے، زمین داری کی شرکت میں تنازع ہو جانے کے سبب

شیخ اسدُ اللہ خاں زادہ، ساکن پینتی پور، کو۔ جو، سہالی سے پانچ کوس کے فاصلے پر ہے

ساتھ ملا کر، شب خون مارا اور اِس عالمِ بے مثیل ونظیر کو، فنا کا شربت پلا دیا۔

مُلّاً، قطب الدین نے، شرحِ عقائد علّامہ دَوّانی پر ایک دَقیق حاشیہ بھی لکھا تھا۔

فتنہ پردازوں نے شب خون مار کر، مُلّاً، قطب کا گھر، نذرِ آتش کر ڈالا۔ حاشیۂ مذکورہ بھی

گھر کے اَثاثہ کے ساتھ، جل گیا۔ مُلّاً، قطب الدین سہالوی کی شہادت ۱۱۰۳ھ میں ہوئی۔" اِلٰی آخِرِہٖ۔

(ص ۳۱۷ و ۳۱۸ ۔ مَآثِرُ الْکِرام (فارسی) ۔ مؤلّفہ سید غلام علی آزاد بلگرامی ۔ اردو ترجمہ از مولانا محمد یونس مونس اُویسی ۔ مطبوعہ جامعۃُ الرضا ۔ متھرا پور ۔ بریلی ۔ (یوپی، انڈیا) ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء)

مُلّاً، قطبَ الدین شہید، سہالوی کے تین مایۂ ناز تلامذہ:

مُلّاً، قطب الدین، شمس آبادی (متوفی ۱۱۲۱ھ) و مُلّاً مُحِبُّ اللہ، بہاری (متوفی ۱۱۱۹ھ) و مُلّاً امانُ اللہ، بنارسی (متوفی ۱۱۳۳ھ) کا تذکرہ، سید غلام علی آزاد بلگرامی نے، اِس طرح تحریر فرمایا ہے:

(۱) مولوی سید قطب الدین، شمس آبادی کی اصل، امیٹھی

مضافاتِ اَوَدھ (خطہ لکھنؤ۔ مصباحی) سے ہے۔ اپنے وطن، شمس آباد جا کر، اسے مَطلعِ انوار بنادیا۔
شمس آباد، قنوج کے ملحقات سے ہے۔ (شمس آباد، ضلع فرخ آباد۔ اتر پردیش۔ مصباحی)
مُلّا، سید قطب الدین، شمس آبادی، علّامۂ یگانہ اور دانشورِ بے مثال تھے۔
فُضلائے عَصر سے شرفِ شاگردی، حاصل کیا۔ اس کے بعد، مُلّا، قطب الدین شہید سہالوی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور علوم کا، وَافر حصہ پایا۔
پھر، شمس آباد میں مسندِ تدریس سجایا اور کثیر طلبہ کو، دانش و بینش سے فیض یاب کیا۔
مُلّا، قطب الدین شہید فرماتے تھے کہ:
جسے، مغزِ سخن تک پہنچنے کی خواہش ہو، اُسے چاہیے کہ، سید قطب الدین تک پہنچے۔"
مُلّا، قطب الدین، شمس آبادی نے، ستر (۷۰) سال کی عمر پائی اور ۱۱۲۱ھ میں حیات کا ورق پلٹ دیا۔" (ص ۲۱۹۔ مآثِرُ الکِرَام۔ مؤلفہ سید غلام علی آزاد، بلگرامی۔ مطبوعہ بریلی)

(۲) مُلّا مُحِبُّ اللہ، بہاری، علوم کے سمندر اور ستاروں کے درمیان، بدرِ کامل ہیں۔
آپ کی جائے پیدائش "محبّ علی پور" ہے۔ جو، صوبۂ بہار کے ملحقات سے ہے۔
عنفوانِ شباب میں، علاقۂ پورب (جون پور، فیض آباد، بنارس، اعظم گڑھ، وغیرہ۔ مصباحی) کی سیاحت کی۔ کتب اوّلیّات و متوسّطات، متفرق جگہوں پر، پڑھیں۔
آخر میں، سید قطب الدین، شمس آبادی کے حلقۂ درس میں پہنچ کر
اس رفیع الرتبت قطب کی رہنمائی میں، درجاتِ کمال، طے کیے۔
زیورِ فضائل سے آراستہ ہونے کے بعد، خطۂ دکن کی طرف، رَختِ سفر باندھا۔
اور بارگاہِ خُلد مکانی (اورنگ زیب عالم گیر) میں، باریاب ہو کر
شہرِ لکھنؤ کے منصبِ قضا پر، فائز ہوئے۔
کچھ دنوں بعد، پھر، دَکن کی جانب، عنانِ سفر موڑ دیا اور حیدرآباد کا منصبِ قضا حاصل کر کے، دفترِ امتیاز سے فائز ہوئے۔
اچانک کسی وجہ سے زیرِ عتاب آ گئے اور معزول ہو کر، عجیب حالتِ خمار، طاری کر لی۔
پھر، کچھ لوگوں کی سفارش سے تقصیر، معاف ہوئی اور شاہزادہ رفیع الدین شاہِ عالم کی تعلیم و تربیت کے منصب پر فائز ہوئے۔ سابقہ عزت، حاصل کر لی۔

جب، شاہ عالم کی طرف سے، حکومت کی جانب سے حکومتِ صوبہ کابل، تفویض ہوئی

تو، آپ، شاہزادہ کے ساتھ، کابل گئے۔ اور جس وقت، خلد مکانی (اورنگ زیب عالم گیر)

نے، پرچمِ عزیمت، مُلکِ جاوِدانی کی طرف بڑھایا

تو، شاہِ عالم نے فوجِ ظفر موج کے ساتھ، کابل سے ہندوستان کی طرف، توجہ کی۔

قاضی محب اللہ، بہاری کا ستارہ، عُروج پر تھا کہ:

انھیں، مَنصبِ عظیم اور ساری مملکتِ ہند کے صدر کا عہدہ ملا اور ''فاضل خان'' کا خطاب پاکر

سرمایۂ افتخار، جمع کیا۔ مگر، عمر نے وفا، نہ کی۔ شاہِ عالم، اکبر آباد گیا ہوا تھا کہ:

قاضی محب اللہ بہاری مَنصبِ حیات سے، سبک دوش ہوگئے۔ یہ حادثہ ۱۱۱۹ھ کا ہے۔

آپ کی طبعِ روشن کا نتیجہ ''سُلَّم العلوم'' منطق میں۔ اور ''مُسَلَّمُ الثبوت'' اصولِ فقہ میں

اور رسالۂ 'جوہرِ فرد' مسئلۂ جُزءِ لایتجزّیٰ میں، ہیں۔

یہ کتابیں، آج بھی، عُلَما کے ہاتھوں میں گردش کر رہی ہیں۔''

(ص ۳۲۰۔ مآثِرُ الکِرام (فارسی)۔ مؤلفہ سید غلام علی آزاد بلگرامی۔ اردو ترجمہ، مطبوعہ بریلی۔ ۲۰۰۸ء)

(۳) حافظ امانُ اللہ بن نورُ اللہ بن حسین، بنارسی

حافظِ قرآن اور ہندوستان کے عظیم المرتبت عالم ہیں۔ منقول و معقول میں آپ کی شہرت

کا ڈنکا بجا اور علمِ اصولِ فقہ میں آپ کا پرچم لہرایا۔ اس علم میں ایک مَتن، تصنیف فرمایا

اور ''مفسِّر'' نام رکھا۔ اور خود، اس کی شرح، بنام ''مُحکم الاصول'' لکھی۔

تفسیرِ بیضاوی 'عضدی تلویح، حاشیۂ قدیم' شرحِ مواقف، شرحِ حکمت العین، شرحِ عقائد

مُلّا جلال دوّانی وغیرہ پر، حواشی لکھے۔

نیز ''مناظرۂ رشیدیہ'' پر، حاشیہ لکھا اور متعدد بحثوں کو، رَد کیا۔

مسئلۂ حُدوثِ عالَم، جس کے بارے میں محقق جون پوری، مُلّا محمود

میر باقر، اُسترآبادی کے مخالف ہیں، اُس کے بارے میں محاکمہ، تحریر فرمایا۔

کچھ دنوں تک آپ، خلد مکانی (اورنگ زیب عالم گیر) کی طرف سے شہر لکھنؤ کے

منصبِ صدارت پر، متمکن رہے۔

حافظ امانُ اللہ، بنارسی، عہدۂ صدارت پر، اور قاضی محب اللہ، بہاری، منصبِ قضا پر

اِس شہرِ پُر وقار میں جمع ہوئے اور دونوں کے درمیان، علمی بحثیں، جاری رہا کرتی تھیں۔

زندگی کے آخری دنوں میں شاہجہان آباد سے الہ آباد آئے اور شیخ محمد یحیٰی، معروف بہ شیخ خوب اللہ، الہ آبادی قُدِّسَ سِرُّہٗ کی خدمتِ بابرکت میں، جن کے اَحوال، ترجمۂ زائر کے ضمن میں، جلدِ ثانی (سَروِ آزاد) میں بیان کیا جائے گا، طریقۂ نقشبندیہ کا اِستفادہ کیا۔

اور اسی کے مطابق، شُغل رکھا۔

پھر، جب، اس کا اثر، ان پر ظاہر ہوا، تو، حضرت شیخ نے فرمایا کہ:

''بظاہر، جو، اِجتماع، اَلسَّیِّدُ السَّنَد اور خواجہ علاءُ الدین عطّار عَطَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ کے مابین ہوا تھا، ایسا اِجتماع کبھی، نہ ہوا ہوگا۔

لیکن، تم، سید صاحب سے اِس معاملے میں بڑھ چڑھ کر ہو۔

اور میرا، خواجہ کے مقابلے میں، کوئی مرتبہ نہیں ہے۔''

حافظ امانُ اللہ، بنارسی نے اِنکساراً و تواضعاً، عرض کیا کہ:

''آپ، خواجہ کے قدم بہ قدم ہیں۔ اور میں، سید صاحب کے ساتھ، کوئی نسبت نہیں رکھتا۔''

اُنھیں ایام میں آپ نے اپنی جاے پیدائش، بنارس میں ۱۱۳۳ھ میں انتقال فرمایا اور بنارس ہی میں، مدفون ہوئے۔'' (ص ۳۲۰ و ۳۲۱۔ مآثِرُ الکرام (فارسی)۔ اردو ترجمہ، مطبوعہ بریلی۔ ۲۰۰۸ء)

مُلّاً، قطب الدین شہید، سہالوی کے چار بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں کے نام، اِس طرح ہیں:

(۱) مُلّاً، محمد اسعد (۲) مُلّاً، محمد سعید (۳) مُلّاً، نظام الدین محمد (۴) مُلّاً، محمد رضا۔

مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی، چاروں بیٹوں کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

''بڑے بیٹے، مُلّاً، محمد اَسعد، منجھلے، مُلّاً، محمد سعید، سَنجھلے، مُلّاً، نظام الدین محمد

اور چھوٹے، مُلّاً، محمد رضا تھے۔

مُلّاً، محمد اسعد اور مُلّاً، محمد سعید نے اپنے والد ماجد ہی سے تحصیلِ علم کی تھی۔

بڑے بیٹے، مُلّاً، اسعد اپنے والد کی حیات ہی میں، اورنگ زیب کے پاس چلے گئے تھے۔

اور اپنی بیوی اور خوردسال بیٹے، غلام محمد مصطفیٰ کو، اپنے والد کے پاس چھوڑ دیا تھا۔

وہ، اورنگ زیب عالم گیر کے پاس تھے کہ والد ماجد کی شہادت کی خبر، موصول ہوئی۔

مُلّاً اَسعد، پھر، وطن، واپس نہیں آئے۔

''اَغصانِ اربعہ'' کی روایت کے مطابق (ص ۱۳۳) مُلّاً، اسعد، بُرہان پور کے صدرُ الصُّدور کے عہدہ پر فائز تھے۔ ان کا سالِ وفات اور مَرقد تک، معلوم نہیں ہے۔

ان کا علمی کارنامہ، علّامہ دَوّانی کے حاشیۂ قدیمہ پر، حاشیہ موجود ہے۔ جو، اُن کی علمی قابلیت کی قاطع دلیل ہے۔ جس کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے ''تذکرۂ عُلماے فرنگی محل'' کے مصنّف، مولانا عنایت اللہ، فرنگی محلی نے لکھا ہے کہ:

انھوں نے، یہ حاشیہ، مولانا عبدالحیٔ، فرنگی محلی کے کتب خانہ میں دیکھا تھا۔
مگر، اب، مولانا عبدالحیٔ کے ذخیرے میں، جو، آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں منتقل ہوچکا ہے، اس کا پتہ، نہیں چل پایا۔

منجھلے صاحبزادے، مُلّا، محمد سعید، مُلّا، قطب الدین کی شہادت کے وقت، موجود تھے۔
اور اس معرکے میں، زخمی بھی ہوئے تھے۔

واقعۂ شہادت کے بعد، یہی بیٹے، مَحضَر لے کر، عالم گیر کے پاس گئے تھے، جو، اُس وقت دَکن میں تھا۔ عالم گیر نے، جو، واقعۂ شہادت سے پہلے ہی مطلع ہوچکا تھا، مُلّا، قطب شہید کے کنبے کی اِس خواہش کو، کہ، وہ، اب ''سہالی'' میں نہیں رہنا چاہتا، معلوم کرکے
ان ہی مُلّا، محمد سعید کے ذریعہ، کَرُوری بلدۂ لکھنؤ کو، فرمان بھیجا کہ:

''ہر مکانے کہ، مُلّا، سعید، فرزندِ ارجمند، مولانا قطب الدین شہید برائے سکونتِ خود ودیگر فرزندانِ شہید مذکور، در بلدۂ لکھنؤ، تجویز نمایند، آں را سپرد کردہ وبقبضۂ او، درآوردید۔''

(ص ۱۳۲۔ اَغصانِ اربعہ۔ مطبوعہ فرنگی محل لکھنؤ)

(ترجمہ) مُلّا، قطب الدین شہید کے فرزندِ ارجمند، مُلّا، سعید اپنے اور مُلّا، شہید کے دوسرے بیٹوں کے لئے، جو مکان بھی، لکھنؤ، میں پسند کریں، وہ، ان کے سپرد کرکے، اس پر، ان کا قبضہ دلایا جائے۔''

(ص ۵۰۔ بانی درسِ نظامی۔ مطبوعہ لکھنؤ)

''مُلّا، محمد سعید، عالم گیر کا فرمان لے کر ''کَرُوری بلدۂ لکھنؤ'' کے پاس آئے
اور اپنے کنبے کے لئے فرانسیسی تاجر کی اُس کوٹھی پر، اُن کی نظرِ انتخاب پڑی
جو، اِجارے کی مدت، ختم ہوجانے کے بعد، سرکاری مِلک میں آگئی تھی۔
اس کوٹھی میں، جو ''حویلیِ فرنگی'' کہلاتی تھی، اپنے گھر والوں کو، بسا کر
مُلّا، سعید، خاص اس حویلی کا فرمان، حاصل کرنے کے لئے دوبارہ، بادشاہ کے پاس دَکن گئے۔ اور جدید فرمان لے کر جس میں ''یک منزلِ حویلیِ فرنگی'' کے الفاظ ہیں
(اور جو، اَب تک، محفوظ ہے) واپس، وطن آئے۔''

(ص ۱۳۳۔ "اَغصانِ اربعہ"۔ مؤلّفہ مُلّاً ولی اللہ، فرنگی محلی۔ مطبع کارخانہ فرنگی محل، لکھنؤ۔ ۱۲۹۸ھ/۱۹۰۳ء)

الطاف الرحمٰن، قدوائی لکھتے ہیں کہ:

آپ (مُلّاً، سعید) کے دو صاحبزادے، مُلّاً، احمد عبدالحق اور مُلّاً، عبدالعزیز، قُدِّسَ سِرُّھُمَا تھے۔ آپ کی اولاد میں، بہت برکت ہوئی۔ اکثر اہلِ محلہ، آپ ہی کی اولاد سے ہیں۔"

(ص ۴۴۔ "اَحوالِ عُلمائے فرنگی محل"۔ مؤلّفہ شیخ برکت اللہ، قدوائی۔ مطبوعہ لکھنؤ)

مُلّاً، محمد سعید کچھ عرصہ، وطن میں قیام کر کے

پھر، عالم گیر کے پاس چلے گئے اور وہیں، انتقال فرمایا۔

سالِ وفات اور مرقد کے سلسلے میں، وہ بھی، اپنے بڑے بھائی کے ہم قسمت ہی، ثابت ہوئے۔

اب، مُلّاً، قطب شہید کے کنبے کی سربراہی، مُلّاً قطب کے منجھلے فرزند (مُلّاً نظام الدین محمد) کے ذِمّہ آ گئی، جو، والد ماجد کی شہادت کے وقت، صرف چودہ (۱۴) سال کے تھے۔

ان کی تعلیم، ابھی، متوسّطات سے آگے نہیں بڑھ پائی تھی۔

اور، یہی چودہ (۱۴) سالہ یتیم تھا، جو، آوارۂ وطن قافلۂ اَولادِ مُلّاً قطب شہید کے ہمراہ سہالی سے مشکوک اور غیر یقینی مستقبل کے دُھندلکے میں، لکھنؤ کی سَمت، روانہ ہوا تھا۔"

(ص ۵۰۔ "بانیِ درسِ نظامی"۔ مؤلّفہ مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی۔ مطبوعہ لکھنؤ)

استاذُ الھند، مُلّا، نظام الدین محمد، فرنگی محلی

حسّانُ الھند، سید غلام علی آزاد، بلگرامی (وصال ۲۴/ ذوالقعدہ ۱۲۰۰ھ/ ۱۷۸۶ء)
مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی (ولادت ۱۰۹۱ھ۔ وصال ۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ء) کے بارے میں
لکھتے ہیں:

"مُلّا، نظام الدین، خَلفُ الصِّدق مُلّا، قطب الدین، شہید سہالوی طَابَ اللّٰہُ ثَرَاھُمَا
آپ، دنیا کے استاذ، ماہرِ زمانہ تھے۔
ابتداے حال میں علم، حاصل کرنے کے لئے پورب کے دیار میں گئے۔ عُلماے وقت سے
علومِ درسیہ کی تحصیل کی۔
آخر میں، شیخ غلام نقشبند، لکھنوی قُدِّسَ سِرُّہٗ کی بارگاہ سے منسلک ہو کر
بقیہ کتابوں کی تکمیل کی اور فاتحہ ٔ فراغ پڑھا۔
اس کے بعد لکھنؤ میں قیام پذیر ہو کر، ساری عمر، تدریس و تصنیف میں گذار دی۔
بڑا نام اور بڑی شہرت پائی۔
آج، اکثر عُلماے ہند، مولوی صاحب ہی کی طرف، نسبتِ تلمذ کرتے ہیں اور اس پر فخر
کرتے ہیں۔ اور جس کا سلسلہ، آپ تک پہنچتا ہے، وہ، فُضَلا کے درمیان، امتیاز کا پرچم لہراتا ہے۔
بے شمار لوگوں کو دیکھا گیا کہ دوسری جگہوں پر، انھوں نے علم، حاصل کیا
مگر، اعتبار اور شہرت کے لئے فاتحہ ٔ فراغ، مولوی صاحب کے یہاں پڑھا۔
آپ، شیخ عبدالرَّزّاق، بانسوی سے مُرید تھے۔
اور میر سید اسمٰعیل، بلگرامی، خلیفہ شیخ عبدالرَّزّاق، بانسوی قُدِّسَ سِرُّہٗ کی خدمت میں
آپ نے تلقین و ارشاد، حاصل کیا۔ اور فیوض و برکات، حاصل کیے۔
آپ کی تالیفات میں، حاشیہ ٔ شرح ہدایۃ الحکمۃ، حکیم صدرا شیرازی
اور مُسَلَّم الثُّبوت وغیرہ ہیں۔
فقیر (سید غلام علی آزاد بلگرامی) نے ۱۹/ ذوالحجہ ۱۱۴۸ھ کو شہرِ لکھنؤ میں
مولوی صاحب کو دیکھا۔

سَلفِ صالحین کے طریقہ پر تھے۔ تقدُّس کا نور، پیشانی پر چمکتا تھا۔

بروز چہار شنبہ ۱۹ر جمادی الاولیٰ ۱۱۶۱ھ کو، ملکِ جاوِدانی کا سفر کیا۔

آخری آرام گاہ، لکھنؤ میں ہے۔ اِلٰی آخِرِہٖ۔

(ص ۳۲۹۔ و ۳۳۰۔ مَآثِرُ الکِرام (فارسی)۔ مؤلّفہ سید غلام علی آزاد، بلگرامی

اردو ترجمہ از مولانا محمد یونس مونس، اوسی۔ مطبوعہ جامعۃُ الرضا۔ متھرا پور۔ بریلی۔ ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء)

مولانا رحمٰن علی (متوفی ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) مؤلّفِ ''تذکرہ علمائے ہند'' لکھتے ہیں:

مُلّا، نظام الدین، سہالوی، مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی کے تیسرے فرزند تھے۔

اور علوم متعارفہ کی تحصیل اپنے والد ماجد کی شہادت کے بعد، حافظ امان اللہ، بنارسی

اور مولوی قطب الدین، شمس آبادی سے کی۔

فاتحہ ٔ فراغ، مولوی، غلام نقشبند، لکھنوی سے پڑھا۔

نوہ (مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی، فرنگی محلی) مولانا شہید (قطب الدین، سہالوی) کے

بیٹوں میں، وحیدِ عصر، فریدِ دہر اور جامعِ علومِ ظاہر و باطن تھے۔

ان (مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی) کی تدریس کے مقابلے میں

اس علاقہ کے تمام عُلما و مدرسین کی درس گاہیں، سَرد تھیں۔ مشرق و مغرب اور دور دراز کے

قصبات سے لوگ ان کے پاس آتے اور تعلیم، حاصل کرتے۔

برِّ صغیر ہند (موجودہ ہندوستان و پاکستان و بنگلہ دیش۔ مصباحی) میں شاید ہی

کوئی ہوگا، جو، اِن کا، یا۔ اِن کے بیٹوں کا، یا۔ اِن کے شاگردوں کا شاگرد، نہ ہو۔

معقولات و منقولات میں مبسوط کتابیں لکھیں۔

حضرت شاہ (سید عبدالرزّاق، قادری) بانسوی قُدِّسَ سِرُّہٗ کے مُرید تھے۔

شاہ صاحب سے کامل اِستفادہ کیا۔ حضرت شاہ، بانسوی قُدِّسَ سِرُّہٗ

اِن (مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی) کو، اُن لوگوں میں شمار کرتے تھے، جن کے متعلق، ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔

ایک جہان کو، اپنے باطنی علوم و معارف سے مُستفید کیا۔ خَلقِ کثیر نے ان کے دستِ حق

پرست پر، بیعت کی۔ ان کی تعلیم و تربیت سے علما و فُضلا کی ایک بڑی جماعت، فارغ ہوئی۔

ان خصائل کے باوجود، بے نفسی میں نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اور اپنے کو ناچیزِ محض سمجھتے تھے۔

شب و روز، عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے۔

۹ رجمادیٰ الاولیٰ ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ء) میں، فوت ہوئے۔"

(ص ۵۲۵ و ۵۲۶۔ "تذکرۂ علمائے ہند" (فارسی) اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب قادری۔
طبعِ اول پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی۔ کراچی۔ ۱۹۶۱ء)

مترجم، پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں:

"مُلّاَ، نظام الدین کی تصنیفات، حسبِ ذیل ہیں:
شرحِ مُسَلَّم الثبوت، شرحِ تحریر الاصول لابنِ الھُمام، صبحِ صادق، شرحِ مَنار الاُصول
حاشیہ شرح عقائدِ جلالی، حاشیہ حواشی قدیمہ دوّانیہ، حاشیہ صدرا، حاشیہ شمسِ بازِغہ
شرحِ رسالہ مُبارزیہ، مَناقبِ رزّاقیہ۔

(حاشیہ ۵۲۶۔ "تذکرہ علمائے ہند"۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء)

شیخ برکت اللہ، قدوائی لکھتے ہیں:

"مُلّاَ، نظام الدین بن مُلّاَ، قطب الدین شہید
استاذُ الھند، مَرجَعِ علم۔ آپ نے چودہ (۱۴) برس کے سن تک، اپنے پدرِ بزرگوار
اور اپنے برادرانِ معظّم کی تربیت پائی۔

بعد واقعۂ شہادت اپنے والد قُدِّسَ سِرُّہٗ الْعَزِیز کے، مُلّاَ علی قلی، جائسی اور مُلّاَ، امان اللہ
بنارسی اور مُلّاَ غلام نقشبند سے تکمیلِ علم کی۔

اور شیخ الوقت، قطبُ العصر، حضرت سیدنا سید شاہ عبدالرزّاق، بانسوی قُدِّسَ سِرُّہٗ الْعَزِیز
سے بیعت کی۔

آپ سے علومِ ظاہری اور معارفِ باطنی کا فیض ایسا ظاہر ہوا جس کی نظیر کوئی دوسرا نہیں ہے۔
خرقِ عادت اور کرامات اِس قدر ہیں، جن کے لکھنے سے، مَیں قاصر ہوں۔

...........آپ کی تصانیف میں سے شرح مُسَلَّمُ الثبوت اور شرحِ منار، مشہور ہیں۔
۹ رجمادیٰ الاولیٰ یوم چہار شنبہ ۱۱۶۱ھ میں ایک فرزند، مولانا عبدالعلی محمد بحرالعلوم کو چھوڑ کر وفات پائی۔"

ص ۷۷۔ "اَحوال علمائے فرنگی محل"۔ مؤلفہ شیخ برکت اللہ، قدوائی۔

(ص ۱۸۰ تا ص ۱۸۲۔ "تذکرہ علمائے فرنگی محل"۔ مؤلفہ محمد عنایت اللہ فرنگی محلی۔
مطبوعہ فرنگی محل، لکھنو۔ ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء)

مُلاَّ، نظام الدین محمد، سہالوی نے شرح جامی تک کی تعلیم، اپنے والد ماجد
مُلاَّ، قطب الدین شہید سہالوی سے حاصل کی تھی۔ اور فرنگی محل، لکھنؤ میں قیام کے بعد
دیوہ (ضلع بارہ بنکی) جائس (ضلع رائے بریلی) بنارس اور لکھنؤ میں بھی تعلیم، حاصل کی۔
قصبہ جائس، ضلع رائے بریلی میں، دو معروف درس گاہیں تھیں۔
ایک مُلاَّ علی قلی، جائسی کی اور دوسری مُلاَّ محمد باقر کی درس گاہ تھی۔
مُلاَّ، نظام الدین محمد نے اکثر درسی کتب، مُلاَّ علی قلی، جائسی سے پڑھیں۔
اس کے بعد بنارس جا کر، والد ماجد، مُلاَّ، قطب الدین، سہالوی کے مایۂ ناز شاگرد
مُلاَّ، امان اللہ، بنارسی سے شرح مواقف اور دوسری مُنتہی کتابوں کا درس لیا۔
آخر میں، مُلاَّ، غلام نقشبند (وصال ۱۱۲۶ھ/۱۷۱۴ء) سے متعدد کتب فنون کی تعلیم و تحصیل
کے بعد، فنِ ہیئت کی آخری کتاب "رسالہ قوشجیہ" پڑھی۔
دریائے گومتی، لکھنؤ کے کنارے واقع، مزار شاہ پیر محمد (وصال ۱۰۷۹ھ/۱۶۶۸ء) کے
جوارِ قُدس میں مُلاَّ، غلام محمد نقشبند نے درس و تدریس اور ارشاد و ہدایت کی مجلس، آراستہ کر رکھی تھی۔
۱۱۰۵ھ میں، فرنگی محل لکھنؤ، قیام کرنے کے بعد
مُلاَّ، نظام الدین محمد، سہالوی اپنی تعلیم کی تکمیل کی طرف، دوبارہ متوجہ ہوئے تھے۔
جس کا ذکر کرتے ہوئے شیخ محمد عنایت اللہ، انصاری، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء)
لکھتے ہیں:

.......اور جب، اطمینان سے بیٹھنا، نصیب ہوا
تو، طلبِ علم کی فکر ہوئی۔ جہاں جہاں، چشمۂ علم پایا، اُس سے فیض یابی کی پوری کوشش کی۔
اوّلاً، دیوہ اور دیگر قصبات میں مختصرات پڑھے۔
پھر، مُلاَّ، امان اللہ، بنارسی کی خدمت میں
جو، آپ کے والد ماجد کے شاگرد تھے، حاضر ہوئے اور اکثر علوم، وہاں سے حاصل کیے۔
کچھ، مُلاَّ علی قلی، جائسی سے بھی پڑھا۔
اور فاتحۃُ الفراغ، مُلاَّ، غلام نقشبند، رَحمَۃُ اللہِ عَلَیہِ سے پڑھا۔
رسالہ قُطبیہ میں ہے کہ اکثر علوم، مُلاَّ علی قلی سے اور فنِ اُمورِ عامّہ، مُلاَّ، امان اللہ بنارسی سے
اور رسالہ قوشجیہ، مُلاَّ، غلام نقشبند سے پڑھا۔ وَاللہُ تَعَالیٰ اَعْلَم۔

پچیس (۲۵) سال کی عمر میں تحصیلِ علم سے فراغت ہوئی۔ اس کے بعد فرنگی محل، واپس تشریف لائے اور خدمتِ علم، شروع کی۔ بھتیجوں سے ابتداء تدریس فرمائی۔ تھوڑے ہی عرصے میں، ہندوستان بھر کے گوشہ گوشہ میں شہرہ ہوگیا۔ اَکناف و اَطرافِ ملک سے لوگ، طلبِ علم کے لئے خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوکر، واپس جاتے۔

آخر میں، حلقۂ درس کی شہرت و عزت، اِس قدر زائد ہوگئی تھی کہ، کسی طالبِ علم نے کہیں بھی، کتابیں، ختم کی ہوں، مگر، فاتحۃُ الفراغ پڑھنے، حضرت ہی کی خدمت میں حاضر ہوتا۔

علاّمہ آزاد، بلگرامی تحریر فرماتے ہیں:

"اِعتبار و اِشتہارِ عظیم یافت۔ اِمروز، اکثر عُلمائے قطرِ ہندوستان، نسبتِ تلمذ، بہ مولوی دارند وکلاہِ گوشۂ تفاخری کشند۔ و کسے کہ سلسلۂ تلمذ با و، می رساند، بینَ الفُضَلاء، عَلمِ امتیازی افرازد۔

و مَردُم، بسیار را دیدہ شد کہ تحصیل، جاہائے دیگر کردند

و برائے اعتبار، فاتحۃُ الفراغ از مولوی گرفتند۔" (اِلیٰ اَنْ قال)

"فقیر، بہ تاریخ نوزدہم ذی الحجہ ۱۱۴۸ھ در بلدۂ لکھنو، یک صحبتِ مولوی را دیدم کہ طریقۂ سَلفِ صالحین، داشت و شعشعۂ تقدس از ناصیۂ ہمایوں می تافت۔ اِنتہیٰ۔ (مَآثِرُ الکِرام)

باوجود، اِس شہرت و عزت کے، حضرت (مُلاّ، نظام الدین محمد) نہایت متواضع و منکسر المزاج تھے۔ کسی ایک شخص پر بھی کسی اعتبار سے اپنے تفوق کو پسند نہ فرماتے۔ اور اگر کوئی، حضرت کی مدح کرتا، تو، اُس کو، زَجر فرماتے۔

تو کّل عَلیٰ اللّٰہ، ایسا تھا کہ مدتُ العمر کسی سے بھی اپنی حاجت روائی نہیں چاہی۔ بعض اوقات، متعدد فاقے ہوجاتے۔ مگر بِسِوائے صبر و شکر کے، کسی کے سامنے شکنِ ابرو سے بھی تکلیف کو ظاہر نہ ہونے دیتے۔ ٹوٹی ہوئی چٹائی پر بیٹھ کر درس دیتے۔

اِتقا و پرہیز گاری، ایسی کہ پیر و مُرشد (حضرت سید عبدالرَّزّاق، بانسوی) کی خدمت میں حاضر ہوتے تو، غائبانہ ارشاد ہوتا کہ:

"خبر دیت ہے خبر دیت ہے کہ: اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ، آوَت ہیں۔"

(یعنی حضرت سید عبدالرَّزّاق، بانسوی اپنی پوربی زبان میں فرماتے کہ: مُلہِم غیبی، خبر دے رہا ہے۔ خبر دے رہا ہے کہ: ایمان اور عملِ صالح والی شخصیت آرہی ہے۔ مصباحی)

غرض کہ، یہ مُستغنی عَنِ الاوصاف ذات، تحصیلِ علم کے بعد، تقریباً پچاس (۵۰) سال تک خدمتِ علم کرتی رہی۔ بالآخرِ جمادی الاولیٰ ۱۱۶۱ھ یوم چہار شنبہ، بعارضۂ قرحۂ مثانہ رحلت فرمائی۔ اور باغِ مولانا انوار رَحمَۃُ اللہِ عَلَیۡہ کے مغرب، اپنی مملوکہ زمین میں دفن ہوئے۔ قبرِ مبارک، اِس وقت بھی مفید خاص وعام اور خاص کر مریضانِ علم کے لئے نسخۂ شفا ہے۔ مشہور ہے کہ جس کو مطلب، کتاب کا سمجھ میں نہ آتا ہو، کتاب کھول کر مزارِ اقدس پر حاضر رہے۔ اور روحانیتِ حضرت سے توجہ کرے۔ فوراً، مطلب سمجھ میں آجائے گا۔ (وَھُوَ مُجَرَّبٌ)

مدتُ العمر، درسِ علوم معقولہ کا شغل رہا، جو، آخر تک رہا۔ مگر، خوش اعتقادی ایسی کہ کوئی بزرگ اور بزرگ زادے، حاضرِ خدمت ہوتے تو، اُٹھ کر کھڑے ہوتے اور ان کو اپنی جگہ پر بٹھاتے۔

چالیس (۴۰) سال کی عمر تھی کہ نبیِ اُمّی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم وَرُوحِی فِدَاہُ کے ایک اُمّی صاحبزادے (سید عبدالرزّاق، بانسوی) کی خدمت میں، یہ آفتابِ فضل وکمال حاضر ہوا۔ اور اپنے فضل وکمال کو، اُس کے قدموں پر نثار کر کے دولتِ کونین، حاصل کی۔

فرنگی محل کا، بچہ بچہ جانتا ہے کہ:

علم کی یہ دولت، اُس کے خاندان کو

اسی سیدُ السّادات (شاہ عبدالرزّاق، قادری، بانسوی) کے جدِّ امجد کی دعاؤں سے

اور، اسی سیدُ السّادات کی خدمت کی برکتوں سے حاصل ہوئی ہے۔

سِوا، چند افراد کے، سب کے سب علمائے فرنگی محل کا

جس طرح، سلسلۂ نسب، قطبُ الدین شہید سے ملتا ہے

اُسی طرح، سلسلۂ اِرادت، سیدُ السّادات، قطبُ الاقطاب، شہید فی المحبۃ

(شاہ عبدالرزّاق قادری، بانسوی) تک پہنچتا ہے۔

بڑے بڑے منطقی، فلسفی، محدث، مفسر، متکلم، اسی بارگاہ سے فیض یاب ہوئے ہیں۔

استاذُ الھند کے بعد، مولانا احمد عبدالحق، مُلّا محمد رضا، مُلّا احمد حسین، مولانا بحرالعلوم مُلّا حَسَن، مُلّا مُبین، مُلّا ولی اللہ، مُلّا محمد ولی

فخرالمتاخرین، مولانا عبدالحیٔ وملکُ العلما، امامُ الوقت مولانا عبدالباری رَحِمَھُمُ اللّٰہ

سب، اسی خرمن کے خوشہ چیں تھے۔

حضرت استاذ الھند کی تصانیف، حسبِ ذیل ہیں:

شرحِ مسلّم الثبوت، شرحِ تحریرالاصول لِابنِ الھُمام، صبحِ صادق، شرحِ مُنارُ الاصول

حاشیہ شرحِ عقائدِ جلالی، حاشیہ حواشیِ قدیمہ دوّانیہ، حاشیہ شمسِ بازِغہ، شرحِ رسالہ مبارزیہ

مَنقبِ رزّاقیہ، یعنی ملفوظِ حضرت سیدُ السّادات (شاہ عبدالرزّاق، قادری، بانسوی)

رسالہ، دربیانِ وضوے آنحضرت صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم۔

آپ کے مفصّل کرامات و مفصّل حالات، "عمدۃُ الوسائل" میں مولانا ولی اللہ نے تحریر فرمایا۔

.......حضرت میر اسمٰعیل، بلگرامی، رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ

اور اپنے بھتیجے، مولانا احمد عبدالحق رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کے مکاشفہ کے مطابق

دوسرا عقد، شیخ محمد کریم بن شیخ محمد علیم بن مُلّا، شاہ ولی محمد، عثمانی، چشتی، سَنرکھی کی

دختر سے ہوا، جن سے ایک صاحبزادے، کاملُ الوجود، مولانا عبدالعلی، بحرالعلوم

یادگار، بلکہ فخرِ خاندان، جن کا ذکر، اوپر ہو چکا ہے، اور ایک صاحبزادی، پیدا ہوئے۔

.........مُلّا (نظام الدین محمد) صاحب کے چند مشہور شاگردوں کے نام، حسبِ ذیل ہیں:

اَربابِ فرنگی محل میں سے آپ کے تینوں بھائیوں کے، سب صاحبزادے

مُلّا، احمد عبدالحق و مُلّا، عبدالعزیز پسرانِ مُلّا، سعید۔ قاضی غلام مصطفیٰ بن مُلّا، اسعد۔

مُلّا، احمد حسین و مُلّا، عبدالحیٔ، پسرانِ مُلّا، محمد رضا۔

آپ کے بڑے بھائی کے پوتے، مُلّا، حَسن بن قاضی غلام مصطفیٰ۔

آپ کے دوسرے بھائی کے پوتے، مُلّا مُحبُّ اللہ بن مُلّا احمد عبدالحق

و مفتی محمد یعقوب بن مُلّا، عبدالعزیز۔

خود، آپ کے صاحبزادے، مولانا بحرالعلوم (عبدالعلی، فرنگی محلی)

آپ کے شاگردِ خاص، مُلّا، کمال الدین، سہالوی، جو، آپ کے ابنِ عَم تھے۔

مولانا شاہ حقانی، ٹانڈوی، مُلّا، حمداللہ سندیلوی، مولوی عبدالرشید، جون پوری

حضرت شاہ شاکرُ اللہ سندیلوی، سید ظریف عظیم آبادی

مولوی غلام محمد بُرہان پوری، مولوی محمد وجیہ دہلوی، مولانا محمد مغربی تلمسانی

مولانا غلام عمر شمس آبادی، سید کمال الدین، مولوی عبداللہ امیٹھوی

مولوی احمد لکھنوی، مولوی غلام فرید، محمود آبادی، قاضی مولوی قلی احمد، سَنرکھی۔

ایک کتاب کی پشت پر میں نے لکھا ہوا، دیکھا ہے کہ:

''استاذُ الھند نے حدیث کی سند اپنے شاگرد، مُلّا محمد، مغربی، تلمسانی سے حاصل فرمائی تھی۔

وَاللّٰہُ اَعْلَم ۔''(اَخذ واقتباس از تذکرہ علماے فرنگی محل، مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ فرنگی محلی

و ''بانی درسِ نظامی'' ۔ مؤلفہ مفتی محمد رضا، فرنگی محلی، مطبوعہ لکھنؤ)

مولانا محمد واضح رشید، ندوی، مُعتمدِ دارالعلوم، ندوۃ العلما لکھنؤ، اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

''رائے بریلی کے مشہور بزرگ، حضرت سید شاہ عَلَم اللہ، حَسَنی تھے، جن کی طرف، دائرۂ شاہ عَلَم اللہ، منسوب ہے۔ اُن کے پوتے، مولانا محمد واضح، مُلّا، نظام الدین کے ممتاز شاگرد مُلّا، عبداللہ امیٹھوی کے شاگرد تھے۔

یہی مولانا واضح، ایک دفعہ، مُلّا صاحب کی، یعنی استاذ الاساتذہ کی ملاقات کو، آئے۔

مُلّا، ولی اللہ، فرنگی محلی لکھتے ہیں:

مولانا واضح، بیان کرتے تھے کہ مُلّا صاحب کی ملاقات کی غرض سے

ایک دفعہ، حاضرِ خدمت ہوا۔

جاڑے کا زمانہ تھا اور شام کا وقت۔ بلکہ تھوڑا، اندھیرا پھیل چکا تھا۔

اُس وقت، مُلّا، نظام الدین، صاحب، بالوں کی ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔

اندھیرے کی وجہ سے میں نے سمجھا کہ:

مُلّا صاحب کے سر پر، اِس طرح کے بال ہیں، جیسے لوگ رکھ لیتے ہیں کہ:

سر کے گرد، بالوں کا حلقہ۔ اور بیچ سے بالوں کا صفایا۔ یہ طریقہ، خلافِ شرع ہے۔

اُس وقت، اِس خلافِ شرع بات کا گمان، میرے دل میں ہوا۔

دو شبہے اور بھی تھے۔ ایک، یہ کہ مُلّا صاحب، حقہ پیتے ہیں۔

دوسرے، یہ کہ منطق پڑھانے میں مصروف رہتے ہیں۔

حالاں کہ عُلَما نے منطق میں مشغولیت کو، حرام لکھا ہے۔

مُلّا صاحب، مجھ سے بڑی تواضع اور مدارات سے پیش آئے۔

اس کے بعد اپنے سر سے بالوں کی ٹوپی اُتار دی اور فرمایا:

میاں محمد واضح! سمور، بہت گرم اور جاڑوں میں بہت مفید ہوتا ہے۔''

میں سمجھ گیا کہ میرے دل میں جو بدظنی تھی، اس پر مُلّا صاحب مطلع ہو کر

میرے وہم کا جواب دے رہے ہیں۔

اتنے میں ایک خدمت گار نے حقہ لاکر، مُلا صاحب کے سامنے رکھ دیا۔
اب مَیں، حقہ کے جائز و ناجائز ہونے کے بارے میں اِستفسار کرنا ہی چاہتا تھا کہ:
میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی، مُلاَّ صاحب نے فرمایا:
ساری عمر، فقہ کی کتابوں کے مطالعہ میں گذری۔ لیکن، مستند مصنفین کی کتابوں میں کہیں بھی، حقہ کشی اور منطق، پڑھانے کی حُرمت کا کوئی ثبوت، نہیں ملا۔
آپ کے دادا، شاہ عَلَم اللہ، غالباً حقہ نوشی کو، حرام بتاتے تھے۔
اگر، یہ مسئلہ انھوں نے کسی کتاب سے لیا ہے، تو، مجھے بھی، اس کا حوالہ بتائیے۔''
میں نے کہا: اس بارے میں کوئی صراحت تو کتابوں میں نہیں
لیکن، چوں کہ، یہ ایک بے کار اور لغو کام ہے، اِس لئے وہ، منع کرتے تھے۔
مُلاَّ صاحب نے فرمایا:
لیکن، حقہ نوشی میں فائدہ بھی تو ہے؟
ریاح کا توڑنا، قبض کو دفع کرنا، درد اور بادی امراض میں اس کا مفید ہونا، وغیرہ۔
جو لوگ اس سلسلے میں افراط و تفریط کا شکار ہو گئے ہیں، وہ مہمل اور فضول بات ہے۔
اس لئے کہ ہر چیز، مباح ہے۔
شریعت میں، اگر، حرام ہونے کی صراحت نہیں ہے، تو، اصل ہی پر ہر چیز کو محمول کرنا چاہیے۔
رہا منطق کا معاملہ، تو، وہ، قوتِ عقلیہ میں اضافہ کرتی ہے۔
اور صحیح اور غلط کے درمیان، اس کے ذریعہ، فرق کیا جاسکتا ہے۔
منطق کے قواعد کو، پیشِ نظر رکھنے سے غور و فکر میں غلطی سے حفاظت ہوتی ہے۔ اِس لحاظ سے بقدرِ ضرورت، منطق کا جاننا، واجب ہے۔ اِس لئے کہ وہ علمِ اصولِ فقہ کے مبادیات میں سے ہے۔
ممنوع، یا حرام ہے تو، وہ، فلسفہ کے اُن قواعد و اصول میں مشغولیت ہے
جو، قرآن و حدیث کے خلاف ہیں۔
(ماخوذ از مضمون مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی۔ مطبوعہ روزنامہ، قومی آواز، لکھنؤ)
(ص ۳۱ و ص ۳۲۔ مضمون بقلم مولانا محمد واضح رشید، ندوی۔ ''عُلمائے فرنگی محل! حیات و خدمات''۔ ایفا پبلیکیشنز، جوگابائی، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ طبع اول فروری ۲۰۱۲ء)
مُلاَّ، نظام الدین محمد، سہالوی، فرنگی محلی نے تکمیلِ درس کے بعد، جب درس و تدریس کا سلسلہ

فرنگی محل، لکھنؤ میں شروع کیا تو، آپ کی درس گاہِ علم و حکمت، مرجع طلبہ بن گئی۔

اور بڑے بڑے باکمال علما آپ کی درس گاہ سے پیدا ہوئے۔

جن میں خاندانی شاگردوں کی بھی ایک قابلِ لحاظ، تعداد ہے۔ مثلاً:

غلام محمد مصطفیٰ بن مُلّا، محمد اسعد بن مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی۔

مُلّا، احمد عبدالحق بن مُلّا، محمد سعید بن مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی۔

مُلّا، عبدالعزیز بن مُلّا، محمد سعید بن مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی۔

مُلّا، احمد حسین و مُلّا، عبدالحیٔ، فرزندانِ مُلّا، محمد سعید بن مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی۔

مُلّا، محمد علی، مُلّا، محمد ولی، مُلّا، محمد حَسَن (معروف بہ مُلّا، حَسَن)

اَبنائے مُلّا، غلام محمد مصطفیٰ بن مُلّا، محمد اسعد بن مُلّا، قطبُ الدین شہید، سہالوی۔

مُلّا، محبّ اللہ بن مُلّا، احمد عبدالحق بن مُلّا، محمد سعید بن مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی۔

مُلّا، محمد یعقوب بن مُلّا، عبدالعزیز بن مُلّا، محمد سعید بن مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی۔

دیگر نامور تلامذہ میں میراں کمال الدین، بنگالی اور مُلّا، کمال الدین سہالوی

بن قاضی دولت، سہالوی، نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔

حکیم عبدالحیٔ، رائے بریلوی (متوفی ۱۳۴۱ھ/فروری ۱۹۲۳ء) نُزهَةُ الْخَواطِر میں لکھتے ہیں:

.........فَلَمَّا اطْمَأنَّ قلبُهٗ خَرَجَ مِنْ لکناؤ وَ ذَهَبَ اِلیٰ بَلدةِ " جائِسُ"

قرأ اکثرَالکتب الدّرسية عَلیٰ "مُلّا عَلِی قُلی اَلجائِسی"۔

ثُمَّ ذَهَبَ اِلیٰ بَلدةِ "بنارس" وَتلمّذ عَلیٰ الْحَافظ "اَمان اللّٰه بن نورُ اللّٰه الْبَنَارسِی"

وَ قرأ عَلَيهِ" شَرحَ الْمَواقف"۔

ثُمَّ رَجعَ اِلیٰ بلدةِ لکناؤ وَتَلَمَّذَعَلیٰ الشيخ "غلام نقشبند بن عطاء اللّٰهِ اللَّکنوِی۔

وَ قرأ عَلَيهِ "الرِّسالة الْقَوشجية" فِی الْهَيْئة۔.........

وَ بِالْجُملة اِنَّهٗ قَرأ فَاتحةَ الْفَراغ وَلَهٗ خمسٌ وَعشرون سنةً۔

ثُمَّ تَصدر لِلتَّدريس وَالإفادة فتكَاثر عَلَيهِ الطَّلبةُ وَخَضَع لَهُ الْعُلَماءُ۔

وَطَارتْ مصنَّفاتهٗ فِی حياتِهٖ اِلیٰ الْاَمْصارِ وَالبِلاد۔

وَ تَلَقّٰی نظامُ درسِهٖ فِی مَدارسِ الْعُلَماءِ بِالْقبول۔

وَ انتهتْ اِلَيهِ رياسةُ التدريس فِی اکثرِ بلادِ الهند۔

كَانَ مَعَ تبحُّرِهٖ فِی الْعُلوم وَسِعَةِ نظرِهٖ عَلیٰ اَقاوِیلِ الْقُدَماءِ عارِفاً کبیراً، زاهِداً مُجاهِداً، شدیدَ التَّعبُّدِ، عمیمَ الاخلاق، حسنَ التَّواضع، کثیرَ الْمُوٰاساةِ بِالنَّاس۔

وَکَانَ لا یتقیَّد بتکبیرِ الْعِمَامةِ وَتطویلِ الْاِکْمَام وَ الطَّیلسان۔

اَخذَ الطَّرِیقةَ الْقَادریةَ عَنِ الشَّیخ عبدالرَّزّاق بن عبدالرَّحیم الْحُسینی الْبَانْسَوِی۔

قالَ السَّیِّد غلام عَلِی بن نوح الْحُسَینی الْبِلگرامی فِی "سُبْحَةِ الْمَرْجَان"

اَنا دخلتُ لَکناؤ فِی التَّاسع عشر مِنْ ذِی الْحَجَّة سنةَ ثمانٍ وَ اربعین وَ مأة وَ اَلف وَاجتمعتُ بِالْمُلّا نظام الدین۔

فَوَجدْتُہٗ عَلیٰ طریقَةِ السَّلفِ الصَّالِحِین۔

وَکَانَ یلمعُ عَلیٰ جَبِینِہٖ نُورُ التَّقَدُّس۔ اِنتھیٰ۔

وَ مِنْ مُصَنَّفَاتِہٖ شَرحانِ عَلیٰ "مُسلَّم الثُّبوت" لِلْقَاضی مُحِبُّ اللّٰہ "اَلْاَطْوَل" وَ "الطَّوِیل" وَ شَرحٌ لہٗ عَلیٰ "مَنَارِ الاصُول" وَ شَرحٌ عَلیٰ "تحریر الاصول لِاِبنِ الْھُمامِ وَشرحٌ عَلیٰ "الْمُبارزیة" لِلجَونفوری وَحاشیةٌ عَلی شَرحِ "ھِدایَةِ الْحِکمَة" لِلشِّیرازی وَعَلیٰ "الحاشیةِ القدیمة" لَہٗ۔

وَلَہٗ "مَنَاقِب رزّاقیة" کتابٌ بِالفارسی فِی اَخبارِ شیخِہٖ عبد الرَّزّاق۔

وَ اَمّا شَرحہٗ الْاَطْوَل عَلیٰ مسلَّم الثَّبوت فَاِنَّہٗ فقد منذ مُدَّةٍ طویلةٍ۔

وَاَمّا تلامِیذُہٗ فَاِنَّھم کثیرون، اَجَلُّھم:

اَلسَّیِّد کمال الدین العظیم آبادی وَ السَّیِّد ظریف العظیم آبادی وَالعلّامة کمال الدین اَلْفتح پوری وَ مولانا حَقّانی التَّانڈوِی وَ الشیخ غلام محمد الْبُرھان فوری وَالشَّیخ عبداللّٰہ الْاَمیتوی وَ الشیخ احمد بن غلام نقشبند اللَّکنوِی وَحمداللّٰہ بن شکراللّٰہ السَّنْدِیلوی وَالشیخ عبدالرشید الْجَونفوری اَلْمدفون بِلکناؤ وَالشیخ وجیہ الدِّین الدَّھلوی وَ مولانا غلام محمد عمر اَلشَّمس آبادی وَ مولانا غلام فرید المحمد آبادی وَ مولانا الْمَالِکی التِّلمسانی وَ الشیخ شاکراللّٰہ السَّنْدِیلوی وَ الشیخ محمد حَسَنُ بن غلام مُصطفیٰ وَ صِنْوُہٗ محمد وَلی بن الشیخ احمد عبدالحق بن محمد سعید وَ وَلَدُہٗ مَلِکُ الْعُلَمَاء عبدالعلی محمد وَ خلقٌ کَثیرٌ۔

(ص ٦٥١ وص ٦٥٢ ـ نُزْھَۃُ الْخَواطِر ـ جلد سادس ـ دار ابن حزم، بیروت)

مُلَّا، کمال الدین، سہالوی

مُلَّا، کمال الدین محمد، سہالوی (وصال محرم الحرام ۱۱۷۵ھ/۶۲-۱۷ء۔ بمقام فتح پور، اَوَدھ موجودہ فتح پور ضلع بارہ بنکی۔ یو پی) کے بارے، میں سید غلام علی آزاد، بلگرامی لکھتے ہیں:

آپ، سہالی کے انصاری شیوخ اور مُلَّا، نظام الدین محمد، سہالوی کی چچازاد اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے والد نے فتح پور، جو، سہالی سے تین کوس کے فاصلے پر واقع ہے، وہاں کے مخدوم زادوں کے خاندان میں، نکاح کیا تھا اور وہاں کے قاضی، مقرر ہو گئے تھے۔

اِس لئے فتح پور میں آپ، متوطّن ہو گئے۔ فتح پور ہی میں، مُلَّا، کمال الدین کی ولادت ہوئی۔ شعور، بیدار ہوتے ہی، مُلَّا، نظام الدین محمد، سہالوی کی خدمت میں، از اِبتدا تا اِنتہا سارے علمی منازل، مولانا کمال نے طے کیے اور آپ کے ممتاز و نامور شاگرد ہوئے۔ آپ کے نام کے ساتھ، فتح پوری کی نسبت بھی ملتی ہے۔ کیوں کہ وہیں اپنے نانیہال میں آپ کی ولادت ہوئی تھی۔ اصل وطن اور دادیہال، سہالی ہے۔ جس کی نسبت سے بعد میں سہالی لکھا جانے لگا۔

ایک طویل مدت سے مُلَّا، کمال الدین، مسندِ تدریس وتصنیف کی مَسند پر فائز ہیں۔

کثیر طلبہ، آپ کی تعلیم وتربیت کی برکت سے علمی مرتبۂ کمال کو پہنچے۔ آپ کے ذہنِ ثاقب وطبعِ وَقّاد کا نتیجہ ونمونہ، علمِ کلام میں، آپ کی کتاب "اَلْعُروَۃُ الْوُثقٰی" ہے۔

اِس کے علاوہ، حاشیۂ عقائدِ جلالی بھی ہے۔ (مَآثِرُ الْکِرام۔ مؤلّفہ: سید غلام علی آزاد، بلگرامی)

مولانا رحمٰن علی (متوفی ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) لکھتے ہیں:

"مُلَّا، کمال الدین، سہالوی، مُلَّا، نظام الدین بن مُلَّا، قطب الدین شہید، سہالوی کے اَجِلّۂ تلامذہ میں تھے۔ جامع معقول ومنقول، حاویِ فروع واصول

اور اپنے زمانہ کے ذہین افراد کے درمیان، سب سے افضل تھے۔

آپ کی بڑی حیرت انگیز تصنیفات ہیں۔

اَلْعُروَۃُ الْوُثقٰی، شرحِ کبریتِ احمر، حاشیۂ کمالیہ، شرحِ عقائدِ جلالیہ، مبسوط ومشہور ہیں۔

تعلیقاتِ حاشیۂ زاہدیہ بھی لکھا ہے، جو، شرحِ جلالی پر ہے۔

۱۳؍ محرم الحرام ۱۱۷۵ھ/۶۲-۶۳-۱۷ء میں انتقال ہوا۔

بَرَّدَ اللّٰہُ مَضْجَعَہٗ سے تاریخِ وصال (۱۱۷۵ھ) نکلتی ہے۔

(ص ۳۹۹۔ "تذکرۂ علمائے ہند"۔ مؤلّفہ رحمٰن علی۔ اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب، قادری۔ مطبوعہ کراچی)۔

مُلّا، کمال الدین، سہالوی کے بارے میں مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ:

"مُلّا، کمال الدین، سہالوی کے تلامذہ میں ناموَرترین، مُلّا حَسَن، فرنگی محلی، مُلّا، محمد برکت الہ آبادی، مُلّا، حمداللہ، سندیلوی، مُلّا، عبداللہ، سندیلوی، مُلّا، محمد اَعلم، سندیلوی تھے۔

مُلّا، اَعلم، سندیلوی کے شاگردِ رشید، مُلّا، عبدالواجد، خیرآبادی تھے۔

جن کے شاگردِ رشید، مولانا فضلِ امام، خیرآبادی (مولانا فضلِ حق، خیرآبادی کے والدِ ماجد) تھے۔ اور انھیں سے "خیرآبادی سلسلہ" جاری ہوا۔ اور دہلی، رام پور اور اَودھ میں، یہ سلسلہ، کافی پھیلا۔

مُلّا، کمال الدین کے درس کا فیض، مغربی اَضلاع، بجنور، مرادآباد، مظفرنگر اور سہارن پور وغیرہ میں، مُلّا، کمال کے تلامذہ کے ذریعہ، دور دور تک، اُس وقت پھیلا

جب، نواب نجیبُ الدولہ، یا۔ ان کے بیٹے، غلام قادر، روہیلہ نے، دارانگر، متصل امروہہ میں ایک مدرسہ، قائم کیا۔ اور مُلّا، کمال کے شاگردوں کو، بیش قرار تنخواہوں پر درس و تدریس کے لئے مامور کیا۔"

(ص ۹۱۔ "بانیِ درسِ نظامی، مُلّا نظام الدین محمد"۔ مؤلّفہ مولانا محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی)

"ان شاگردانِ مُلّا، کمال الدین، سہالوی کے ذریعہ، مُلّا کمال کے استاذ، مُلّا، نظام الدین محمد کے درس کا سلسلہ، دارانگر متصل امروہہ کے مدرسہ کے فارغ طلبہ کے واسطے سے تمام مغربی اَضلاع میں، جن میں ہندوستان کی راجدھانی، شاہجہان آباد بھی شامل ہے، پھیل گیا۔

یہ، وہ زمانہ ہے، جب، دِلّی میں ولی اللّٰہی خاندان کا حلقۂ درس، خاصا وسیع ہو چکا تھا۔

اور اسی خاندان کے سربراہ شاہ، عبدالعزیز، محدّث دہلوی، دیگر علوم کے ساتھ، تفسیر و حدیث و فقہ کی ترویج میں غیر معمولی شہرت کے حامل ہو چکے تھے۔

مُلّا، نظام الدین محمد کے شاگرد، مُلّا، کمال الدین کے دو شاگرد، مُلّا، حَسَن، فرنگی محلی اور مُلّا، قطب الدین محمد بن کمال الدین، سہالوی بھی، شاہ صاحب کی حیات میں دِلّی پہنچ گئے تھے اور مُلّا، حَسَن نے دِلّی میں، درس و تدریس کا سلسلہ بھی، جاری کیا تھا۔

اور، یہ، اُسی عہد کا واقعہ ہے جس کو مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی نے حسبِ ذیل الفاظ میں درج کیا ہے:

"مُلاَّ حَسَن (فرنگی محلی) نے کچھ مدت، دِلّی میں قیام فرمایا
تو، حضرت شاہ عبدالعزیز، محدّث دہلوی کے شاگردوں کو خبر ہوئی۔
وہ بھی، مُلاَّ حَسَن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کسی مَبحثِ علمی پر، بحث کرنے لگے۔
مُلاَّ حَسَن نے جواباتِ معقولہ سے، ان کی تشفی بھی کر دی۔
وہ (طلبہ) حضرت شاہ صاحب کے پاس، واپس گئے اور مُلاَّ حَسَن کی تعریف کرنے لگے۔
حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ:
"ان معقولیوں کو، حدیث و قرآن سے بالکل بے خبری ہوتی ہے۔
یہ بے چارے، عمر بھر قَالَ الشَّیخ وَقالَ الرَّازِی میں، پڑے رہتے ہیں۔"
مُلاَّ حَسَن، اِس عرصے میں رام پور، واپس ہو چکے تھے۔
کسی نے بحرالعلوم (مولانا عبدالعلی، فرنگی محلی) تک، یہ واقعہ پہنچایا۔
بحرالعلوم نے "ارکانِ اربعہ" لکھ کر، شاہ صاحب کی خدمت میں بھیجی۔
حضرت شاہ صاحب نے اس کے جواب میں، نہایت توصیف و مدح، مولانا کو لکھی۔
اور اس خط کے عنوان میں، مولانا (عبدالعلی، فرنگی محلی) کو "بَحرُ العُلوم" کے لقب سے ملقّب فرمایا۔
خدا کی قدرت کہ حضرت شاہ صاحب کے قلم سے نکلا ہوا خطاب (بحرالعلوم)
آج، عالَم میں شہرت پا گیا اور اب، اہلِ علم کے حلقوں میں، نام اور شاہی خطاب سے زائد
حضرت شاہ صاحب کا عطیۂ خطاب (بَحرُ العلوم) ہی، مشہور ہے۔
ان ہی مُلاَّ، کمال الدین کے ذریعہ، ان کے استاذ (مُلاَّ، نظام الدین محمد) کا فیض
ہندوستان سے باہر پہنچا۔" (ص ۹۲ تا ۹۴۔ "بانیِ درسِ نظامی"۔ مطبوعہ لکھنؤ)

مُلاَّ، کمال الدین، سہالوی کے ایک شاگرد، حج و زیارت کے لئے گئے
تو، مکہ مکرمہ میں ایک یمنی عالم، شیخ عبدالرحمٰن سے کسی علمی مسئلہ پر گفتگو ہوئی
جس سے، وہ، بہت متاثر ہوئے۔
انھیں، اس شاگرد کے ذریعہ، مُلاَّ، کمال الدین، سہالوی کے علم و فضل کا پتہ چلا
تو، وہ، ہندوستان آئے اور مُلاَّ، کمال الدین، سہالوی کی خدمت میں پانچ چھ سال رہ کر
کتبِ درسیہ کی تعلیم، حاصل کی اور اپنے وطن، واپس جا کر، مسندِ درس بچھائی
اور اپنے استاذ، مُلاَّ، کمال الدین، سہالوی کے نام کو، شیخ عبدالرحمٰن، یمنی نے خوب، شہرت دی۔

مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی (متوفی ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء) لکھتے ہیں کہ:

''مُلّا، کمال الدین، سہالوی، اِس درجہ کے فاضل تھے کہ:

تنہا، وہی، اپنے استاذ، مُلّا، نظام الدین محمد کے نام کو، روشن کرنے کے لئے بہت تھے۔

ان کی ٹکّر کا عالم، مدرس اور مصنف، اس زمانے میں، دور دور تک، کوئی دوسرا، نہ تھا۔''

ان کی تصانیف ''اَلْعُروَۃُ الْوُثْقٰی''، ''شرحِ کبریتِ احمر'' اور ''حاشیہ شرحِ عقائدِ جلالی'' میں سے، حاشیہ طبع ہو چکا ہے۔ اور اَلْعُروَۃُ الْوُثْقٰی اور شرحِ کبریتِ احمر، مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے مولانا عبدالحیٔ، فرنگی محلی، کلکشن میں، مخطوطہ کی شکل میں محفوظ ہے۔''

(ص ۹۷ و ۹۸۔ بانیٔ درسِ نظامی۔ مطبوعہ لکھنؤ)

''اِسی طرح، میراں، کمال الدین، ساکن بنگال، یا۔ ساکن بہار نے اپنے استاذ کا فیض بنگال میں، عام کیا۔ اور مُلّا، کمال الدین سہالوی، اَوَدھ میں، سرگرمِ فیض رسانی رہے۔''

(ص ۹۹۔ بانیٔ درسِ نظامی۔ مطبوعہ لکھنؤ)

''مُلّا، کمال الدین، سہالوی کے براہِ راست شاگردوں، بیک واسطہ شاگردوں اور دو، یا تین واسطوں سے کچھ شاگردوں کے نام ''اَغْصَانُ الْاَنْسَاب'' (زمانۂ تصنیف ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء) کے مصنف (رضی الدین محمود، فتح پوری) نے گنائے ہیں:

مولوی حمدُ اللہ، سندیلوی، قاضی محمد نورُ الحق، فتح پوری (مُلّا، کمال کے ابنِ عم) مولوی محمد اَعلم سندیلوی، مولوی برکتُ اللہ، الٰہ آبادی، مُلّا حَسَن، فرنگی محلی، ان کے بھائی، مُلّا، محمد ولی، فرنگی محلی (یہ دونوں فرنگی محلی حضرات، مُلّا، کمال کے سگے بھانجے بھی تھے)

مولوی احمدُ اللہ، خیر آبادی، مولوی محمد اَحْسَن، چریا کوٹی (یہ سب، براہِ راست شاگرد)

ان حضرات کے وہ شاگرد، جو، صاحب درس ہوئے:

مولوی بابُ اللہ، جون پوری، مولوی غلام یحییٰ، بہاری، مولوی عبدالواجد، خیر آبادی وغیرہ ہیں۔

اور تین واسطوں سے شاگردوں میں، مولوی فضلِ امام خیر آبادی، مولوی غلام امام شہید مولوی عبدالواسع، سید پوری، مولوی ضامن، ساکن کٹرہ مانک پور وغیرہ۔

یہ سب، مولوی عبدالواجد، خیر آبادی کے شاگرد ہیں۔

اور مولوی عبدالواجد، مولوی محمد اَعلم، سندیلوی کے شاگرد اور بھانجے تھے۔

اور مولوی اَعلم مُلّا، کمال الدین کے شاگردِ رشید تھے۔''

(ص ۱۰۰۔ ''بانیِ درسِ نظامی'' ۔مؤلفہ: مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی ۔مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۷۳ء)

علاّمہ فضلِ امام، خیرآبادی، مُلاّ، حَسن، فرنگی محلی کے چھوٹے بھائی

مُلاّ، محمد ولی، فرنگی محلی تلمیذِ مُلاّ، کمال الدین محمد، سہالوی و مُلاّ، نظام الدین محمد، فرنگی محلی کے بھی شاگرد ہیں۔

اِس طرح، علاّمہ فضلِ امام، خیرآبادی، بیک واسطہ، مُلاّ، کمال الدین، سہالوی اور مُلاّ، نظام الدین، محمد، فرنگی محلی، بانیِ درسِ نظامی کے شاگرد ہوئے۔

مُلاّ، محمد ولی، فرنگی محلی سے تلمذ کی، یہ روایت

مُلاّ، نعمتُ اللہ، فرنگی محلی (نبیرۂ مُلاّ، محمد ولی، فرنگی محلی) کے ایک مخطوطہ میں درج ہے۔

جس کا ذکر ''تذکرۂ عُلماے فرنگی محل'' اور ''اَحوالِ عُلماے فرنگی محل'' میں ہے۔

(حاشیہ ص ۳۸۲۔ ''تذکرۂ عُلماے ہند'' ۔بقلم مترجم، پروفیسر محمد ایوب، قادریہ۔ مطبوعہ کراچی ۔۱۹۶۱ء)

بحرالعلوم، علاّمہ عبدالعلی، فرنگی محلی

ملک العلما، بحرالعلوم، علاّمہ عبدالعلی محمد، فرنگی محلی لکھنوی (وصال رجب ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء)
فرزند و تلمیذِ استاذ الھند ملّا نظام الدین محمد، سہالوی (وصال ۹ر جمادی الاولیٰ ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء)
بانیِ ''درسِ نظامی'' اپنی ابتدائی عمر میں تحصیلِ علم کی جانب، زیادہ، راغب نہ تھے۔

حضرت شاہ پیر محمد، چشتی، لکھنوی (وصال ۱۰۷۹ھ/۱۶۶۸ء) کے مزارِ مبارک
واقع ٹیلہ دریاے گومتی، لکھنؤ کے عرسِ مبارک کے موقع پر ایک ایسا حادثہ، رُونما ہوا
جس نے بحرالعلوم کی زندگی کا، رُخ، بدل دیا۔

ملّا نظام الدین محمد، سہالوی کے استاذ، ملّا، غلام نقشبند لکھنوی (وصال ۱۱۲۶ھ/۱۷۱۴ء)
کی درس گاہ، یہیں تھی۔

ماضی قریب کے ایک فرنگی محل عالم، مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی (متوفی ۱۹۹۰ء)
سابق استاذِ شعبۂ دینیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ اپنی کتاب ''بانیِ درسِ نظامی''
مطبوعہ لکھنؤ، ۱۹۷۳ء میں لکھتے ہیں کہ:

''ملّا، غلام نقشبند، مدرس بھی تھے اور رُشد و ہدایت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔
ان کی خدمت میں علومِ ظاہری کے علاوہ، علومِ باطنی کے طلب گار بھی آتے تھے اور مسجد
تعمیر کردہ، عالم گیر، یا۔ فدائی خاں اور عمارات، تعمیر کردہ، ملّا، غلام نقشبند میں، ان کا، رہنا ہوتا تھا۔
ملّا، غلام نقشبند کی وفات (۱۱۲۶ھ/۱۷۱۴ء) کے بعد، درس و تدریس کا سب سے بڑا مرکز
ملّا، نظام الدین محمد کا آستانہ تھا۔
خود، ملّا نقشبند کی اولاد بھی، ملّا نظام الدین محمد سے، شرفِ تلمذ رکھتی تھی۔
ملّا صاحب کے پردیسی طلبہ کی قیام گاہ، یہی ٹیلہ، شاہ محمد تھی۔ مرزا محمد حسن قتیل کا کہنا ہے کہ:
''پیشتر، بر پُشتۂ شاہ پیر محمد کہ در لکھنؤ بہ کنارِ دریا مشہور است، برائے ہفت صد طالب علم
مشاہرہ بقیدِ ضرورتِ ماکول و مشروب و ملبوس از سرکار بادشاہِ ہندوستان، معیّن بودہ۔''

(ص ۱۴۷۔ ہفت تماشا۔ مؤلفہ مرزا محمد حسن قتیل۔ مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ)

''اب سے پہلے (زمانۂ تصنیف یعنی ۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ء سے پہلے) شاہ پیر محمد صاحب کے ٹیلہ

پر، جو، لکھنؤ میں، دریا (گومتی) کے کنارے، مشہور جگہ ہے، سات سو (۷۰۰) طلبہ کے رہنے، کھانے پینے اور پہننے کے اِخراجات کے لئے بادشاہِ ہندوستان کی طرف سے ضروری مشاہرہ، مقرر تھا۔"

اسی ٹیلہ شاہ پیر محمد پر، ایک تقریبِ دستار بندیِ طلبہ کے وقت، ہجوم کے ہاتھوں، بحر العلوم نے دھکّے کھائے۔ کیوں کہ، یہاں، وہ، محض "تماشائے دستار بندی" دیکھنے آئے تھے۔

دھکّے کھاتے ہوئے ہجوم سے، جب بحر العلوم نے اپنا تعارف کرایا کہ:

"مَیں، مُلّا، نظام الدین محمد کا لڑکا ہوں۔"

تو، ہجوم کے ایک شخص نے جواب دیا کہ:

سُبْحٰنَ اللّٰہ! تم، اگر، استاذُ الھند، مُلّا نظام الدین محمد کے بیٹے ہوتے تو، مسند پر صدر نشیں ہوتے، یا۔ یہاں، دھکّے کھاتے ہوتے؟

اس کے بعد کا واقعہ، بیان کرتے ہوئے مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی، لکھنوی (ولادت ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء۔ وفات ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) لکھتے ہیں کہ:

"بحر العلوم کی حَمِیَّت، جوش میں آ گئی۔ کا ٹک، وہیں، توڑ ڈالی اور بَتِیر یں اُڑا دیں۔ اور گھر آ کر کتاب، بغل میں لیے پدرِ بزرگوار کے مزار پر حاضر ہو کر، دیر تک گریاں رہے۔ اس کے بعد، کتاب کھول کر، مطالعہ، شروع کیا۔

"جہاں، ذرا بھی، اِشکال پاتے، پدرِ بزرگوار سے، مدد پاتے۔"

یہاں تک کہ، فاضلِ بے نظیر، جامعِ معقول و منقول، عالمِ ظاہر و باطن ہو گئے۔"

(ص ۱۳۸۔ "تذکرۂ علمائے فرنگی محل"۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی۔ مطبوعہ اشاعت العلوم۔ فرنگی محل لکھنؤ۔ ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء)

مُلّا، ولی اللہ، فرنگی محلی (متولد ۱۱۸۲ھ/۶۸/۱۷۶۷ء۔ متوفی ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء) جنھوں نے علمائے فرنگی محل کی دوسری پُشت کا زمانہ پایا ہے۔ اور بحر العلوم، مُلّا، عبد العلی، فرنگی محلی کی حیات کا، پینتالیس (۴۵) سال پایا ہے۔ مگر، بحر العلوم سے ان کی ملاقات، نہ ہو سکی تھی۔

کیوں کہ، جب، یہ پیدا ہوئے تو، بحر العلوم، فرنگی محل، لکھنؤ چھوڑ کر جا چکے تھے۔

شاہجہاں پور، رام پور، بوہر ضلع بَردوان، بنگال، اور مدراس (جنوبی ہند) میں، بحر العلوم کے پچپن (۵۵) سال گذرے اور مدراس ہی میں ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء میں بحر العلوم نے وصال فرمایا تھا۔

اپنی کتاب "اَغصانِ اربعہ" میں، مُلّا، ولی اللہ، فرنگی محلی (متوفی ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء) لکھتے ہیں کہ:

(ترجمہ از فارسی) مُلّا، نظام الدین محمد کی وفات کے بعد، ان کے فرزند ارجمند
کتبِ معقول ومنقول کے مطالعہ میں مشغول ہوئے۔ اور:
''ہر مشکلے کہ، دریں باب، بروے رُومی نمود، بروحانیتِ والدِ خودش، حَل می گشت۔''
اوراس سلسلے میں جو بھی مشکل، ان کے سامنے آئی، اپنے والدِ ماجد کی روحانیت سے حل ہوگئی۔''
چنانچہ، میں نے معتبر حضرات سے سنا ہے کہ:
بحرالعلوم، مولانا، عبدالعلی، فرنگی محلی فرمایا کرتے تھے کہ:
''والدم چناں کہ، در تربیتم در حیاتِ خود، مصروف بود، ہم چناں، بعدِ ممات نیز بہ تعلیم وتفہیم
وکشفِ مُعضلات وحلِ مُشکلات ہم متوجہ ہست۔''
والدِ ماجد (مُلّا، نظام الدین محمد، فرنگی محلی) جس طرح، اپنی حیات میں میری تربیت فرمایا
کرتے تھے، اُسی طرح، بعدِ وفات بھی مُشکل مقامات اور دشوار علمی مسائل کے حل کے سلسلے میں
میری تعلیم وتفہیم کی طرف، متوجہ ہیں۔''
شروع شروع میں دشوار مسائل اوران مباحث کے سلسلے میں، جہاں، عُلما کے قدم لڑکھڑاتے
ہیں، اپنے والدِ ماجد (مُلّا، نظام الدین محمد، فرنگی محلی) کے خاص شاگرد اور بزرگ وسن رسیدہ
مُلّا، کمال الدین، سہالوی مرحوم کی خدمت میں صحیح بات معلوم کرنے کے لئے اور درسی کتابوں
کے مباحث ومقامات کو سمجھنے کے لئے بحث ومباحثہ کیا کرتا تھا۔
اور وہ، میرے والد کی اور اپنی باریک فنّی تحقیقات، مجھ سے بیان فرماتے تھے۔
اور کبھی، میری بحث وتکرار سے، بدمزہ اور تنگ دل، نہ ہوتے تھے۔''
(ترجمہ ص ۱۲۱۔ ''اَغصانِ اربعہ''۔ مؤلفہ مُلّا محمد ولی اللہ، فرنگی محلی۔ مطبوعہ لکھنؤ ۱۲۹۸ھ/۱۹۰۳ء)
اپنے استاذ، مُلّا، کمال الدین، سہالوی سے بحرالعلوم، مولانا عبدالعلی، فرنگی محلی کی
بحث وتکرار، بعض لوگوں کو، ناگوار گذرتی تھی۔
جس کی شکایت، انھوں نے مُلّا، کمال الدین، سہالوی سے کی کہ:
بزرگوں کو چاہیے کہ تعلیم وتدریس میں طلبہ کو، مؤدّب رہنا سکھائیں۔
نہ یہ کہ چھوٹوں کو اپنے برابر سمجھ کر، انھیں. بحث وتکرار کا موقع دیں۔''
مُلّا، کمال الدین، سہالوی نے اِس شکایت کا جس طرح، جواب دیا
اُس سے، درسِ نظامی کے اساتذہ وطلبہ کے درمیان، تعلقِ خاطر

اور، بالخصوص، استاذ زادہ کی دل جوئی کا قابلِ تقلید نمونہ، صفحاتِ تاریخ کی زینت بن چکا ہے۔

مُلاّ محمد ولی اللہ، فرنگی محلی تحریر فرماتے ہیں کہ:

(اردو ترجمہ از فارسی) مُلاّ، کمال الدین نے جواب دیا کہ:

پہلی بات تو، یہ ہے کہ: یہ لڑکا، میرا اُستاذ زادہ ہے۔

اس کے والدِ ماجد (مُلاّ، نظام الدین محمد) کی خدمت میں مَیں نے، یہ علوم، حاصل کیے ہیں۔

جو کچھ، مَیں، اِس لڑکے کے ساتھ کر رہا ہوں، اس کے والد ماجد کے احسانات کو دیکھتے ہوئے کوئی حیثیت، نہیں رکھتا۔

دوسری بات، یہ ہے کہ: اِس عمر میں اپنی محنت اور مشقت سے اس لڑکے نے جو کچھ، حاصل کیا ہے، مجھے یقین ہے کہ، اس کے والدِ ماجد نے جب، وہ، اس عمر کے تھے، حاصل نہ کیا ہوگا۔

اگر چہ، آخر عمر میں وہ، اپنے عہد کے بڑے عالم ہوگئے تھے۔

تیسری بات، یہ ہے کہ: اس چھوٹی عمر میں، اس لڑکے نے متقدمین کی کتابوں اور متاخرین کی تصانیف پر جو عبور، حاصل کیا ہے، وہ، دوسرے عُلما کو، تمام عمر، حاصل نہیں ہوتا ہے۔"

(ترجمہ ص ۱۲۲۔ "اَغصانِ اربعہ"۔ مؤلفہ مُلاّ محمد ولی اللہ، فرنگی محلی۔ مطبوعہ لکھنو۔ ۱۹۰۳ء)

مُلاّ، کمال الدین، سہالوی، یا۔ اپنا اَخذ کردہ نتیجہ، مُلاّ محمد ولی اللہ فرنگی محلی، بیان کرتے ہیں کہ:

"ایں، محض بتوجّہِ روحِ والدش کہ جامعِ علومِ ظاہر و باطن بود، وولایتش بحدِ کمال رسیدہ اورا حاصل گشتہ۔ دریں صورت بحسبِ ظاہر، اگر چہ، صِغرِ سن دارد ولیکن درمقامِ بحث وتکرار رُتبہ علاّمہ، صدرُالدین، شیرازی ومحقّق دوّانی دارد۔" (ص ۱۲۲۔ "اَغصانِ اربعہ"۔ مطبوعہ لکھنو۔ ۱۹۰۳ء)

(ترجمہ) اور یہ سب کچھ، اس کے والدِ ماجد کی توجّہِ روحانی کا ثمرہ ہے۔

وہ، علومِ ظاہر و باطن کے جامع تھے اور ان کی ولایت، حدِ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔

ان حالات میں، گو، دیکھنے میں، وہ (مولانا عبدالعلی، فرنگی محلی) ابھی، کم سِن ہے لیکن، بحث ومناظرہ میں، اس کا رُتبہ، علاّمہ، صدرُالدین، شیرازی اور دوّانی کے برابر ہے۔"

(ترجمہ ۱۲۲۔ اَغصان اربعہ۔ مطبوعہ لکھنو ۱۹۰۳ء)

تکمیلِ تعلیم کے بعد، بحرالعلوم، مولانا عبدالعلی، فرنگی محلی نے متعدد نوابوں کی خواہش اور دعوت کے مطابق، متعدد مقامات کو، رونق بخشی اور اپنے علوم وفنون کے گوہر لٹائے۔

بحرالعلوم، فرنگی محلی، ایک حادثہ کے نتیجے میں لکھنو سے شاہجہاں پور تشریف لے گئے اور وہاں

مختلف مقامات میں فریضۂ درس وتدریس انجام دیتے ہوئے آخر میں مدراس پہنچے اور وہیں آپ کا وصال بھی ہوگیا۔لیکن،اِس طویل عرصے میں کبھی لکھنؤ،واپس تشریف نہیں لائے۔

اس حادثہ کا ذکر آپ کے صاحبزادے،مُلاّ عبدالاعلیٰ،فرنگی محلی (متوفی ۱۲۰۷ھ) نے اپنے"رسالہ قُطبیہ"میں کیا ہے۔جس کا خلاصہ،کچھ اِس طرح ہے:

ایک شیعہ مجتہد،نورُ الحسن،بلگرامی لکھنؤ آیا اور فرنگی محل (لکھنؤ) میں اس نے قیام کیا۔

دورانِ قیام،وہ،کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہوگیا کہ اٹھنا بیٹھنا،مشکل ہوگیا۔

اسی اثنا میں،ماہِ محرم آیا۔وہ،چوں کہ سخت بیمار تھا اِس لئے محرم کی کوئی مجلس بلکہ کسی تعزیہ دیکھنے کے لئے بھی،نہ جاسکا۔اور اس نے اپنے شیعہ متعلقین سے کہا کہ:

تعزیہ،یہیں لایا جائے،تاکہ میں اس کی زیارت کرسکوں۔"

چنانچہ،شیعہ متعلقین،ایک تعزیہ لے کر آنے لگے۔

راستے میں بحرالعلوم،فرنگی محلی کی درس گاہ تھی۔جب اس کے قریب تعزیہ پہنچا،تو،حضرت بحرالعلوم،فرنگی محلی،اُس وقت تلاوتِ قرآنِ حکیم میں مصروف تھے۔آپ نے یہ سمجھا کہ تعزیہ دار اپنا راستہ بھول کر اِدھر آگئے ہیں۔

اِس لئے ہاتھ کے اشارے سے آپ نے اپنے اَقارب واَحباب سے فرمایا کہ:

وہ،اُنھیں،اِدھر نہیں،بلکہ اپنا راستہ،اختیار کرنے کو،کہیں۔"

ان اَقارب واَحباب نے ہاتھ کا اشارہ،صحیح طور پر نہیں سمجھا اور بجائے اِس کے کہ تعزیہ کا رُخ پھیر کر،اُسے،دوسرے راستے سے جانے دیں،اس تعزیہ ہی کو،توڑ پھوڑ ڈالا۔

جس کے نتیجے میں ایک شور وہنگامہ،برپا ہوگیا۔

اس کے بعد،یہ مقدمہ،شیعہ قاضی،غلام مصطفیٰ،لکھنوی تک پہنچا۔

اور اس نے بحرالعلوم،مولانا عبدالعلی،فرنگی محلی کے قتل کا حکم،صادر کردیا۔

اس حکم کی آپ کے تلامذہ واَقارب واَحباب نے شدت سے مزاحمت کی۔

شیعوں نے مقابلے کی تاب نہ لاکر،صلح ومصالحت کرلی۔

ساتھ ہی،یہ سازش بھی شروع کردی کہ،اچانک حملہ کر کے،آپ کو شہید کردیا جائے۔

آپ کے اعزّہ واَقارب ومتعلقین،یہ خطرہ بھانپ کر،سخت تشویش واضطراب میں مبتلا ہوئے۔

کچھ کا خیال ہوا کہ ہر طرح کے حالات کا،پوری پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔

اور کچھ نے رائے دی کہ ایسے حالات میں کہیں اور چلا جانا ہی بہتر ہے۔
آپ نے سنگینیِ حالات کے پیشِ نظر لکھنؤ چھوڑ کر کہیں اور چلا جانا ہی بہتر سمجھا۔
اور لکھنؤ کو، اِس طرح، اَلوداع کہہ کر، شاہجہاں پور کے لئے روانہ ہوئے کہ:
زندگی بھر کبھی لکھنؤ میں قدم بھی، نہیں رکھا۔
(ملخصاً۔ "رسالہ قُطبیہ"۔ از مُلّا، عبدالاعلیٰ، فرنگی محلی، بن بحرالعلوم، مولانا عبدالعلی، فرنگی محلی)
مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ:
"مولانا بحرالعلوم، اپنے والدِ ماجد سے، سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد، درس وتدریس
میں، دو تین سال کے بعد مشغول ہوئے۔ جب کہ، ان کے نامور والد کا وصال ہو چکا تھا۔
تقریباً، دس (۱۰) سال بعد تک، والد ماجد کی مسندِ درس کو زینت بخشنے کے بعد
وہ، حافظ رحمت خاں، سردارِ روہیلہ کے پاس، شاہجہاں پور چلے گئے۔
جہاں، کم وبیش، بیس (۲۰) سال تک، تصنیف وتالیف ودرس وتدریس میں مصروف رہے۔
شاہجہاں پور میں، ان کے تلامذہ کے حلقے میں، فرزندانِ حافظ رحمت خاں شہید بھی تھے۔
جن میں، نواب محبت خاں، قابلِ ذکر ہیں۔ جو، دوسرے وجوہ سے تو، تاریخی شخصیت بن چکے تھے
لیکن، ان کی علمیت اور بحرالعلوم سے تلمذ پر، مؤرخین کی خصوصی نظر نہیں پڑی۔"
(ص ۱۰۹۔ "بانیِ درسِ نظامی، مُلّا نظام الدین محمد"۔ مجلسِ صحافت ونشریات، ندوۃ العلما، لکھنؤ۔ ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء)
"مُلّا بحرالعلوم، شاہجہاں پور میں، غلغلہ درس، بلند کرنے کے بعد
نواب فیض اللہ خاں کی اِستدعا پر، ریاستِ رام پور تشریف لے گئے۔
جہاں، چار (۴) برس تک، سلسلہ درس وتدریس، جاری رکھا۔
نوابِ رام پور، بحرالعلوم اور ان کے شاگردوں کے پوری طرح، کفیل رہے۔
لیکن، یہاں، شاگردوں کی تعداد، بہت بڑھ گئی اور ایسی کثرت ہوئی کہ:
اُس وقت کی ریاست کے بجٹ پر، ان سب کی کفالت، بار بننے لگی
اور ریاست کی طرف سے محدود رقم، مقرر ہونے کی بات آنے پر، مولانا بحرالعلوم
دل برداشتہ ہوئے۔
اس کی اطلاع، بوہار ضلع بَردوان (بنگال) کے علم پرور رئیس، منشی صدرُالدین (میر منشی گورنر
جنرل بہادر) کو ہوئی۔ انھوں نے درخواست کر کے اور انگریزی اثرات سے کام لے کر، ریاستِ

رام پور کو مجبور کر دیا کہ، وہ، مُلّا بحرالعلوم کو "مدرسہ منشی صدرُالدین" میں، درس و تدریس کی رونق بڑھانے پر، بہر قیمت، آمادہ کر دے۔ اس طرح، مولانا بحرالعلوم، بوہار تشریف لے گئے۔

"مدرسہ منشی صدرُالدین" (بوہار ضلع بردوان۔ بنگال) میں، مُلّا بحرالعلوم کے طلبہ کا کس درجہ، پاس و لحاظ کیا جاتا تھا، اس کا اشارہ، لکھنؤ میں مدفون، وجودی بزرگ، صوفی، عبدالرحمٰن (وصال ۱۲۴۵ھ/۱۸۳۰ء) کے تذکرے میں ملتا ہے۔

صوفی صاحب کے تحصیلِ علم کے ذکر کے، دَوران، مرقوم ہے:

ترجمہ از فارسی: (مختلف اساتذہ سے تعلیم، حاصل کرنے کے بعد، صوفی، شاہ عبدالرحمٰن، لکھنوی نے) مولانا عبدالعلی محمد (یعنی، بحرالعلوم) قُدِّسَ سِرُّہٗ کے علم و تبحُّر کا شہرہ، سنا۔

اور ان کی خدمت میں، بنگال، روانہ ہو گئے۔ مولانا بحرالعلوم، اس زمانہ میں کلکتہ کے قریب، قصبہ بوہار میں، میر منشی کونسل، منشی، صدرُالدین کے مدرسے میں، درس و تدریس کو رونق بخش رہے تھے۔

صوفی صاحب، صفر ۱۱۹۹ھ (مطابق دسمبر ۱۷۸۴ء) میں، مولانا عبدالعلی محمد (بحرالعلوم) قُدِّسَ سِرُّہٗ کی خدمتِ بابرکت میں پہنچے اور ایک سال، قیام کر کے مُسلّم الثبوت (اصولِ فقہ) حاشیۂ قدیمہ (کلام) اور بیضاوی (تفسیر) کا درس لیا۔

یہی آخری کتابیں، صوفی صاحب کی، رہ گئی تھیں۔ ان کو پڑھ کر فارغُ التحصیل ہو گئے۔

مولانا بحرالعلوم نے چاہا کہ، جس طرح، دوسرے فارغُ التحصیل طلبہ کو فراغت کی سند ایک خاص اہتمام سے دی جاتی ہے، صوفی صاحب کو بھی، دی جائے۔

صوفی صاحب کا بیان ہے کہ، میں نے انکار کر دیا۔ وجہ، یہ تھی کہ:

مدرسہ منشی صدرُالدین سے جس کو بھی، سندِ فراغت دی جاتی اور دستار بندی کی جاتی اُس کو، منشی صدرُالدین، ایک خلعت اور دو سو روپے، نقد دیتے تھے۔

نیز، انگریزی سرکار میں، اس فارغُ التحصیل کو ملازم بھی کرا دیتے تھے۔

میں نے کہا کہ: میں نے، اللہ کے لئے تحصیلِ علم کی ہے۔ مال، یا۔ خلعت کی لالچ میں یا۔ ملازمت کی ہَوس میں نہیں کی ہے، تو، رَسمی دستار بندی کی مجھے کیا حاجت رہ جاتی ہے؟"

(ص ۳۰۔ "اَنوارُ الرَّحمٰن لِتنویرِ الْجنان"۔ مؤلّفہ مولوی نور اللہ۔ مطبع نولکشور، لکھنؤ۔ ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۳ء)

بہر حال! اس شان و شوکت کے ساتھ "مدرسہ منشی صدرُالدین" میر منشی گورنر جنرل میں

ملا، بحرالعلوم، درس وتدریس کی خدمت، انجام دیتے رہے۔

اور بالآخر، وہاں، تلامذہ کی کثرت اور دور دور سے طالبانِ علوم کی آمد، منشی صدرالدین کے

ذرائع آمدنی کے لئے بھی، وجہِ آزمائش بن گئی۔

اِس صورتِ حال کی شہرت ہوتے ہی، نظامِ حیدرآباد، سلطان ٹیپو، اور نوابِ اَرکاٹ

(مدراس) تینوں نے، بیک وقت، درخواستیں اور عرض داشتیں

مولانا بحرالعلوم کی خدمت میں اپنے یہاں، قدم رنجہ فرمانے کی، بھیجیں۔

مولانا بحرالعلوم نے، نوابِ اَرکاٹ (مدراس) کی عرض داشت کو، شرفِ قبولیت

اس لئے بخشا کہ:

وہ، اَصلاً، گوپامئو (ضلع ہردوئی۔اَوَدھ) کے رہنے والے تھے اور ان کو حقِ جوار، حاصل تھا۔

مولانا کے اِس فیصلے پر، نواب والا جاہ اَرکاٹ (مدراس) کو، کتنی مسرت ہوئی؟

اس کا اندازہ، اِس اندازِ پذیرائی سے کیا جاسکتا ہے

جو، بحرالعلوم کے، وہاں (اَرکاٹ) پہنچنے پر، نوابِ والا جاہ نے اختیار کیا۔

مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) لکھتے ہیں کہ:

''مدراس پہنچے، تو، بیرونِ شہر، علما و اَعیان نے استقبال کیا۔آپ (بحرالعلوم) پالکی پر

سوار اور تمام اَعیانِ دولت، پاپیادہ ہمراہ، اِس شان سے نواب کے دولت خانے پر پہنچے۔

نواب نے، دروازے تک مع شہزادوں کے، استقبال کیا۔

آپ نے پالکی سے اُترنے کا ارادہ فرمایا۔نواب نے کسی طرح، اُترنے، نہ دیا۔

اور، خود، پالکی کو، کاندھا دے کر صدر مقام تک لے گیا۔

مولانا کو، صدر میں بٹھایا اور خود، مؤدّبانہ، سامنے بیٹھا۔''

(ص ۱۳۹۔''تذکرۂ علماے فرنگی محل''۔مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی۔مطبوعہ۔فرنگی محل لکھنؤ)

یہ تو، نواب کے اندازِ استقبال کی شان تھی، جو، بیان ہوئی۔

اور، بحرالعلوم کی تشریف آوری کی کیا شان تھی؟

اس کے بارے میں، صاحبِ نُزھَةُ الخَوَاطِر لکھتے ہیں:

فَسَافَرَ اِلَیھَا مَعَ سِتِّ مِاۃِ نَفسٍ مِنْ رِجَالِ الْعِلم۔

یعنی، بردوان ضلع کے قصبہ بوہار سے، جب مولانا بحرالعلوم، مدراس کے لئے آمادۂ سفر

ہوئے، تو، ان کے ساتھ، طالبانِ علم کا ایک بڑا گروہ تھا۔ جس کے افراد کی تعداد، چھ سو (۶۰۰) تھی۔"

مولانا بحر العلوم، مدراس پہنچے، تو، ان کے ہمراہ، چھ سو (۶۰۰) طلبہ پر مشتمل

پورا، ایک جامعہ (یونیورسٹی) تھا۔

عالی ظرف، نوابِ ارکاٹ نے جس شانِ انکسار سے بحر العلوم اور ان کے چھ سو (۶۰۰) تلامذہ کا خیر مقدم کیا، ویسی ہی، عالی حوصلگی سے، اس نے بحر العلوم کے لئے ایک الگ مدرسہ، تعمیر کرایا۔

بحر العلوم کے لئے گراں قدر مشاہرہ، ان کے دامادوں، مُلّا علاء الدین، فرنگی محلی اور مولانا اَزہارُ الحق، فرنگی محلی کے لئے جُداگانہ وظیفۂ تدریس اور جتنے طلبہ ہمراہ تھے سب کے لئے وظیفۂ تعلیم، مقرّر کیا۔

ایک جدید تصنیف "خانوادۂ قاضی بدرُ الدَّولہ" کے مصنّف، افضل العلما، محمد یوسف کوکن عُمری (مدراس یونیورسٹی) نے، قدیم دستاویزی، تاریخی تحریروں، اور سرکاری ریکارڈوں سے نواب والا جاہ، محمد علی، والیِ ارکاٹ (جنوبی ہند) کی دعوت پر، مُلّا، عبد العلی بحر العلوم، فرنگی محلی کے مدراس پہنچنے کی تاریخ، بیان کرتے ہوئے ایک اہم خط بھی، نقل کیا ہے۔ اور بحر العلوم کے مشاہرے کا، ذکر بھی کیا ہے۔ محمد یوسف کوکن، عمری لکھتے ہیں:

"نواب، محمد علی والا جاہ نے اپنے مدرسۂ کلاں کی صدر مدرّسی کے لئے مولانا عبد العلی بحر العلوم کو دعوت بھیجی۔ وہ، ۲۴؍ ذوالحجہ ۱۲۰۵ھ کو، بوہار (ضلع بَردوان) سے مدراس پہنچے۔ ان کے ساتھ، ان کے فرزند، مولوی عبد الرَّب اور مولوی امام بخش اور دوسرے بہت سے لوگ تھے۔

مولانا بحر العلوم کی تنخواہ، ایک ہزار روپے، مقرّر رہوئی۔

مدراس اور آس پاس کے طلبہ، ان کی خدمت میں اِستفادہ کرنے لگے۔

مولوی محمد غوث (مولوی محمد غوث، شرف الملک بہادر) نے، بھی تبرکاً کچھ پڑھنے کا ارادہ کیا۔ مگر، وہ، کسی وجہ سے ان کی درسگاہ میں، شریک ہونے پر، متردّد تھے۔ آخر، انھوں نے اپنے دادا قاضی، نظام الدین احمد اصغر کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق، اِستخارہ کیا۔

اس رات انھوں نے خواب میں، دیکھا، تو، انھیں، دلی مسرت ہوئی۔

وہ، خود، مولانا عبد العلی بحر العلوم سے مل کر اپنا خواب، بیان کرنا چاہتے تھے۔

لیکن، حجاب، دامن گیر ہو گیا۔ انھوں نے، اپنے چچا، مولوی غلام عبد القادر، فرزندِ مولوی محمد صادق، فرزندِ محمد عبد الرشید شہید کے نام، حسبِ ذیل خط لکھا:

(ترجمہ از فارسی:) قبلۂ مَن! خدا کی حمد اور اُس کا شکر ہے کہ:
آنجناب کے اجازت دادہ درود کی برکت سے، رات، عجیب نعمتِ عُظمیٰ سے فائز ہوا۔
جس کی تفصیل، یہ ہے کہ:
میں نے، تہجد کی نماز کے بعد، اس طریقے سے اِستخارہ کیا جو کہ:
مجھ کو، دادا مرحوم (اللہ، ان کی خواب گاہ کو ٹھنڈک سے بھر دے) سے ملا تھا۔
اور نیت، یہ کی تھی کہ حضرت مولانا (عبدالعلی، فرنگی محلی) سے (اللہ، ان کی برکتوں سے
مجھے، فائدہ پہنچائے) اِستفادہ کرنا چاہیے، یا۔نہیں؟ اور ان سے مجھے، کوئی فیض ہوگا، یا۔نہیں؟
دیر تک، نیند نہیں آئی۔اور آخر، جب مجھ پر، اُونگھ، غالب ہوئی
تو، اپنے آپ کو، جنابِ رسالت مآب صلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی مجلس میں پایا۔
آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے مولانا مُدَّظِلُّہٗ کو، زیادہ مُشابہ، پا رہا تھا۔
امیرُ المومنین، حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَاَرْضَاہُ عَنَّا
آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اشارہ سے ایک قرابہ چرمی، یعنی، ڈولچی
زمزم سے بھری لے آئے۔
اور اپنے دستِ مبارک سے مجھے پلانا، شروع کیا۔
پینے کے درمیان، مَیں، ہر چند اشارہ کرتا رہا کہ بس کریں۔مگر، انھوں نے اپنا ہاتھ نہیں کھینچا۔
یہاں تک کہ، میرا پیٹ، حلق تک بھر آیا۔
اُس وقت، آبِ زمزم کی بدولت، علم سے بھرپور ہونے کی حدیث، یاد آئی۔
اور میری آنکھوں سے آنسو، جاری ہو گئے۔
اسی حالت میں، جب کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے، بیدار ہوا۔
زمزم کے پانی کی لذت، ابھی تک، منہ میں تھی۔اَلْحَمْدُلِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِک۔
وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی نَبِیِّنَاوَ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَتَابِعِیْہِ اِلٰی یَومِ الدِّیْنِ۔
میں، چاہتا تھا کہ، خود ہی پہنچ کر (حضرت مولانا عبدالعلی سے) عرض کروں۔لیکن، چوں کہ
امیر مرحوم کی فاتحہ کے لئے امیر باغ گیا ہوا تھا، اِس لئے آنے کی، سَکَت نہ رہی۔
حضرت مولانا عبدالعلی کی خدمت میں پہنچ کر، اس خواب کا بیان کرنا، ضروری ہے۔
لیکن، ظاہری اِرتباط، نہ ہونے کی بنا پر، حجاب، محسوس ہو رہا ہے۔

اسی لئے آنجناب کو تکلیف دی جاتی ہے کہ:
مولانا وجیہ الدین سراپا اشتیاق سے، یہ ماجرا بیان کرکے، یا۔ کسی اور صورت سے
جس کو آپ، مناسب سمجھتے ہوں، نواب صاحب کی اجازت لے کر
آج ہی، مجھے، حضرت مولانا کی خدمت میں لے چلیں۔
یا۔ خود، تکلیف اُٹھا کر، یہاں تشریف لے آئیں اور حضرت مولانا کی خدمت میں لے جائیں۔
اتنا قلق و اشتیاق، مجھ پر غالب ہے کہ، کل تک کا انتظار کرنا، عین قیامت ہے۔
اور زیادہ، کیا عرض کیا جائے۔"
اس خط پر لکھنے کی، تاریخ نہیں ہے۔ مگر، خط میں، امیر مرحوم کی فاتحہ کا، ذکر ہے۔
ان سے مراد، نواب اَمِیرُ الْاُمَرا، مرحوم ہیں۔ جو، نواب محمد علی، والا جاہ کے دوسرے فرزند
تھے۔ اور جن کا ۲۴ رمحرم ۱۲۰۳ھ کو، انتقال ہوا تھا۔
چوں کہ، حضرت مولانا عبد العلی ۲۴ رذوالحجہ ۱۲۰۵ھ کو، مدراس تشریف لائے تھے
اس لئے قیاس کہتا ہے کہ ۲۴ رمحرم ۱۲۰۶ھ کا، واقعہ ہے۔
(ص ۱۴۹ تا ۱۵۰۔ "خانوادۂ قاضی بدرالدولہ"۔ مؤلفہ ڈاکٹر یوسف کوکن، عمری۔ مطبوعہ ۱۹۶۳ء)
نواب، محمد علی، والا جاہ کا انتقال، ۱۲۱۲ھ ۱۳ / اکتوبر ۱۷۹۵ء کو ہوا۔
اور ان کے بڑے بیٹے عُمْدَۃُ الْاُمَرا، جانشین ہوئے۔ اور چھ (۶) سال تک، حکمرانی کی۔
نواب، عُمْدَۃُ الْاُمَرا کا، ۱۲۱۶ھ میں انتقال ہوا۔ اور سلطان ٹیپو سے، ساز باز کے الزام میں
انگریزوں نے ولی عہد نواب، تاجُ الْاُمَرا، علی حسین خاں بہادر پر، زور ڈالا کہ:
وہ، حکومت سے دست بردار ہو جائیں اور گراں قدر وظیفے پر قناعت کریں۔"
تَاجُ الْاُمَرا، کے انکار پر انگریزوں نے، نواب والا جاہ کے مرحوم بیٹے، اَمِیرُ الْاُمَرا کے
فرزند، عبد العلی خاں کو گدی نشین کرنا چاہا
تو، مُلّا، بحر العلوم اور دوسرے عُلما نے فتویٰ جاری کیا کہ نواب عمدۃ الدولہ کے حقیقی وارث
تاجُ الْاُمَرا کے ہوتے ہوئے، کسی دوسرے کو گدی نشین کرنا، شرعاً اور قانوناً، ناجائز ہے۔
مگر، انگریزوں نے زور زبردستی کرکے، عبد العلی خاں (فرزندِ نواب اَمِیرُ الْاُمَرا) کو
گدی نشین کر ہی دیا۔ اختیارات لے لیے اور تنخواہ، جاری کر دی۔
عبد العلی خاں، نواب عظیم الدولہ کے لقب سے تخت نشین ہوئے اور مولوی محمد غوث

ان کے دیوان اور وزیر اعظم، مقرر ہوئے۔ اور شرفُ الدولہ کے لقب سے سرفراز ہوئے۔

ریاست کے ملازمین، بے روزگار ہو گئے۔ جنھوں نے، انگریزوں کے حکمراں ادارہ "ایسٹ انڈیا کمپنی" کو، درخواستیں گذرنا، شروع کیں، مولوی محمد غوث شرف الملک، ان پر سفارشیں کرتے تھے۔ اکثر کی درخواستیں، منظور ہو گئیں۔

یہ سب تفصیل "خانوادۂ قاضی بدرُ الدَّولہ" کے مصنّف (ڈاکٹر یوسف کوکن، عمری) نے بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

"اس کے لئے ایک مستقل دفتر قائم ہوا۔ جس کا نام

"کرناٹک اسٹے پنڈس پے ماسٹر آفس" تھا۔ اور یہ دفتر، آج تک، قائم ہے۔

یہ تمام اپیلیں، اب تک، اصلی صورت میں، حاجی ابو احمد محمد عبداللہ کے پاس، موجود ہیں۔

ان کے دیکھنے سے، پتہ چلتا ہے کہ:

صرف، مُلّا، بحر العلوم ہی، ایک شخص تھے، جنھوں نے انگریز کے آگے، ہاتھ نہیں پھیلایا۔"

(ص ۱۵۷۔ "خانوادۂ قاضی بدرُ الدَّولہ")

۱۲۱۶ھ سے لے کر ۱۳ ر رجب ۱۲۲۵ھ تک، پورے دس سال تک

مُلّا بحر العلوم، فرنگی محلی اس کے بعد، بقیدِ حیات رہے۔ اور مدراس ہی میں، قیام بھی رہا۔

لیکن، انگریزوں کے سامنے، دستِ سوال، دراز نہیں کیا۔ حالاں کہ، ان کا مشاہرہ ایک ہزار روپیہ تھا اور دو گاؤں بھی، جاگیر میں، نواب، عُمْدَۃُ الْاُمَرا کے وقت میں، دیے گئے تھے۔

مُلّا بحر العلوم کی وفات کے بعد، ان کے فرزند، مُلّا، عبد الرّب، دوسرے مرحوم فرزند کے بیٹے مُلّا، عبد الواجد اور داماد و جانشین، ملک العلما، مُلّا، علاء الدین بن مُلّا انوارُ الحق، فرنگی محلی نے اپیلیں کیں اور مُلّا بحر العلوم کی تنخواہ، کمپنی بہادر سے جاری ہو کر، ورثہ میں تقسیم ہونے لگیں۔"

(ص ۱۱۱ تا ص ۱۱۸۔ "بانیِ درسِ نظامی، مُلّا نظام الدین محمد"۔ مؤلّفہ مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی۔ مجلسِ صحافت و نشریات، ندوۃُ العلما۔ لکھنؤ۔ ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء)

.........بحر العلوم، مولانا عبد العلی، فرنگی محلی کے وصال، رجب ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء کے بعد آپ کے داماد، مُلّا، علاء الدین، فرنگی محلی، حفیدِ مُلّا، احمد عبد الحق، فرنگی محلی بن مُلّا، محمد سعید، سہالوی بن مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی، آپ کے جانشین ہوئے۔

مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی لکھتے ہیں:

''مدراس میں مُلّاَ بحرالعلوم کی جانشینی، ملکُ العُلما، مُلّاَ، علاءالدین احمد بن مولانا انوارُالحق فرنگی محلی نے کی۔ ان (مولانا علاءالدین) کے بھائی، مولانا نورُالحق، فرنگی محل میں درس وتدریس کرتے رہے۔ یہ دونوں بھائی، مُلّاَ، علاءالدین احمد اور مولانا نورُالحق، نیز، ان دونوں کے والدِ ماجد مولانا احمد انوارُالحق بھی، بحرالعلوم ہی کے شاگرد تھے۔

ان تینوں حضرات میں سے کسی نے شاہجہاں پور، کسی نے رام پور، اور بوہار (ضلع بَردوان بنگال) جاکر، بحرالعلوم سے اعلیٰ کتابیں پڑھ کر، فراغت، حاصل کی تھی۔

مُلّاَ بحرالعلوم کے صاحبزادوں میں

بڑے، مُلّاَ عبدُالاَعْلیٰ (مصنّفِ رسالہ قُطبیہ) نے بھی اپنے والدِ ماجد (مُلّاَ بحرالعلوم) سے ہی ساری تعلیم، حاصل کی تھی۔

لیکن، ان کی وفات، والدِ ماجد (بحرالعلوم) سے اٹھارہ (۱۸) سال قبل ۱۲۰۷ھ میں ہوگئی تھی۔

دوسرے بیٹے، مُلّاَ محمد نافع بن بحرالعلوم بھی، والدِ ماجد کی حیات میں انتقال کر گئے۔

مولانا عبدالرَّب بن بحرالعلوم نے، جن کو، نوابِ اَرکاٹ (مدراس) نے ''سلطانُ العُلماء'' کا خطاب دیا تھا، کچھ دنوں، والدِ ماجد کی وفات کے بعد، درس وتدریس کی۔

اس کے بعد، وطن (فرنگی محل، لکھنو) واپس آکر، شغلِ تدریس، جاری رکھا۔

ان کی وفات ۱۲۵۳ھ میں ہوئی۔

ان کے بعد، ان کے نامور فرزند، مولانا عبدالحکیم، فرنگی محلی نے بحرالعلوم کی جانشینی فرنگی محل میں، رہ کر کی۔ اور ان سے بھی بہت فیض، جاری ہوا۔''

(ص ۱۳۸ و ۱۳۹۔ ''بانیِ درسِ نظامی! استاذُ الھند مُلّاَ نظام الدین محمد''۔ مؤلّفہ مفتی محمد رضا انصاری، فرنگی محلی مجلسِ صحافت ونشریات، ندوۃُ العلما، لکھنؤ۔ ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء)

بحرالعلوم، مولانا عبدالعلی، فرنگی محلی، لکھنوی (وصال ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) اور سراجُ الھند، شاہ عبدالعزیز، محدّث دہلوی (وصال ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۸ء) عَلَیْھِمَا الرَّحْمَۃُ وَالرِّضْوَان۔

یہ دونوں حضرات، تیرھویں صدی ہجری کے وہ جلیلُ القدر علمائے سَوادِ اعظم اہلِ سُنّت وجماعت ہیں، جن کی دینی وعلمی درس گاہ ودانش گاہ کا فیض، اُن کے تلامذہ ومستفیضین کے ذریعہ واسطہ، درواسطہ، متحدہ ہندوستان کے ہر خطّے کو سیراب کرتا رہا۔

اور آج بھی ہندو پاک وبنگلہ دیش کے بیشتر علما ومدرسین اور مدارس وجامعات کا سلسلۂ تعلیم

انھیں دونوں مشاہیر سے کسی نہ کسی شکل میں منسلک اور انھیں تک، مُنتہی ہوتا ہے۔

اپنے سفرِ حج ۱۳۲۳ھ کے مبارک موقع پر، فقیہِ اسلام، امام اہلِ سُنّت، مولانا احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی (وصال ۲۵ رصفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) نے علما و محدِّثین و شیوخِ مکہ مکرّمہ و مدینہ طیبہ وغیرہ کی طلب پر جو سندیں، عطا فرمائیں، ان سب کے آخر میں اپنی حاصل شدہ اجازتیں بھی تحریر کی ہیں۔ جو "اَلْاِجَازَاتُ الْمَتِینَۃ لِعُلَمَاءِ بَکَّۃ وَالْمَدِینَۃ (۱۳۲۴ھ) میں موجود و مطبوع ہیں۔ یہ مجموعۂ اجازات و اَسانید، عربی زبان میں ہے، جو، اردو ترجمہ کے ساتھ، ہندو پاک میں متعدد مرتبہ، شائع ہو چکا ہے۔

امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ کو، خانوادۂ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ مطہّرہ کی طرح، خانوادۂ ولی اللّٰہی عزیزی (دہلی) و خانوادۂ فرنگی محل (لکھنؤ) دونوں سے سلسلہ بہ سلسلہ اجازت، حاصل ہے۔

ایک اجازت نامہ، برائے علماے مکۃُ المکرمہ کا خلاصہ، درج ذیل ہے:

''اُن تمام علوم کی اجازت دیتا ہوں، جنھیں، میں نے اپنے اساتذہ سے پڑھا ہے۔

اور اِس اعلیٰ وجہ کی بنا پر، میرے لئے میرے اساتذہ سے

قرآنِ عظیم کی روایت اور نبیِ کریم عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ وَالتَّسلیم کی احادیث کی روایت، صحیح اور ثابت ہے۔

اور کتبِ حدیث کی اُن تمام قسموں کی بھی، اجازت دیتا ہوں، جنھیں، صحاح، سُنَن، مَسانید جوامع، معاجم، اَجزا کہا جاتا ہے۔ اور ان کی اجازت اور روایت، میرے لئے صحیح اور ثابت ہے۔

نیز، مسلکِ محدِّثین کے مطابق اور ہمارے جلیلُ القدر اماموں کے روشن طریقے کے موافق جتنی کتبِ اصولِ فقہ ہیں، ان کی بھی روایت، میرے لئے صحیح اور ثابت ہے۔

اور فقہِ حنفی کی روایت بھی۔ جو، سلسلہ بہ سلسلہ، سیدنا امام اعظم، ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ تک پہنچتی ہے۔ پھر، امام حماد بن سلیمان و امام ابراہیم نخعی سے ہوتے ہوئے علم کے دو دریاؤں یعنی سیدنا اَسود و سیدنا علقمہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا

اور ان کے ذریعہ، سیدنا عبداللہ بن مسعود تک پہنچتی ہے۔

جو، براہِ راست، سیدِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے فیض یاب و سیراب ہیں۔

علمِ قرآن، علمِ حدیث، اصولِ حدیث، فقہِ حنفی کی طرح، درجِ ذیل علوم کی روایت بھی

میرے لئے صحیح اور ثابت ہے:

کتبِ فقہ جُملہ مذاہب، اصولِ فقہ، جدلِ مہذب، علمِ تفسیر، علمِ عقائد وکلام، علمِ نحو، علمِ صرف
علمِ معانی، علمِ بیان، علمِ بدیع، علمِ منطق، علمِ مناظرہ، علمِ فلسفہ، علمِ تکسیر، علمِ ہیئت، علمِ حساب، علمِ ہندسہ۔
یہ، اِکیس (۲۱) علوم ہیں، جنھیں، میں نے اپنے والدِ محترم، حضرت مولانا نقی علی، بریلوی سے
حاصل کیا۔ اور باقی مشائخ نے بھی اجازت بخشی۔

تو، کتنے اچھے ہیں اجازت دینے والے اور کتنی اچھی ہے ان کی بخشی ہوئی اجازت۔

آپ حضرات کو، اُن علوم کی بھی، اجازت دیتا ہوں
جنھیں، میں نے اساتذہ سے بالکل نہیں پڑھا ہے۔ لیکن، ماہر وکامل ونقّاد عُلماے کرام سے
مجھے، ان کی اجازت، حاصل ہے۔

مولیٰ تعالیٰ اپنے رسولِ مقبول عَلَیْہِ وَعَلیٰ آلِہ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلام کے صدقے
اس کا وافر حصہ، ہمیں، مرحمت فرمائے۔ آمین

جن علوم کو، میں نے کسی استاذ سے نہیں پڑھا، وہ، دس (۱۰) علوم ہیں:
قرأت، تجوید، تصوف، سلوک، اخلاق، اَسماء الرجال، سِیَر، تواریخ، لُغت، ادب مع جُملہ فنون۔
میں، آپ سب کو، ان علومِ جلیلہ کی دونوں قسموں کی اجازت دیتا ہوں۔
ان علوم میں جتنے متن، جتنی، شرحیں، جتنے حواشی اور جتنے رسائل، عُلماے متقدمین
اور متاخرین نے تصنیف کیے ہیں، ان سب کی اجازت ہے۔

میں، ان سب کو، اپنے اِن مشائخِ کرام سے روایت کرتا ہوں:
سیدی وسندی، مُرشِدی ومولائی، حضرت سید شاہ آلِ رسول، احمدی، قادری برکاتی، مارَہروی
رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ۔

وہ، اپنے جلیلُ القدر مشائخ سے روایت کرتے ہیں۔ جن میں، شاہ عبدالعزیز، دہلوی بھی ہیں۔
جو، اپنے والد، شاہ ولی اللہ، محدّث دہلوی سے روایت کرتے ہیں۔

اور میں، اپنے والدِ ماجد، حضرت مولانا نقی علی، قادری برکاتی، بریلوی سے روایت کرتا ہوں۔
اور وہ، اپنے والد، عارفِ ربّانی، حضرت مولانا محمد رضا علی، بریلوی سے روایت کرتے ہیں۔
وہ، مولانا خلیل الرحمٰن محمد آبادی سے۔ وہ، اَلفاضل محمد اَعلم، سندیلوی سے۔
وہ، ملکُ العلما، بحرالعلوم، حضرت مولانا عبدالعلی (فرنگی محلی) لکھنوی سے روایت کرتے ہیں۔

اور میں، شیخ العلما، حضرت سید احمد بن زَین بن دَحلان مکّی، مفتیِ شافعیہ مکہ مکرّمہ سے
اور وہ، شیخ عثمان دمیاطی سے، روایت کرتے ہیں۔
اور میں، حضرت شیخ عبدالرحمٰن السّراج، مفتیِ اَحناف مکہ مکرّمہ، فرزندِ شیخ و مفتیِ عظیم، عبداللہ
السّراج سے، اور وہ، حضرت شیخ جمال بن عبداللہ بن عمر مکی، مفتیِ اَحناف سے روایت کرتے ہیں۔
یہ دونوں، شیخ عابد، سندھی، مدنی سے روایت کرتے ہیں۔ جو، ایسے محدّث ہوئے ہیں کہ
مستفیدین، دور دور سے چل کر، آپ کی خدمت میں آتے رہے ہیں۔
اور میں، حضرت سید ابوالحسین احمد، نوری، مارَہروی سے راوِی ہوں۔
جو، میرے مُرشد، حضرت سید شاہ آلِ رسول، احمدی، مارَہروی کے پوتے، آپ کے جانشین
اور آپ کے علم و سیادت کے وارث ہیں۔ اِلیٰ آخِرِہٖ۔ (اَلْاِجَازَاتُ الْمَتِیْنَۃُ لِعُلَمَاءِ بَکَّۃَ
وَالْمَدِیْنَۃ۔ ۱۳۲۴ھ۔ مطبوعہ ہند و پاک)

حضرت بحر العلوم کے تعارف و تذکرہ میں مولانا رحمان علی (متوفی ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء)
رقم طراز ہیں:

(ترجمہ از فارسی) بحر العلوم، مُلّا، عبدالعلی بن مُلّا، نظام الدین بن مُلّا، قطب الدین، اَلشَّہید
السَّہَالَوِی:

اپنے والدِ ماجد کی آخری عمر میں پیدا ہوئے۔ سترہ سال کی عمر میں جُملہ کتبِ درسیہ اور علومِ متعارفہ
اپنے والد ماجد سے تحصیل کر کے، فارغ ہو گئے۔ اسی سال آپ کے والدِ ماجد کا انتقال بھی ہوا۔
والدِ ماجد کے انتقال کے بعد، کتبِ معقول و منقول کے مطالعہ میں مشغول ہو گئے
اور مُلّا، کمال الدین (سہالوی) کی خدمت میں، جو، ان کے والد کے خاص شاگرد تھے، حَلِّ غوامض
کرتے تھے۔

صاحبِ ترجمہ (مُلّا، عبدالعلی، فرنگی محلی) کے عَملی زندگی کے آغاز میں، ان کے وطن، لکھنؤ میں
ایک خاص واقعہ پیش آیا، جس کی وجہ سے آپ، شاہجہاں پور چلے گئے۔
شاہجہاں پور کے رئیس، حافظ الملک، حافظ رحمت خاں، روہیلہ نے آپ کی تشریف آوری
کو غنیمت سمجھا اور آپ کا اِعزاز و اِکرام کرتے ہوئے معقول وظیفہ، آپ کے گزارہ کے لئے
مقرّر کر دیا۔

حافظ الملک کی زندگی بھر، آپ، شاہجہاں پور ہی میں مقیم رہے اور طلبہ کو درس دیتے رہے۔

شہادتِ حافظُ الملک کے بعد، نواب فیض اللہ خاں، رئیسِ رام پور کی دعوت پر
آپ، ریاستِ رام پور تشریف لے گئے اور تعلیم وتدریسِ طلبہ میں مشغول ہوگئے۔
پھر، کچھ مشکلات کی وجہ سے منشی صدرُالدین کی دعوت پر، رام پور سے بوہار (بردوان، بنگال)
تشریف لے گئے۔
رائے بریلی میں مُقیم مُلّا اَزہارالحق، فرنگی محلی کو بھی، اپنے ساتھ، بوہار لیتے گئے۔
منشی صدرُالدین، اِعزاز و اِکرام سے پیش آئے اور مَصارفِ طلبہ کے علاوہ
خاص آپ کے لئے چار سو (۴۰۰) اور مُلّا اَزہارالحق کے لئے، سو (۱۰۰) روپے، ماہانہ وظیفہ، مقرّر کیا۔
یہاں، ایک مدت تک آپ، درس وتدریس میں مصروف رہے۔
کچھ مُفتریوں کی سازش کے نتیجے میں، باہمی بے اعتمادی کا ماحول پیدا ہوا
تو، آپ، نواب محمد علی خاں، والا جاہ کی دعوت پر، مدراس تشریف لے گئے، جہاں
نواب والا جاہ نے اپنے اَعیان واَرکانِ ریاست (ارکاٹ) کے ساتھ، آپ کا استقبال کیا
اور آپ کے لئے ایک مدرسہ، قائم کیا جس میں آپ، تاحیات، مصروفِ درس وتدریس رہے (مُلخصاً)
اِلیٰ آخِرِہٖ۔
(ص ۳۰۴، ۳۰۵۔ ''تذکرۂ علماے ہند''، مؤلّفہ، مولانا رحمٰن علی، اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب، قادری۔
مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی۔ طبعِ اول ۱۹۶۱ء)
مذکورہ تعارف وتذکرہ کے آخر میں حضرت بحرالعلوم، فرنگی محلی کی تصانیف کے نام بھی ہیں۔
بحرالعلوم، مولانا عبدالعلی، فرنگی محلی کے مختصر تعارف میں
مولانا فقیر محمد جہلمی (متوفی ذوالحجہ ۱۳۳۵ھ/اکتوبر ۱۹۱۶ء) تحریر فرماتے ہیں:
...آپ کا قول ہے کہ:
مجھ کو، عالَمِ رُؤیا میں حضرت ابوبکر صدیق کی زیارت ہوئی۔
اور انھوں نے ہاتھ پکڑ کر مجھ کو اپنی بیعت میں داخل کیا۔ اور تعلیم وارشادِ بیعت کا حکم دیا۔
پس! مَیں، خالص، انھیں کا مُرید ہوں۔ اور ان کے واسطے
سے آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، کا سلسلۂ انتساب، بیعت کا پہنچتا ہے۔''
چنانچہ، جو شخص، اِس سلسلے میں اُن سے بیعت کرتا تھا، اُس کو آپ، اسی ایک واسطہ سے شجرہ
لکھ کر دیتے تھے۔

دیگر سلاسل میں اپنے والدِ بزرگوار سے آپ کو اجازت، حاصل تھی۔

لیکن، آپ نے کثرت سے مرید نہیں کیے۔

چند آدمیوں کے سِوا، آپ نے کسی کو بیعت میں نہیں لیا۔

آپ کی تصنیفات سے، شرحِ سُلَّم، حاشیۂ حواشیِ میر زاہد جلالی، حاشیۂ میر زاہد، رسالہ حاشیہ میر زاہد، شرحِ مواقفِ قدیمہ و جدیدہ، حاشیۂ شرحِ ہدایت الحکمہ، شرحِ مسلّم الثبوت، تکملۂ شرحِ تحریر الاصول ابن ہُمام مصنّفہ مولانا نظام الدین، شرحِ فارسی منار الانوار

رسالہ اَرکانِ اربعہ در فقہ، شرحِ مثنوی مولانا روم، وغیرہ، یادگارِ زمانہ ہیں۔

وفات، آپ کی مدراس میں، بماہِ رجب ۱۲۲۵ھ ہوئی۔ ''فاضل قطبِ زمانہ'' تاریخِ وفات ہے۔'' (ص ۴۸۵۔ ''حدائق الحنفیہ'' مؤلّفہ فقیر محمد جہلمی۔ مطبوعہ ادبی، دنیا، مٹیامحل، دہلی)

حکیم، عبدالحیٔ، رائے بریلوی (متوفی ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء) آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

كانَ مَعدومَ النَّظير فى زمانِه، رأساً فِى الفقهِ وَ الأصول

إماماً جَوَّالاً فِى الْمَنطق وَالْحِكمةوَالْكلام۔

وَكَانَ عبدالعلي بَحراً زاخِراً مِنْ بُحورِ الْعلم، إماماً جَوَّالاً فِى الْمَنطقِ وَالْأصولِ وَالْكلام۔ مُجتهِدافِى الْفروع، ماهِراً فِى التصوُّف وَالفقهِ، ذانَجدةٍ و جراءةٍ و سخاءٍ وايثارٍ وَزُهدٍ و اِستغناءٍ۔

وَجُملةُ الْقَول فِيه: انَّهٗ كانَ مِن عَجائبِ الزَّمن وَ مَحاسِنِ الْهِند۔

يَرجِعُ اِلَيهِ اَهلُ كلِّ فنٍّ فِى فَنِّهِم الَّذى لا يُحسنون سِوَاهُ فيفيدهُم

ثُمَّ ينفردُ عنِ النَّاس بِفُنونٍ لا يعرفون اَسماءَ ها فضْلاً عَنْ زيادةٍ عَلىٰ ذالِكَ۔

وَلَهٗ فِى حُسنِ التَّعليمِ صناعةٌ لا يقدر عليها غيرُهٗ

فَاِنَّهٗ يجذبُ اِلى مَحبتِه و اِلىٰ العمل بالْاَدِلَّةِ مِنْ طبعه۔

لَمْ تَرَالْعُيونُ مِثلَهٗ فِى كمالاتِه، وَمَا وَجدالنَّاسُ اَحداً يُساوِيه فى مجموعِ علومِه

وَ لَمْ يكن فِى الدِّيارِ الْهِندية فِى آخِرِ مُدَّتِه لَهٗ نظيرٌ۔

(۱۰۲۳۔ نُزْهَةُ الْخَواطِر، اَلْجزءُ السَّابع۔ دار ابن حزم، بیروت)

''فَواتِحُ الرَّحَموت شرحِ مُسَلَّمِ الثُّبوت'' اصولِ فقہ میں آپ کی شہرۂ آفاق کتاب ہے۔

اِسی طرح۔ ''اَلارکانُ الاربعہ'' علمِ اَسرارِ دین میں آپ کی وہ عظیم تاریخی کتاب ہے

جس کا مطالعہ کر کے، سراج الھند، شاہ عبدالعزیز، محدّث دہلوی نے اپنے تاثُراتی مکتوب میں آپ کو ''بحرالعلوم'' لکھا۔ اور اہلِ علم وفضل کے درمیان، اسے رواج وقبولِ عام، حاصل ہو گیا۔

رَحِمَهُمَا اللهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالىٰ رَحْمَةً وَاسِعَةً۔

شرحِ فقہِ اکبر اور شرح منار بھی، حضرت بحرالعلوم، فرنگی محلی کی نہایت اہم کتابیں ہیں۔

تلامذۂ بحرالعلوم کے کچھ اسماء، جو مطالعۂ کتب کے دَوران، نظر سے گذرے، وہ، درج ذیل ہیں:

مُلّاً، عبدالاعلیٰ، فرنگی محلی، خَلفِ اکبر بحرالعلوم، فرنگی محلی ومُلّاً، محمد نافع، فرنگی محلی، خَلفِ بحرالعلوم ومُلّاً، عبدالرب بن بحرالعلوم ومُلّاً، احمد انوارُ الحق، فرنگی محلی ومُلّاً، نورالحق، فرنگی محلی ومُلّاً، ازہارالحق، فرنگی محلی ومُلّاً، ظہورُ الحق، فرنگی محلی ومُلّاً، عبدالواحد، فرنگی محلی

ومُلّاً، عبدالواجد، فرنگی محلی ومُلّاً، علاء الدین، فرنگی محلی وصوفی عبدالرحمٰن، لکھنوی ومولانا محمد علی، بھیروی۔

علمائے خانوادۂ فرنگی محل

ص ۸۶ تا ص ۱۹۲

مُلاَّ، احمد عبدالحق، فرنگی محلی

مُلاَّ، احمد عبدالحق، فرنگی محلی (متولد ۱۹؍رجب ۱۱۰۳ھ/۱۶۹۲ء۔ بمقام سہالی، اَودھ۔ موجودہ ضلع بارہ بنکی۔ صوبہ اترپردیش۔ وفات ۹؍ذی الحجہ ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۴ء۔ لکھنؤ)

فرزندِ اکبر مُلاَّ، محمد سعید، سہالوی، فرزندِ مُلاَّ، قطب الدین شہید، سہالوی۔

اہلِ علم و فضل اور اہلِ شہر لکھنؤ کے درمیان، مُلاَّ، احمد عبدالحق، فرنگی محلی بڑے ہی معزز و محترم تھے۔

مُلاَّ، احمد عبدالحق بن مُلاَّ، محمد سعید، سہالوی اور آپ کے چھوٹے بھائی، مُلاَّ، عبدالعزیز (متوفی ۹؍ذی قعدہ ۱۱۶۵ھ/۷؍ستمبر ۱۷۵۲ء) یہ دونوں بھائی استاذ الھند، مُلاَّ، نظام الدین محمد، سہالوی فرنگی محلی کے ابتدائی تلامذہ میں ہیں۔

مُلاَّ، نظام الدین محمد، فرنگی محلی کے بھتیجے، اور شاگرد، مُلاَّ، احمد عبدالحق، فرنگی محلی ذاتی و خاندانی اور ہر طرح کے پیش آمدہ مسائل میں آپ کے دست و بازو تھے۔ بھی متعلقہ ذمہ داری نبھانے میں مُلاَّ، احمد عبدالحق، خصوصی دل چسپی لے کر، مُلاَّ، نظام الدین کو بے فکری کے ساتھ، مشاغلِ علمی میں مصروف رکھنے میں ایک بہت بڑے عملی معاون تھے۔

اس طرح، آپ کی خدمات دینی و علمی میں مُلاَّ، احمد عبدالحق، براہِ راست، شریک و سہیم تھے۔ یہ آپ کی بڑی سعادت مندی اور قابلِ تقلید فرض شناسی تھی۔

مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی (متوفی ۱۴۱۰ھ/فروری ۱۹۹۰ء) کے بعض منتشر و نامکمل مجموعہ تحریرات بنام "باقیات" میں مُلاَّ، احمد عبدالحق، فرنگی محلی کے تعلق سے بھی ایک وقیع مضمون، شامل ہے جس کی روشنی میں بعض معلومات، اختصار و تلخیص کے ساتھ یہاں پیش کی جارہی ہیں:

مُلاَّ، نظام الدین، فرنگی محلی اپنے سعادت مند برادر زادہ و تلمیذ، مُلاَّ، عبدالحق کی بے لوث خدمت گذاری و ذمہ داری کا، کھلے دل سے اعتراف اور تحسین فرمایا کرتے تھے کہ:

"میاں، احمد عبدالحق کی بدولت ہی، نظام الدین بنے۔

دنیا کے تمام خرخشے اور ذمہ داری کی تمام اُلجھنیں، انھوں نے اپنے سر لے لیں۔

تاکہ میں پورے اطمینان سے درس وتدریس میں مصروف ومشغول رہوں۔'' (اغصانِ اربعہ)
اپنے عم محترم، مُلّا، نظام الدین محمد سے تکمیلِ تعلیم کے بعد، مُلّا، عبدالحق، آپ ہی کی طرح
درس وتدریس میں مشغول ہوگئے۔ آپ کے تلامذہ کے نام، کتابوں میں نہیں ملتے۔
اس کی وجہ، یہی ہوسکتی ہے کہ مُلّا، نظام الدین سے تعلیم، حاصل کرنے والے طلبہ ہی کچھ
اسباق، آپ سے بھی پڑھتے تھے۔ ان میں سے جو، معروف ہوئے
وہ، مُلّا، نظام الدین کے تلامذہ کہلائے۔
خاندانی تذکرہ میں، آپ کے بارے میں، یہ لکھا ہوا ملتا ہے کہ:
ذُو التّصانیفِ الکثیرۃ فِی الْعلومِ الْعقلیہ۔ (عمدۃُ الوسائل)
معقولات میں آپ، بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔''
ان کتبِ معقولات میں مندرجہ ذیل، چند ہی کتابوں کے نام ملتے ہیں:
(۱) شرحِ سُلّم العلوم (۲) شرحِ تہذیب، مُلّا، جلال کے حواشیِ میرزاہد پر حواشی
مندرجہ بالا دونوں تصانیف، فنِ منطق میں ہیں۔
(۳) میر سید شریف کی شرحِ مواقف کے اُمورِ عامہ پر حواشی میرزاہد پر حواشی۔
یہ تصنیف فنِ کلام میں ہے۔
(۴) ''رَدِّ رَوافِض'' جو، نایاب ہے۔
سُلّم العلوم، مؤلّفہ، مُلّا، محبّ اللہ، بہاری (متوفی ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۸ء)
فنِ منطق کی ایسی بلند پایہ کتاب ہے، جسے متن کا درجہ، حاصل ہے۔
سُلّم العلوم کی شرح لکھنا، گویا، ''ماہرِ معقولات'' کی سند، حاصل کرنا ہے۔
اور اس کی ہر شرح کو، اس کے شارح کی طرح، منسوب کیا جاتا ہے۔ مثلاً:
(۱) مُلّا، حَسَن۔ (مُلّا، محمد حسن، فرنگی محلی) (۲) حمدُ اللہ۔ (مُلّا، حمد اللہ، سندیلوی)
مُلّا، احمد عبدالحق کی شرحِ سُلّم العلوم بھی، انھیں کی طرف، منسوب ہوتی ہے۔
جو، مکمل متن (تصورات وتصدیقات) کی شرح ہے۔ اور حاشیے پر، آپ کے پوتے
مُلّا، مبین کی شرحِ سُلّم بنام ''مِراٰۃُ الشُّروح'' (بحثِ تصورات) ہے۔
شرحِ مُلّا، احمد عبدالحق، ایک سو چوراسی (۱۸۴) صفحات پر مشتمل ہے
جو، مطبعِ یوسفی، واقع فرنگی محل لکھنؤ سے مطبوع ہوچکی ہے۔ یہ شرح، قسمِ اول، تصورات سے

متعلق ہے۔

مُلاَّ ،احمد عبدالحق کی شرحِ سُلَّم ،قسم دوم ،تصدیقات ،دوسو پنچانوے(۲۹۵) صفحات پر مشتمل ہے۔
یہ شرح ۱۱۳۶ھ/۱۷۲۴ء میں مکمل ہوئی ۔ جو ، مطبع قومی ،لکھنؤ سے ۱۸۹۷ء میں شائع ہو چکی ہے۔اس کے حاشیے پر بھی ،مُلاَّ ،مبین کی شرح (بحثِ تصدیقات) ہے۔

شرح سُلَّم العلوم (حصہ اول و حصہ دوم) کے مطالعے سے مُلاَّ ، احمد عبدالحق کی مہارتِ فن ،اچھی طرح ،واضح ہو سکتی ہے۔

علاَّمہ ،فضلِ امام ،خیرآبادی (متوفی ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء) نے
قاضی مبارک ،گوپاموی (متوفی ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء) کے بارے میں لکھا ہے کہ:
اوّل کسے کہ حاشیۂ برمیر زاہد نوشت وسُلَّم راشرح کرد ،اُو بود۔''
(آمد نامہ۔فارسی مخطوطہ،مملوکہ فرنگی محل۔انگریزی ترجمہ ،مع متن ۔مطبوعہ کراچی ۱۹۵۹ء)
(ترجمہ) قاضی مبارک گوپاموی ،وہ پہلے شخص ہیں
جنھوں نے ''میرزاہد'' کا حاشیہ لکھااور سُلَّم کی شرح لکھی۔''
قاضی محمد مبارک ،گوپاموی نے اپنی شرح سُلَّم کے بارے میں لکھا ہے کہ:
ربیع الاول ۱۱۴۳ھ میں شہر دہلی میں ،اس کی تکمیل ؛ہوئی ۔
مُلاَّ ،احمد عبدالحق کی شرحِ سُلَّم ۱۱۳۶ھ میں ،اور قاضی مبارک کی شرح سُلَّم ۱۱۴۳ھ میں مکمل ہوئی ۔ان دونوں تاریخوں سے واضح ہے کہ:
مُلاَّ ،احمد عبدالحق کی شرح کو ،سات (۷) سال کا تقدُّم ،حاصل ہے۔
مُلاَّ ،احمد عبدالحق نے پہلے تصدیقات کی ،اس کے بعد ،تصورات کی شرح لکھی۔
اور یہ دونوں شرحیں ،حسبِ تصریحِ مذکور ،مطبوع ہو چکی ہیں۔
ابوالحسنات ،مولانا عبدالحیَ ،فرنگی محلی ،لکھنوی (متوفی ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء)
شرحِ سُلَّم العلوم مُلاَّ ،عبدالحق کے بارے میں لکھتے ہیں:
هُوَشرحٌ کاملٌ فِی ایضاحاتِ المغلقات کافلٌ لِحَلِّ المشکلات۔
لَمْ یُوجد مِثلهٗ فِی شروحِ سُلَّم الْعلوم۔ (خیرُالعمل۔مخطوطہ۔فرنگی محل)
(ترجمہ) مُلاَّ ،احمد عبدالحق کی شرح سُلَّم العلوم ،متن کے پیچیدہ مقامات کی توضیح اور مشکل مسائل کے حل میں ،حاوی اور کامل ہے۔

سُلّم العلوم کی شرحوں میں، اس جیسی کوئی شرح نہیں پائی جاتی۔''

تصنیفاتِ مُلّا، احمد عبدالحق کے بارے میں، مولانا عبدالحیٔ، فرنگی محلی کا مجموعی طور پر تأثر وتجزیہ، یہ ہے کہ:

طَالعتُ کُلّها وَانتفعتُ بِهَا۔ (خیر العمل مخطوطہ، فرنگی محل، لکھنؤ)

میں نے، ان کی سبھی کتابیں پڑھی ہیں، اور ان سے استفادہ کیا ہے۔''

مُلّا، احمد عبدالحق اپنے عہدِ طفولیت ہی میں اپنے والد ماجد سے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت ہو چکے تھے۔ پھر، عہدِ شباب میں، حضرت سید شاہ عبدالرزّاق، قادری، بانسوی (وصال ۱۱۳۶ھ / ۱۸۲۴ء) سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہوئے اور اجازت وخلافتِ سلسلۂ قادریہ رزّاقیہ سے نوازے گئے۔ آپ نے کچھ لوگوں کو، سلسلۂ قادریہ رزّاقیہ میں مرید بھی کیا۔

خواب میں بشارت پا کر، مُلّا، نظام الدین اور مُلّا، احمد عبدالحق دونوں ایک ساتھ ہی حضرت بانسوی سے مرید ہوئے۔

''حضرت مرشد بانسوی سے بیعت اور آپ کی صحبت کی برکت سے مُلّا، احمد عبدالحق کے قلبِ مصفّٰی پر فتوحات (کشف اور بلندیٔ درجات) جلوہ گر ہونے لگے۔

اور وہ، اَشغال، اَوراد، اَذکار اور ریاضتِ شاقّہ میں منہمک ہو گئے۔

چالیس، چالیس دن کی خلوت (جسے چلّہ اور اَربعین کہتے ہیں) اختیار کر لی۔'' اِلیٰ آخرہٖ۔

(عمدۃُ الوسائل۔ مخطوطہ فارسی۔ فرنگی محل۔ مؤلّفہ: مُلّا، ولی اللہ، فرنگی محلی)

مُلّا، احمد عبدالحق کے کشف وکرامات کے بہت سے واقعات، مذکور ومشہور ہیں۔

آپ کے استاذ، چچا اور مربی، مُلّا، نظام الدین نے ایک موقع پر آپ کو تنبیہ کی کہ اس طرح کے مخفی امور کا، برملا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔

اور، یہ اس وقت کی بات ہے جب مُلّا، نظام الدین اور مُلّا، احمد عبدالحق دونوں، سہالی (موجودہ ضلع بارہ بنکی۔ یوپی) میں مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی کے مزار پر حاضر ہو کر، مراقبہ کر رہے تھے اور جب مُلّا، نظام الدین نے اپنی پریشاں خاطری کا ذکر کیا تو مُلّا، احمد عبدالحق نے کہا کہ لکھنؤ میں آپ کی صاحب زادی کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس لئے مراقبے میں اس وقت آپ کا دل نہیں لگ رہا ہے۔

آپ کے وصال کے بارے میں مولانا محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی لکھتے ہیں:

مُلّا، احمد عبدالحق کا معمول تھا کہ آدھی رات کے قریب، جذبۂ الٰہیہ سے سرشار ہو کر گھر سے باہر، جانبِ صحرا، نکل پڑتے تھے۔

اسی معمول کے مطابق ایک شب، اپنے کوٹھے سے اُتر کر باہر جانا چاہا۔

انھیں، محسوس ہوا کہ زمین، ہموار ہے، کوئی نشیب و فراز نہیں ہے۔ اس طرح، وہ، چھت سے زمین پر گر پڑے اور پورا جسم، صدمے سے متأثر اور مجروح ہو گیا۔

گھر والوں نے اٹھا کر، انھیں پلنگ پر لٹایا

اُس وقت بھی، ان کے زبان سے ھُوَ اللّٰہ، ھُوَ اللّٰہ ہی کی صدا، بلند ہو رہی تھی۔

والدہ ماجدہ نے بصد اِصرار جاننا چاہا کہ، جسم میں کہاں کہاں، درد ہے؟

آپ نے جواب دیا کہ: کیا، آپ، پسند کریں گی کہ:

آخر وقت، میری زبان سے

اللہ کے سِوا، کوئی اور کلمہ نکلے؟ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، سب ٹھیک ہے۔

ہر چہ، از دوست می رسد، نیکو است

پانچ روز، بے حس و حرکت پڑے رہے۔

آپ کے چچازاد بھائی، بحرالعلوم، مولانا عبدالعلی، فرنگی محلی کا بیان ہے کہ:

ایک رشتہ دار خاتون، جو، حضرت سید شاہ عبدالرزّاق، قادری، بانسوی سے مرید تھیں انھوں نے بتایا کہ:

مَیں، مُلّا، احمد عبدالحق کی عیادت کے لئے، ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ:

دو نہایت خوبصورت جوان، مُلّا، احمد عبدالحق کے پاس آئے اور ان کے کان میں کچھ کہا۔

اور انہیں میں سے ایک نے مہکتا ہوا پھول، آپ کے ہاتھ میں دیا۔ مُلّا صاحب نے ان سے فرمایا:

آج نہیں، کل اِنْ شَاءَ اللّٰہ تعالیٰ۔

اس کے بعد، وہ دونوں، واپس چلے گئے۔ معلوم نہیں کہ فرشتے تھے، یا۔ خاصانِ خدا تھے۔"

بحرالعلوم سے اس واقعہ کے تعلق سے یہ بھی منقول ہے کہ:

وہ، اُس وقت، وہاں موجود تھے۔ مگر، انھوں نے دونوں آدمیوں کو نہیں دیکھا۔

البتّہ، مُلّا، عبدالحق نے انھیں، جو جواب دیا، اُسے انھوں نے بھی سنا کہ:

آج نہیں، کل اِنْ شَاءَ اللّٰہ تعالیٰ۔

دوسرا دن، جمعہ کا تھا۔ مُلّا، احمد عبد الحق نے پوچھا آج کون سا، دن ہے؟

حاضرین نے کہا: جمعہ۔

انھوں نے پوچھا: نماز کا وقت آ گیا؟ بتایا گیا کہ: نماز کا وقت ہو چکا ہے۔

آپ نے فرمایا: جائیے۔ نماز پڑھ کر آئیے۔"

حاضرین، نماز پڑھنے چلے گئے۔

نماز پڑھ کر واپس آئے، تو، معلوم ہوا کہ آپ کی وفات ہو چکی ہے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

(ملخصاً "وفیات"، بقلم مولانا محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی۔۹۔فرنگی محل لکھنؤ۔۲۰۰۹)

فرنگی محل کے متبحر و عظیم المرتبت عالم، عارف باللہ، مُرشدِ سلسلۂ قادریہ، رزاقیہ

مُلّا، احمد انوار الحق (متولد ۱۱۵۰ھ۔متوفی ۲۶ رشعبان ۱۲۳۵ھ / ۱۸۲۱ء) آپ ہی کے

فرزند جلیل ہیں۔

مُلّا، احمد انوار الحق ایک زمانے تک مُلّا، احمد حسین بن مُلّا، محمد رضا بن مُلّا، قطبُ الدین

سہالوی اور مُلّا، محمد حسن بن مُلّا، غلام مصطفیٰ بن مُلّا، محمد اسعد بن مُلّا، قطبُ شہید، سہالوی کے

سایۂ تعلیم و تربیت میں رہے۔

پھر، شاہجہاں پور گئے اور وہاں، بحر العلوم، مولانا عبد العلی، فرنگی محلی سے تکمیلِ درس کیا۔

اس کے بعد لکھنؤ واپس آئے۔

چوں کہ بچپن ہی سے اپنے ماموں کی صحبت و تربیت کے اثر سے روحانیت کا غلبہ تھا،

اس لئے معقولات سے کوئی دل چسپی نہیں تھی۔

دینی کتابوں ہی کے مطالعہ کی طرف، راغب رہتے تھے۔سولہ سترہ سال کی عمر میں اپنے

والد مُلّا، احمد عبد الحق، فرنگی محلی سے بیعت ہوئے۔

اور سلسلۂ قادریہ رزاقیہ میں لوگوں کو، مرید بھی کرتے تھے۔

آپ کے بارے میں، حکیم عبد الحئی، رائے بریلوی (متوفی ۱۳۴۱ھ / فروری ۱۹۲۳ء) لکھتے ہیں:

وَ کَانَ اَخَذَ الطَّرِیقه عَنْ اَبِیه وَ بَایعهٗ فِی السَّابِعِ عَشَر مِنْ سِنِّه۔

وَ کَانَ وَالِدُهٗ مِنْ رِجَالِ الْعِلْمِ وَ الْمَعْرِفَةِ۔

فَنَالَ حَظًّا وَافِراً مِنَ الْمَقَامَاتِ الْعَالِیه۔ و فُتِحت عَلَیهِ اَبوابُ الْحقائق۔ فاوفی

الطَّرِيقَة وَاستقام عَلَيُها مدَّةَ حياتِهٖ مَعَ التَّوَكُّلِ و التَّبَتُّلِ۔

وَتذكر لهٗ كشوف وَكَرَامَات ووقَائع غَريبة۔

بَسَطَ الْقَول بِذِكرِهاالشَّيخ وِلى الله اللَّكنوِى فِى "الْاَغْصانِ الاربعة"۔

(ص۹۲۹۔نُزْهَةُ الْخَواطِر۔جلد سابع۔دار ابن حزم، بیروت)

مولانا رحمٰن علی (متوفی ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) لکھتے ہیں:

"چوں کہ ازل سے ان کے دل میں اللہ کی محبت، وَدیعت ہوئی تھی

اِس لئے بچپن میں اپنے ماموں کی خدمت میں بیٹھتے تھے اور ان کے اَنفاسِ طیبہ کے برکات سے اِستفادہ کرتے۔

.....اپنے اوقاتِ عزیز، عبادتِ اِلٰہی میں بسر کرتے تھے۔ایک سانس بھی، ذکر و شغل کے بغیر، نہیں گذارتے تھے۔ان کی خوارقِ عادات کا مفصل ذکر "اَغصانِ اربعہ" میں مذکور ہے۔

......کسی شاعر نے ان کے انتقال کا مادّۂ تاریخ، اِس مصرع سے نکالا ہے:

رحمتِ حق بروحِ انور، باد

(ص ۹۴۔ تذکرۂ علماے ہند (فارسی)۔ مؤلفہ رحمٰن علی۔اردو ترجمہ: پروفیسر محمد ایوب، قادری۔ مطبوعہ ہسٹوریکل سوسائٹی، کراچی۔طبع اول ۱۹۶۱ء)

حضرت مولانا احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی (متوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کے پَرداد‌ا حافظ کاظم علی خاں بریلوی، حضرت مولانا احمد انوار الحق، فرنگی محلی کے ہی، فیض یافتہ مُرید ہیں۔

مُلّا، احمد حُسین، فرنگی محلی

مُلّا، محمد رضا بن مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی کے فرزندِ سعید اور مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی فرنگی محلی کے تلمیذِ رشید، مُلّا، احمد حسین، فرنگی محلی (وفات محرم ۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء) تھے۔

مولانا محمد عنایت اللہ، انصاری، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مولوی احمد حسین بن مُلّا، رضا بن قطب شہید، اکابر علما اور اعاظمِ رِجال میں سے تھے۔

تحصیلِ علم، اپنے چچا، مُلّا، نظام الدین بن قطب شہید سے کی۔

مدۃ العمر، درس و تدریس و اِحیاے مَراسِمِ دین میں مشغول رہے۔

ایک صاحبزادے، مُلّا، اسعد الدین اور تین صاحبزادیاں چھوڑ کر وفات پائی۔

.........تیسری صاحبزادی کی شادی، حضرت مولانا انوار الحق سے ہوئی۔

جو، مولانا نورُ الحق و مُلّا، علاءُ الدین و مُلّا، اَسرارالحق کی والدہ تھیں۔

شیخ عبدالوہّاب (بن شیخ حُسام الدین) کی لڑکی، مُلّا اسرارالحق کو، بیاہی گئیں۔

یہ شیخ عبدالوہاب، مُلّا، احمد حسین کے ہمشیرزادہ تھے۔ اور قطب شہید کے بنی اَعمام میں سے تھے۔

.........مُلّا، احمد حسین، گو، فارغُ التحصیل عالمِ جیّد تھے، مگر، میری نظر سے آپ کی تالیفات کا تذکرہ، کسی کتاب میں نہیں گذرا۔''

(ص ۴۲۔ ''تذکرۂ علماے فرنگی محل''۔ مؤلّفہ مولانا محمد عنایت اللہ، انصاری، فرنگی محلی۔ مطبوعہ فرنگی محل۔ لکھنؤ۔ ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء)

مُلّا، احمد حسین، فرنگی محلی کی مجلسِ درس و تدریس، مُلّا، نظام الدین محمد کے معیارِ درس کا نمونہ اور اپنے عہد و عصر میں وَقارِ فرنگی محل تھی۔

زندگی آپ کی، درس و تدریس اور عبادت و ریاضت میں گذری۔

آپ کے کمال و تبحرِ علمی کا ذکر، ابوالحسنات، مولانا محمد عبدالحئی، فرنگی محلی (وصال ۱۳۰۴ھ) اس طرح فرماتے ہیں:

كَانَ مِنْ اَكَابِرِ الْعُلَمَاءِ وَاَعَاظِمِ الْاَذْكِيَاءِ وَلَمْ يَزَلْ مُشْتَغِلاً بِالْاِفَادَةِ وَاِشَاعَةِ

مراسم الذین الی ان توفی ۔(خیر العمل (مخطوط) منقول از آثار الاول من علماء فرنجی محل ۔لمولانا عبدالباری الفرنجی محلی)

بایں ہمہ علم و فضل و ذکاوت و افادہ و افاضہ، مثل دیگر مشاہیرِ فرنگی محل کے، آپ کی عدم شہرت کا سبب بیان کرتے ہوئے مولانا محمد نعیم، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء) اپنی قلمی یادداشت میں، تحریر فرماتے ہیں:

ترجمہ از فارسی:۔ مولوی نعیم اللہ، فرنگی محلی (برادرزادہ و شاگردِ مُلّا محمد مُبین، فرنگی محلی) کی زبانی، میں نے سنا ہے کہ:

مُلّا محمد مُبین، فرنگی محلی، مُلّا احمد حُسین، فرنگی محلی کے شاگرد تھے (مُلّا حَسن، فرنگی محلی کے شاگرد، تو، تھے ہی) اور ان کی بے حد تعریف و توصیف کیا کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ:

جہاں تک، تجرِ علمی کا تعلق ہے، مُلّا، احمد حُسین میں، مُلّا محمد حسن (مُلّا حَسن) سے زیادہ تھا۔ لیکن، مُلّا، احمد حسین کی کوئی تصنیف، نہیں ہے۔ اس لئے اس زمانے میں مُلّا، احمد حسین عالَم گیر شہرت نہیں رکھتے۔ اپنے زمانے میں بہت مشہور تھے۔"الٰی آخرِہٖ۔

قلمی یادداشت: مولانا محمد نعیم، فرنگی محلی۔

("تذکرۂ علمائے فرنگی محل"۔ مؤلّفہ: مولانا عنایت اللہ، انصاری، فرنگی محلی۔ مطبوعہ فرنگی محل، لکھنؤ)

مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی (متوفی ۱۴۱۰ھ/فروری ۱۹۹۰ء) مُلّا، احمد حسین، فرنگی محلی کے تعارف و تذکرہ میں لکھتے ہیں:

مُلّا، احمد حسین (مُلّا محمد رضا بن مُلّا، قطب الدین، شہید کے چھوٹے بیٹے) نے درسیات کی تکمیل اپنے حقیقی چچا، استاذ الھند، مُلّا، نظام الدین محمد سے کی اور انھیں کے ظلِّ عاطفت میں پلے بڑھے اور پروان چڑھے۔

استاذ الھند کی پچاس برس کے سن تک کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ انھوں نے اپنے حقیقی بھائیوں کی اولاد میں سب سے چھوٹے بھتیجے، احمد حسین کو متبنّٰی بنالیا تھا۔ جس طرح، استاذ الھند کے والدِ ماجد، مُلّا، قطب الدین، شہید نے قاضی محمد دولت سہالوی کو متبنّٰی بنالیا تھا۔ (رسالہ قطبیہ)

مُلّا، احمد حسین کے والدِ ماجد، مُلّا، محمد رضا، سہالوی اپنے مرشد، حضرت، سید عبدالرزاق، قادری، بانسوی (متوفی ۱۱۳۶ھ/۱۷۲۴ء) کی حیات میں

اپنے اہل وعیال کی کفالت کی فکر سے بے نیاز ہوکر حرمین شریفین چلے گئے تھے۔پھر،مفقودُالخبر ہو گئے۔
ان کے کنبے کی کفالت،استاذالھند ہی نے کی۔

مُلاَّ،احمد حسین،فرنگی محلی کی ولادت ۱۱۳۶ھ/۱۷۲۴ء سے پہلے ہوئی۔

اور آپ کی تعلیم کے بارے میں آپ کے شاگرد،مولوی محمد اسلم،انصاری،پسروری
اپنی کتاب "فَرحۃُ النَّاظِرین" میں لکھتے ہیں:

"مُلاَّ،احمد حسین نے،اکثر کتابیں،اپنے عم محترم،مُلاَّ،نظام الدین سے پڑھیں۔
چند کتابیں،استاذُالھند (مُلاَّ،نظام الدین) کے شاگرد،مُلاَّ حمداللہ،سندیلوی سے بھی پڑھیں۔

(فَرحۃُ النَّاظِرین۔بحوالہ اِعْتِصامُ الْمُسترشِدین)

فارغ التحصیل ہونے کے بعد،مُلاَّ،احمد حسین نے اپنے اساتذہ کی حیات ہی میں درس
وتدریس کا شغل،اختیار کرلیا اور سوائے درس وتدریس کے،کسی اور کام سے کوئی سروکار،نہ رکھا۔

مولانا عبدالحیٔ،فرنگی محلی کے الفاظ میں:

"وہ،اکابر علما اور عظیم دانشوروں میں تھے۔پوری زندگی،درس وتدریس اور مَراسِمِ دینی کی
ترویج میں گذری۔"(خَیرُ العَمل)

مراسِمِ دینی کی قدرے تفصیل،مولانا محمد نعیم،فرنگی محلی نے اپنے والد ماجد سے
یوں،روایت کی ہے:

"روزانہ بعد نمازِ عصر،بطورِ وعظ،حاضرین کے سامنے،احادیثِ صحیحہ،بیان کرتے تھے۔
خلائق،خاص کر،افغانی (مقیم لکھنؤ) ان کے بہت معتقد تھے۔(اعْتِصام الْمُسترشِدین)

مولوی محمد اسلم،انصاری،پسروری،تلمیذِ مُلاَّ،احمد حسین،فرنگی محلی لکھتے ہیں:

مُلاَّ،احمد حسین،فرنگی محلی،ممتاز عالم اور معقول ومنقول کے جامع تھے۔
خاص کر فنونِ عربیہ میں اپنے معاصرین سے بہت آگے تھے۔

راقم نے مُطَوَّل (معانی وبدیع) ہدایہ (فقہ) اور شرحِ عقائد،مُلاَّ،جلال (عقائد وکلام)
ان سے پڑھی ہے۔

تعلیم وتدریس کا طریقہ،وہ،خوب جانتے تھے۔ان کی درسی گفتگو،مختصر ہوئی تھی۔

(فَرحۃُ النَّاظِرین۔بحوالہ اِعْتِصامُ الْمُسترشِدین)

مُلاَّ،احمد حسین،فرنگی محلی کے خاندان ہی میں،متعدد معاصر مدرسین تھے۔

جو، ''ہم استاذ'' بھی تھے۔ مثلاً:

بحر العلوم، مُلاَّ، عبد العلی، مُلاَّ، احمد عبد الحق، مُلاَّ، محمد حَسَن، معروف بہ مُلاَّ، حسن

مُلاَّ محمد یعقوب اور مُلاَّ محمد ولی۔

یہ سبھی حضرات، فرنگی محل ہی میں مسندِ تدریس بچھائے ہوئے تھے۔

اور اپنے عہد کے نامور اساتذہ و مدرسین تھے۔

انھیں کے درمیان، مُلاَّ، احمد حسین بھی تھے، جنھوں نے تدریس کے سِوا، کسی اور کام سے

کوئی سروکار نہ رکھا، پھر بھی، ناموری اور شہرت کے اُس درجہ تک، نہیں پہنچے۔

جو، ان کے معاصرین کے حصے میں آیا۔

مُلاَّ، محمد مبین، فرنگی محلی جو، مُلاَّ، حسن سے تلمذ کی نسبت سے یاد کیے جاتے ہیں۔ مگر، مُلاَّ،

احمد حسین کے بھی شاگرد تھے۔ انھوں نے اپنے استاذ، مُلاَّ، احمد حسین کے بارے میں اپنے شاگرد

اور حقیقی بھتیجے، مُلاَّ، محمد نعیم اللہ سے، اِسی طرح، اِظہارِ خیال کیا تھا۔

جو، مُلاَّ، نعیم اللہ سے سن کر مولانا محمد نعیم نے لکھ لیا تھا۔ مُلاَّ، نعیم اللہ نے کہا:

''میرے حقیقی چچا اور استاذ، مُلاَّ، محمد مبین، مُلاَّ، احمد حسین کے بھی شاگرد تھے۔

اور ان کی بے حد تعریف و توصیف کیا کرتے تھے۔

ان کا فرمانا تھا کہ: جہاں تک تبحرِ علمی کا تعلق ہے۔

مُلاَّ، احمد حسین میں، مُلاَّ، حسن سے بھی زیادہ تھا۔

انھوں نے چوں کہ کوئی تصنیف نہیں چھوڑی۔

اِس لئے ان کی وفات کے بعد ان کی وہ شہرت نہیں رہی، جو، ان کے عہد میں تھی۔

اُس زمانے میں بڑے بڑے فُضَلا، مُلاَّ احمد حسین کے سلسلۂ تلمذ میں شامل ہونا

باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ مثلاً:

علاَّمہ، تفضّل حسین خاں بھی، مُلاَّ، احمد حسین کے شاگرد تھے۔'' (بیاضِ مولانا محمد نعیم، فرنگی محلی)

مُلاَّ احمد حسین کے تدریسی کمال کا ایک دوسرے عنوان سے بھی، بیان ہوا ہے۔

مولانا محمد نعیم (وفات ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء) نے مفتی محمد یوسف، فرنگی محلی (وفات ۱۲۸۷ھ/

۱۸۶۹ء) سے سُن کر، لکھا ہے کہ:

مُلاَّ، حَسَن، اپنے (قیامِ فرنگی محل) زمانے میں کہا کرتے تھے:

''ان دو لڑکوں (مُلّا ، احمد حسین اور مُلّا ، بحرالعلوم) کی وجہ سے
میرا، فرنگی محل میں ٹھہرنا، دشوار ہو گیا ہے۔'' (اِعتِصامُ المُسترشِدین)

وجہ، بظاہر، یہی، سمجھ میں آتی ہے کہ:
''مُلّا ، حَسَن ، جیسا ذکی اور ذہین ، نیز عمر میں بڑا ، اپنے درس کی گرم بازاری میں
ان دونوں ''لڑکوں'' کی محفلِ درس کی بدولت، کچھ خلل محسوس کرتا ہوگا۔
یا۔ پھر ''خوردوں'' کی کچھ شوخیوں سے کبیدہ خاطر، رہتا ہوگا۔

جس عالم (مُلّا ، احمد حسین) نے مدۃُ العمر، صرف تدریس میں شغل رکھا، اُس کے شاگردوں
کی تعداد، بہت زیادہ ہونی چاہیے۔ مگر، مُلّا ، احمد حسین کی ''بسبب بے تصنیفی''
وفات کے بعد، جب، شہرت کم ہو گئی، تو، ان سے تلمذ کے حوالے بھی کم تر آنے لگے۔

مندرجہ ذیل، چند ہی تلامذہ کے نام ملتے ہیں:
(اہلِ خاندان) مُلّا محمد مبین، مولانا احمد انوار الحق، مُلّا ، حبیب اللہ، مُلّا ، سعد الدین (فرزند
مولانا محمد اَزہار الحق، مولانا عبد الاعلیٰ اور مُلّا ، نورُ الحق۔
(دیگر تلامذہ) علّامہ تفضّل حسین خاں، مولوی مُطیع الدین، مرزا ہجو (پسرِ کلاں، حکیم محمد شفیع
لکھنوی) مولوی ذوالفقار علی، اعظمی، دیوی، انشاء اللہ خاں شاعر لکھنوی، میر باقر قلعہ دار لکھنوی
اور مولوی محمد اسلم، انصاری، پسروری (مصنفِ فَرحَۃُ النّاظرین، معروف بہ سِیَرُ الاَخیار)

درس و تدریس سے، تاحیات اِشتغال و انہماک رہا۔ کوئی ذریعہ، معاش نہ تھا۔
اس کے باوجود، امیروں اور رئیسوں کے میل جول سے بھی پرہیز کرتے تھے۔
پوری زندگی، قناعت اور توکّل کے ساتھ، بسر کر دی۔ (فَرحَۃُ النّاظرین۔ بحوالہ اِعتِصامُ المُسترشِدین)

ایک سفرِ فیض آباد سے لکھنؤ واپسی کے وقت، لکھنؤ کے قریب، شبِ عاشورۂ محرم ۱۱۸۴ھ/
۱۷۷۰ء میں، آپ کا وصال ہوا۔ قبرستانِ مُلّا ، نظام الدین، لکھنؤ میں آپ کی تدفین ہوئی۔

حضرت میر سید اسمٰعیل، بلگرامی، ثم مَسولَوی (وصال ۱۱۶۴ھ/۱۷۵۱ء) خلیفۂ حضرت سید شاہ
عبد الرزاق، قادری، بانسوی (وصال ۱۱۳۶ھ/۱۷۲۴ء) سے مُلّا ، احمد حسین کو، بیعت و اِرادت
تھی۔ (اَخذ و اِقتباس از ''باقیات'' بقلم مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی۔ ۹۔ فرنگی محل، لکھنؤ، ۲۰۰۹ء)

مُلّاَ ،محمد ولی ،فرنگی محلی

مُلّاَ محمد ولی ،فرنگی محلی بن قاضی غلام مصطفیٰ بن مُلّاَ محمد اسعد بن مُلّاَ ،قطب الدین شہید ،سہالوی نے اپنے برادرِ اکبر ،مُلّاَ محمد حسن ،معروف بہ مُلّاَ حَسن ،فرنگی محلی کی طرح

اپنے ماموں ،مُلّاَ ،کمال الدین سہالوی اور اپنے دادا ، بانیِ درسِ نظامی ،استاذ الھند ،مُلّاَ نظام الدین محمد ،سہالوی ،فرنگی محلی سے تعلیم پائی اور تکمیلِ درس کیا۔

مُلّاَ محمد ولی ،فرنگی محلی (متوفی ۱۱۹۸ھ) بلند پایہ عالم و فاضل اور نکتہ رَس مدرس و مصنف تھے۔

آپ کے تینوں بیٹے ،مولوی عزیز اللہ و مفتی ظہورُ اللہ و مولوی نورُ اللہ ،آپ کے شاگرد تھے۔

جن میں ،مفتی ظہورُ اللہ ،فرنگی محلی ،کثیرُ التلامذہ مدرس ہوئے۔

''شرحِ سُلَّم'' (مخطوطہ) مُلّاَ محمد ولی ،فرنگی محلی کی یادگار علمی و فنی تصنیف ہے۔

جس کے بارے میں علاّمہ فضلِ امام ،خیرآبادی تلمیذِ مولانا سید عبدالواجد ،کرمانی ،خیرآبادی تلمیذِ مُلّاَ محمد ولی ،فرنگی محلی و مُلّاَ محمد اعلم ،سندیلوی ،تلامذہ مُلّاَ نظام الدین محمد ،فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ:

شرح ،خوب است۔ گویند کہ ،آں شرح ،بہ نظرِ مُلّاَ ،نظام الدین محمد ،درآمد و مُلّاَ ،اِصلاح ،درآں فرمودہ۔'' (آمدنامہ ،از علاّمہ فضلِ امام ،خیرآبادی۔ مخطوطہ۔ فرنگی محل لکھنؤ)

مُلّاَ ،محمد ولی ،فرنگی محلی اپنے والد ،مُلّاَ ،غلام مصطفیٰ بن مُلّاَ محمد اسعد بن مُلّاَ ،قطب الدین شہید سہالوی کی جگہ ''ملانواں'' کے قاضی ،مقرر ہوئے تھے۔ مگر ،حکومتِ وقت کی جانب سے معاملۂ قضا میں کچھ بے جا مداخلت کی وجہ سے آپ ،مستعفی ہو گئے۔

اور فرنگی محل ،واپس آکر ،درس و تدریس کا مشغلہ ،شروع کر دیا۔

شرحِ سلّم کے علاوہ ''حواشیِ زاھِد یہ علی الجلالیہ'' اور ''حواشیِ زاھِد یہ علیٰ شرح المواقف'' آپ کے مستقل حواشی سے ،مُزَیَّن ہیں۔

مولانا سید عبدالواجد ،خیرآبادی ،مُلّاَ ،محمد ولی ،فرنگی محلی اور مُلّاَ ،محمد اعلم سندیلوی تلامذہ مُلّاَ نظام الدین محمد ،فرنگی محلی کے نامور شاگرد ہیں۔

اور امامُ الحکمۃ والکلام ،قائد جنگ آزادی ،علاّمہ فضلِ حق ،خیرآبادی (وصال ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء۔ درجزیرۂ انڈمان) کے والد ماجد ،علاّمہ فضلِ امام ،خیرآبادی (متوفی ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۹ء)

مولانا سید عبدالواجد، خیرآبادی، مُلاَّ محمد ولی، فرنگی محلی، نیز مُلاَّ محمد اَعلم، سندیلوی کے نامور شاگردِ رشید ہیں۔ اور علاّمہ فضلِ امام، خیرآبادی، مُلاَّ محمد ولی، فرنگی محلی کے بھی شاگرد ہیں۔

مولانا رحمٰن علی، مؤلّفِ "تذکرۂ علماے ہند" مُلاَّ عبدالواجد، خیرآبادی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مولوی عبدالواجد، خیرآبادی، مولوی محمد اَعلم، سندیلوی کے ہمشیرزادے اور شاگرد تھے۔

ان کے شاگردوں میں، مولوی فضلِ امام، صدرُ الصُّدور دہلی، بہت مشہور ہوئے۔

مولوی امامُ العالم، خیرآبادی، شارحِ قصیدۂ بُردہ، ان کے پوتوں میں تھے۔

جو، مؤلّفِ اوراق (رحمٰن علی) کے ہم سبق تھے۔

اور طبع و ذہن کے اعتبار سے، مُشارٌ اِلَیہِ (مولوی عبدالواجد، خیرآبادی) کے مثل تھے۔

(ص ۳۳۱۔ تذکرۂ علماے ہند۔ مولفہ مولانا رحمٰن علی)

مترجم، پروفیسر محمد ایوب، قادری (کراچی) لکھتے ہیں:

"مولوی عبدلواجد، خیرآبادی، اپنے زمانہ کے نامور فاضل تھے۔

مولوی وہاجُ الدین، گوپا مئوی، مولوی احمدُ اللہ، خیرآبادی، مولوی محمد اَعلم، سندیلوی سے تحصیلِ علم کی۔ ۱۲۱۸ھ/ ۴۔۱۸۰۳ء میں انتقال ہوا۔"

(حاشیہ ص ۳۳۱ "تذکرۂ علماے ہند" مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء)

مولانا محمد عنایت اللہ، انصاری، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء) لکھتے ہیں:

"مولوی محمد ولی بن قاضی غلام مصطفےٰ بن مُلاَّ، اسعد بن قطب شہید نے کتبِ درسیہ اپنے حقیقی ماموں، مُلاَّ، کمال الدین، فتح پوری، تلمیذِ استاذُ الھند (مُلاَّ نظام الدین محمد) سے پڑھ کر فراغتِ علمی، حاصل فرمائی۔

حضرت الاُستاذ (مولانا عبدالباری، فرنگی محلی) رَحمَۃُ اللہِ عَلَیہِ نے تحریر فرمایا ہے کہ استاذُ الھند سے بھی پڑھا تھا۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعلم۔

عُلماے گرامی اور فُضلاے نامدار میں سے تھے۔ سلسلۂ تدریس و تالیف آخر تک، جاری رہا۔

بہت سے عُلماے روزگار، آپ کی درس گاہ سے فارغُ التّحصیل ہو کر، مشہورِ زمانہ ہوئے۔

آپ کے تینوں صاحبزادوں کے علاوہ، مولانا عبدالنافع بن بحرالعلوم، مولوی فضلِ امام خیرآبادی (مولانا فضلِ حق، خیرآبادی کے والد ماجد) قاضی سراج الدین، موہانی، مولوی احسانُ اللہ اُناَمی، مولوی نظام الدین، دیوی، مولوی شاہ نعیم اللہ، بہرائچی، قاضی رکنُ الدین، فتح پوری، اِنشاءاللہ

خاں، مشہور شاعر، مولوی عبد الواجد، خیر آبادی، مولوی لطیف اللہ، بنگالی، سید شاہ، شاکرُ اللہ
آپ کے تلامذہ ہیں۔

ایک امر، مجھ کو، آخری نام کے متعلق، بیان کرنا، ضرور ہے۔
اگر، یہ حضرت سید شاہ شاکرُ اللہ، سندولوی کا اسمِ گرامی ہے تو، بظنِ غالب، صحیح نہیں ہے
کیوں کہ حضرت شاہ صاحب نے کتبِ درسیہ، مُلاّ نظام الدین ہی سے ختم کر لیے تھے۔
اور انھیں کی حیات میں ختم کتب فرما کر، حضرت میر سید اسمٰعیل (بلگرامی ثُمَّ مَسولَوِی
رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ سے حضرت استاذ الھند کے حکم سے بیعت کی تھی۔

اَلْغَرض! مولانا محمد ولی کا شہرۂ علم و سلسلۂ درس، دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔
اپنے والدِ ماجد (قاضی غلام مصطفیٰ) کی شہادت کے بعد، بادشاہِ دہلی کی طرف سے اپنے
والدِ ماجد کی جگہ پر قاضیِ پرگنہ ملانواں، مقرر ہوئے۔ اور جب تک کہ قضا کے احکام شرعیہ میں
حُکّامِ وقت کی جانب سے، بے جا مداخلت، شروع نہیں ہوئی، آپ، قاضی رہے۔
اس کے بعد، اِستعفا، داخل فرما کر وطن میں قیام، اختیار فرمایا
اور تالیف و تدریس میں مصروف ہوئے۔

آپ کی تالیفات میں سے سُلَّم کی شرح اور حواشی زاھِد یہ علی الجلالیہ اور حواشی زاھِد یہ
علیٰ شرحِ المواقف پر، آپ کے حواشیِ مستقِلّہ ہیں۔ دیگر درسی کتب پر، حواشی ہیں۔
میں نے شرحِ سُلَّم سے اِستفادہ کیا ہے۔
عَقدِ آپ کا، آپ کی ماموں زاد بہن یعنی مُلاّ کمال الدین کی دختر سے ہوا۔
جن سے تین صاحبزادے، مولوی عزیزُ اللہ، مولوی ظہورُ اللہ، مولوی نورُ اللہ، تولُّد ہوئے۔"
(ص ۱۹۶ و ۱۹۷۔ "تذکرۂ علمائے فرنگی محل"۔ مؤلَّفہ مولانا محمد عنایت اللہ فرنگی محلی۔ مطبوعہ فرنگی محل۔
لکھنؤ ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء)

مُلّا، محمد حَسَن، فرنگی محلی

مُلّا محمد حَسَن، فرنگی محلی (بن قاضی غلام مصطفیٰ بن مُلّا، محمد اسعد بن مُلّا، قطب الدین شہید سہالوی) معروف بہ، مُلّا حَسَن، فرنگی محلی (متوفی ۱۲۰۹ھ/۱۷۹۴ء) نے مُلّا، کمال الدین سہالوی (وصال ۱۴ محرم ۱۱۷۵ھ/۱۷۶۱ء) شاگردِ استاذ الھند، مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی، فرنگی محلی (وصال ۱۱۶۱ھ) سے متعدد علوم فنون کی تحصیل کی۔

اور اکثر کتب درسیہ کی تحصیل و تکمیل، استاذ الھند، مُلّا، نظام الدین محمد سے کرنے اور آپ ہی کی خدمت میں تکمیلِ تعلیم کرنے کے بعد، آپ ہی سے فاتحۃُ الفراغ کی نعمت بھی پائی۔

مُلّا، حَسَن، فرنگی محلی، نہایت ذہین وزیرک اور قوی الحافظہ تھے۔

ایک بار کسی منطقی مسئلہ میں، استاذ الھند سے بحث کرنے لگے، تو، آپ نے فرمایا کہ:

"شیخ ابن سینا نے شفا میں، یہی لکھا ہے، جس سے تم، اختلاف کر رہے ہو۔"

مُلّا حَسَن نے ادب کے ساتھ، عرض کیا کہ:

معقولات میں تقلید، نہیں ہوتی۔ ابنِ سینا نے جو بھی کہا ہو۔

مگر، مَیں جو صحیح سمجھ رہا ہوں، اُسے عرض کر رہا ہوں۔"

بہر حال! مُلّا، حَسَن، فرنگی محلی کی شخصیت اور آپ کی درس گاہ بحر العلوم، مولانا عبد العلی، فرنگی محلی کے ترکِ وطن کے بعد، ایک اہم مرکز اور مرجعِ طلبہ بن گئی تھی۔

باجود یکہ ایک طرف، آپ کے بھائی، مُلّا، محمد ولی، فرنگی محلی بن قاضی غلام مصطفیٰ بن مُلّا، محمد اسعد، سہالوی بن مُلّا قطب الدین، سہالوی۔

اور دوسری طرف، آپ کے چچا، مُلّا، احمد حسین بن مُلّا، محمد رضا بن مُلّا، قطب الدین، سہالوی کی درس گاہیں، اپنی شانِ جامعیت و افادیت میں درجہ کمال کو پہنچی ہوئی۔

لیکن، مُلّا، عبد الاعلیٰ، فرنگی محلی کے بیان کے مطابق:

(ترجمہ) مولانائے کامل (بحر العلوم، مولانا عبد العلی، فرنگی محلی) کے ترکِ وطن فرمانے کے بعد، مُلّا، حَسَن، فرنگی محلی کے سِوا، کوئی دوسرا نہ تھا، جو، سرداری کرتا۔

مُلّا، حَسَن نے سرداری، قبول کی اور خُدّام وعقیدت مندانِ فرنگی محل کے مرجع و مآب بن گئے۔"

(اردو ترجمہ ص ۳۴۔ رسالہ قطبیہ (مخطوطہ)۔ مؤلفہ مُلّا، عبد الاعلیٰ، فرنگی محلی)

مُلّا، حَسَن، فرنگی محلی، تقریباً بیس (۲۰) سال تک، فرنگی محل میں درس دیتے رہے اور علما و طلبہ نیز، دیگر خواص و عوام کے درمیان آپ کا بڑا اِحترام کیا جانے لگا۔

یہاں تک کہ لوگ، آپ کو مولانا ئے عارف (مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی فرنگی محلی) کا جانشین سمجھنے لگے۔

لوگ، آپ سے اِستفتا کرکے، اسی طرح، جواب لکھوانے لگے جیسے مُلّا، نظام الدین محمد سے لکھوایا کرتے تھے اور مُلّا، نظام الدین محمد کے انتقال کے بعد

مولانائے کامل (بحر العلوم، مولانا عبد العلی، فرنگی محلی) سے لکھوایا کرتے تھے۔"

(اردو ترجمہ از ص ۳۵۔ رسالہ قطبیہ (مخطوطہ) مؤلفہ مُلّا، عبد الاعلیٰ، فرنگی محلی)

مُلّا، حَسَن، فرنگی محلی بھی، بحر العلوم، مولانا عبد العلی، فرنگی محلی کی طرح لکھنؤ کے ایک سُنّی شیعہ تنازعہ سے عاجز آکر، علم پرور مَردِ شجاع، حافظ رحمت خاں روہیلہ (وفات ۱۱۸۸ھ) کے پاس، شاہجہاں پور پہنچ گئے۔

جہاں، آپ سے پہلے ہی، بحر العلوم، مولانا عبد العلی، فرنگی محلی بھی، رونق افروز تھے۔

مُلّا، حَسَن، فرنگی محلی کے داماد (مُلّا، عبد الاعلیٰ، فرنگی محلی) کے بیان کے مطابق:

مُلّا، حَسَن، شاہجہاں پور پہنچنے کے بعد، شاہ، مدن (سید شاہ شرف الدین، قادری جیلانی شاگردِ مُلّا، کمال الدین، سہالوی) کے دولت کدہ پر قیام پذیر ہوئے۔

اور حافظ رحمت خاں، روہیلہ، مَرہٹوں سے مسلسل برسرِ پیکار ہونے کی وجہ سے مُلّا، حَسَن کی وہ خدمت اور پذیرائی کرنے سے معذور رہے، جس کے آپ، مستحق تھے۔

کچھ دِنوں بعد، نجیبُ الدّولہ (وفات ۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء) کے بیٹے، ضابطہ خاں نے مُلّا، حَسَن کو، اپنے یہاں، دارانگر (نزدِ امروہہ) بلالیا اور بڑی خدمت و توقیر کی۔

مگر، یہاں بھی قسمت نے یاوری نہیں کی اور ایک جنگ میں، مَرہٹوں کے مقابلے میں ضابطہ خاں کو شکست ہوگئی۔ اور ریاست، ضابطہ خاں کے ہاتھ سے نکل گئی

تو، مُلّا، حَسَن، شاہجہان آباد (دہلی) پہنچ کر، شاہِ عالم کے مہمان ہوئے۔

اور دوبارہ، جب ضابطہ خاں کو کامیابی ملی اور اس کی ریاست و مملکت پر، اس کا کنٹرول ہوگیا تو، اس نے مُلّا، حَسَن کو، دہلی سے اپنے یہاں بلاکر، اِعزاز و اِکرام کے ساتھ رکھا۔

مگر، مرہٹوں اور فسادیوں کی شورش، ضابطہ خاں کے لئے دردِ سر بنی رہی اور ریاست بےامنی، بےچینی کا شکار ہوتی رہی۔ اس لئے مُلّا حَسَن نے، ریاستِ رام پور کا رُخ کیا۔

اور چند سال، درس و تدریس میں مصروف رہ کر، یہیں، آپ کا انتقال ہوا۔''

(ملخصاً۔ از ص: ۳۶۔ رسالہ **قطبیہ** (مخطوطہ) مؤلّفہ مُلّا عبد الاعلیٰ، فرنگی محلی)

مُلّا حَسَن نے، بیس (۲۰) سال، فرنگی محل میں درس و تدریس کی خدمت، انجام دی۔

اس کے بعد کا وقت، مہاجرت میں گذرا۔ جس کی مدت ۱۱۸۴ھ تا ۱۱۸۸ھ ہے۔

آخری سفر، ریاستِ رام پور کا ہوا۔ جہاں، نواب فیض اللہ، والیِ رام پور نے مُلّا حَسَن کا شایانِ شان استقبال کیا اور گراں قدر مشاہرہ، مقرّر کر کے، سرکاری مدرسہ، آپ کے حوالے کر دیا۔

ریاستِ رام پور ہی میں ۳ رصفر ۱۲۰۹ھ/۱۷۹۴ء کو، مُلّا محمد حَسَن، فرنگی محلی کا انتقال ہوا۔

مُلّا حَسَن، فرنگی محلی، تدریس کے ساتھ، تصنیف و تالیف سے بھی دل چسپی رکھتے تھے۔

''شرحِ سُلَّم'' آپ کی یادگار اور شاہکار تصنیف ہے۔

جو، ماضی قریب تک، درسِ نظامی کے نصاب میں داخل رہی۔

اس کے علاوہ، آپ کی تحریر کردہ چند کتابیں، یہ ہیں:

شرحِ مُسلَّمُ الثُّبوت، حاشیۂ صدرا، حواشیِ زواہد ثلاثہ، معارجُ العلوم (منطق) مدارجُ العلوم (حکمت) حاشیۂ شمسِ بازِغہ۔

مولانا محمد عنایت اللہ، انصاری، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) لکھتے ہیں:

''مولوی محمد حَسَن، اَلْمعروف بہ مُلّا حَسَن بن قاضی غلام مصطفیٰ بن مُلّا اسعد بن قطب شہید۔ بعض کتابیں، اپنے ماموں، مُلّا کمال الدین اور اکثر کتابیں، استاذُ الھند (مُلّا نظام الدین محمد) سے پڑھ کر، فارغُ التحصیل ہوئے۔

تمام علوم میں مہارت، حاصل فرمائی۔ یہاں تک کہ معتبر علما، اس کو بیان کرتے ہیں کہ:

''اگر، مُلّا حَسَن، شیخ ابن سینا سے معقولات میں مقابلہ کرتے، تو، اُس پر غالب آ جاتے۔''

ایک دن، اپنے نامور استاذ یعنی استاذُ الھند (مُلّا نظام الدین محمد) سے کسی مسئلہ پر گفتگو فرما رہے تھے کہ، استاذُ الھند نے فرمایا کہ:

شیخ نے شفا میں، یہ کہا ہے۔ تم، اس کے خلاف، گفتگو کر رہے ہو۔

مُلّا حَسَن نے، بادب عرض کیا کہ:

"معقولات میں تقلید نہیں کی جاسکتی۔ شیخ نے، یہ کہا ہے۔ مَیں، یہ کہتا ہوں۔"
مُلاَّ حَسَن اپنے تمام بھائیوں سے ذکاوت و ذہانت میں سبقت لے گئے تھے۔
کبھی، ان کو کتاب کی مُراجعت کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔
قوتِ حافظہ، اِس قدر زبردست تھا کہ:
"کتبِ درسیہ کی عبارتیں، ان کو، زبانی، یاد تھیں۔
یہاں تک کہ اگر، ہدایہ وغیرہ کے مانند کسی کتاب کی عبارت، غلط ہوتی
تو، اس کی عبارت اپنی یادداشت سے، درست فرمادیتے۔"
واقعہ، یہ ہے کہ خاندانِ فرنگی محل میں مُلاَّ حَسَن سے زائد
قوِیُّ الحافظہ، ذہین ذکی اور منطقی طرز پر بحث کا ماہر، کوئی دوسرا نہیں گذرا ہے۔
خاص کر، تشقیقِ شقوق سے اِثباتِ مُدَّعا کرنے میں مُلاَّ حَسَن کو، ایسا یدِ طولیٰ تھا کہ:
ان کی نظیر ملنا، دشوار ہے۔
مُلاَّ حَسَن نے ایک زمانہ تک، فرنگی محل میں، درس و تدریس و تالیف کا سلسلہ، جاری رکھا۔
ایک عالَم، اس چشمۂ فیض سے سیراب ہوا۔ دور دور سے طلبہ آپ کے پاس پڑھنے آتے تھے۔
ایک مذہبی مناقشہ کی وجہ سے آپ کو، تَرکِ وطن کرنا پڑا۔
اور بغیر کسی کے عِلم و خبر کے، پوشیدہ طور پر آپ نے شاہجہاں پور کی جانب، سفر فرمایا۔
وہاں، پہنچ کر حضرت سید مدن میاں (سید شاہ شرف الدین، قادری، جیلانی تلمیذِ مُلاَّ کمال الدین سہالوی۔ مصباحی) کے دولت کدہ پر قیام فرمایا۔
مدن میاں، حضرت غوث رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کی اولاد میں سے تھے۔
چوں کہ، اُس زمانے میں حافظ رحمت خاں، والیِ شاہجہاں پور، مَرہٹوں کے خلاف جہاد کرنے کے انتظامات میں، شب و روز متوجہ تھے، اس لئے، وہ، مُلاَّ حَسَن کی خدمت نہ کر سکے۔
اس درمیان میں، ضابطہ خاں، فرزند نجیب الدولہ نے آپ کو بلا بھیجا۔
اور آپ کے تشریف لے جانے پر، آپ کا نہایت اعزاز و اِکرام کیا۔
اور مشاہرۂ معقول، مقرر کر کے آپ کے استاذ، مُلاَّ کمال الدین کی جگہ، دارانگر کے مدرسہ میں مقرر کر دیا۔ مولوی برکت، الہ آبادی بھی، اس زمانے میں یہیں تھے۔
(کچھ دنوں بعد) ضابطہ خاں کو، مَرہٹوں سے شکست ہوگئی اور انتظامِ سلطنت، درہم برہم

ہوگیا۔ مُلّا حَسَن، دہلی چلے گئے اور کچھ زمانہ تک، شاہِ عالَم کی رفاقت میں رہے۔

اس کے بعد، ضابطہ خاں کا انتظام سلطنت، درست ہوا، تو، انھوں نے پھر، آپ کو بلوالیا۔
اور بدستور، اِعزاز و اِکرام کے ساتھ، دارانگر کا مدرسہ، آپ کے، پھر، سپرد کردیا۔
اس کے بعد، پھر، ضابطہ خاں کو، متعدد لڑائیوں میں متوجہ ہونا پڑا۔
جس کی وجہ سے بہت گڑبڑ ہوگیا۔ اور کوئی انتظام، باقی نہ رہا۔
آپ، مجبوراً، رام پور، واپس آئے اور وہاں، اِقامت، اختیار فرمالی۔
نواب فیض اللہ خاں، والیِ رام پور، نہایت اِعزاز سے پیش آئے۔ اور تنخواہِ گراں، مقرر کر کے
مدرسہ آپ کے سپرد کردیا۔ آپ نے، وہیں ۳ / صفر ۱۲۰۹ھ میں، بعہدِ بہادر شاہ، وفات پائی۔
مُلّا حَسَن کی تالیفات، حسبِ ذیل ہیں:
شرحِ سُلَّم، بحث موجّہات تک۔ جو، متداول بینَ العُلَماء ہے۔ (اور داخلِ درس ہے)
مُلّا حَسَن کے کمالِ جودتِ طبع پر، یہ شرح، شاہدِ عادل ہے۔
طرزِ معقولی میں، سُلَّم کی کوئی شرح، اس کے مقابل، نہیں ہوسکتی۔
شرحِ مُسَلَّمِ الثُّبوت، حواشیِ صدرا، حواشیِ زوَاہدِ ثلاثہ، معارِجُ العلوم، متنِ منطق میں۔
مدارِجُ العلوم، متنِ حکمت میں۔ علاوہ، ان کے شمسِ بازِغہ پر بھی، مُلّا حَسَن کا حاشیہ ہے۔
ان میں سے اکثر کتابوں سے، میں نے اِستفادہ کیا ہے۔
مُسَلَّمُ الثُّبوت کی شرح، جو، بطورِ حاشیہ ہے، ختمِ مبادیِ کلامیہ تک ہے۔
مدارِجُ العلوم، صرف ختمِ بحث مایعمّ الاجسام تک۔ شمسِ بازِغہ کا حاشیہ، ناتمام ہے۔
.........مُلّا حَسَن کی اولادِ معنوی کا سلسلہ، بہت وسیع ہے۔
اور فرنگی محل کے عُلَما کا سلسلۂ علم مُلّا حَسَن اور مُلّا، احمد حسین اور بحرالعلوم تک، منتہی ہوتا ہے۔
جو، تینوں، اُستاذُالھند (مُلّا، نظام الدین محمد، فرنگی محلی) کے شاگردانِ رشید تھے۔"

(ص ۴۶ تا ص ۴۹۔ "تذکرۂ علمائے فرنگی محل"۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، انصاری، فرنگی محلی
مطبوعہ فرنگی محل لکھنؤ۔ ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء)

مُلّاؔ، محمد مُبین، فرنگی محلی

مولانا محمد مُبین (ولادت ۱۱۵۷ھ/۱۷۴۴ء۔ وصال ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) بن مولانا مُحبُّ اللہ بن مولانا احمد عبدالحق بن مُلّاؔ محمد سعید، سہالوی بن مُلّاؔ، قطب الدین شہید، سہالوی۔

مُلّاؔ، مُبین کے حقیقی بھتیجے اور شاگرد، مُلّاؔ، ولی اللہ، فرنگی محلی (ولادت ۱۱۸۲ھ/۱۷۶۸ء۔ وصال ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء) کی تاریخی کتاب ''اَغصانِ اربعہ'' کے حوالہ سے

مُلّاؔ، حَسن کے، فرنگی محل سے دوسرے مقامات کی طرف، کوچ کرنے اور فرنگی محل کا فیض باقی اور جاری رکھنے میں مُلّاؔ مُبین کی پیش قدمی کے اَحوال پر مشتمل ایک تحریر،

مفتی محمد رضا، انصاری فرنگی محلی (متوفی ۱۴۱۰ھ/فروری ۱۹۹۰ء) اِس طرح، نقل کرتے ہیں:

مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی لکھتے ہیں:

''مولوی محمد مُبین بن مُلّاؔ محبُّ اللہ بن مولانا احمد عبدالحق بن مُلّاؔ، محمد سعید بن مُلّاؔ، قطب الدین شہید، سہالوی، مولانا بحرالعلوم کے بعد، سب سے زائد، کثیر التصانیف اور بے مثل حَلِّ مطالب کرنے والے جامعِ منقول معقول، حاوِیِ فروع واصول، واعظ ومحدِّث تھے۔

کُتبِ درسیہ، اوّل سے لے کر ختم تک، مُلّاؔ، حَسن سے پڑھیں اور فاتحۂ الفراغ بھی انھیں سے پڑھا۔ زمانۂ تحصیل ہی سے، آثارِ ذکاوت وجودتِ طبع، نمایاں تھے۔

استاذ اپنے لائق شاگرد کی قابلیت دیکھتے اور خوش ہوتے۔

تحصیلِ علم سے فراغت کے بعد، تدریس وتالیف کا سلسلہ، شروع ہوا۔

حلقۂ درس، استاد کے سامنے، وسیع ومشہور ہوگیا۔

مُلّاؔ، حَسن، جب، رام پور تشریف لے گئے، مُلّاؔ حَسن کے تلامذہ اور اَکناف واَطراف کے طلبۂ علم نے آپ کی خدمت میں تحصیلِ علم، شروع کیا۔ اور آپ کا شہرۂ علم، دور دور تک پہنچ گیا۔

تلامذہ کی کثرت آپ کے حلقۂ درس میں، سب ہم عصروں سے زائد ہوگئی۔

عوام وخواص، سب کی نظروں میں آپ محبوب اور معزز ومحترم ہوگئے۔

اُمرا، مال ودولت، قدموں پر نچھاور کرتے اور آپ اس کی جانب، توجہ بھی نہ فرماتے۔

ہر جمعہ کو، مسجدِ فرنگی محل (لکھنؤ) میں وعظ فرماتے اور ایسا شیریں بیان اور پُر تاثیر وعظ ہوتا کہ

ہر وعظ میں سیکڑوں آدمی، موجود ہوتے۔

جیسے ہی وعظ، شروع ہوتا، لوگ، زار و قطار، رونا شروع کر دیتے۔

میں نے معتبر ذریعہ سے سنا ہے کہ:

مولانا مُبین کا وعظ، ایسا مؤثر ہوتا تھا کہ:

جیسے ہی، وہ فرماتے کہ: اَللّٰہ جَلَّ شَانُہٗ، فرماتا ہے۔"

حاضرین، بے قرار ہونے لگتے۔

ہزار ہا احادیث اپنے وعظ میں بیان فرماتے

جس سے علمِ حدیث میں کمالِ وُسعتِ نظر، معلوم ہوتا تھا۔

خود بھی، نہایت رقیق القلب تھے۔ اکثر وعظ میں، خود بھی بہت روتے۔

اور حاضرین، روتے روتے، بے حال ہو جاتے۔

مزاج میں نخوت اور تکبر، نام کو، نہ تھا۔ اپنے زمانے کے علما کی عزت و احترام فرماتے۔

باوجود، بڑے معقولی ہونے کے، بزرگانِ دین سے، نہایت خوش عقیدہ تھے۔

مولانا شاہ حقانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ سے بہت زائد اِعتقاد تھا۔

حضرت شاکر اللہ (تلمیذِ مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی، فرنگی محلی و مُرید حضرت سید اسمٰعیل بلگرامی ثُمَّ مَسَولِوی) رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کی خدمت میں بھی اکثر حاضر ہوتے۔

مُلّاَ حَسَن، جب، رام پور گئے تو مُلّاَ مُبین نے حضرت شاہ، شاکر اللہ سے

مُلّاَ حَسَن کے جانے کا حال، بیان کیا۔ شاہ صاحب رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے فرمایا کہ:

"مُلّاَ مُبین! اب تو تمہارا ہی نام، ہم نے، مُلّاَ حَسَن رکھ دیا۔

جاؤ، خدمتِ علم کرو اور کچھ تردُّد، نہ کرو"

حضرت مولانا انوار الحق رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ سے بہت زیادہ اِعتقاد تھا۔

شاہ حقانی صاحب نے سبز عمامہ، عنایت کیا تھا۔

جس کے متعلق، آپ نے صاحبزادوں کو وصیت فرمائی تھی کہ:

قبر میں ساتھ، رکھ دیا جائے۔" چنانچہ، ایسا ہی کیا گیا۔

ایک تاجِ شاہانہ بھی، شاہ صاحب نے عنایت کیا تھا۔

جو، اَب تک محفوظ ہے اور مُلّاَ مُبین کے نبیرہ، مولانا عبد الهادی صاحب کے پاس ہے۔

مُلاَّ مُبین کے تصانیف، بہت ہیں ۔اور سب میں طلبہ اور مدرسین کے لئے اس وضاحت سے حَلِ مطالب کیا گیا ہے کہ، بے ساختہ، زبان سے نکلتا ہے کہ لا عِطرَ بَعدَ العَرُوس۔ (فارسی سے ترجمہ) جب، مُلاَّ حَسَن نے، جو، مُلاَّ مُبین کے استاذ تھے، فرنگی محل سے روہیل کھنڈ کی طرف، ہجرت کرلی، تو، مُلاَّ مُبین نے شاہ شاکرُ اللہ (شاگردِ مُلاَّ، نظام الدین محمد، سہالوی و مُرید حضرت سید اسمٰعیل، بلگرامی ثمَّ مَسولِوی ۔مصباحی) کی خدمت میں حاضر ہوکر مُلاَّ حَسَن کا فرنگی محل سے چلا جانا، بیان کیا۔

شاہ، شاکرُ اللہ نے مُلاَّ مُبین سے مخاطِب ہوتے ہوئے کہا:

"میاں مُبین! محمد حَسَن ایک نام تھا۔ وہ نام، تمہیں دے دیا گیا۔

جاؤ گھر، درس و تدریس کرو۔ مُلاَّ حَسَن سے بھی زیادہ، تمہارا اِعتبار ہوگا۔"

(چنانچہ، ایسا ہی ہوا بھی کہ)

اَللہ جَلَّ شَانُہٗ نے اس زمانہ کے بیشتر معزَّزین کے دلوں میں، یہ بیٹھا دیا کہ:

اب، ہندوستان میں، مُلاَّ مُبین کے درجے کا کوئی عالم نہیں ہے۔"

چنانچہ، ایک روز، وزیرُ الممالک شجاعُ الدَّولہ کی محفل میں سید شاہ، مدن (سید شاہ شرف الدین قادری، جیلانی، تلمیذِ مُلاَّ، کمال الدین، سہالوی۔مصباحی) نے مُلاَّ حَسَن کا ذکر کیا۔ (جو یقیناً، وہی زمانہ ہوگا، جب، مُلاَّ حَسَن، ہجرت کر کے، ضابطہ خاں (فرزندِ نجیبُ الدَّولہ) کے پاس جا چکے تھے) اور تفصیل سے بتایا کہ، علیمت میں، ان کا کیا، بلند مرتبہ تھا۔

ایک امیر نے شاہ، مدن کی بات کاٹتے ہوئے مُلاَّ مُبین کی تعریف و توصیف، شروع کردی اور مُلاَّ مُبین کو، مُلاَّ حَسَن سے بلند مرتبہ ٹھہرایا۔

شاہ، مدن نے جواب میں کہا: مُلاَّ مُبین تو، عزیز بھی ہیں۔

اور شاگرد بھی مُلاَّ حَسَن ہی کے ہیں۔

امیر نے کہا: بالکل، غلط! مُلاَّ مُبین، کسی کے شاگرد نہیں۔"

بے چارے شاہ مدن، خاموش ہوکر، رہ گئے۔

ان امیر کا نام، لوگوں نے، امیر مرتضیٰ، بلوچی بتایا ہے۔"

(ص ۱۴۔ الغصانِ اربعہ۔ مؤلّفہ مُلاَّ، ولی اللہ، فرنگی محلی ۔ مطبع کارخانہ، فرنگی محل، لکھنؤ۔)

مُلاَّ مُبین، فرنگی محلی کا انتقال، عہدِ سعادت علی خاں میں ۱۲۲۵ھ میں فرنگی محل میں ہوا۔

وہ، مُلاَّ، نظام الدین محمد کے وصال (۱۱۶۱ھ) سے، چار سال قبل ۱۱۵۷ھ میں پیدا ہو چکے تھے۔
اور اسی ۱۲۲۵ھ میں، مُلاَّ، بحرالعلوم (مولانا عبدالعلی، فرنگی محلی) کا انتقال، مدراس میں ہوا۔
مُلاَّ، حَسَن اور ان کے چھوٹے بھائی، مُلاَّ محمد ولی، ایک سال کے فرق سے
بارہویں صدی ہجری کے اِختتام پر، عازمِ آخرت ہو چکے تھے۔
فرنگی محل میں، مُلاَّ، محمد ولی کے صاحبزادگان نے، جن میں مفتی ظہورُ اللہ، فرنگی محلی
درس و تدریس میں سب سے نامور ہوئے، مشغلۂ آبائی کو، جاری رکھا۔
اور مفتی محمد یعقوب کے فرزند، مُلاَّ، عبدالقدوس نے جو، مُلاَّ، حَسَن اور مُلاَّ، غلام یحییٰ بہاری کے
شاگرد تھے، درس و تدریس کے شغل پر، ایسی توجہ کی کہ:
عہدِ سعادت علی خاں میں عہدۂ اِفتا کو، قبول کرنے سے انکار کر دیا۔
مدراس میں، مُلاَّ، بحرالعلوم (مولانا عبدالعلی) فرنگی محلی کی جانشینی
ملک العلما، مُلاَّ، علاءالدین احمد بن مولانا احمد انوارُ الحق، فرنگی محلی نے کی۔
ان کے بھائی، مولانا نورُ الحق، فرنگی محل لکھنؤ میں، درس و تدریس کرتے رہے۔
یہ دونوں بھائی، مُلاَّ، علاءُ الدین اور مولانا نورُ الحق، نیز، اُن دونوں کے والد ماجد
مُلاَّ، احمد انوارُ الحق بھی، بحرالعلوم ہی کے شاگرد تھے۔
ان تینوں حضرات میں سے کسی نے شاہجہاں پور، کسی نے رام پور، کسی نے بوہار (ضلع
بَردَوان، بنگال) جا کر، بحرالعلوم، فرنگی محلی سے اعلیٰ کتابیں پڑھ کر، فراغت حاصل کی تھی۔
مُلاَّ، بحرالعلوم کے صاحبزادوں میں بڑے، مُلاَّ، عبدُ الاَعْلیٰ (مصنفِ رسالہ قُطبیہ) نے بھی
اپنے والدِ ماجد، بحرالعلوم، ہی سے، ساری تعلیم، حاصل کی تھی۔
لیکن، ان کی وفات، والد ماجد سے اٹھارہ سال قبل (۱۲۰۷ھ میں) ہو گئی تھی۔
دوسرے بیٹے، مُلاَّ، محمد نافع بن بحرالعلوم بھی، والد ماجد کی حیات میں انتقال کر گئے۔
مولانا عبدالرَّب بن بحرالعلوم نے، جن کو، نوابِ اَرکاٹ (مدراس) نے "ملکُ العُلما" کا
خطاب دیا تھا، کچھ دنوں، مدراس میں والد ماجد کی وفات کے بعد، درس و تدریس کی۔
اس کے بعد، وطن (فرنگی محل، لکھنؤ) واپس آ کر، شغلِ تدریس جاری رکھا۔
ان کی وفات ۱۲۵۲ھ میں ہوئی۔
مولانا عبدالرَّب کے بعد، ان کے نامور فرزند، مولانا عبدالحکیم، فرنگی محلی نے

بحر العلوم کی جانشینی، فرنگی محل میں رہ کر، کی۔ اور ان سے بھی فیض، بہت، جاری ہوا۔''

(ص ۱۳۶ تا ۱۳۹۔ ''بانیِ درسِ نظامی، مُلّا، نظام الدین محمد'' ۔ مؤلفہ مفتی محمد رضا، فرنگی محلی مجلسِ صحافت ونشریات، ندوۃ العلما، لکھنؤ۔ ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۳ء)

مُلّا، مُبین، فرنگی محلی، بڑے ہی شیریں بیان واعظ وخطیب بھی تھے۔

آیات واحادیث سے آپ کا خطاب، مدلّل ہوتا۔ درجنوں احادیث سے آپ کے مواعظ وخطبات، مُزیّن ہوا کرتے تھے۔ سیکڑوں احادیث، آپ کو، اَز بر تھیں۔

آپ کا خطاب بڑا ہی مؤثر ہوتا، جسے سن کر لوگ، اکثر زار وقطار، رونے لگتے۔

فرنگی محل کی مسجد میں آپ، ہر جمعہ کو، خطاب فرمایا کرتے تھے۔

آپ، اخلاقِ فاضلہ سے متّصِف تھے۔ عُلمائے کرام کا اِعزاز واِکرام کیا کرتے تھے۔ مزاج میں، تواضع تھا۔ بزرگانِ دین کے حددرجہ عقیدت مند تھے۔

آپ کی تصانیف کے بارے میں خانوادۂ فرنگی محل کے نوجوان فاضل مولانا خالد رشید، فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ:

''مولانا مُبین کی متعدد تصانیف ہیں۔ اور تمام تصانیف میں طلبہ اور اساتذہ دونوں کے لئے نہایت وضاحت سے مطالب، حل کیے گئے ہیں۔

ہر درسی کتاب پر تعلیق کے علاوہ، مستقل تصنیفات، حسبِ ذیل ہیں:

(۱) شرحِ سُلّم العلوم، کامل (۲) شرحِ مُسَلَّم الثُّبوت، تا ختمِ مبادیٔ کلامیہ (۳) حواشیِ زَوَاہِدِ ثلاثہ (۴) حَلِّ بحث مشاۃ بالتکریر، مذکورۂ صدرا (۵) کنزُ الحسناتِ فی مسائلِ الزکوٰۃ (۶) شرح اَسمائے حُسنیٰ (۷) ترجمۂ حکایاتُ الصالحین (۸) شرح تبصرہ، تصوف میں (۹) جواہرُ الفوائد مسائلِ صوم میں (۱۰) وسیلۃُ النجاۃ، ائمۂ اِثنا عشر کے حالات میں۔

(وسیلۃُ النجاۃ میں بعض روایات، حدِ ضعف سے بھی، متجاوز ہیں)

(ص ۵۴۔ ''مشاہیر علمائے فرنگی محل! اور ان کے علمی حالات'' ۔ مؤلفہ مولانا خالد رشید، فرنگی محلی۔ مطبوعہ اسلامک سنٹر آف انڈیا۔ فرنگی محل، لکھنؤ۔ مئی ۲۰۱۱ء)

مولانا نورُالحق، فرنگی محلی

حضرت مولانا نورُالحق، فرنگی محلی (وصال، شبِ یک شنبہ مؤرخہ ۲۲ ربیع الاول ۱۲۳۸ھ/ ۱۸۲۲ء) بن مولانا احمد انوارُالحق فرنگی محلی (وصال، بروزِ سہ شنبہ ۲۶ شعبان ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۱ء)

بن مُلّا، احمد عبدالحق، فرنگی محلی (وصال، بروزِ جمعہ۔ ۹ ذوالحجہ ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۴ء)

بن مُلّا، محمد سعید بن مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی، اپنے وقت کے متجر، متورّع فرنگی محلی عالمِ دین و شیخِ طریقت تھے۔ آپ کے تذکرہ میں ہے کہ:

''عالمِ ظاہر و باطن، اپنے والد کے خلیفۂ خاص تھے۔ تدریسِ علوم اور یادِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ بندگانِ خدا کی پاسداری اور انکسارِ نفس میں مشہور تھے۔

۲۲ ربیع الاول، شبِ یک شنبہ ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء میں انتقال ہوا''

(ص ۵۳۵۔ ''تذکرۂ عُلمائے ہند''۔ مؤلفہ مولانا رحمٰن علی۔ اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب قادری۔ مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی۔ کراچی۔ ۱۹۶۱ء)

حاشیہ از مترجم، پروفیسر محمد ایوب قادری:

''مولانا نورُالحق، فرنگی محلی کے تلامذہ میں مولوی فضلِ رسول، بدایونی، مولوی فضلِ رحمان گنج مرادآبادی، مرزا حَسن علی، محدّث لکھنوی و مولانا حسین احمد، محدّث، نہایت مشہور ہیں۔''

(حاشیہ ص ۵۳۶۔ ''تذکرۂ عُلمائے ہند''۔ مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۶۱ء)

والدِ محترم، مولانا احمد انوارُالحق، فرنگی محلی (وصال ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۱ء) کے تذکرہ میں ہے:

''چوں کہ، اَزل سے اُن (انوارُالحق، فرنگی محلی) کے دل میں محبتِ الٰہی، وَدیعت ہوئی تھی اس لئے بچپن میں اپنے ماموں کی خدمت میں بیٹھتے تھے اور ان کے اَنفاسِ طیبہ کے برکات سے استفادہ کرتے۔ درسی کتب، مولوی احمد حسین اور مُلّا محمد حَسن سے پڑھیں۔

علوم ظاہری کی تکمیل، مولوی عبدالعلی، بحرالعلوم کی خدمت میں کی۔

سترہ (۱۷) سال کی عمر میں، اپنے والد سے بیعت ہوئے۔

ان کی طبیعت، معقولات کی طرف، راغب، نہ تھی۔

کتبِ منقولات کی طرف، البتہ توجہ کرتے تھے۔

غرض، اپنے اوقاتِ عزیز، یادِ الٰہی میں بسر کرتے تھے۔
ایک سانس بھی، ذکر و شغل کے بغیر نہیں گذارتے تھے۔
ان کے خوارقِ عادات کا مفصل ذکر ''اغصانِ اربعہ'' میں مذکور ہے۔
۲۶ رشعبان ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۱ء، بروز منگل، ایک پہر، باقی تھا کہ:
ان کی روحِ مبارکہ، حُجرۂ قالب سے نکل کر، رفیقِ اعلیٰ سے جاملی۔ اپنے باغ، واقع لکھنؤ میں، دفن ہوئے۔'' (ص ۹۴ ''تذکرۂ علماے ہند''۔ مؤلفہ مولانا رحمٰن علی۔ مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۶۱ء)

جدِ محترم، مُلّا، احمد عبد الحق، فرنگی محلی (وصال ۹ رذوالحجہ ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۴ء) کے تذکرہ میں ہے:
''اپنے چچا، مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی کی خدمت میں تحصیلِ علم کی
اور ان کے ساتھ ہی، تدریسِ علوم میں مشغول ہو گئے۔''
شہرِ لکھنؤ کے عمائدین و اَراکین میں خوب اعتبار، پیدا کر لیا۔
امورِ خانہ کی تمام ذِمّہ داریوں سے اپنے چچا کو، سُبک دوش کر دیا۔
ان کی تصانیف سے شرحِ سُلّم اور حواشیِ زوَاہدِ ثلاثہ، یادگار ہیں۔''
(ص ۹۳۔ ''تذکرۂ علماے ہند''۔ مؤلفہ رحمٰن علی)

حاشیہ از مترجم، محمد ایوب قادری:۔ مُلّا، احمد عبد الحق نے شاہ عبد الرَّزّاق، بانسوی کے دستِ مبارک پر، بیعت فرمائی۔ سخت ریاضتیں اور مجاہدے کیے۔ ان کی بہت سی کرامات مشہور ہیں۔
شرحِ سُلَّمُ العُلوم ۱۱۳۶ھ/۲۴۔۱۷۲۳ء میں، مکمل ہوئی۔
علومِ ظاہری کے ساتھ، علومِ باطنی میں بھی، ماہرِ کامل تھے۔
۹ رذوالحجہ ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۴ء، بروزِ جمعہ، انتقال ہوا۔
مولانا احمد عبد الحق کے دو عقد ہوئے۔ پہلی بیوی سے مُلّا محبّ اللہ اور دو صاحبزادیاں ہوئیں۔ اور دوسری بیوی سے مولانا انوار الحق اور مولانا اَزہار الحق، پیدا ہوئے۔''
(ص ۹۳۔ ''تذکرۂ علماے ہند، مترجم''۔ مطبوعہ۔ کراچی ۱۹۶۱ء)

حضرت مولانا نورُ الحق، فرنگی محلی (وصال ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء) کے بارے میں مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) لکھتے ہیں:
''مولانا نور الحق اور آپ کے چھوٹے بھائی، مولانا علاءُ الدین، اپنے چچا کے ساتھ، سفر کر کے رام پور اور بوہار (ضلع بَردوان، بنگال) مولانا بحر العلوم کی خدمت میں گئے

اور تحصیلِ علم فرما کر، فاتحۂ الفراغ، مولانا بحرالعلوم سے پڑھا۔
وطن (فرنگی محل لکھنؤ) واپس آ کر، مدۃُ العمر، خدمتِ علم میں مصروف رہے۔
نہایت بڑے عالِم جیّد اور فاضلِ کامل تھے۔
آپ کے تلامذہ، بڑے بڑے باکمال بزرگ عُلما میں سے ہوئے ہیں۔
مشہور عالِم و بزرگ، حضرت مولانا فضلِ رسول، بدایونی اور حضرت مولانا فضلِ رحمٰن
گنج مرادآبادی، **اِسی چشمۂ علم کے فیض یاب تھے۔**
حضرت مرزا حَسَن علی محدِّث اور مولانا حسین احمد محدِّث، اِسی خرمنِ کمال کے خوشہ چیں تھے۔
آپ کے بعد، اکثر عُلمائے فرنگی محل کا سلسلۂ تلمذ، آپ تک پہنچتا ہے۔
حلقۂ درس، بہت وسیع ہوتا تھا۔
باوجود، معقولات و منقولات میں تبحُّر کے، نہایت متواضع، منکسر المزاج اور خوش خُلق تھے۔
علمِ ظاہری کے علاوہ، علمِ باطنی، اپنے والد ماجد سے حاصل کیے تھے۔
اور والد ماجد سے بیعت کر کے، اُن سے اَذکار و اَشغال سیکھے تھے۔
اور اجازتِ ارشاد بھی والد ماجد سے حاصل تھی۔
علمِ باطنی میں ایسا کمال، حاصل کیا تھا کہ، خود آپ کے والد ماجد فرماتے کہ:
میاں نور، نور ہی نور ہیں۔"
آپ کی وفات کی خبر سن کر، مولانا شاہ عبدالرحمٰن لکھنوی، رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ نے فرمایا کہ:
نور میاں، سر سے پاؤں تک، نور ہی نور تھے۔"
آپ کے کشف و کرامات، بہت زیادہ تھے۔ ایثار و توکُّل ایسا تھا کہ:
آپ کے زمانہ میں کوئی آپ کی نظیر، نہ تھی۔
جب، آپ کے والد ماجد کی وفات ہوئی
تو، باوجودے کہ، آپ، فرزندِ اکبر اور تمام صاحبزادوں میں سب سے زیادہ، ہر حیثیت سے
قابل و لائق، جانشینی کے مستحق تھے، مگر، آپ نے اپنے چھوٹے سوتیلے بھائی
مولانا محمد احمد، فرنگی محلیکو، جو، صرف انیس بیس سال کے تھے، اپنے والد ماجد کا سجادہ نشین کیا۔
اور دوسرے مُریدوں کی طرح، خود بھی چھوٹے بھائی کو، نذر دی۔
باوجود عُسرت و تکلیف کے، ہمیشہ، اُمَرا کی صحبت سے پرہیز فرماتے، کسی امیر کے دروازے

پر جانے کا کیا ذِکر۔ لیکن، اگر، کوئی حاجت مند حاضر ہوتا اور کسی امیر سے سفارش کا طلب گار ہوتا
یا۔ اس کے پاس، چل کر، سفارش کرنے کی خواہش کرتا
تو، حاجت رَوائی میں، دریغ نہ فرماتے۔
گو، اس میں آپ کو کیسی ہی زحمت، کیوں نہ برداشت کرنی پڑے۔
مُریدین، آپ کے، بکثرت تھے۔ والد ماجد کی حیات ہی سے
یہ سلسلہ، والد ماجد کے حکم سے شروع ہو گیا تھا۔
بوجہ کثرتِ تدریس وریاضت، اکثر آپ کو، دردِ کمر کی شکایت رہنے لگی تھی۔
علاج سے کم ہو جاتا تھا، مگر، بالکل، دفع، نہ ہوتا تھا۔
والد ماجد کے انتقال سے، انیس (۱۹) ماہ کے بعد، اس مرض نے ایسا غلبہ کیا کہ:
آپ پر، بے ہوشی، طاری ہو گئی اور ۲۳ / ربیع الاول، شبِ یک شنبہ ۱۲۳۸ھ (مطابق ۱۸۲۲ء)
کو، آپ نے وفات پائی۔
مولانا نورُالحق کی تصانیف میں سے سورۂ فاتحہ کی تفسیر
مولانا محمد عبدالحیٔ، فرنگی محلی رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ نے ملاحظہ فرمائی تھی، اور اس کے متعلق
تحریر فرمایا ہے کہ:
طَالَعْتُهٗ فَوَجَدْتُهٗ نَفِيْساً حَسَناً شَاهِداً عَلٰى جَلَالَةِ مُؤَلِّفِهٖ۔
اس کے علاوہ، کتبِ درسیہ پر، حواشی ہیں۔"
(ص ۱۹۱ و ۱۹۲۔ "تذکرۂ علماے فرنگی محل"۔ مؤلّفہ مولانا محمد عنایت اللہ فرنگی محلی۔ مطبوعہ لکھنؤ)
مولانا محمود احمد، قادری، رَفاقتی، مظفر پوری لکھتے ہیں:
"حضرت مولانا شاہ احمد انوارُالحق، حضرت مولانا شاہ احمد عبدالحق المتوفی ۱۱۶۷ھ کے
منجھلے فرزند، فرنگی محل میں پیدا ہوئے۔ پلے بڑھے۔
حضرت مولانا احمد حُسین بن مولانا محمد رضا بن مُلّا قطب الدین شہید اور حضرت مولانا
محمد حَسَن بن قاضی غلام مصطفٰی بن مُلّا محمد اسعد بن حضرت مولانا قطب الدین شہید سے
درسیات، پڑھیں۔ تکمیل، حضرت مولانا عبدالعلی، بحرالعلوم، فرنگی محلی سے کی۔
فَقر وعرفان کی طرف، مَیلان کے باعث، تکمیل کے بعد، علومِ عقلیہ سے کُلّی احتراز فرمایا۔
مُرید وخلیفہ، اپنے والد کے تھے۔

فاضلِ بریلوی، مولانا شاہ احمد رضا قُدِّسَ سِرُّہٗ کے پَر دادا
حافظ شاہ، کاظم علی خاں (بریلوی) آپ ہی کے، مُرید وخلیفہ تھے۔
۲رشعبان المعظم ۱۲۳۶ھ، بروز شنبہ، آپ کا وصال ہوا۔

رئیس العلما، زُبدۃُ المشائخ، حضرت مولانا نورُ الحق

آپ کے بلند اقبال، صاحبِ علم وعرفان ومقام، صاحبزادے تھے۔ جن کے شاگرد
حضرت مولانا سید شاہ آلِ رسول، مارَہروی (پیرومُرشِدِ مولانا شاہ احمد رضا، بریلوی)
اور سیفُ اللّٰہِ المَسلول، مولانا شاہ فضلِ رسول، بدایونی اور مولانا فضلِ رحمٰن، گنج مرادآبادی تھے۔"
(ص ۳۲۔ "تذکرۂ علمائے اہلِ سُنّت"۔ مؤلّفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری۔
مطبوعہ کان پور۔ ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء)

حضرت مولانا نورُ الحق، فرنگی محلی اور آپ کے والدِ محترم، حضرت مولانا انوارُ الحق، فرنگی محلی
یہ دونوں حضرات، بحرالعلوم، مولانا عبدالعلی، فرنگی محلی کے خصوصی تلامذہ ہیں۔

مفتی، ظہورُ اللہ، فرنگی محلی

حضرت مفتی، ظہورُ اللہ، فرنگی محلی (ولادت ۱۱۷۴ھ/۱۷۶۰ء۔ وصال ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء) بن مُلّا، محمد ولی بن قاضی غلام مصطفیٰ بن مُلّا، محمد اسعد، سہالوی بن مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی۔

''تذکرۂ علمائے ہند'' میں، مفتی ظہورُ اللہ، فرنگی محلی کے بارے میں ہے:

''اپنے والد ماجد اور اپنے تایا، مُلّا حسن، فرنگی محلی سے تحصیلِ علم کی۔

.........تعلیقاتِ حاشیۂ زاہد بر شرحِ تہذیب، منطق، حاشیۂ دوحۃ شمس بازغہ، ان کی تصنیفات سے ہیں۔ ہمیشہ، درس دیتے رہتے تھے۔ اور اپنے زمانے میں خوب، مشہور ہوئے۔ بہت سے لوگوں نے ان سے علم، حاصل کیا۔ اور ایک جماعت، ان کے فیض سے مستفیض ہوئی۔''

(ص ۲۵۹۔ ''تذکرۂ علمائے ہند''۔ مؤلّفہ رحمٰن علی۔ اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب قادری۔ مطبوعہ پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی۔ کراچی۔ ۱۹۶۱ء)

حاشیہ از مترجم، پروفیسر محمد ایوب قادری: ''سلسلۂ درس و تدریس، ہمیشہ، جاری رہا۔ تمام علوم کے ماہر تھے۔ خاص کر علومِ فقہیہ میں، ملکۂ تام، حاصل تھا۔

صاحبِ ''تذکرۂ علمائے فرنگی محل'' نے اربابِ فرنگی محل کے علاوہ، ان کے تلامذہ میں اِکسٹھ (۶۱) بیرونی علمائے کرام کے نام لکھے ہیں:

جن میں، مولانا کفایت علی کافی مرادآبادی، مولانا عبدالمجید، بدایونی، مولوی فضلِ رسول بدایونی، مولوی عبدالقادر لکھنوی، مولانا شاہ احمد سعید، مجدّدی، دہلوی، مولوی حیدر علی، فیض آبادی مولوی مسیح الدین، کاکوروی، مفتی سعدُ اللہ، مرادآبادی، مولوی حسین احمد، محدّث ملیح آبادی، مولوی حکیم غلام نجف اور مولوی ثابت علی، الہ آبادی، مشہور و معروف ہیں۔''

(حاشیہ ص ۲۵۹۔ ''تذکرۂ علمائے ہند''۔ مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۶۱ء)

مولانا عنایت اللہ، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) لکھتے ہیں:

''مفتی ظہورُ اللہ بن مُلّا، ولی بن قاضی غلام مصطفیٰ بن مُلّا، اسعد بن قطب شہید۔ ولادت ۱۱۷۴ھ میں ہوئی۔ تحصیلِ کتب، اپنے والد اور چچا، مُلّا حسن سے کی۔ نہایت زبردست اور قابل عالم ہوئے۔ سلسلۂ قطبیہ کے چیدہ علما میں سے تھے۔

صاحبِ "خیر العمل" نے مفصّل، ان کے حالات لکھے ہیں۔

عہدۂ اِفتا، سرکارِ اَوَدھ کی طرف سے سپرد ہوا۔ جس کو، چالیس (۴۰) سال تک متواتر، انجام دیتے رہے۔ باوجود عدالتی کاموں کے، سلسلۂ تدریس و تالیف، بند نہیں ہوا۔

زَوَاہِدِ ثلاثہ بر مُطوَّل حواشی اور شمسِ بازِغہ کے رسالہ دَوحہ کی شرح، آپ کی خاص تالیفات ہیں۔

تمام کتبِ درسیہ اور خاص کر کتبِ فقہیہ پر، متفرق حواشی ہیں۔

مولانا، تمام علوم کے ماہر تھے۔ لیکن، خاص کر علومِ فقہیہ میں بوجہ کاروبارِ عدالت ملکۂ تام، حاصل تھا۔

میں نے مولانا کے حواشی میر زاہد مُلّا جلال سے اِستفادہ کیا ہے۔ حق، یہ ہے کہ:

یہی کتاب، اِس بات کی شاہدِ قوی ہے کہ:

مولانا کو علومِ عقلیہ میں، علوم فقہیہ سے کم مہارتِ تامّہ، نہیں تھی۔

مولانا کے کتب میں وہ فوائد ملتے ہیں جن سے بڑے بڑے مصنّفین کی کتابیں، خالی ہیں۔

مولانا عبدالحیٔ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کے حاشیہ لکھنے کا طرز، بہت کچھ، مولانا کے طرز سے ملتا ہے۔"

(ص ۷۴ و ۷۵۔ "تذکرۂ عُلماے فرنگی محل"۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی)

مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی نے، اس کے بعد، مولانا مفتی ظہورُ اللہ، فرنگی محلی کے تلامذہ کی ایک طویل فہرست دی ہے۔ جن میں سے چند نام، درج ذیل ہیں:

مولانا نورکریم، دریابادی، مولوی عبدالرحیم، صفی پوری، مولوی جلال الدین، رام پوری مولوی نجم الدین، رام پوری، قاضی امین الدین، فتح پوری، مولوی کفایت علی المتخلص بہ کافی مرادآبادی، مولوی احسان اللہ، اونامی، مولانا عبدالمجید، بدایونی، مولانا فضلِ رسول، بدایونی، مولوی عبدالقادر لکھنوی، مولوی محمد سعید، عظیم آبادی، شاہ احمد سعید، دہلوی، مولوی حیدر علی، فیض آبادی مفتی عبدالواجد، رام پوری، مولوی مسیح الدین خاں، کاکوروی، مولوی سعید اللہ، مرادآبادی، مولوی حسین احمد، محدّث ملیح آبادی، مولوی مختار علی، جائسی، مولوی صبغۃ اللہ، نگرامی، مولوی شکر اللہ الہ آبادی، مولوی پیر بخش، کچھوچھوی۔ وغیرھم۔

..........مولانا کی وفات ۱۷ ربیع الاول ۱۲۵۶ھ میں ہوئی۔"

(ص ۷۴ تا ۷۶۔ "تذکرۂ علماے فرنگی محل"۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی۔ مطبوعہ فرنگی محل لکھنؤ)

مُلّا، ولی اللہ، فرنگی محلی

مولانا، ولی اللہ، فرنگی محلی (ولادت ۱۱۸۲ھ/۱۷۶۸ء۔ وصال ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء)
بن حبیبُ اللہ بن مُحبُّ اللہ بن مُلّا، احمد عبدالحق بن مُلّا، محمد سعید سہالوی بن مُلّا، قطب الدین
شہید سہالوی۔

"تذکرۂ عُلمائے ہند" میں، مُلّا، ولی اللہ، فرنگی محلی کا تعارف، اِس طرح تحریر کیا گیا ہے:

"مولوی ولی اللہ بن حبیبُ اللہ، فرنگی محلی نے ابتدائی کتب، اپنے والد ماجد سے
اور درمیانی کتب اپنے چچا، مُلّا محمد یوسف، فرنگی محلی سے پڑھیں۔
فارغُ التحصیل ہونے کے بعد، علوم کی تحقیق و تکمیل میں بہت کوشش کی اور اپنی عمرِ عزیز
طلبہ کی تدریس میں، صَرف کردی۔ ان سے ایک جہاں، مستفید ہوا۔
جامعِ علومِ عقلی و نقلی اور حاویِ فنونِ فرعی و اصلی تھے۔
تصانیفِ کثیرہ، ان سے یادگار ہیں۔ صفر ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۳ء میں، اٹھاسی (۸۸) سال کی
عمر میں، انتقال ہوا۔
حکیم ظہیرالدین اَلمتخلص، بہ جوادؔ نے، ان کی تاریخِ وفات، اِس طرح لکھی ہے:

کزوفاتش شدند بے سروپا
ورع و شرع و فضل و علم و عمل

(ص ۵۴۶ و ۵۴۷۔ "تذکرۂ عُلمائے ہند"۔ مؤلفہ رحمٰن علی۔ مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۶۱ء)

مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی، مُلّا ولی اللہ، فرنگی محلی کے تعارف و تذکرہ میں لکھتے ہیں:

............"مولانا ولی اللہ بن مولانا حبیب اللہ، عُلمائے فرنگی محل میں جن چند بزرگوں پر
اللہ تعالیٰ نے باعتبارِ وجاہتِ دنیاوی اور خدمتِ علم، غیر معمولی فضل و عنایات فرمائے تھے
ان میں سے، مولانا ولی اللہ بھی تھے۔

"استاذُ الھند" اور "بحرالعلوم" اور "مُلّا مُبین" کے بعد
یہ چوتھا شہسوار، میدانِ علم و تالیفات کا ہے، جو، کثرتِ تالیفات میں
اگلوں سے بھی، بازی لے گیا تھا۔

فرنگی محل میں آپ، پہلے عالم ہیں جس نے تفسیرِ قرآن مجید، تحریر فرمائی۔
آپ سے پہلے اور آپ کے بعد، کسی (فرنگی محلی عالم) نے خدمتِ قرآن
اِس قدر، نہیں کی جیسے آپ نے کی۔

البتہ، آخر زمانہ میں، حضرت استاذ (مولانا عبدالباری، فرنگی محلی) رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے تفسیر لکھنا، شروع فرمائی تھی۔ چند ہی پاروں کی تفسیر (بنام "اَلطافُ الرَّحمٰن") ہوئی تھی کہ حضرت استاذ کی وفات ہوگئی۔

غرض کہ، یہی، دو عالم، فرنگی محل میں سے، ایسے گذرے ہیں، جنھوں نے
قرآن شریف کی تفسیر لکھی ہے۔ کسی آیت، یا، چھوٹی سورت کی تفسیر کی یہاں، بحث نہیں ہے۔
مولانا ولی اللہ کی یہ تفسیر، بہت بڑی تقطیع کی، سات موٹی موٹی جلدوں میں
بزبانِ فارسی ہے۔"

(ص ۱۹۷۔ "تذکرہ علماے فرنگی محل"۔ مؤلفہ محمد عنایت اللہ، انصاری، فرنگی محلی)

مولانا عبدالحیٔ (فرنگی محلی) رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے تحریر فرمایا ہے:

كَانَ مِنْ اَكَابِرِ الْعُلَمَاءِ الْوَاقِفِين عَلٰی تَحقِيقَاتِ الْمُتَقَدِّمِين وَالْمُتَاَخِّرِين۔ نَالَ مِنَ الْبَرَاعَةِ وَالْمَهَارَةِ بِالْحَظِّ الْوَافِر۔
وَاَلَّفَ تَالِيفَاتٍ كَثِيرَةٍ تَدُلُّ عَلٰی صُعُودِهٖ عَلٰی مَعَارِجِ الْعُلومِ الْعَقلِيَةِ وَالنَّقلِيَةِ" ۔

مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب، پھلواروی فرماتے تھے کہ:

استاذِ معظّم، یعنی، مولانا عبدالحیٔ، رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ، علماے فرنگی محل میں
سب سے زیادہ، مولانا ولی اللہ صاحب کی کتابوں کا مطالعہ فرماتے تھے۔
اور سب سے زائد، ان کی تعریف میں کلمات، ارشاد فرماتے تھے۔ اِنتَھٰی کَلَامُہٗ۔
مدۃ العمر، خدمتِ علم، تالیف و تدریس میں بسر فرمائی۔ حلقۂ درس، نہایت وسیع تھا۔
اس کے ساتھ، اللہ تعالیٰ نے ثروت و وجاہتِ ظاہری بھی، عطا فرمائی تھی۔"

(ص ۱۹۸۔ "تذکرہ علماے فرنگی محل"۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی)

"بیعت، آپ کو، مولانا انوار الحق (فرنگی محلی) رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ سے تھی۔
جیسا کہ "اَغصان" سے ظاہر ہے۔ اور مجھ سے، خود، آپ کے فرزند، مولانا اِنعام اللہ

(فرنگی محلی) نے بھی، یہی، بیان کیا تھا۔

پیرومُرشد (مولانا انوارُالحق، فرنگی محلی) سے آپ کو، غیر معمولی حُسنِ عقیدت اور شغفِ محبت تھا۔ "اَغصانِ اربعہ" کی تالیف، محض، حضرت کے حالات، ملفوظ لکھنے کی غرض سے کی تھی۔

اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

پیرومُرشد کی بھی کس قدر عنایت، مولانا کے حال پر، مبذول تھی۔"

مولانا (ولی اللہ، فرنگی محلی) کی تالیفات، حسبِ ذیل ہیں:

(۱) حاشیہ بر میر زاہد رسالہ۔ جس کی تالیف سے ۱۲۱۰ھ میں فراغت ہوئی۔

(۲) حاشیہ بر میر زاہد مُلّا جلال۔

(۳) حاشیہ بر شرح ہدایۃ الحکمۃ لِلصّدر الشیر ازی۔

(۴) حاشیہ بر حاشیۂ کمال علیٰ شرحِ العقائدِ الجلالی۔

یہ آپ نے مُلّا مُبین کے ارشاد کے مطابق تحریر فرمایا تھا۔ اور یہ ۱۲۱۵ھ میں ختم ہوا۔

(۵) رسالہ اِیقاظات۔ بحثِ علم میں۔

شروعِ تالیف، اس رسالہ کی پنج شنبہ ۱۹رشوال ۱۲۰۵ھ میں، اِشارۂ اِلھامی سے ہوئی۔

اس کی شرح بھی، خود ہی تحریر فرمائی، جو، شوال ۱۲۰۶ھ کو ختم ہوئی۔

(۶) ایک رسالہ "بحثِ تشکیک" میں۔ ایک رسالہ "بحثِ کلامی ھٰذا کاذِبٌ"۔

شرحِ سُلّم العلوم (۷) نَفائِسُ المَلکوت شرح مُسَلَّمُ الثُّبوت، جو، دو بڑی جلدوں میں باریک قلم سے ہے۔

(۸) رسالہ عُمدۃُ الوسائل۔ یہ رسالہ، فارسی میں حضرت قطبُ الاقطاب (سید شاہ عبدالرَّزّاق قادری، بانسوی قُدِّسَ سِرُّہٗ) و حضرت قطبِ شہید (مُلّا، قطب الدین، سہالوی) اور حضرت قطبُ الاقطاب کے خُلفا، اور استاذُ الھند (مُلّا، نظام الدّین محمد) کے بعض تلامذہ کے حالات میں صاحب زادۂ والا تبار، حضرت سید شاہ غلام علی، بانسوی، نبیرۂ حضرت قطبُ الاقطاب کے بارشاد پر لکھا گیا۔

(۹) حاشیہ، بر میر زاہد شرحِ مواقف۔

(۱۰) رسالہ، مباحثِ سلطنت و ریاست، موسوم بہ آدابُ السَّلاطِین۔

(۱۱) مِرْآةُ الْمُؤمِنِين وَتَنبِيهُ الْغَافِلِين فِي مَنَاقِبِ آلِ سَيِّدِالْمُرسلين۔
(۱۲) شرحِ غایۃ العلوم (۱۳) شرحِ معارج العلوم (۱۴) کشفُ الْاَسْرَارفِی خَصَائِصِ سَیِّدِ الْاَبْرَار (۱۵) حاشیۂ ہدایہ۔ چار ضخیم جلدوں میں عبادات ومعاملات پر (غالباً چاروں جلدوں پر) (۱۶) تذکرۃُ المیزان (۱۷) تکملۂ شرحِ سُلّم، مولانا احمد عبدالحق۔
(۱۸) تکملۂ شرحِ سُلّم، مُلاَّ حَسَن (۱۹) تفسیرِ معدنُ الجواھر۔ سات جلدوں میں۔
جس کا ذکر، اوپر ہو چکا ہے۔
(۲۰) اَغصانِ اربعہ۔ اس میں مولانا انوارُ الحق کی کرامات کا ذکر ہے۔
اور قطب شہید کی تمام اولاد کا، مُجملاً، ذِکر ہے۔
اِسی تذکرہ پر، بعد کے، تمام تذکرہ نویسان کا اعتماد ہے۔
میں نے، ان میں سے، شرح مُسَلَّمُ الثُّبوت اور حاشیۂ صدرا
اَور عمدۃُ الوسائل اور اَغصانِ اربعہ، دیکھی ہیں۔"
(ص ۱۹۷ تا ۱۹۹۔ تذکرۂ علمائے فرنگی محل۔ مؤلّفہ محمد عنایت اللہ، انصاری، فرنگی محلی)
"مولانا عبدالحیّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ نے تحریر فرمایا ہے کہ:
مولانا ولی اللہ کے ان تصانیف کے علاوہ، بہت سے دیگر تالیفات، صاف شدہ اور مسوّدات نہایت نفیس، معقولات اور منقولات میں تھے۔
مگر، ان کے چھوٹے صاحبزادے نے اپنی غفلت سے، ان کو، ضائع فرمادیا۔"
(ص ۱۹۹۔ "تذکرۂ علمائے فرنگی محل"۔ مؤلّفہ محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی۔ مطبوعہ اشاعت العلوم۔ فرنگی محل لکھنؤ
۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۰ء)

مُلّاَ جمال الدین، فرنگی محلی

مولانا جمال الدین، فرنگی محلی (متوفی ربیع الآخر ۱۲۷۶ھ/۱۸۶۰ء۔ مدفون، مقبرۂ والا جاہی، ریاست ارکاٹ۔ جنوبی ہند) بن مُلّاَ، علاء الدین، فرنگی محلی بن مُلّاَ، احمد انوارُ الحق فرنگی محلی کی لکھنؤ میں ولادت و پرورش ہوئی۔

اپنے عمِ محترم، مُلّاَ، نورُ الحق، فرنگی محلی بن مُلّاَ، احمد انوارُ الحق، فرنگی محلی سے لکھنؤ میں تعلیم و تربیت، حاصل کی۔

لکھنؤ میں اپنی تعلیم مکمل کر کے، ریاستِ ارکاٹ، مدراس (جنوبی ہند) گئے۔

جہاں، آپ کے والدِ محترم، مُلّاَ، علاء الدین، فرنگی محلی، درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ مدرسۂ والا جاہی (ریاستِ ارکاٹ) میں اپنے والد کے ساتھ منصب تدریس پہ فائز ہوئے اور درس و تدریس ہی اپنی پوری زندگی، بسر کر دی۔

اپنے والد مُلّاَ، علاء الدین، فرنگی محلی سے ہی آپ کی بیعت و ارادت و خلافت تھی۔

مُلّاَ، علاء الدین، فرنگی محلی (متوفی ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۷ء۔ مدفون، مقبرۂ والا جاہی، ریاستِ ارکاٹ) نے مُلّاَ، محمد مبین، فرنگی محلی سے اور پھر اپنے چچا، مُلّاَ، اَزہارُ الحق، فرنگی محلی، بن مُلّاَ، احمد عبدالحق، فرنگی محلِ سے تعلیم، حاصل کرنے کے بعد، بوہر، (بردوان، بنگال) جاکر بحرالعلوم، مُلّاَ، عبدالعلی، فرنگی محلی سے تکمیلِ درس کیا۔

اور جب بحرالعلوم، ارکاٹ، تشریف لے گئے تو آپ بھی ان کے ساتھ ہی، ارکاٹ گئے اور بحرالعلوم کے داماد ہونے کی وجہ سے وفاتِ بحرالعلوم کے بعد آپ کی جگہ، مدرسہ والا جاہی ارکاٹ کے صدر مدرس ہوئے۔ ''ملک العلماء'' کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ آپ کی تصنیف، شرحِ فصولِ اکبری ہے۔

مدراس ہی میں ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۷ء) میں آپ کا انتقال ہوا۔

مولانا رحمٰن علی (متوفی ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) مولانا جمال الدین، فرنگی محلی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مولوی جمال الدین بن مُلّاَ، علاء الدین، فصولِ اکبری کے شارح ہیں۔

کتب درسیہ سے فراغت، حاصل کر کے، مدراس پہنچے اور نواب غلام غوث خاں، رئیسِ

کرناٹک کی تعلیم پر، ڈھائی سو روپے ماہانہ مشاہرہ پر، مدرس ہو گئے۔
وہیں، ۸ ربیع الآخر ۱۲۷۶ھ/۶۰-۱۸۵۹ء میں انتقال ہوا۔ اور وہیں، مدفون ہوئے۔
(ص ۱۵۱۔ تذکرۂ علمائے ہند۔ مؤلفہ رحمٰن علی۔ اردو ترجمہ: پروفیسر محمد ایوب قادری۔ مطبوعہ پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی، کراچی۔ طبع اول ۱۹۶۲ء)

مترجم پروفیسر محمد ایوب، قادری لکھتے ہیں:
"کتبِ درسیہ اپنے چچا، مُلّا، نورُ الحق سے ختم فرما کر، اکابر علما میں شمار ہوئے۔
تھوڑے زمانہ تک وطن (لکھنؤ) میں قیام فرمایا۔ مزاج، تُرکانہ، تھا۔ ایک مذہبی مناقشہ کی وجہ سے قیامِ وطن ترک فرما کر، والد ماجد کے پاس، مدراس چلے گئے۔
اور سلسلۂ درس وتدریس، جاری فرمایا۔
اپنے والد کی وفات کے بعد، اپنے والد کے قائم مقام ہوئے۔
اور حسب معمول آپ کے نانا، بحر العلوم کا مدرسہ آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ اور وہاں آپ نے درس دینا، شروع فرمایا۔
خارج از مدرسہ، نواب محمد غوث خاں بالقابہ جو، اُس وقت، ولی عہد تھے اور بعد میں نواب ہو گئے تھے، انھیں آپ، درس دیتے تھے۔
مولانا جمال الدین، فرنگی محلی، نہایت سخی اور ذی اِستعداد عالم تھے۔
ہر جمعہ کو مسجدِ شاہی میں وعظ فرماتے۔
طریقۂ باطنی میں آپ کو اپنے والد ماجد سے اجازت وخلافت، حاصل تھی۔
حسب معمولِ مشائخ، آپ گیروے رنگ کی چادر وعمامہ، استعمال فرماتے۔
کتب درسیہ پر آپ، کے مختلف حواشی ہیں۔ کوئی مستقل تالیف، نظر سے نہیں گذری۔"
(حاشیہ ص ۱۵۱ و ص ۱۵۲۔ تذکرۂ علمائے ہند۔ مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۱۶ء)

مُلّا، علاء الدین، فرنگی محلی کے فرزند، مُلّا، جمال الدین، فرنگی محلی نے، درس وتدریس وعظ وافتا اور مناظرہ، وغیرہ میں، نمایاں مقام، حاصل کیا۔
مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی لکھتے ہیں:
"ملک العلما، مُلّا، علاء الدین احمد ہی، مدراس میں آخر عمر تک مُقیم رہے۔
اور مُلّا بحر العلوم کی جانشینی کے فرائض، انجام دیتے رہے۔

ان کے انتقال کے بعد، ان کے اکلوتے بیٹے، مُلّا، جمال الدین احمد، فرنگی محلی
مدراس میں آخر عمر تک، قیام پذیر رہے۔ اور **"رَدِّ وہابیت" کے معرکۂ عظیم میں**
جو، وہاں، تقویۃ الایمان (مصنفہ مولوی محمد اسمٰعیل شہید، دہلوی) کے سلسلے میں ہوا تھا
بہت، پیش پیش رہے۔

مولوی محمد علی، واعظ، رام پوری نے سید احمد شہید، بریلوی، مولوی محمد اسمٰعیل شہید، دہلوی اور اس
گروہ کے دیگر علما کے عقائد کی بہت ترویج کی تھی۔ جس نے مدراس میں، دو گروہ پیدا کر دیے تھے۔
یہ قاضی بدرُالدَّولہ کا زمانہ تھا، سخت نزاع پھیل گئی، جس میں نوابِ ارکاٹ اور انگریزوں کو دخل دینا پڑا۔
مُلّا، جمال الدین احمد (نواسۂ مُلّا بحر العلوم، فرنگی محلی) نے اس میں یہاں تک دل چسپی لی
کہ، میر محمد علی سے (مسئلۂ) شفاعت پر مناظرہ کیا اور ان کو مجبور کیا کہ:

وہ، تقویۃ الایمان کی قابلِ اعتراض عبارتوں سے اپنی براءت، ظاہر کریں۔

میر محمد علی صاحب نے مسجدِ والا جاہی (ارکاٹ) میں، بعد نمازِ جمعہ، براءت نامہ تحریری پیش کیا
جو، حاضرین کو سنایا گیا۔ مگر، اس مجمل براءت نامہ سے مُلّا، جمال الدین احمد، فرنگی محلی اور ان کے
ہم خیال، مطمئن نہیں ہوئے۔ دوسرا براءت نامہ، میر صاحب نے پیش کیا۔
ایک طرف، براءت، دوسری طرف ایسی تقریریں، جن سے مولانا اسمٰعیل شہید وغیرہ کی
تعریف و توصیف نکلتی ہو، میر صاحب کرتے رہے۔
آخر کار، مُلّا جمال الدین احمد اور ان کے ہم خیال عُلما نے میر محمد علی، واعظ رام پوری کے
کفر کا فتویٰ دے دیا۔ اور انھیں، واجبُ القتل قرار دے دیا۔
قتل کا اختیار، نوابِ ارکاٹ کو، نہ تھا، اِس لئے مُلّا، جمال الدین احمد، فرنگی محلی نے ایک اور اشتہار
تیار کر کے مسجدِ والا جاہی، ارکاٹ میں سنایا۔ اور معاملہ، اِس حد تک پہنچ گیا کہ:

شہرِ مدراس کے چیف مجسٹریٹ نے میر صاحب کو
بحفاظت تمام، بذریعۂ بحری جہاز، مدراس سے کلکتہ، روانہ کر دیا۔

مُلّا، جمال الدین احمد، فرنگی محلی نے اس کے بعد میر صاحب کے ایک ایک مُرید سے
فرداً فرداً، توبہ کرانا شروع کر دیا، اور اصرار کیا کہ:
یہ لوگ اپنے گھروں میں نہیں، مسجدِ والا جاہی (ارکاٹ) میں، عام لوگوں کے سامنے توبہ کریں۔
نواب، محمد علی والا جاہ مرحوم کی ایک بیوہ بھی میر صاحب کے مُریدوں میں تھیں۔ ان کو بھی

مجبور کر کے توبہ کرائی گئی۔ مُلّاؔ، جمال الدین احمد، کسی طرح، ان کو مستثنیٰ کرنے پر، راضی نہیں ہوئے۔''

(ص ۱۲۱ و ۱۲۲۔ ''بانیِ درسِ نظامی، مُلّا نظام الدین محمد'' ۔ مؤلّفہ محمد رضا انصاری فرنگی محلی)

''بہر حال! ۱۲۷۶ھ/۱۸۶۰ء میں، مُلّاؔ، جمال الدین، فرنگی محلی کے انتقال کے بعد مدراس میں، مُلّاؔ، بحر العلوم کی مسندِ تدریس، ان کے گھرانے کے افراد سے خالی ہو گئی۔

لیکن، مُلّاؔ، بحر العلوم کے ذریعہ، بانیِ درسِ نظامی، مُلّاؔ، نظام الدین محمد، فرنگی محلی کا دریائے فیض جو، رَواں ہوا تھا، وہ، جنوبی ہند میں، شاگردوں اور ان کے شاگردوں کے ذریعہ پھیلتا رہا۔''

(ص ۱۲۴۔ ''بانیِ درسِ نظامی'' ۔ مؤلّفہ مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی۔ مطبوعہ لکھنؤ۔ ۱۹۷۳ء)

مُلّاؔ، جمال الدین احمد، فرنگی محلی (وصال ۱۲۷۶ھ/۱۸۶۰ء) کو حکیم عبد الحیٔ، رائے بریلوی (متوفی ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء) ناظمِ دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ نے مدراس کی وہابی مخالف سرگرمی کی پاداش میں، اِس طرح مَطعون کرنے اور آپ کی ''کردار کشی،، کرنے کی کوشش کی ہے:

وَ کَانَ شَدِیدَ الرَّغبة فِی الْمُبَاحثة، شدیدًا التَّعَصُّب عَلٰی مَنْ خالَفَهُ طَوِیلَ اللِّسان بِالتَّکْفِیرِ وَالتَّضلِیل۔'' (نُزھةُ الخَواطِر، جلدِ سابع۔ مؤلّفہ: حکیم، عبد الحیٔ رائے بریلوی۔ مطبوعہ دائرۃُ المعارف۔ حیدر آباد، دَکن)

کَانَ یُکَفِّرُ الشَّیخ اسمٰعیل بن عبدالْغَنی الدّهلوی عَلٰی مانُسِب اِلَیْهِ مِنْ عِبارةٍ فِی کتابِهٖ "تقویة الایمان" یَستدِلُّونَ لَهاعَلٰی اِساءةِ اَدَبِهٖ فی مقامِ النبوة۔ اَعاذَنَااللّٰهُ مِنْها۔

وَالْحقُّ انَّ الشَّیخ سماحتهٗ بریئةٌ مِنْ هذاا لْقبیح۔

وَقد اَفْرَطَ الْجَمالُ فِی ذالِکَ۔ فَکانَ یُکَفِّرُ مَن یَستحسنُ تقویةَ الایمان۔ فَضْلاًعَنْ مُصنِّفِها۔ حتّٰی نَالَ مِنهُ السَّیِّدمحمدعلی الْوَاعظ اَحدُاَصحابِ سیِدِنا احمدبن عرفان الشَّهید الْبریلوی اَذًی کثیراً بِبَلدةِمَدرَاس۔''

(نُزھةُ الخَواطِر۔ جلدِ سابع۔ مؤلّفہ: حکیم، عبد الحیٔ، رائے بریلوی۔ مطبوعہ حیدر آباد، دَکن)

مدراس میں بحر العلوم، مولانا عبد العلی، فرنگی محلی کے درس و تدریس کی جانشینی مولانا علاء الدین احمد، فرنگی محلی نے اور فرنگی محل، لکھنؤ میں مولانا نورُ الحق، فرنگی محلی نے کی۔

یہ دونوں حضرات، فرزند تھے: مولانا انوارُ الحق بن مُلّاؔ احمد عبد الحق بن مُلّاؔ محمد سعید بن مُلّاؔ، قطب الدین شہید، سہالوی کے۔

مولانا نورُ الحق، بڑے بھائی اور مولانا علاء الدین، ان کے چھوٹے بھائی تھے۔

مُلّا، عبدالوالی، فرنگی محلی

مولانا، عبدالوالی، فرنگی محلی (ولادت ۱۱۸۹ھ/۱۷۷۳ء۔ وصال ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۳ء)
بن ابوالکرم بن محمد یعقوب بن عبدالعزیز بن مُلّا، محمد سعید سہالوی بن مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی۔
مولانا، عبدالوالی، فرنگی محلی کے تعارف وتذکرہ میں مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی لکھتے ہیں:
''حضرت والا، مولانا انوارُالحق رَحمَۃُ اللّٰہِ عَلَیۡہِ کے نواسہ اور آپ کے خلیفہ مُجاز تھے۔
علاوہ اس کے، دیگر سَلاسِل کی بھی اجازت آپ کو، اپنے والد ماجد اور دیگر بزرگانِ دین سے تھی۔
بعد حفظِ قرآن، تحصیلِ علم آپ نے اپنے ماموں، نورُالحق بن مُلّا انوارُالحق سے فرمائی۔
اور بعد ختمِ کتب درسیہ، تدریس وتالیف کی جانب، توجہ فرمائی۔
متفرق کتبِ درسیہ پر، آپ کے حواشی ہیں۔
ایک مدت تک، علمِ ظاہری کی خدمت میں مصروف رہے۔
اس کے بعد، علمِ باطنی کا آپ پر غلبہ ہوا۔
اوراَذکار واَوراد واَشغال اور علمِ تصوف اپنے پیرومُرشد سے حاصل کیا
اور تدریسِ کتبِ درسیہ، تَرک فرما کر مثنوی شریف کا درس دینا، شروع کیا۔
یہ حلقۂ درس، بہت وسیع ہوتا اور اس میں مثنوی شریف کے نِکاتِ عجیبہ ودَقائقِ غریبہ بیان فرماتے۔
اَوائلِ زمانہ میں، نہایت عُسرت وتنگ دستی سے بسر ہوئی۔
مگر، کبھی آپ نے کسبِ معاش اور حصولِ دنیا کی طرف، توجہ، نہ فرمائی۔
بعض اوقات، متعدد فاقہ، گھر والوں پر ہو جاتے، مگر، کسی سے تذکرہ، نہ فرماتے۔
اَربابِ دولت کے سامنے، کبھی اپنی حاجت لے کر نہیں گئے۔
عمر شریف، نوے (۹۰) سال کی ہوئی۔ آخر میں ضعفِ بَصر، لاحق ہو گیا تھا۔
جس قدر عمر میں زیادتی ہوتی جاتی، بصارت میں، کمی، اور بصیرت میں، زیادتی، ہوتی جاتی۔
باوجود ضعفِ جسمانی اور آنکھوں سے معذوری کے
مسجدِ فرنگی محل میں نماز باجماعت آخر زمانہ تک، ادا فرماتے رہے۔
مولوی عبدالغفار صاحب بن مولوی جامع صاحب، جو، آپ کے مُرید تھے۔

ان کے سپرد، یہ خدمت تھی کہ، حضرت کا ہاتھ پکڑ کر، مسجد لے جاتے۔
ایک دن، نمازِ عشا کے وقت، بارش، شدید ہو رہی تھی۔ مولوی عبدالغفار صاحب
حضرت کی زحمت کے خیال سے، حاضرِ خدمت نہ ہوئے اور خود مسجد میں، نماز ادا کر لی۔
حضرت نے انتظار فرمایا۔ جب، معلوم ہوا کہ نماز (جماعت) ہو گئی
تو، اِس قدر تکلیف، قلبِ مبارک پر ہوئی کہ شب بھر، زار و قطار، گریاں رہے۔
جب، مولوی عبدالغفار صاحب نے معذرت کی تو، ارشاد فرمایا کہ:
”تمہارا قصور نہیں ہے۔ قصور تو، میرا ہے کہ:
میں نے تمہارا انتظار کیوں کیا؟ خود کیوں نہیں چلا گیا؟
زائد سے زائد گر پڑتا۔ چوٹ آتی تھوڑے دن کے بعد، اچھا ہو جاتا۔“
حضرت سے سلسلۂ رُشد و ہدایت بہت وسیع ہوا۔
ہزار ہا آدمی، آپ کے سلسلے میں داخل ہوئے۔ فرنگی محل کے جلیل القدر علما کو
حضرت ہی سے بیعت تھی۔
سِوائے مولانا عبدالحکیم، نبیرۂ بحرالعلوم کے خاندان کے
فرنگی محل کے اکثر، آپ کے سلسلۂ اِرادت میں، داخل تھے۔
آپ کے نانا نے اپنی حیات میں مسجدِ فرنگی محل، آپ ہی کے متعلق کر دی تھی۔
اور خود، آپ کی اِقتدا فرماتے تھے۔
آخر عمر میں آپ نے اسی سُنّت پر عمل کرتے ہوئے اپنے بھانجے اور خلیفہ، حضرت مولانا
عبدالرَّزّاق، رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کو امامت، سپرد فرمائی تھی۔ اور خود، اِقتدا میں نماز پڑھتے۔
چنانچہ، اس خاندان میں، یہی دستور ہے کہ:
جس کو پیر و مرشد اپنا خلیفہ و قائم مقام بنانا چاہتا ہے، اُس کے سپرد، جمعہ کی امامت کر دیتا ہے۔
حضرت کی وفات شریف، شب ۲۲ رشعبان ۱۲۷۹ھ رکو واقع ہوئی۔
دفن مبارک ۲۲ر کی صبح کو، واقع ہوا۔
مولوی عبدالباسط بن مولانا عبدالرَّزّاق نے تاریخِ انتقال ”کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیاً“ سے
نکالی ہے۔
مزار شریف آپ کا، حضرت مولانا عبدالحق اور مولانا عبدالعزیز رَحِمَہُمَا اللّٰہُ کے

مزاروں کے درمیان ہے۔ پہلے، قبر شریف، خشتی تھی اور قُبّہ، مزارِ مبارک پر، نہ تھا۔
حضرت کے خلیفۂ برحق، حضرت مولانا عبدالرزّاق رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے
آپ کے مزارِ مبارک پر مع چار اور مزاروں کے، نہایت خوبصورت قُبّہ بنوایا۔"اِلٰی آخِرِہٖ۔
(ص ۱۲۷ و ۱۲۸۔ "تذکرۂ علماے فرنگی محل" مؤلّفہ محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی۔ مطبوعہ اشاعت العلوم
فرنگی محل لکھنؤ۔ ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء)

"حضرت کا ملفوظ، حضرت کے مُریدِ مجاز، مولوی عبدالغفار صاحب بن مولوی جامع صاحب
نے تحریر کیا ہے۔ جس کا نام "اَلْاَسْرَارُ الْعَالِیَۃُ فِی مَنَاقِبِ الْوَالِیَۃ" ہے۔"
(ص ۱۲۸۔ "تذکرۂ علماے فرنگی محل"۔ مؤلّفہ مولانا عنایت اللہ، فرنگی محلی لکھنوی۔ مطبوعہ فرنگی محل، لکھنؤ)

مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی

مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی (ولادت ۲۱ رشعبان ۱۲۳۹ھ۔ وصال ۲۹ رشعبان ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء)
بن امین اللہ بن محمد اکبر بن احمد ابوالرحم بن محمد یعقوب بن مُلّا، عبدالعزیز بن مُلّا، محمد سعید
بن مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی۔

مولانا رحمٰن علی (متوفی ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) نے آپ کے تعارف و تذکرہ کے ساتھ
اپنی ایک ملاقات کا ذکر، اِس طرح کیا ہے:

.......دس (۱۰) سال کی عمر میں حفظِ قرآن مجید سے فارغ ہو گئے۔
اور درسی علوم کی تحصیل، شروع کر دی۔
اپنے والدِ ماجد، مولانا امین اللہ، نیز مفتی ظہور اللہ و مفتی محمد اصغر و مولوی نعمت اللہ اور مفتی محمد
یوسف، فرنگی محلی کی خدمت میں تعلیم، حاصل کر کے
سولہ (۱۶) سال کی عمر میں مروّجہ نصاب (درسِ نظامی) سے فراغت، حاصل کر لی۔
فاضل تبحر، جامعِ علومِ عقلی و نقلی اور حاویِ فنونِ فرعی و اصلی ہوئے۔
اور درس و اِفادہ کی مسند کو سنبھالا۔
۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں، باندہ (بندیل کھنڈ) بلانے پر گئے۔ وہاں کے رئیس، نواب
ذوالفقار الدّولہ جو، عُلما و فُضلا کے بڑے قدرداں تھے، بڑے اعزاز و اِکرام سے پیش آئے۔
اور ان کو اپنے مدرسے کا مدرس، مقرر کر دیا۔ اور مدتوں اِس کام پر، مقرر، رہے۔
پھر، اپنے وطن لکھنؤ، واپس آئے اور ایک سال، وطن میں رہ کر، جون پور چلے گئے۔
ایک شخص، حاجی امام بخش مرحوم، جو شہر کے نئے رئیس تھے، بڑی قدردانی سے پیش آئے
اور مدرسہ اِمامیہ، حنفیہ (جون پور) کا ان کو، مدرس، مقرر کر دیا۔ جس کے وہ، خود بانی تھے۔
ایک جہاں نے ان کے علم سے وہاں، فیض حاصل کیا۔
اور نو (۹) سال تک وہ، اِسی منصب پر سرفراز، رہے۔
۱۲۷۶ھ/۱۸۵۹ء میں اپنے وطن (لکھنؤ) واپس آئے۔
اور مولوی عبدالولی، قادری، فرنگی محلی کے مرید ہوئے۔

۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء میں حیدر آباد، دکن تشریف لے گئے۔

اس ریاست کے مدارُالمھام، سید تراب علی خاں، سالار جنگ نے جو، اوصافِ حمیدہ سے ایسے متصف تھے، جیسے ستاروں میں سورج نمایاں ہوتا ہے، ان کو مدرسہ نظامیہ کا مدرس، مقرر کیا۔

اس سفر میں ''ریواں'' (در موجود مدھیہ پردیش) کے مقام پر، جو، دکن کے راستے میں واقع ہے، وہ خاندانِ قطبیہ کا چراغ (مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی)

جامع الاوراق (رحمٰن علی) کے مکان پر ٹھہرا۔

اُس وقت، ان کے صاحب زادے، مولوی عبدالحیٔ، صغیر السّن تھے اور قطبی پڑھتے تھے۔

۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء میں حیدر آباد سے رخصت ہو کر عازمِ حرمین شریفین ہوئے۔

اور وہاں کے علما و مشائخ کی صحبتِ بابرکت سے اِستفادہ فرمایا۔

مکہ مکرّمہ میں مولانا محمد جمال حنفی اور مولانا احمد بن زَینی دحلان شافعی سے علمِ حدیث اور دیگر علومِ معقول و منقول کی سند، حاصل کی۔

۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ء میں مدینہ منورہ میں حضرت نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زیارت سے مشرّف ہوئے۔

مولانا علی مدنی، شیخ الدّلائل سے سندِ دلائل الخیرات، مولانا محمد بن محمد، عرف شافعی، مدرسِ مسجد نبوی سے حدیث و تفسیر و فقہ وغیرہ کی سند، مولانا شاہ عبدالغنی بن مولانا شاہ ابو سعید، مجدّدی دہلوی، نزیلِ مدینہ منورہ سے اجازتِ حدیث و تفسیر و فقہ وغیرہ، اور مولوی عبدالرشید بن شاہ احمد سعید مجدّدی، دہلوی سے قصیدۂ بُردہ اور حزبُ البحر کی اجازت، حاصل کی۔

اور حجاز کے فیوض و برکات سے مالا مال ہوئے۔

۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء میں حیدر آباد، واپس آ گئے اور عدالتِ نظامیہ کے کام سے منسلک ہو گئے۔

اس کے بعد، جمادیٰ الثانیہ ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء میں رخصت پر، وطن لکھنؤ آئے اور اپنے صاحب زادے، مولوی عبدالحیٔ کی شادی سے فراغت، حاصل کر کے ماہِ جمادیٰ الثانیہ ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء میں لکھنؤ سے حیدر آباد کا سفر کیا۔ جس کو حقیقت میں آخرت کا سفر، کہا جا سکتا ہے۔'' الخ

(ص ۲۸۳ و ص ۲۸۴۔ تذکرۂ علمائے ہند۔ مؤلفہ: رحمٰن علی۔ اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب، قادری)

مولانا عبدالحیٔ، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) کے تلمیذِ رشید

مولانا عبدالعلی آسی، مدراسی ثُمّ لکھنوی (وصال ۱۳۲۷ھ) لکھتے ہیں:

(عربی سے ترجمہ) مَنبعِ فضل وکمال، مَحسودِ اَقران واَمثال، علاّمہ مولانا شیخ محمد عبدالحلیم بن مولانا محمد امینُ اللہ بن مولانا محمد اکبر بن مولانا ابوالرّحم، انصاری، فرنگی محلی، لکھنوی کی ولادت ۲۱ رشعبان ۱۲۳۹ھ کو، لکھنؤ میں ہوئی۔

دس (۱۰) سال کی عمر میں، تکمیلِ حفظِ قرآنِ حکیم کر کے، تحصیلِ علوم میں مصروف ہوئے۔

صَرف ونحو کی کتابیں، اپنے والد، مولانا محمد امینُ اللہ، فرنگی محلی سے پڑھیں۔

اس کے بعد مفتی محمد ظہورُ اللہ، فرنگی محلی ومولانا محمد اصغر، فرنگی محلی ومولانا محمد نعمت اللہ، فرنگی محلی ومولانا محمد یوسف، فرنگی محلی رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی سے بقیہ علوم کی تحصیل کی۔

تحصیل وتکمیلِ علوم کے بعد، مولانا محمد عبدالحلیم، فرنگی محلی نے اپنی ساری عمر، تدریس وتصنیف اور وعظ وبیان میں گذاری۔ علمِ فقہ میں تبحر، حاصل کر کے، اُس کے درجۂ کمال کو پہنچے۔

اور مَرجعِ اَربابِ فتویٰ وامامِ فنونِ حکمیہ وعلومِ منطقیہ ہوئے۔

۱۲۶۰ھ میں، باندہ تشریف لے گئے۔ جہاں، نواب باندہ، ذوالفقارُ الدّولہ نے اِعزاز واِکرام کے ساتھ، اپنے مدرسے کا مدرس بنایا۔

پھر، آپ، جون پور تشریف لے گئے، جہاں، نواب محمد امام بخش، بانی وصدرِ مدرسہ نے اپنے مدرسے کا مدرس بنایا۔

مدرسہ جون پور میں، نو (۹) سال، مدرس رہ کر، آپ نے درس کی خدمت، انجام دی۔

اور دور دراز سے تحصیلِ علم کے لئے آنے والے طلبہ کو، آپ نے فیض پہنچایا۔

جون پور سے آپ، لکھنؤ واپس تشریف لائے۔

یہاں، آپ نے مولانا محمد عبدالوالی، رزّاقی قادری، فرنگی محلی کے دستِ مبارک پر، بیعت کی۔

پھر آپ، لکھنؤ سے حیدر آباد، دکن تشریف لے گئے۔

وزیر ریاستِ حیدر آباد، دکن، مختارُ الملک، نواب تُراب علی خاں، سالار جنگ نے بڑی تعظیم وتوقیر کے ساتھ، آپ کو، مدرسہ نظامیہ کا مدرس، مقرّر کیا۔

۱۲۷۹ھ میں آپ، حج وزیارتِ حَرمین شریفین سے مشرّف ہوئے۔

یہاں، آپ، مولانا شیخ محمد جمال حنفی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے ایک رسالہ مُشتمل، براَوائلِ کتبِ احادیث پڑھ کر آپ کی تحریری اجازتِ عامّہ سے، سرفراز ہوئے۔

اِسی طرح، شیخ احمد دحلان نے آپ کو تحریری اجازتِ عامّہ سے نوازا۔

یہ ذوالقعدہ ۱۲۷۹ھ کا واقعہ ہے۔

اس کے بعد، آپ نے زیارتِ مدینہ منورہ کی سعادت، حاصل کی۔

یہاں، شیخ الدّلائل، شیخ علی، مدنی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے دلائلُ الخیرات پڑھی۔ اور شیخ الدّلائل نے آپ کو، دلائلُ الخیرات کا اجازت نامہ، عطا فرمایا۔

اِسی طرح، شیخ محمد عرب شافعی، مدرِّسِ مسجدِ نبوی، مدینہ طیبہ نے بھی اجازت، عطا فرمائی۔

شیخ ابوسعید، مجدّدی (رام پوری) دہلوی، نزیلِ مدینہ طیبہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو، آپ نے بھی اجازت، عطا فرمائی۔ شیخ عبدالرشید، مجدّدی، دہلوی نے بھی آپ کو قصیدۂ بُردہ، حِزبُ البحر، ختماتِ مشائخِ نقشبند، و اَعمالِ مظہریہ وغیرہ کی اجازتیں، عطا فرمائیں۔

مدینہ طیبہ سے، وطن (لکھنؤ) واپس آتے وقت، دَورانِ سفر، خواب میں نبیِ کون و مکاں، سیدِ بنی عدنان، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زیارت سے مشرّف ہوئے۔

اور، اسی خواب میں آپ کو، مصافحہ کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔

سفرِ حج و زیارت سے بخیر و عافیت، آپ اپنے وطن، لکھنؤ پہنچے۔

اور یہاں ایک سال تک آپ نے قیام کیا۔ اسی قیام کے دَوران، آپ اپنے فرزندِ رشید علّامۂ وحید، ابوالحسنات، محمد عبدالحیٔ، فرنگی محلی کے فریضۂ نکاح سے بھی، سُبک دوش ہوئے۔

ریاستِ حیدرآباد، دَکن کے مدارُ المھام کی دعوت و طلب پر، آپ شعبان ۱۲۸۴ھ میں حیدرآباد، دَکن تشریف لے گئے۔ اور نہایت اِہتمام کے ساتھ انتظامِ عدالتِ نظامیہ کی خدمت کا فریضہ، انجام دینے میں مصروف ہوئے۔

لیکن، زمانے نے اِس بار، زیادہ مہلت نہ دی اور مَمات، ھادِمُ اللّذّات کا وقت، سر پہ آپہنچا۔

آپ کی وفات، عجیب و غریب طریقہ سے ہوئی۔ ماہِ ذوالقعدہ ۱۲۸۴ھ میں آپ نے دیکھا کہ آپ، بالکل صحیح و تندرست ہیں۔ اور مرض کا آپ پر کوئی اثر نہیں۔

گویا، آپ، دارُالعدالت میں بیٹھے ہوئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ملکُ الموت، جلد ہی، میری روح قبض کر لیں گے۔"

صبح ہوئی اور آپ کو اپنا خواب، یاد آیا تو، کہا کہ:

شاید، میری وفات، قریب ہے جس کی خبر، اللہ تعالیٰ نے مجھے، عالَمِ خواب میں دی ہے۔"

اِس واقعہ کے بعد آپ کو مرضِ موت، لاحق ہوا

جو، صبح شام بڑھتا ہی گیا۔ جس کا انجام، طے شدہ تھا۔
اَواخرِ جمادیٰ الاولیٰ میں آپ کے ساتھ، یہ پیش آیا کہ:
گویا، کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے اور موت کی خبر دے رہا ہے کہ: کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْت۔
ماہِ شعبان میں آپ، وصیتیں کرنے اور کلماتِ وَداع ارشاد فرمانے لگے کہ:
حُسنِ خاتمہ اور اُخروی فوز و فلاح کے لئے کچھ بھی، زادِ سفر نہیں ہے۔"
اپنے عزیز فرزند، مولانا محمد عبدالحیٔ، فرنگی محلی کے لئے آپ نے اجازت نامہ، تیار کیا
جس میں اُن تمام علوم و اَعمال کی اِجازتیں، آپ نے لکھیں
جو، آپ کو، اپنے مشائخِ کرام رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالیٰ سے حاصل ہوئی تھیں۔
یہ چہار شنبہ ۳ رشعبان ۱۲۸۵ھ کی بات ہے۔
اسی روز، آپ نے سفرِ اِرتحال کی تیاری اور مرکبِ انتقال کی سواری کی۔ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ۔
اپنی وفات سے آٹھ روز پہلے، آپ نے بتلایا کہ: ملائکۂ کرام، تشریف لائے ہوئے ہیں۔"
یہ مرض، کسی شقی القلب حاسد کے جادو سے شروع ہوا تھا۔ جو، آپ کے نصیب میں تھا۔
اپنی وفات سے، دو دن پہلے، آپ نے خواب میں
اس جادو کرنے والے اور اس کام پر اُکسا کر، اسے بھیجنے والے کو دیکھا۔
لیکن، اپنے فرزندِ رشید، مولانا عبدالحیٔ، فرنگی محلی کو، اِس کی سخت تاکید و ہدایت کی کہ:
اس کی خبر کسی کو، نہ ہونے پائے۔"
بعدِ طلوعِ شمس، بروز دوشنبہ ۲۹ رشعبان (۱۲۸۵ھ) آپ کی روح، روضۂ رضوان کی سَیر کو نکل گئی۔
بعد نمازِ ظہر آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور آپ کی وصیت کے مطابق، صاحبِ کرامات
وفضائل، شاہ یوسف، قادری (حیدر آباد دَکن) کے پہلو میں آپ کی تدفین ہوئی۔
مولانا محمد عبدالحیٔ، فرنگی محلی نے بارہا، خواب میں دیکھا کہ:
آپ، درس و تدریس اور وعظ و نصیحت فرما رہے ہیں۔
اور کہہ رہے ہیں کہ: بِحَمْدِ اللّٰهِ، ابرِ کرم کی طرح، رحمت و غفران کا حَظِّ وافر ملا۔
ایک دن آپ نے خواب میں دیکھا کہ:
والدِ مرحوم ایک کشادہ جگہ میں لیٹے ہوئے آرام فرما ہیں۔
آپ نے سَکراتِ موت اور اس کے بعد پیش آنے والے حالات کے بارے میں پوچھا

تو، والدِ مرحوم نے فرمایا:

''سکراتِ موت کے بعد، مجھے کسی طرح کی کوئی پریشانی، لاحق نہیں ہوئی۔

بلکہ جب مجھے موت آئی تو، فرشتوں نے مجھے، دارُ السّلام کی نعمتِ جاوِدانی کی بشارت دی۔

بِحَمْدِاللّٰہ، میں، ایک نہایت کشادہ جگہ میں، بہت، ہشاش بشاش رہتا ہوں''

آپ کی بڑی سعادت وکرامت ہے کہ آپ کی موت، دوشنبہ کو ہوئی۔اور دوشنبہ ہی، وہ دن ہے، جس میں سیدِ اولادِ آدم صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم، اِس دنیا سے تشریف لے گئے۔

مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی لکھنوی کی بہت سی تصنیفات وتالیفات ہیں

جن میں سے چند تصانیف کے نام، یہ ہیں:

(۱)اَلتَّحْقِیْقَاتُ الْمَرضِیَّة لِحَلِّ حاشیةِ السَّیِّد الزَّاهِد الْهَرَوِی عَلیٰ الرِّسالةِ القُطْبِیَّة (۲)اَلْقَولُ الْاَسْلَم لِحَلِّ شرحِ السُّلَّم لِمُلَّاحَسَنُ اللَّکنوِی (۳)کَشْفُ الْمَکتوم فِی حاشیةِ بحرالعلوم ۔اَلْمُتَعَلِّقة بِالْحاشیةِ الزَّاهِدیة اَلْمتعلقة بِالرِّسالةِ الْقُطْبِیة(۴)اَلْقَولُ الْمُحِیط فِیْمَایَتَعَلَّقُ بَالْجَعلِ الْمُؤلّفِ وَالْبَسِیط (۵)حَلُّ الْمَعاقِد فی شرحِ الْعَقَائِد الْعُضدِیَّة الْجَلالِی(۶)اَلتَّعْلِیْقُ الْفَاضِل فِی مَسْئَلةِ الطُّهْرِ الْمُتَخَلَّل(۷)مُعِیْنُ الْغَائِصِیْن فِی رَدِّ الْمُغَالِطِیْن (۸)اَلْاِیْضَاح لِمَبْحَثِ الْمُخْتَلطات الْوَاقع فِی شَرحِ الشَّمْسِیَّة لِلْعَلَّامة قطب الدِّین الرَّازی(۹)کشفُ الْاِشْتِبَاه فِی شَرحِ السُّلَّم لِحَمْدِ اللّٰه (۱۰) اَلْبَیَانُ الْعَجِیْب فِی شَرحِ ضابِطةِ التَّهْذِیب (۱۱)کاشِفُ الظُّلمةِ فِی بَیَانِ اَقْسَامِ الْحِکْمَة(۱۲) اَلْعِرفان ۔هُوَ مَتْنٌ مَتِیْنٌ فِی الْمَنْطِق (۱۳) نَظْمُ الدُّرَر فِی سِلْکِ شَقِّ الْقَمَر(۱۴)اَلتَّحْلِیة شَرْحُ التَّسْوِیة۔ هُوَ،رِسَالةٌ فِی التَّصَوُّف لِمَولانا مُحِبُّ اللّٰه اِلٰه آبادی(۱۵)نُوْرُالْاِیْمان فِی آثارِ حبیبِ الرَّحمٰن (۱۶)بَرکاتُ الْحَرَمَین(۱۷)اِیْقَاذُ الْمَصَابِیْح فِی صَلوٰةِ التَّرَاوِیْح (۱۸)اَلْاِمْلَاءُ فِی تَحْقِیقِ الدُّعَاء (۱۹)غَایَةُ الْکَلام فِی بَیَانِ الْحَلالِ وَالْحَرام (۲۰)خَیرُ الْکَلَام فِی مَسَائلِ الصِّیَام(۲۱)اَلْقولُ الْحَسَنُ فِی مَایَتَعَلَّقُ بِالنَّوَافِل وَالسُّنَن (۲۲) عُمْدَةُ التَّحْرِیر فِی مَسَائلِ اللَّوْن وَاللِّبَاسِ وَالْحَرِیر (۲۳)قَمرُالْاَقْمَار حَاشِیَة نُورالْاَنْوَار (۲۴)شَرْحُ الْمُوجزَا لِنَفِیْس فِی عِلْمِ الطِّبِّ۔الْمُسَمّٰی بِحَلِّ النَّفِیْس ۔

کچھ حصہ، باقی رہ گیا تھا جس کی تکمیل، مولانا عبدالحیٔ، فرنگی محلی نے کی۔
یہ تصانیف، عُلما کے درمیان، متداول ورائج ہیں اور خواص وعوام کے درمیان، مقبول ہیں۔
مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی کی کچھ دیگر تصانیف بھی ہیں۔
جنھیں، اپنے انتقال سے پہلے، آپ نے شروع کیا تھا، مگر، موت نے ان کی تکمیل کی مہلت نہ دی۔
اکثر درسی کتب پر بھی آپ کی تعلیقات ہیں۔
اسی طرح، عربی وفارسی میں کچھ تقریرات ومناظرات بھی ہیں۔
یہ، اُن تفصیلات کا خلاصہ ہے، جسے، مولانا عبدالحیٔ، فرنگی محلی متوفی ۱۳۰۴ھ نے اپنی کتاب
''حَسْرَۃُ الْعَالَم بِوَفَاۃِ مَرجَعِ الْعالَم'' میں تحریر فرمایا ہے۔''
اس کے بعد، مولانا عبدالعلی، آسی، مدراسی (وصال ۱۳۲۷ھ) نے
مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی (وصال ۱۲۸۵ھ) کے بارے میں اپنی تعزیتی نظم (بزبانِ عربی)
کے سات (۷) اَشعار، درج کیے ہیں۔
(ص ۱۹ و ۲۰۔ در خاتمہ قَمرُ الْاَقْمَار حاشیۂ نُورُ الْاَنْوَار۔ مجلسِ برکات، الجامعۃ الاشرفیہ
مبارک پور ضلع اعظم گڑھ۔ ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء)
مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) آپ کے تعارف وتذکرہ میں
رقم طراز ہیں:
''بعدِ حفظِ قرآن، کتبِ درسیہ اپنے والد ماجد سے اور مفتی ظہورُ اللہ بن مُلّا ولی اور مفتی محمد
یوسف بن مفتی محمد اصغر اور مفتی محمد اصغر اور مولوی نعمت اللہ بن مولوی نورُاللہ سے پڑھیں۔
اور سولہ (۱۶) برس کے سن میں ختمِ کتب کیا۔
مرزا حَسَن علی، محدِّث اور مولانا حسین احمد، محدِّث سے حدیث، حاصل کی۔
عمر بھر، تدریس وتالیف کا سلسلہ، جاری رہا۔
پہلے، وطن میں رہے۔ پھر، ''باندہ'' میں نواب ذوالفقارُ الدّولہ کے مدرسہ میں مدرس ہو گئے
وہاں، نو (۹) سال قیام کے بعد، جون پور میں حاجی امام بخش کے مدرسہ میں چلے گئے۔
اور تقریباً دس (۱۰) سال، وہاں، مدرّسی میں مصروف رہے۔
اس کے بعد، حیدرآباد، دکن میں، مدرسۂ سرکاری میں مدرس، مقرّر ہوئے۔
۱۲۷۹ھ میں اہل وعیال کے ساتھ، حج وزیارت سے مشرّف ہوئے۔

اور وہاں، شیوخ حدیث سے اِجازتِ حدیث، حاصل فرمائی۔
وہاں سے واپسی کے بعد، حیدرآباد، دَکن میں عدالتِ عالیہ کے عہدہ پر، تقرُّر رہوا۔ اور رؤسائے
حیدرآباد میں نہایت اِعزاز و اِحترام سے بسر فرمائی۔ خواص وعوام آپ کے گرویدہ تھے۔
جمادی الآخرہ ۱۲۸۳ھ میں وطن، تشریف لائے۔
اور صاحبزادے (مولانا عبدالحئی، فرنگی محلی) کے عَقد سے فراغت، حاصل کی۔
اَعِزّہ وطن، مُصِر ہوئے کہ اَب، وطن میں قیام فرمایئے۔
اور مولوی حیدر بخش بن مولوی حاجی امام بخش، جون پوری کا اِصرار تھا کہ:
آپ، جون پور تشریف لے چلیں۔
مگر، قضاوقدر نے کسی کی عرض معروض، قبول میں آنے، نہ دی۔
سال بھر کے بعد، حیدرآباد، دَکن واپس ہوئے اور چند دنوں کے بعد، علالت، شروع ہوئی۔
.........اپنے صاحبزادے کو، وصایا فرمائے اور اجازتِ حدیث، عطا فرمائی۔
اور بیعت لے کر داخلِ سلسلۂ قادریہ رزّاقیہ کیا۔ آخر ۲۹ رشعبان ۱۲۸۵ھ یومِ دوشنبہ
کو، بوقتِ صبح، انتقال کیا۔ تاریخِ وفات "عالِمِ باعمل نمود قضا" ہے۔
حیدرآباد، دَکن ہی میں، شاہ یوسف کے مزار کے بائیں، دفن، واقع ہوا۔
بیعت و اجازت آپ کو حضرت مولانا عبدالوالی، فرنگی محلی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ سے تھی۔
تلامذہ، اِس کثرت سے تھے کہ سب کا شمار، دشوار ہے۔
جن میں سے اکثر خود، صاحبِ تالیف و تصنیف ہوئے۔
آپ کی تالیفات، کثرت سے ہیں جو نہایت مفید و نافع ہیں۔
جن کی تفصیل، حسبِ ذیل ہے۔ (منقول از عُمْدَةُ الرِّعَايَة)

(۱) رسالة فِي الْاِشارة بِالسَّبَّابَة فِي التَّشَهُّد (۲) حاشيةُ شرحِ الْعَقَائِدِ الْجَلالي ـ موسوم به حَلُّ الْمَعَاقِد (۳) نَظْمُ الدُّرَرِ فِي سِلْكِ شَقِّ الْقَمَر (۴) إِمْعَانُ النَّظَرِ لِبَصَارِةِشَقِّ الْقَمَر (۵) اَلتَّحْلِية شَرحِ التَّسْوِية (۶) نُوْرُالايمان فِي آثَارِ حبيبِ الرَّحْمٰن (۷) اَلْإِمْلَاء فِي تَحقِيقِ الدُّعَاء (۸) إِيقَاذُالْمَصَابِيح فِي التَّرَاوِيح (۹) غَايَةُ الْكَلام فِي بَيَانِ الْحَلَالِ وَالْحَرَام (۱۰) خَيْرُالْكَلام فِي مَسَائِلِ الصِّيَام (۱۱) اَلْقَوْلُ الْحَسَنُ فِي مَايَتَعَلَّقُ بِالنَّوَافِلِ وَالسُّنَن (۱۲) عُمْدَةُ التَّحْرِيرِ فِي

مَسَائِلِ اللَّوْن وَاللِّبَاس وَالْحَرِير(۱۳)اَلسَّعَايَة شَرْحُ الْهِدَايَة (۱۴)قَمرُ الْاَقْمار حَاشِيَةُ نُور الْاَنْوَار(۱۵)رساله فِي اَحوالِ رِحْلَةِالْحَرمَين(۱۶)اَلتَّعْلِيقُ الْفَاضِل فِي مَسْئَلَةِ الطُّهْرِالْمُتَخَلَّل(۱۷) رِسَالَةٌ فِي تَرَاجِمِ عُلَمَاءِ الْهِنْد

(۱۸) رِسالةٌ فِي جَمْعِ الْفَتَاوىٰ۔اِلٰى آخِرِہٖ۔

(ص۱۲۹و۱۳۰۔ ''تذکرہ علمائے فرنگی محل'' ۔مؤلّفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی)

اس کے بعد، مزید کتابوں کے اَسما ہیں۔جن کی مجموعی تعداد، چونتیس (۳۴) ہے۔

مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، بحوالہ'' حَسرَۃُ الْعَالَم بِوَفَاۃِ الْعَالِم '' رقم طراز ہیں کہ:

''۱۲۶۰ھ میں نواب ذوالفقار الدّولہ کی دعوت وطلب پر ''باندہ'' تشریف لے گئے۔ ریاست کے مدرسہ میں مدرس، مقرر کیے گئے۔اس کے بعد، نو(۹) برس، مدرسہ حنفیہ جون پور میں صدر مدرس رہے۔یہاں، حاشیہ قمرُ الاقمار، مولانا حکیم وکیل احمد، سکندر پوری کی اِستدعا پر، قلمبند کیا۔

۱۲۷۶ھ میں حضرت مولانا شاہ عبدالوالی، فرنگی محلی سے سلسلۂ قادریہ رزّاقیہ میں مُرید ہوئے۔

۱۲۷۷ھ میں حیدر آباد، دَکن کا سفر کیا۔

سید تُراب علی خاں، مدارُالمہام نے مدرسہ نظامیہ کا، مدرس بنادیا۔

۱۲۷۹ھ میں حج وزیارت کے لئے گئے۔مکہ معظمہ میں مولانا جمال احمد حنفی اور شیخ احمد زَینی دَحلان سے علمِ حدیث اور دیگر علوم کی سند، حاصل کی۔

۱۲۸۰ھ میں مدینہ طیبہ میں حضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم کی زیارت سے مشرّف ہوئے۔مولانا شاہ عبدالغنی بن شاہ احمد سعید، مجدّدی بن حضرت شاہ ابوسعید، دہلوی، مجدّدی سے حدیث وتفسیر اور مولانا شاہ عبدالرشید بن مولانا شاہ احمد سعید بن حضرت شاہ ابوسعید، دہلوی مجدّدی سے قصیدۂ بُردہ اور حزبُ البحر کی اجازت وسند، حاصل کی۔

۱۲۸۵ھ میں، حیدر آباد، دَکن، واپس ہوئے اور عدالتِ نظامیہ سے وابستہ ہو گئے۔''

(ص۱۱۴۔ ''تذکرۂ علمائے اہلِ سُنّت'' ۔مؤلّفہ مولانا محمود احمد قادری رفاقتی ۔مطبوعہ کان پور۔یوپی۔

۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء)

مفتی محمد یوسف، فرنگی محلی

مفتی محمد یوسف، فرنگی محلی (ولادت ۱۲۲۳ھ/۱۸۰۸ء۔ وصال ۱۲۸۶ھ/۱۸۷۰ء)
بن مفتی ابوالرّحم بن مفتی محمد اصغر بن مفتی محمد یعقوب بن مُلّاً، عبدالعزیز بن مُلّاً، محمد سعید
بن مُلّاً، قطب الدین شہید، سہالوی۔
مفتی محمد یوسف، فرنگی محلی کے اَحوال، ذکر کرتے ہوئے
مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) لکھتے ہیں:
''اکثر کتبِ درسیہ، آپ نے اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔
رسالہ قوشجیہ، مولانا نورُاللہ بن مُلّاً، محمد ولی سے پڑھا
اور کچھ کتابیں، مولانا مفتی ظہورُاللہ فرنگی محلی سے پڑھ کر، فارغُ التحصیل ہوئے۔
سیرت وصورت، دونوں میں یوسفِ ثانی تھے۔ نہایت خوبصورت، کسرتی بدن تھا۔
ورزِش، آخرعمر تک، تَرک نہیں فرمائی۔
ایک مدت تک، وطن میں تدریس وتالیف میں مصروف رہے۔
آپ کے والد ماجد کے انتقال کے بعد، عہدۂ اِفتا، آپ کے سپرد ہوا تھا۔
جس کو، غدر ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۷ء) تک، انجام دیتے رہے۔
اس میں آپ کے مال واسباب کے ساتھ، کتب خانہ بھی بہت کچھ، ضائع ہو گیا۔
۱۲۷۷ھ میں، جب، آپ کے شاگرد، مولانا عبدالحلیم بن مولانا امین اللہ
جون پور سے حیدرآباد، دَکن گئے، تو، آپ کو، اپنی جگہ پر، جون پور میں، مقرّر کر گئے۔
۱۲۸۳ھ میں، جب، مولانا عبدالحلیم صاحب اپنے صاحبزادہ، مولانا عبدالحیٔ کا نکاح کرنے
آئے تھے، جو، آپ کی پوتی سے ہونے والا تھا، تو آپ بھی اپنی پوتی کے عَقد میں شرکت کے لئے
تشریف لائے تھے۔ اس اَثنا میں آپ، سخت علیل ہو گئے۔
یہاں تک کہ سب کو، آپ کی زندگی سے مایوسی ہو گئی۔
اسی اَثنا میں، آپ نے خواب دیکھا کہ کوئی شخص کہتا ہے کہ:
''آپ کی موت، سفر میں ہو گی۔'' چنانچہ، ایسا ہی ہوا۔

عَقد سے فراغت کے بعد، جب، مولانا عبدالحلیم صاحب ۱۲۸۴ھ میں حیدرآباد، دَکن واپس جانے لگے، تو، باصرار آپ کو حیدرآباد چلنے پر، راضی کیا۔

مگر، مولوی حیدرحسین صاحب وکیل بن حاجی امام بخش، جون پوری (والدِ نواب عبدالمجید وجدِّ نواب محمد یوسف، وزیرِ اُمورِ عامّہ) نے کسی طرح آپ کو اپنے مدرسہ سے جانے، نہ دیا۔

مجبوراً، آپ نے جون پور میں تھوڑے دنوں، قیام فرمایا۔

اور شعبان ۱۲۸۵ھ میں وطن آکر، بمبئی بارادۂ حج، روانہ ہوئے۔ اور مکہ معظمہ پہنچ کر، کچھ قیام فرمایا۔

اَوَاخِرِ شوال میں، بارادۂ زیارتِ روضۂ مطہرہ، مدینہ منورہ عَلٰی صَاحِبِھَا اَلْف اَلْف تَحِیۃ وَصَلٰوۃ وَتَسْلِیم، روانہ ہوئے۔ راستہ میں بخار و اِسہال میں مبتلا ہوئے۔

مدینہ منورہ پہنچ کر ۱۹/ ذوالقعدہ ۱۲۸۶ھ کو انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

فَطُوْبیٰ لَهٗ مِنْ حُسْنِ خاتِمَةٍ وَفَضْلِ مَضْجَعٍ وَمَدْفَنٍ۔

آپ، نہایت عابد وزاہد شب زندہ دار تھے۔

جون پور میں حافظ قدرت اللہ سے میں نے سنا کہ:

''آپ کا معمول تھا کہ نصف شب کے بعد بیدار ہوتے اور عبادت اور ذِکر بالْجَھر فرماتے۔ صبح ہونے پر نمازِ فجر کے بعد تلاوتِ قرآن مجید فرماتے۔ اس کے بعد، ورزش فرماتے۔ ورزش کے بعد، غذا نوش فرماتے۔ اور شب و روز میں صرف، اُسی وقت، غذا نوش فرماتے۔

اس کے بعد سے درس، شروع ہوتا۔

گیارہ (۱۱) بجے تک، درس ہوتا۔ اس کے بعد تھوڑی دیر، تالیف وتصنیف میں صَرف فرماکر آرام فرماتے۔ اُٹھ کر، نمازِ ظہر سے فراغت کے بعد پھر، تدریس فرماتے۔

مغرب کے بعد، پھر، تالیف وتصنیف میں مصروف رہتے۔ عشا کی نماز کے بعد، آرام فرماتے۔''

(ص ۲۰۶ و ۲۰۷۔ ''تذکرہ عُلمائے فرنگی محل''۔ مؤلفہ محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی، مطبوعہ فرنگی محل، لکھنؤ)

تذکرہ نگار نے اس کے بعد، ایک واقعہ لکھا ہے کہ:

ایک انگریز افسر نے آپ کے معاشی حالات کی اَبتری دیکھ کر

سرکاری ملازمت کی پیش کش کی۔ آپ نے انکار کیا کہ:

اس میں غیر شرعی کام کرنے پڑتے ہیں جس کی وجہ سے، مَیں، معذور ہوں۔

اس نے یقین دلایا کہ آپ کے کام میں ایسا کچھ نہیں ہوگا اور آپ کو دفتر جانے کی بھی

ضرورت نہیں، نہ آپ کو کچھ کام کرنا ہے۔

آپ اپنے گھر ہی رہیں اور جب، سرکاری اہل کار، کسی حساب وغیرہ پر

دستخط کرانے آئیں، تو، اس پر دستخط کر دیا کریں۔

بِہ دِقّت تمام آپ، مشروط طور پر تیار ہوئے، مگر، جب، ایک سرکاری اہل کار آیا

اور اس نے دستخط کرانا چاہا، تو، آپ نے پوچھا کہ اس میں کیا ہے؟

تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ:

یہ ایک سودی معاملہ ہے۔ جس کے فائل پر، آپ کو دستخط کرنے ہیں۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا، وہ، تذکرہ نگار کی زبان میں، اِس طرح ہے:

''دیکھتے ہی غصہ سے چہرۂ مبارک، سُرخ ہو گیا اور رجسٹر اٹھا کر، دور پھینک دیا۔

اور منشی سے کہا کہ: **ابھی، یہاں سے نکل جاؤ۔''**

(معاملہ، رَفع دَفع کرنے کے لئے وہ انگریز افسر، اس منشی کو لے کر حاضرِ خدمت ہوا، تو)

آپ نے صورت دیکھتے ہی، اس کو بھی ڈانٹنا، شروع کیا اور فرمایا کہ:

''کافر سے اس کے سِوَا، اور کیا امید کی جاسکتی تھی؟

میری ہی غلطی تھی، جو، کافر کے کہنے میں آ گیا۔ اور زار و قطار، رونا شروع کیا۔'' اِلیٰ آخِرِہٖ۔

(ص ۲۰۸ و ۲۰۹۔ ''تذکرہ علماے فرنگی محل''۔ مؤلفہ محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی)

''مفتی محمد یوسف صاحب کو بیعت، حضرت مولانا انوارُالحق صاحب **قُدِّسَ سِرُّہٗ** سے تھی۔

اور تعلیمِ اَذکار و اَشغال، حضرت مولانا عبدالوالی، فرنگی محلی **رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ** سے پائی تھی۔

آپ کی تصانیف، حسب ذیل ہیں:

حاشیہ شرحِ سُلّم مُلّا حَسَن۔ حاشیہ شرحِ سُلّم، قاضی مبارک۔ حاشیہ شمس بازِغہ۔

تکملۂ حواشی مُلّا حَسَن بر شمسِ بازِغہ۔ حاشیہ طبعیاتِ شفا۔ حاشیہ شرح وقایہ۔

ان کے علاوہ، بخاری شریف اور بیضاوی شریف پر متفرق تعلیقات ہیں۔

آپ کے حالات، مولانا عبدالحئی، **رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ** نے

مقدمۂ سعایہ اور مقدمۂ **عُمْدَةُ الرِّعَايَة** میں بھی، ذکر کیے ہیں۔''

(ص ۲۰۹۔ ''تذکرہ علماے فرنگی محل''۔ مؤلفہ مولانا عنایت اللہ، فرنگی محلی۔ مطبوعہ اشاعت العلوم

فرنگی محل لکھنؤ ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء)

مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا مفتی محمد اصغر، فرنگی محلی قُدِّسَ سِرُّہٗ اَلمتوفی ۹ رجب ۱۲۵۵ھ کے فرزند علماءِ فرنگی محل سے تعلیم پائی۔

علوم و فنون میں امامت کا منصب رکھتے تھے۔

اکثر علماءِ فرنگی محل کا سلسلۂ تلمذ، آپ سے وابستہ ہے۔

اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد، عدالتِ دیوانی لکھنؤ کے مفتی، مقرر ہوئے۔

بعدہٗ، مدرسہ الحاج امام بخش مرحوم، جون پور میں مدرسی، اختیار کی۔

حضرت مولانا عبدالعلیم آسی (غازی پوری) رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ جیسے بزرگ نے آپ سے تلمذ، اختیار کیا۔

حرمین شریفین کی زیارت کے شوق میں، حیدر آباد، دکن ہوتے ہوئے شعبانِ ۱۲۸۶ھ میں مدینہ طیبہ، حاضر ہوئے۔

........تصانیف: شرحِ سُلَّم، حاشیۂ شمسِ بازغہ، تعلیقات علی البیضاوی، حاشیۂ شرحِ وقایہ تعلیق علی البخاری۔'' (ص ۲۶۴۔ ''تذکرۂ علماءِ اہلِ سنّت'' ۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی)

مولانا محمد عبدالحئی، فرنگی محلی

ابوالحسنات، مولانا محمد عبدالحئی، فرنگی محلی (ولادت ۲۶/ذوالقعدہ ۱۲۶۴ھ۔ وصال ربیع الاول ۱۳۰۴ھ/دسمبر ۱۸۸۶ء) بن مولانا عبدالحلیم بن امین اللہ بن محمد اکبر بن احمد ابوالرحم بن محمد یعقوب بن عبدالعزیز بن محمد سعید بن ملّاؔ، قطب الدین شہید، سہالوی۔

مولانا محمد عبدالحئی، فرنگی محلی، بلند پایہ عالم و محقق اور فقیہ و مصنّف تھے۔

آپ، زمانہ کے اعتبار سے دَورِ آخر میں پیدا ہوئے، مگر، اپنے علم و فضل کے لحاظ سے آپ کے اندر، عُلمائے فرنگی محل کے دَورِ ثانی کی شان پائی جاتی تھی۔

آپ کے ابتدائی حالات اور تعلیمی پیش رفت کے تعلق سے مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) لکھتے ہیں کہ:

"حفظِ قرآن کے بعد، فارسی و ابتدائی حساب کی تحصیل، مولوی خادم حسین سے کی، اور جُملہ کتبِ درسیہ، اپنے والد ماجد کے سِوا، کسی سے نہیں پڑھا۔ صرف علومِ ریاضیہ کی کتب، اپنے والد کے ماموں، مولانا نعمت اللہ بن مولانا نورُاللہ، فرنگی محلی سے، والد کے انتقال کے بعد، پڑھے۔

جس کے متعلق آپ کے استاذ کا خیال، یہ تھا کہ:

محض، حصولِ تبحّر کے لئے پڑھ رہے ہیں، ورنہ، ضرورت کا سوال نہیں ہے۔"

والدِ ماجد، مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی کے انتقال کے بعد، حیدرآباد، دکن میں قیام رہا۔

بعد انتقالِ والدِ ماجد، اراکینِ سلطنت نے والد کا قائم مقام کرنا چاہا۔

آپ کے حیدرآبادی اعزّہ کا قبول پر، اصرار رہا۔

مگر، اِس عالی حوصلہ ذات نے خدمتِ علم میں، حَرَج کے خیال سے عُسرت سے بسر کرنا گوارا کیا، مگر، عہدہ کے قبول سے انکار کر دیا۔ اور وطن، واپس آ کر، خدمتِ علم، شروع کی۔

دنیا جانتی ہے کہ کیا اور کس قدر اور کتنی اہم خدماتِ علمی، مولانا نے کیں۔

خود، مولانا نے جو، اپنا تذکرہ، مختلف کتب میں لکھا ہے، اُسی کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ:

کس قدر علمی روایات کی، یہ ذاتِ گرامی، حامل تھی۔

آپ کے بعد آپ کے تلمیذ، استاذی و استاذ استاذی، مولانا عبدالباقی، فرنگی محلی نے

''حَسْرَۃُ الْفُحُوْل بِوَفَاۃِ نَائِبِ الرَّسُوْل'' کے نام سے آپ کا تذکرہ لکھا ہے۔

اور مولوی عبدالحمید بن مولوی عبدالحلیم، فرنگی محلی نے بھی آپ کا تذکرہ ''سراپا غم'' کے نام سے تحریر کیا ہے۔ جس کو مفصّل حالات، اِس بدرِ شمسِ کمال کے دیکھنا ہو، ان کتابوں کو، دیکھے۔

وطن کی واپسی پر، بدستور، خدمتِ علمی میں مَحو ہو گئے۔ کثرتِ محنت نے صحت، خراب کردی۔

..... آخِرُ الْاَمْر ۲۹ ربیع الاول ۱۳۰۴ھ کو، ابتداے روز سے طبیعت، کچھ خراب تھی۔

مگر، میرے والد کے یہاں، تقریبِ ذکرِ ولادت شریف میں ہشاش وبشاش، شریک رہے۔

اور کشادہ پیشانی سے مہمان داری میں مصروف رہے۔

شب کو، اعزّہ سے حسبِ معمول، باتیں کرتے رہے۔

اس کے بعد آرام فرمانے، تشریف لے گئے۔

.... جس وقت، ڈاکٹروں اور حکیموں نے دیکھ کر، بتایا کہ ع۔ آفتاب آمد اندر زوال۔

اور جس وقت، یہ خبر، گھروں تک پہنچی، یہ معلوم ہوتا تھا کہ:

فرنگی محل کا ہر گھر، ماتم کدہ، بن گیا ہے۔

حضرت استاذ (مولانا عبدالباری، فرنگی محلی) رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ فرماتے تھے کہ:

جَدِّ اَمجد، حضرت مولانا عبدالرزّاق، فرنگی محلی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کو

میں نے کبھی روتے ہوئے نہیں دیکھا، سِوا اُس دن کے

جس کی شب کو، حضرت اخیِ معظّم، مولانا عبدالحَیّ، رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کا انتقال ہوا۔

شہر (لکھنؤ) میں، جس وقت، خبر ہوئی، ہر مسلمان، اُفتاں وخیزاں، تباہ حال، فرنگی محل پہنچا۔

اور اس خبر کی تصدیق سے خود، سکتہ کے عالَم میں ہو گیا۔

دوپہر کے قریب، جنازہ، تیار ہوا۔ اور بعدِ زوال، حضرت مولانا عبدالرزّاق، فرنگی محلی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے اوّلاً، نمازِ جنازہ پڑھائی۔

دوسری نماز، مزارِ حضرت مخدوم شاہ مینا، رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کے اِحاطے میں

مولانا عبدالوہّاب بن حضرت مولانا عبدالرزّاق، فرنگی محلی رَحِمَہُمَا اللہُ نے پڑھائی۔

اور تیسری نماز، باغ میں، مولوی عبدالمجید بن مولوی عبدالحلیم، فرنگی محلی نے ادا کی۔

کفن میں حضرت مولانا عبدالرزّاق فرنگی محلی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے

عمامہ، اپنے دستِ مبارک سے باندھا۔

مزار، اِحاطۂ باغِ مولانا انوار میں، مغربی دیوار سے متصل، خام ہے۔

اس کے گرد، حضرت استاذ (مولانا عبدالباری، فرنگی محلی) رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے

سنگِ مرمر کی خوبصورت جالی لگوائی ہے۔

کثرتِ تلامذہ کی وجہ سے، اُن کا شمار، دشوار ہے۔

مولانا انوارُ اللہ (فاروقی، حیدرآبادی) استاذِ اعلیٰ حضرت، حضور نظام خَلَّدَ اللهُ مُلْكَهٗ

وسَلْطَنَتَهٗ کو بھی، مولانا (عبدالحیٔ، فرنگی محلی) رحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ سے

اوّل سے لے کر ختمِ کتب تک، تلمذ رہا ہے۔''

(ص ۱۳۱ تا ۱۳۳۔ ''تذکرۂ علمائے فرنگی محل''۔ مؤلّفہ مولانا عنایت اللہ، فرنگی محلی۔ مطبوعہ اشاعت العلوم

فرنگی محل۔ لکھنؤ۔ ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء)

اس کے بعد، مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی نے مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کی ایک سو نو (۱۰۹)

کتب و رسائل کی ایک فہرست، دے کر لکھا ہے کہ:

''اِن تالیفات کے بارے میں، صرف اس قدر لکھنا چاہتا ہوں کہ:

اگر، مولانا کی کوئی اور تصنیف نہ ہوتی اور صرف چار کتابیں، آپ کی مؤلّفہ، ہمارے ہاتھ میں

ہوتیں، تب بھی، مولانا کی عظمتِ شان اور مرتبۂ علمی جاننے کے لئے، کافی تھیں۔

یہ چار کتابیں، فنونِ مختلفہ کی ہیں۔'' (ص ۱۳۵۔ ''تذکرۂ علمائے فرنگی محل'')

پھر، ان چار کتابوں کے نام، درج کیے ہیں:

(۱) مِصْبَاحُ الدُّجٰى۔ یعنی، حاشیۂ غلام یحییٰ، بر میر زاہد رسالہ کا مبسوط حاشیہ (۲) سعایہ۔

یعنی، شرحِ وقایہ کا حاملُ المتن حاشیہ (۳) مُؤَطَّا اِمام محمّد کا مبسوط حاشیہ، اَلتَّعْلِيقُ

الْمُمَجَّد (۴) ظَفَرُ الْاَمانِي، در علمِ اصولِ حدیث۔ (ص ۱۳۵۔ ''تذکرۂ علمائے فرنگی محل'')

بعض اہلِ علم نے تحقیق کر کے، مولانا عبدالحیٔ، فرنگی محلی کی کتابوں کی تعداد، ایک سو بیس (۱۲۰)

لکھی ہے۔ جن میں، سب سے زیادہ کتابیں، علمِ فقہ میں ہیں۔ اور ان کی تعداد، پچاس (۵۰) ہے۔

ان کتابوں کا اسلوبِ تحقیق و تصنیف، بڑا ہی جامع و مؤثر اور معیاری ہے۔

آپ کا طریقہ و اسلوب، قدامت کے اِلتزام کے ساتھ جدّت کے اہتمام کا بہترین نمونہ ہے۔

مقامِ حیرت ہے کہ آپ نے صرف، بارہ (۱۲) سال کی عمر میں

علمِ صَرف کی، یہ دو کتابیں لکھ ڈالیں:

(۱)اِمتحانُ الطَّلبة فِی الصِیغِ الْمُشکلۃ(۲)اَلتِّبیان فِی شرحِ الْمِیزان۔

صرف، اُنتالیس (۳۹) سال، چار (۴) ماہ کی مختصر حیات، آپ نے پائی۔

اور اِس مختصر مدت میں آپ نے، ایک سوبیس (۱۲۰) کتابیں لکھ کر، بڑے بڑے علما کی خدمت میں، گراں قدر نمونۂ تحقیق وتصنیف وفکروعمل، پیش کر کے ان کی بزم میں سُرخ روئی اور سرفرازی، حاصل کی۔

ابوالحسنات، مولانا محمد عبدالحیٔ، فرنگی محلی، اہلِ سُنّت کے جلیل القدر عالم وفقیہ تھے۔

یہاں، آپ کے چند فتاویٰ، بطورِ نمونہ پیش کیے جا رہے ہیں، جن سے آپ کے اسلوب وطرزِ اَحناف اور آپ کے مسلک وموقف کی واضح نشان دِہی ہو جاتی ہے۔

سوال: باری تعالیٰ اپنے شریک کے پیدا کرنے پر قادر ہے، یا نہیں؟

جواب: نہیں ہے۔ کیوں کہ تمام متکلمین، اِس کی تصریح کرتے ہیں کہ:

کسی چیز کے، قدرت میں داخل ہونے کی عِلّت، اس کا ممکن ہونا ہے۔

پس! شریکُ الباری کہ محال ہے، تحتِ قدرت، نہ ہوگا۔

اور اِس بات پر، اِجماع ہے کہ:

شریکِ باری، محال ہے اور قدرتِ اِلٰہی، ممتنع پر نہیں ہے۔

امام فخرالدین، رازی اور سعدُ الدین، تفتازانی لکھتے ہیں:

لَاشَیْئَ مِنَ الْوَاجِبِ وَالْمُمْتَنِعِ بِمَقْدُورٍ لَهٗ تَعَالٰی

لِزَوَالِ اِمکانِ التَّرْکِ فِی الْاَوَّلِ وَالْفِعْلِ فِی الثَّانِی۔

یعنی: واجب اور ممتنع میں سے کوئی بھی مقدوراتِ باری تعالیٰ میں سے، نہیں ہے۔

کیوں کہ، واجب کا تَرک، ممکن نہیں۔ اور ممتنع کا کرنا۔ (ممکن نہیں)

اور مقدور کا، کرنا، نہ کرنا۔ دونوں، ممکن ہوتے ہیں۔

اور مُلّا علی قاری ''شرحِ فقہِ اَکبر'' میں لکھتے ہیں:

قَدقِیل: کُلُّ عامٍ یُخَصُّ کَمَاخُصَّ قَولُهٗ تَعالٰی:

وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیْرٌ۔

بِمَاشَاءَهٗ۔ لِیَخرج ذاتُهٗ وَصِفاتُهٗ۔

وَمَالَمْ یَشاءُ مِنْ مَخلوقاتِهٖ مِمَّا یَکونُ مِنَ الْمُحَالِ وَقوعُهٗ فِی کا ئِناتِهٖ۔

وَالْحَاصلُ، اَنَّ کُلَّ شَیءٍ تَعَلَّقَتْ بِهٖ مَشِیْئَتُهٗ تَعَلَّقَتْ بِهٖ قُدْرَتُهٗ۔
وَاِلَّا، فَلَایُقَالُ: هُوَ قَادِرٌ عَلَی الْمُحَالِ۔لِعَدمِ وَقُوعِهٖ وَلُزُومِ کِذْبِهٖ۔

یعنی: کہا گیا ہے کہ، ہر عام میں، تخصیص کر دی جائے گی۔
جیسا کہ آیتِ پاک: وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیْر۔میں، مَاشَاءَ هٗ کی قید لگائی گئی ہے۔
تاکہ، ذاتِ وصفاتِ باری تعالیٰ اور وہ اشیا، جن کے خلق کو وہ، نہ چاہے
اور جن کا، کائنات میں ہونا محال ہو، خارج ہو جائیں۔
حاصل، یہ ہے کہ: جس سے مشیتِ باری تعالیٰ کا تعلق ہوگا، اُس سے اس کی قدرت کا بھی
تعلق ہوگا۔اور جس سے اس کی مشیت کا تعلق، نہ ہوگا، اُس سے اُس کی قدرت بھی متعلق نہ ہوگی۔

پس، یہ نہ کہا جائے گا کہ:
باری تعالیٰ، محال پر، قادر ہے۔

کیوں کہ وہ، واقع نہیں ہوسکتا ہے۔اور اس کا کذب، لازمی ہے۔
.....اگر، خیال پیدا ہو کہ، واجب تعالیٰ کا شریکِ باری کے پیدا کرنے پر قادر، نہ ہونا
اُس کا عجز ہے اور عجز، مستلزمِ نقصان ہے۔تو، اس کا جواب، یہ ہے کہ
جو امر، اس لائق نہ ہو کہ قدرت کا تعلق، اُس کے ساتھ ہو
تو، اُس کے ساتھ قدرت کا تعلق نہ ہونا، نقصان نہیں ہے۔بلکہ، عینِ کمال ہے۔
علمِ کلام اور فقہ کی کتابوں میں، اِس کی تصریح، موجود ہے۔"
..... اَلْحَاصِل:۔۔عباراتِ منقولہ، اِس بات پر صراحۃً، دلالت کرتی ہیں کہ:
واجب تعالیٰ کو، خلقِ اُمورِ مستحیلہ (جیسے نقیضین کا جمع کرنا اور اونٹ کا سوئی کے ناکے میں
داخل ہونا، اور شریکِ باری تعالیٰ کا وجود، اور اتخاذِ وَلد وغیرہ) پر قدرت، نہیں ہے۔
اور، ان اُمور پر قدرت نہ ہونا، نقص کا سبب نہیں، بلکہ عینِ کمال ہے۔
اور اِسی پر، علمائے متکلمین کا اِتفاق اور علمائے شریعت کا اجماع ہے۔
اور اسی کی **عقل اور نقل، شہادت دیتے ہیں۔**"

(ص ۱۰۰ تا ۱۰۲۔"مجموعۃ الفتاویٰ، جلد اول"۔از ابوالحسنات محمد عبدالحی فرنگی محلی۔
ناشر: مولانا عبدالحی فقہ اکیڈمی۔اسلامک سنٹر آف انڈیا۔فرنگی محل۔لکھنؤ۔۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء)
آئندہ سطور میں، ابوالحسنات، مولانا محمد عبدالحی، فرنگی محلی کا ایک اہم فتویٰ، نقل کیا جارہا ہے۔

سوال اور فتویٰ کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے اس کا پس منظر، جان لینا
قارئین کے لئے ضروری اور بے حد مفید ہے۔

"دُرِّ منثور" میں، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا کا ایک قول، منقول ہے:

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ سَبْعَ اَرَضِین ۔فِی کُلِّ اَرْضٍ آدمُ کَآدمِکُم وَنُوح کَنُوحِکم
وَابراھیمُ کَاِبْرَاھِیمِکم وَمُوسیٰ کَمُوسٰکم وَعِیْسیٰ کَعِیسٰکُمْ وَنَبِیٌّ کَنَبِیِّکُم ۔

یعنی: اللہ تعالیٰ نے سات زمینوں کو پیدا کیا ہے۔
اور ہر زمین میں آدم ہیں، تمہارے آدم کی طرح اور نوح ہیں تمہارے نوح کی طرح
اور ابراہیم ہیں تمہارے ابراہیم کی طرح اور موسیٰ ہیں تمہارے موسیٰ کی طرح اور عیسیٰ ہیں تمہارے
عیسیٰ کی طرح اور نبی ہیں تمہارے نبی کی طرح۔"

اِس اثرِ ابن عباس کی بنیاد پر، کچھ لوگوں نے مسئلۂ شش مثل اور امکانِ نظیرِ محمدی کا
فتنہ کھڑا کر کے، علماے ہند کے درمیان ایک بڑی حسّاس اور نازک بحث چھیڑ دی۔

شعبۂ عربی وفارسی بریلی کالج کے صدر اور مطبع صدیقی، بریلی کے مالک، مولانا محمد احسن
نانوتوی (متوفی ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء) نے، قیامِ بریلی کے دَور (۱۸۵۱ء تا ۱۸۷۷ء) میں
مولانا محمد قاسم، نانوتوی (متوفی ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) سے ایک سوال کیا
جس کے جواب میں انھوں نے ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۴ء میں ایک کتاب، بنام
"تحذیرُ النَّاس عَنْ اِنکارِ اَثرِ ابنِ عبَّاس" تحریر کی۔

کتاب "تحذِیرُ النَّاس" جس سوال کے بعد، معرضِ وجود میں آئی
اُس کا، یہ حصہ پڑھ لینے کے بعد، جواب کی حقیقت، قارئین پر
بخوبی، واضح اور ظاہر ہو جائے گی۔

"دربارۂ قولِ ابنِ عباس، جو "دُرِّ منثور" وغیرہ میں ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ سَبْعَ اَرَضِین ۔فِی کُلِّ اَرْضٍ آدمُ کَآدمِکُم وَنُوح کَنُوحِکم
وَابراھیمُ کَاِبْرَاھِیمِکم وَمُوسیٰ کَمُوسٰکم وَعِیْسیٰ کَعِیسٰکُمْ وَنَبِیٌّ کَنَبِیِّکُم ۔

یہ عبارت، تحریر کی کہ:
میرا عقیدہ ہے کہ، حدیثِ مذکور، صحیح اور معتبر ہے۔
اور زمین کے طبقات، جدا جدا ہیں۔ اور ہر طبقے میں مخلوقِ الٰہی ہے۔

اور حدیثِ مذکور سے ہر طبقے میں انبیا کا ہونا، معلوم ہوتا ہے۔" اِلیٰ آخرِہٖ۔

(ص ۲۔ تَحذِیرُ النَّاس۔ مؤلفہ: مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ کتب خانہ اِمدادیہ، دیو بند ضلع سہارن پور۔ یوپی

مولانا محمد قاسم، نانوتوی کی کتاب "تَحذِیرُ الناس" میں

اُمتِ مسلمہ کے اِجماعی عقیدۂ ختمِ نبوت کو، متزلزل کرنے والی، یہ تین عبارتیں، ہیں:

(۱) بعد حمد وصلوٰۃ کے، قبلِ عرضِ جواب، یہ گذارش ہے کہ:

اوّل معنیٰ خاتَمُ النَّبِیّن معلوم کرنے چاہئیں، تا کہ فہمِ جواب میں، کچھ دِقّت، نہ ہو۔

سو، عوام کے خیال میں تو، رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا، بایں معنی ہے کہ:

"آپ کا زمانہ، انبیاءِ سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ، سب میں آخر نبی ہیں۔"

مگر، اہلِ فہم پر، روشن ہے کہ:

تقدُّم، یا۔ تأخُّرِ زمانی میں، بِالذّات کچھ فضیلت نہیں۔

پھر، مقامِ مدح میں وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖن فرمانا، اِس صورت میں

کیوں کر، صحیح ہو سکتا ہے؟

ہاں! اِس وصف کو، اَوصافِ مدح میں نہ کہیے اور اس مقام کو مقامِ مدح میں نہ قرار دیجے

تو، البتہ "خاتمیت" باعتبار تأخُّرِ زمانی، صحیح ہو سکتی ہے۔

مگر، میں، جانتا ہوں کہ اہلِ اسلام میں سے کسی کو، یہ بات، گوارا، نہ ہو گی۔" الخ

(ص ۲۔ تَحذِیرُ النَّاس از مولانا محمد قاسم، نانوتوی۔ کتب خانہ اِمدادیہ۔ دیو بند)

(۲) غرض، اِختتام، اگر، بایں معنیٰ، تجویز کیا جاوے، جو، میں نے عرض کیا

تو، آپ کا خاتم ہونا، انبیاءِ گذشتہ ہی کی نسبت، خاص نہ ہو گا۔

بلکہ بِالفرض، آپ کے بعد بھی، کہیں اور کوئی نبی ہو

جب بھی، آپ کا خاتم ہونا، بدستور، باقی رہتا ہے۔" الخ۔

(ص ۱۳۔ تَحذِیرُ النَّاس از مولانا محمد قاسم، نانوتوی۔ کتب خانہ اِمدادیہ۔ دیو بند)

(۳) ہاں! اگر "خاتمیت" بمعنیٰ اِتّصافِ ذاتی بوصفِ نبوت لیجیے، جیسا کہ

اِس ہیچ مداں نے عرض کیا ہے، تو، پھر، سِوائے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، اور کسی کو

افرادِ مقصود بِالخلق میں سے، مماثلِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، نہیں کہہ سکتے۔

بلکہ، اِس صورت میں، فقط انبیا کے افرادِ خارجی ہی پر، آپ کی فضیلت ثابت، نہ ہو گی

افرادِ مقدرہ پر بھی آپ کی فضیلت، ثابت ہو جائے گی۔

بلکہ، اگر، بِالفرض! بعدِ زمانۂ نبوی صلعم بھی، کوئی نبی، پیدا ہو

تو، پھر بھی ''خاتمیتِ محمدی'' میں، کچھ فرق، نہ آئے گا۔

چہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور زمین، یا۔ فرض کیجیے، اِسی زمین میں کوئی اور نبی، تجویز

کیا جائے۔'' الخ۔ (ص ۲۴۔ تحذیرُ النّاس از مولانا محمد قاسم، نانوتوی۔ کتب خانہ اِمدادیہ۔ دیوبند)

نبوت ورسالت میں، ذاتی وعرضی کی تقسیم، باطل ہے۔

اِس لئے وصفِ نبوت بِالذّات کو، بِنائے خاتمیت قرار دینا بھی، صَراحۃً وبداھۃً، باطل ہے۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے خاتَمُ النَّبِیّن بمعنیٰ آخِرُ النَّبِیّن ہونے کا خیال

عوام ہی کا نہیں، اہلِ علم کا بھی ہے۔

صحابہ وتابعین وائمۂ مجتہدین ومحدِّثین وفقہائے اِسلام اور ساری اُمّت کا ہے۔

اِس لئے خاتَمُ النَّبِیّن، بمعنیٰ آخِرُ النَّبِیّن کا انکار، کتاب وسُنّت اور اِجماعِ اُمّت کا انکار ہے۔

آیتِ کریمہ میں، خاتَمُ النَّبِیّن بمعنیٰ آخِرُ النَّبِیّن، مدح کے لئے ہی ہے۔

اور مقامِ مدح ہی، میں ہے۔

عہدِ رسالت سے آج تک ساری اُمّت نے یہی سمجھا اور مانا ہے۔

اور یہی، ساری امت کا عقیدہ ہے۔

مقام ومنزلت کے اعتبار سے مرتبۂ ثبوت میں آپ، اُس وقت بھی نبی تھے

جب، حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلام، آب وگِل کے درمیان تھے۔

اور عہد وزمان کے اعتبار سے مرتبۂ ظہور میں

عمرِ مبارک کے چالیس (۴۰) سال مکمل ہونے پر آپ کی بعثت کا اعلان ہوا۔

مرتبۂ ثبوت وظہور، ہر حال میں، آپ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاء، بمعنیٰ آخِرُ الْاَنْبِیَاء ہیں۔

خاتمیتِ محمدی سے متعلق، تَحذِیرُ النّاس میں

جو نکتہ آفرینی کی گئی ہے، وہ، تیرہ سو سالہ اسلامی تاریخ کا پہلا حادثہ ہے۔

جس کا واضح اِحساس واِدراک، خود، مولانا محمد قاسم، نانوتوی مؤلّفِ تَحذیرُ النّاس کو بھی

تھا۔ چنانچہ، وہ، لکھتے ہیں کہ:

''اگر، بوجہ کم اِلتفاتی، بڑوں کا فہم، کسی مضمون تک نہ پہنچا، تو، اُن کی شان میں کیا فرق آ گیا؟

اور اگر، کسی طفلِ ناداں نے ٹھکانے کی بات کہہ دی، تو، اتنی سی بات سے، وہ، عظیم الشان ہو گیا
(ص ۲۶۔ تحذیرُ النّاس از مولانا محمد قاسم، نانوتوی۔ کتب خانۂ امدادیہ۔ دیوبند)

جماعتِ دیوبند کے معروف عالم، مولانا اشرف علی، تھانوی (متوفی ۱۹۴۳ء) کہتے ہیں
''جس وقت، مولانا نانوتوی صاحب نے تحذیرُ النّاس لکھی ہے
کسی نے ہندوستان بھر میں، مولانا کے ساتھ، موافقت نہیں کی، بجز مولانا عبدالحیٔ کے۔''
(ص ۵۸۰۔ ملفوظ ۹۲۷۔ اَلاِفاضاتُ الیَومیہ، جلدِ چہارم۔ مطبوعہ دیوبند)

یہ بات، غلط اور بالکل غلط ہے کہ حضرت مولانا عبدالحیٔ، فرنگی محلی نے
تحذیرُ النّاس کی خلافِ اجماعِ اُمّت، نکتہ آفرینی کی موافقت کی ہے۔
تفصیل، آگے، ملاحظہ فرمائیں۔

تحذیرُ النّاس کے ذریعہ، پیدا ہونے والے جدید ''مسلکِ نانوتوی'' کے خلاف
شیخ محمد، تھانوی نے ''اَلقِسطَاسُ فِی مُوَازَنَۃِ اَثَرِ ابنِ عَبَّاس'' لکھا۔
مزید متعدد رسائل لکھے جانے کے ساتھ، اس کے خلاف، فتاویٰ بھی، جاری ہوئے۔

ابوالحسنات، مولانا محمد عبدالحیٔ، فرنگی محلی، ہرگز اس کے قائل نہیں ہیں کہ:
ظاہری حیاتِ نبوی میں، یا۔ بعدِ وصالِ نبوی، کوئی نبی و رسول، صفحۂ گیتی پر مبعوث ہو سکتا ہے
کیوں کہ ہمارے پیغمبر عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام، خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَالرُّسُل ہیں۔
اور آپ کے بعد، کسی نبی و رسول کا، بنی نوعِ انسان میں مبعوث ہونا، ممکن نہیں ہے۔
یہی، اسلامی عقیدہ ہے اور سلف و خلف کا، اسی پر، اجماع ہے۔
''اثرِ ابن عباس'' کو، جمہور محدّثین، ضعیف، یا۔ شاذ، یا۔ موضوع، قرار دیتے ہیں۔
اِس لئے اسے حجت و دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا ہے۔
چہ جائے کہ اس سے کسی عقیدہ کا اِثبات ہو۔

ابوالحسنات، مولانا محمد عبدالحیٔ، فرنگی محلی، اِس اثرِ ابنِ عباس کے صحیح الاسناد ہونے کے
قائل ہیں۔ مگر، تحذیرُ النّاس کے اَخذ کردہ نتیجہ سے، ہرگز، متفق نہیں۔
چنانچہ، اِس سلسلے میں آپ، تحریر کرتے ہیں کہ:
............قال السُّبکی فِی تفسیرِہٖ:
مَامِنْ نبیٍّ اِلَّا اَخَذَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْمِیثَاقَ اَنَّہٗ اِنْ بُعِثَ محمدٌفِی زَمَانِہٖ لَیُؤمِنَنَّ

وَلَیَنْصُرُنَّہٗ وَیُوصِی اُمَّتَہٗ بِذالک۔ وَفِیْہِ مِنَ النُّبوۃ وتعظیم قدرہٖ مِمَّا لایخفیٰ۔
وَفِیْہِ مَعَ ذالک اَنَّہٗ عَلٰی تَقْدِیْرِ مَجِیئہٖ فِی زَمانِھِم یَکُونُ مُرسَلاً اِلَیْھِم
وَیَکُونُ نبوتہٗ ورسالتہٗ عامَّۃٌ لِجَمِیعِ الْخَلق مِنْ زَمَنِ آدم اِلیٰ یومِ القیامۃ۔
وَیَکون الانبیاءُ وَاُمَمُھُم کُلُّھُم مِنْ اُمَّتِہٖ۔ فَالنَّبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نبیُّ الْاَنْبیاء۔
وَلَو اتَّفَق بعثتُہٗ فِی زَمَنِ آدم وَنوح وابراھیم وموسیٰ وَعیسیٰ
وَجَبَ عَلَیْھِم وَعَلیٰ اُمَمِھِم الاِیْمانُ بِہٖ وَنُصْرَتُہٗ۔
وَلِھٰذا یاتِی عیسیٰ فِی آخِرِ الزَّمانِ عَلٰی شریعتِہٖ۔
وَلَوْ بُعِثَ النَّبِیُّ عَلَیہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلامُ فِی زَمَانِ موسیٰ وإبراھیم ونوح
وَآدم، کانُوا مُستمِرِّین عَلیٰ نبوتِھم وَرِسالَتِھم اِلیٰ اُمَمِھِم۔
وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نَبِیّ اِلَیْھِم وَرسولُ اِلیٰ جَمِیْعِھِم ۔

یعنی: سبکی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

ہر نبی سے، اللہ نے عہد لیا ہے کہ:

اگر، محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، اُس کے زمانے میں بھیجے جائیں

تو، وہ، ان پر ایمان لائے گا اور ان کی مدد کرے گا۔ اور اپنی امت کو، اسی کی وصیت کرے گا۔

اس میں، آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نبوت اور مرتبہ کی جس قدر عظمت اور بڑائی کی طرف، اشارہ ہے، وہ، پوشیدہ نہیں ہے۔

اور اس میں اس بات کی جانب بھی، اشارہ ہے کہ:

اگر، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، انبیاءِ سابق کے زمانے میں تشریف لاتے

تو، ان کی جانب، رسول ہوتے اور آپ کی نبوت و رسالت، حضرت آدم کے زمانے سے قیامت تک کی مخلوقات کو، شامل ہوتی اور تمام انبیا، مع اپنی امتوں کے، آپ کی امت میں داخل ہوتے۔

پس! حضرت، نبیُّ الْاَنْبیاء ہیں۔

اور اگر، حضور کی بعثت، حضرت آدم اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ عَلَیْھِمُ السَّلام کے زمانوں میں ہوتی، تو، ان پر اور ان کی امتوں پر، آپ کی مدد کرنا اور آپ پر ایمان لانا، فرض ہوتا۔

اور اِسی واسطے، حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلام، آخر زمانے میں

آپ ہی کی شریعت پر، تشریف لائیں گے۔

اور اگر، آپ، حضرت موسیٰ و ابراہیم و نوح اور آدم عَلَیْہِمُ السَّلام کے زمانے میں بھیجے جاتے، تو، سب کی نبوت اور رسالت، اپنی اپنی امتوں کی جانب، باقی رہتی۔

اور آپ، سب انبیاء کے نبی اور رسول ہوتے۔

اور، بحر العلوم، مولانا عبد العلی (فرنگی محلی) اپنے رسالہ ''فَتْحُ الرَّحْمٰن'' میں لکھتے ہیں:

مقتضائے ختم رسالت، دو چیز است:

یکے، آں کہ بعدِ وَے رسول، نہ باشد۔ و دیگر آں کہ شرعِ وَے، عام باشد۔

و ہر کسے کہ موجود باشد، وقت نزولِ شرعِ وَے، اِتّباعِ شرعِ وَے بر وَے واجب و فرض است۔ و سِرِّ ش ایں کہ، ہمہ رُسُل، در اَخذِ شرع، مُستمد از خاتم الرِّسالہ اند۔

و چوں کہ شرعِ اُو، عام باشد، پس، دیگرے، صاحبِ شرع، نہ باشد۔''

یعنی: ختمِ رسالت، دو چیزوں کو، چاہتی ہے:

ایک، یہ کہ اس کے بعد کوئی رسول، نہ ہو۔ اور دوسرے، یہ کہ اُس کی شرع، عام ہو۔

اور، اس نزولِ شرع کے وقت، جو لوگ، موجود ہوں

اُن پر، اُس شرع کی پیروی، واجب اور فرض ہے۔

اور اس میں، بھید، یہ ہے کہ: تمام رسول، شریعت لینے میں حضرت خاتم الرِّسالہ سے مدد چاہنے والے ہیں۔ اور جب، آپ کی شرع، عام ہوئی، تو، دوسرا کوئی، صاحبِ شرع، نہ ہوگا۔''

(ص ۱۰۵ و ۱۰۶۔ فتاویٰ عبد الحیٔ، بنام مجموعۃ الفتاویٰ، جلدِ اول مطبوعہ لکھنؤ ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء)

اشرفُ المخلوقات، بنی نوعِ انسان جیسی، نہ کوئی مخلوق، نہ ہی ہماری، اِس زمین کے علاوہ کسی طبقۂ ارض کا کوئی نبی، یا۔ اس کا کوئی خاتم

ہمارے خاتم الانبیاء والمرسلین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، جیسا ہوا ہے، نہ ہو سکتا ہے۔

اپنا مذکورہ خیال، مولانا فرنگی محلی، مندرجہ ذیل سطور میں، ظاہر کرتے ہیں:

..... اور تمام کتبِ عقائد میں، یہ اَمر، مصرَّح ہوتا ہے کہ:

اولادِ آدم، اِس عالَم کی تمام مخلوقات سے، حتیٰ کہ ملائکہ سے بھی، افضل ہے۔

اور آیتِ کریمہ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ سے، یہ اَمر، مفہوم ہوتا ہے۔

کیوں کہ، تمام مفسرین اور علما کا اتفاق ہے، اِس اَمر پر کہ:

مراد، آدم سے اِس آیت میں ہمارے آدم ہیں۔ نہ آدمِ طبقاتِ باقیہ۔ بلکہ، تمام انبیاء کہ

قرآنِ پاک میں اُن کا ذِکر ہے، اُن سے مراد، انبیاء، اِسی طبقے کے ہیں۔ نہ انبیاء، طبقاتِ باقیہ کے۔

اور حدیثِ صحیح میں، وارِد ہے: اَنَا سَیِّدُ وَلدِ آدم وَلافَخر۔

میں، اولادِ آدم کا سردار ہوں۔ اور کوئی فخر نہیں۔"

اور دوسری حدیث میں، وارِد ہے:

اَنَا اَکرَمُ الاَوَّلِینَ وَالآخِرِینَ۔ میں، اگلوں اور پچھلوں میں، سب سے بزرگ ہوں۔"

اب، یہاں سے، دو مقدّمے، مُحَقّق ہوئے۔

اول، یہ کہ ہمارے خاتم الانبیاء، تمام اولادِ آدم سے افضل ہیں۔

دوسرے، یہ کہ اولادِ آدم، اِس عالَم کی، تمام مخلوقات سے افضل ہے۔

بعدِ ترکیب، ان دو مقدّموں کے، نتیجہ نکلا کہ:

ہمارے خاتم الانبیاء، افضل ہیں، تمام مخلوقات سے۔

پس مماثلت، خاتم الانبیا، طبقاتِ باقیہ کے ساتھ

ہمارے خاتم الانبیا، کی، کیسے ثابت ہوگی؟

اس کے علاوہ، یہ ہے کہ:

مماثلت میں، اتحادِ ماہیت واتحادِ قسم، ضرور ہے۔

اسی واسطے، انسان، انسان کے مماثل کہلاتا ہے۔

اور انسان، جن، یا، فرشتہ کے مماثل، نہیں کہلاتا ہے۔"

اور عبارت "بَدَائِعُ الدُّهُور" وغیرہ سے، جو، سابق میں منقول ہوئی، معلوم ہوتا ہے کہ مخلوقاتِ طبقۂ باقیہ، اِس صنف سے نہیں۔" اِلیٰ آخِرِہٖ۔ (ص ۹۱ وص ۹۲۔ مجموعۃ الفتاویٰ، جلد اول)

اس کے بعد، اسی اثرِ ابن عباس سے عدمِ مماثلت، بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"مقامِ افسوس وتعجب ہے کہ نبی کریم عَلَیْہِ السَّلام کے زمانۂ وجود سے اب تک۔

مدت، قریب تیرہ سو برس کے گذری اور اس مدت میں

صد ہا فُقہا اور محدّثین اور ہزار ہا عُلما اور صحابہ اور تابعین کی نظر سے حدیثِ مذکور گذری

کسی کے خیالِ مبارک میں موجود ہونا، امثال نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا، نہ آیا۔

آیا، تو، اس صاحبِ عقیدہ کی خاطر میں آیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔"

(چند سطور کے بعد) اگر، شیوعِ جہل کی یہی کیفیت رہی

تو، دیکھنا چاہیے کہ کیسے کیسے عقائدِ فاسِدہ، احادیثِ صحیحہ سے افہامِ ناقصہ، مُستنبط کریں گے؟

اور کیا کیا فساد، اِس عالَم میں، برپا کریں گے؟

اللہ تعالیٰ ہی سے، اس کی شکایت ہے اور اُسی کی طرف، رجوع۔

یہ جواب، میرے دل میں آیا اور حقیقتِ حال، اللہ تعالیٰ، خوب جانتا ہے۔''

(ص ۹۲۔ مجموعۂ الفتاویٰ، جلدِ اول۔ مطبوعہ ۱۴۳۰ھ/۲۰۱۰ء۔ ناشر: علّامہ عبدالحیٔ فرنگی محلی فقہ اکیڈمی۔ اسلامک سنٹر آف انڈیا۔ فرنگی محل۔ لکھنؤ)

''تَحذِیرُ النَّاس'' مؤلّفہ مولانا محمد قاسم، نانوتوی، اور اِمکانِ نظیرِ خاتَمُ الانبیاء وَالمُرسَلین عَلَیہِ وَعَلَیہِمُ الصَّلوٰۃُ والتَّسلیم کے خلاف

ایک تاریخی رسالہ ہے ''اِبطالِ اَغلاطِ قاسِمیہ'' مؤلّفہ مولانا عبدالغفار۔ مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء۔

اس کا پہلا صفحہ، اِس طرح، شروع ہوتا ہے:

''بعد حمد و صلوٰۃ کے، واضح ہو کہ:

مدتِ دراز ہوئی جو مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی اور مولوی فضلِ حق صاحب خیرآبادی کے درمیان، بمقامِ دہلی، تنازع، واقع ہوا تھا۔

مولوی فضلِ حق صاحب، کذبِ حق سُبحٰنَہٗ کو، ممتنع کہتے تھے۔

اور مولوی اسمٰعیل صاحب، ممکن ٹھہراتے تھے۔

اور نیز، مولوی فضلِ حق صاحب، مثلِ جنابِ خاتم النّبیّن صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کو، **ممتنع ٹھہراتے تھے۔**

اور مولوی اسمٰعیل صاحب، ممکن، بتلاتے تھے۔

لیکن عدمِ وجود، مثلِ مذکور کے، تمام عالَم میں، قائل تھے۔

ایک مدت کے بعد، مولوی امیرحَسَن صاحب، سَہسوانی نے فرمایا کہ:

اِمکان میں بحث کرنا، بے کار ہے کہ:

چنانچہ مثلِ جنابِ خاتم النّبیّن صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کے، دیگر زمینوں میں، موجود ہیں۔

پس آیتِ خَاتَمُ النَّبِیّن، مقید بقید دریں زمین ہے۔ فقط۔

اب، چند روز سے مشہور ہوا کہ مولوی قاسم صاحب، نانوتوی فرماتے ہیں کہ:

خاتَمُ النَّبِيّن کے معنیٰ، آخِرُالاَنبِیا کے نہیں ہیں، بلکہ اَصلُ النَّبِیّن کے ہیں۔
پس، اگر سینکڑوں، ہزاروں انبیا، مانند آپ کے
اِس زمین میں بھی، قیامت تک پیدا ہوں
تو مخالف، آیت خاتَمُ النَّبِیّن کے نہیں ہے۔
کہ اصل، سب انبیا کے، آپ رہیں گے۔
بلکہ، اس میں، زیادہ فضیلت، آپ کی ہے۔
اور آخِرُ الاَنبیاء کے معنیٰ، خاتَمُ النَّبِیّن سے نکالنا
موجب تنقیصِ فیض، جناب سیدالمرسلین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ہے۔ فقط
جب، یہ عقیدہ، تحریراً و تقریراً، مشہور ہوا، بمقام دہلی، مولوی قاسم صاحب سے
اور مولوی محمد شاہ صاحب، پنجابی سے مناظرہ ہوا۔ لیکن، باوجود طولِ بحث کے
آخر کو، اَتباع، مولوی قاسم صاحب کے، فرمانے لگے کہ: مولوی قاسم صاحب، غالب رہے۔
اور اَتباع، مولوی محمد شاہ صاحب کے، فرمانے لگے کہ: مولوی محمد شاہ صاحب، غالب رہے۔
اِس سبب سے، ناواقفوں کو، اور بھی زیادہ خلجان، واقع ہوا۔
لِہٰذا، بندۂ گنہگار، عبدالغفار۔ نے ایک اِستفتا، دونوں صاحبوں کے اَقوال سے بنایا۔
اور مولوی قاسم صاحب کے اَقوال کو، قَالَ عَمرو سے تعبیر کیا
اور مولوی محمد شاہ صاحب کے اَقوال کو، قَالَ زید سے تعبیر کیا۔
اکابر علماے دہلی، رام پور اور لکھنؤ اور بمبئی وغیرہ بلاد نے اَقوالِ عَمرو کو
یعنی مولوی قاسم صاحب کے اَقوال کو، باطل اور قبیح فرمایا۔
اور اَقوالِ زید، یعنی مولوی محمد شاہ صاحب کے اَقوال کو، حق و صحیح ٹھہرایا۔
لِہٰذا، واسطے رَفعِ خلجانِ عوام کے، وہ فتویٰ، مشہور کر دیا گیا۔"

(ص ۱۔ "اِبطالِ اَغلاطِ قاسمیہ"۔ مؤلفہ مولانا عبدالغفار۔ مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء)

مولانا عبدالغفار کے اِستفتا کے جواب میں، عُلماے اہلِ سُنّت نے
تصدیقِ اَقوالِ مولانا محمد شاہ، پنجابی، وتردیدِ اَقوالِ مولانا محمد قاسم، نانوتوی میں
فتویٰ دیتے ہوئے اپنے اپنے تصدیقی دستخط، ثبت کیے۔
ابوالحسنات، مولانا محمد عبدالحئی، فرنگی محلی نے تحریر فرمایا:

''اقوالِ زید، صحیح ومعتبر ہیں۔ وَاللہُ اَعْلَم۔

حَرَّرَهُ الرَّاجِي عَفُوَرَبِّهِ الْقَوِيّ ابُو الحسنات، محمد عبدالحئی ۔تَجَاوَزَ اللہُ عَنْ ذَنْبِهِ الْخَفِيِّ وَالْجَلِيِّ ۔(مہر)۔(''اِبطالِ اَغلاطِ قاسمیہ''۔ مطبوعہ بمبئی۔۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء)

مولانا محمد عبدالحئی، فرنگی محلی کے علاوہ، بعض دیگر تصدیق کرنے والے علمائے اہلِ سُنّت کے چند اَسمائے گرامی، درج ذیل ہیں:

مولانا عبدالقادر، بدایونی ومفتی ارشاد حسین، مجدِدی، رام پوری ومولانا محب احمد، بدایونی ومولانا فصیح الدین، بدایونی ومولانا عبیداللہ، امام جامع مسجد بمبئی، وغیرھُم۔

خاتم الانبیاء والمرسلین، شفیع المذنبین صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی شفاعت سے متعلق ایک سوال اور مولانا عبدالحئی، فرنگی محلی کا جواب، درج ذیل ہے:

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین! اس مسئلے میں کہ:
ایک شخص، حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی اُمّت کی شفاعت کے لئے ماذون ہونے کا انکار کرتا ہے۔
اور آیت مَنْ ذَالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ کو، دلیل میں پیش کر کے مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ کو، آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے شفیع المذنبین ہونے کے متعلق، شک میں ڈالتا ہے۔
ایسے شخص کو، کیا کہنا چاہیے؟ اور دنیا، یا۔ عُقبیٰ میں، حضرت نبی کریم عَلَيْهِ التَّحِيَّةُ وَالتَّسليم کا، امت کی شفاعت کے لئے ماذون ہونا، قرآن اور حدیث سے ثابت ہے، یا۔ نہیں؟

جواب:۔ ایسا شخص، یامُعانِد اور ملحد ہے، یا زندیق۔ اور آیاتِ کثیرہ (مثل وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۔اور آیت: عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۔اور آیت وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی۔ وغیرہ) کا، اور احادیثِ مشہورہ کا، جو صحاحِ ستّہ وغیرہ میں ہیں، اور ان سے شفاعتِ محمدیہ کا ثبوتِ کامل ہوتا ہے، مُنکر ہے۔

اور حضور سرورِ انبیا عَلَيْهِ عَلَيْهِمُ التَّحِيَّةُ وَالسَّلام کے ماذونِ شفاعت ہونے میں کثرت سے صحیح روایتیں، وارد ہوئی ہیں۔

(ابنِ حجر مکی کی کتاب ''اَلزَّواجِر عَنْ اِقْتِرافِ الْکَبائِر'' سے متعدد روایتیں بسلسلۂ اِذنِ شفاعت، نقل کرنے کے بعد) ان روایتوں سے ثابت ہوا کہ:

اللہ نے آپ کو شفاعت کی اجازت دی اور مقامِ محمود کا وعدہ فرمایا ہے۔

اور، یہ ظاہر ہے کہ اللہ کا اِذن اور وعدہ، جھوٹا نہیں ہوتا۔

اور آیت مَنْ ذَالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ

یا۔ ایسی ہی اور دوسری آیتیں، ان حدیثوں کے موافق ہیں۔ کیوں کہ:

ان آیتوں سے اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ:

کوئی شخص، بغیر، اللہ کی اجازت کے، شفاعت نہ کر سکے گا۔

یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اِذن، اُسی روز دیا جائے گا، پہلے سے، نہ ہوگا۔''

(ص ۱۱۱ و ۱۱۲۔ مجموعۃ الفتاوی، جلد اول۔ علامہ عبدالحیٔ فقہ اکیڈمی۔ فرنگی محل، لکھنو۔ ۲۰۱۰ء)

مولانا محمد عبدالحیٔ، فرنگی محلی نے اپنے عہد و عصر میں ہندوستان کو، دار الاسلام قرار دیا ہے۔

چنانچہ، ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

جواب:۔ بلادِ ہند، جو، نصاریٰ کے قبضے میں ہیں، دارُ الاسلام ہیں۔

اور، دارُ الاسلام کے دارُ الحرب ہو جانے کے شروط، ان میں موجود، نہیں ہیں۔

کیوں کہ گو، ان میں کفار کا قانون، جاری ہے، مگر، اصول وارکانِ اسلام بھی جاری ہیں۔

اور حُکّام، بعض امور میں، علما کی رائے پر فیصلہ کرتے ہیں۔'' اِلیٰ آخِرِہٖ۔

(ص ۳۷۱۔ مجموعۃ الفتاوی، جلد اول۔ مطبوعہ علامہ عبدالحیٔ فرنگی محلی فقہ اکیڈمی، فرنگی محل، لکھنو۔ ۲۰۱۰ء)

اِسی طرح کے، ایک دوسرے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

جواب:۔ ہندوستان، دارُ الحرب نہیں، بلکہ، دارُ الاسلام ہے۔

چنانچہ، اِن عباراتِ فقہیہ سے واضح ہوتا ہے۔ ''خزانۃ المفتین'' میں ہے:

دارُ الاسلام لاتَصِیرُ دارَ الْحَربِ اِلَّا بِاِجْرَاءِ اَحْکامِ الشِّرکِ فِیْهَا

وَاَنْ یکونَ مُتَّصِلاً بِدَارِ الْحَرب لایکون بینهما وَبینَ دارِ الْحَربِ مِصرآخر لِلمسلمین

وَاَنْ لایبقیٰ فیها مسلمٌ اَوذِمِّیٌّ آمِناً بِالاَمَانِ الاوَّل۔

فَمَالَمْ یُوجد هٰذِهِ الشُّروط، لاتَصِیرُ دارَ الْحرب۔ اِلیٰ آخِرِہٖ۔

یعنی:۔ دارُ الاسلام، دارُ الحرب نہیں ہوتا ہے۔ مگر، اَحکامِ شرک کے جاری ہونے

اور دارُ الحرب کے اس قدر متصل ہونے سے کہ:

اس کے اور دارُ الحرب کے بیچ میں کوئی دوسرا شہر، مسلمانوں کا، باقی نہ رہے۔

اور مسلمان اور کسی امان یافتہ ذمّی کے باقی، نہ رہنے سے

پس، جب تک کہ، یہ شرائط نہ پائی جائیں، وہ، دارالحرب، نہ ہوگا۔" الیٰ آخرِہٖ۔

............اور عتابی نے "شرح زیادات" میں لکھا ہے:

دارُالاسلام اِنَّمَا تَصیرُ دارَالُحرب بثلاثِ شَرائِط:

اَحدُھا: ۔اِجْرَاءُ اَحکامِ الکفَّارِ عَلیٰ سبیلِ الْاِشتھار۔

وَالثَّانی: ۔اَنْ تکون مناخمةً بِدارِالحرب ۔

اَی مُتَّصِلةً لایتخلَّل بینھما بلدةٌ مِنْ بلادِ الْمُسلمین۔

وَالثَّالث: ۔ اَنْ لایبقٰی فیھا مسلمٌ اَوذِمِّیٌّ آمِناً بِالْاَمانِ الاوَّل۔

فشرط ھذہِ الشرائط لِیَکون عَلماًعلیٰ تمامِ الْقَھرِوَ الاستیلاءِ۔

اِذ،دارُ الاسلام یحتاط لِاِثْباتِہٖ لَھَا۔

وَعِندھُمَا: تَصیرُدارُالاسلام دارَالحرب بِاِجْرَاءِ اَحکام الْکُفرِ، فیھا۔

یعنی، دارالاسلام، تین شرطوں سے، دارُالحرب ہو جاتا ہے:

اول: ۔اِجرائے اَحکامِ کفار، باشتہار۔

دوم: ۔اِتّصالِ دارُالحرب۔ اِس طرح پر کہ، بیچ میں مسلمانوں کا کوئی شہر، نہ واقع ہو۔

سوم: ۔کسی مسلمان، یا۔امان یافتہ ذمّی کا، امانِ اول، باقی نہ رہنا۔

پس، اِن شرائط کی شرط لگائی گئی، تا کہ پورے ظلم اور استیلا کی علامتیں، پائی جائیں۔

کیوں کہ دارُالاسلام کے لئے دارُالحرب کا حُکم، ثابت کرنے میں، احتیاط برتی جاتی ہے۔

اور صاحبین کے نزدیک، دارُالاسلام، اجرائے اَحکام کفر سے، دارُالحرب ہو جاتا ہے۔

اور طحطاوی، حاشیۂ دُرِّمختار میں ہے:

قَولُہٗ بِاِجْرَاءِ اَحکامِ الشِّرکِ، اَیْ عَلیٰ الاشتھار۔

وَاَنْ لایحکم فیھا بحکمِ اھْلِ الاسلام۔ھِندیة۔

وَظاھِرُہٗ، اَنَّہٗ لَوْاُجْرِیَتْ اَحکامُ الْمُسْلِمِین وَاَحکامُ اَھلِ الشِّرک

لاتکونُ دارَحرب ۔

یعنی: قول مصنّف کا، بِاِجْرَاءِ اَحکامِ الشِّرک

یعنی، باشتہار، اَحکامِ شِرک کے اِجرا اور اہلِ اسلام کے کسی حکم کے، نہ جاری ہونے سے

(دارُالاسلام، دارُالحرب ہوجاتا ہے)

اور اس سے ظاہراً، سمجھا جاتا ہے کہ:

اگر، اَحکامِ مسلمین اور اَحکامِ اہلِ شرک، دونوں، جاری ہوں، تو، وہ، دارُالحرب، نہ ہوگا۔

ان عبارات اور ان کے امثال سے، واضح ہے کہ:

دارُالاسلام کے دارُالحرب ہونے میں، یہ شرط ہے کہ:

اَحکامِ کفر، علانیہ، جاری ہوں اور احکامِ اہلِ اسلام، بِالکلّیہ، موقوف کردیے جائیں۔

اور شعائرِ اسلام اور ضروریاتِ دین میں کفّار، مداخلت کرنے لگیں۔ اور یہ شرط اتفاقی ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہ نے اس کے سوا بھی، دو شرطیں، زائد کی ہیں۔

ایک، یہ کہ اس بلدہ اور دارُالحرب میں کوئی بلدہ، مملکتِ اہلِ اسلام کا، باقی نہ رہے۔

دوسرے یہ، کہ امانِ اوّل اُٹھ جائے اور بَامانِ کفار، اِقامت کی نوبت آئی ہو۔

اور ظاہر ہے کہ بلادِ ہندوستان میں، یہ مفقود ہے۔

اس لئے کہ شعائرِ اسلام میں، ہنوز حُکّام کی طرف سے مداخلت اور ممانعت، نہیں ہے۔

اگرچہ اکثر قضاۃ، کفار ہیں اور خلافِ اسلام، اَحکام جاری کرتے ہیں۔

مگر، بہت سے اُمور میں فتاویٰ اہلِ اسلام، اور شرع کے موافق بھی، فیصلہ کرتے ہیں۔

پس، ہندوستان، امام ابوحنیفہ اور صاحبین رَحِمَہُمُ اللّٰہ کسی کے نزدیک، دارُالحرب نہیں ہے۔ وَاللّٰہُ اَعلم۔ حَرَّرَہُ الرَّاجِی عَفوَرَبِّہِ القَوِیّ۔ ابوالحَسنات محمدعبدالحئی۔

(ص ۲۰۹ تا ۲۱۱۔ مجموعۃ الفتاویٰ، جلد اول، مطبوعہ فرنگی محل، لکھنؤ)

سہولت ومصلحت کے تحت کسی وقت ویوم کی تعیین کر کے:

اس میں مجلسِ وعظ، برائے بیانِ مسائلِ دینیہ، یا۔ اسی طرح، کوئی کارِ خیر، انجام دیا جائے۔

اور حاضرین کے درمیان، بلا نیتِ رسم ورواج، شیرینی تقسیم کرنا

یا۔ انھیں کھانا کھلانا، وغیرہ جائز ہے، یا۔ نہیں؟

اس طرح کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ابوالحسنات، مولانا محمد عبدالحیٔ، فرنگی محلی تحریر فرماتے ہیں۔

جواب: یہ سب، جائز ہیں۔ اور اس کی اصل، یہ حدیث ہے:

جو صحیح بخاری کی کتابُ الاِعتِصام میں، ابوسعید خدری سے مَروی ہے:

قَالَ :جاءَ تْ امرأَةٌالِيٰ رسولِ اللّٰه صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّم

فقالَتْ :يارسولَ اللّٰهِ ذَهَبَ الرِّجالُ بِحَدِيثِكَ فَاجْعَلْ لَنا مِنْ نَفْسِكَ يَوْماً نَأتِيكَ فِيهِ تُعَلِّمُنَا مِمَّاعلَّمَكَ اللّٰهُ۔

فقالَ :اجتمعن في يوم كذاو كذا۔وفي مكان كذاو كذا۔

فَاجْتَمَعْنَ فَاَتَاهُنَّ رسولُ اللّٰهِ صَلَّي اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فَعَلَّمَهُنَّ مِمَّاعَلَّمَهُ اللّٰهُ۔

یعنی :حضور سرورِ عالم ،صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے پاس ایک عورت آئی

اور اس نے کہا :یَا رَسولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم!

مرد ،آپ سے حدیث ،حاصل کر لیتے ہیں۔پس ،آپ ،ہمارے لئے ایک دن ،مقرر فرما دیں۔

جس میں مخصوص ہم کو ،اس کی تعلیم دیں جو ،اللہ نے آپ کو بتایا ہے۔

پس ،حضور سرورِ انبیاء عَلَيْهِ التَّحِيَّةُ وَالثَّناء نے فرمایا کہ:

جمع ہو ،اس دن اور اس دن ۔اس جگہ اور اس جگہ۔

پس ،عورتیں ،جمع ہوئیں اور آپ نے تشریف لا کر ،اُن کو ،وہ ،سکھایا جو ،اللہ نے آپ کو سکھایا تھا۔"

اور صحیح بخاری کی کتاب الدعوات میں ،عکرمہ سے مروی ہے:

عَنْ اَبِی وَائِل ۔قالَ :كانَ عبدُاللّٰه بن مسعود

يُذَكِّرُالنَّاسَ فِي كُلِّ خَمِيسٍ۔

فقالَ لَهُ رجلٌ ،ياعبدَ الرَّحمٰن !اِنَّكَ ذَكَّرْتَنَا كُلَّ يومٍ ۔

قالَ :اَمَااِنَّهُ يَمْنَعُنِي مِنْ ذَالِكَ اَنِّيْ اَكْرَهُ اَنْ اَمَلَّكُم

وَاِنِّي اَتَخَوَّلُكُم بِالْمَوْعِظة كماكانَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم

يَتَخوَّلنا بِهَا مَخَافَةَالسَّامةِعلَينا۔

یعنی :ابو وائل سے روایت ہے کہ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ ،ہر روزِ پنجشنبہ کو ،وعظ کہتے تھے۔

پس ،اُن سے ایک شخص نے کہا کہ :تم ،ہم سے ہر روز ،وعظ کہا کرو۔

انھوں نے کہا کہ :مجھ کو ،اس سے ،یہ بات روکتی ہے کہ

میں ،تم کو ملال میں ڈالوں۔(یعنی ،میں ،ہر روز اس لئے وعظ نہیں کہتا کہ ،کہیں سننے والوں کے لئے دشوار ،نہ ہو جائے)

اور میں، ناغہ کرکے، وعظ اِس لئے کہتا ہوں کہ:
حضور سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، ہمارے سامنے
اِسی طرح، ناغہ کرکے، وعظ کہتے تھے۔ ہمارے تنگ دل ہونے کے خوف سے۔"
ان اخبار سے انعقادِ مجلسِ وعظ کے لئے تعیینِ مکان و زمان، ثابت ہے۔
اور حُضّارِ مجلس، جب، وہ، ایک مکان میں جمع ہو جائیں
رمضان میں مجلسِ ختم میں، یا۔ غیرِ رمضان میں مجلسِ وعظ میں، بلا لحاظِ رسم و رواج
و اِلتزامِ ضروری و اہتمامِ غیر شرعی، کوئی چیز کھلانا پلانا، یا۔ تقسیم کردینا بھی، درست ہے۔
اصل اس کی، یہ حدیث ہے، جو، صحیح بخاری میں، کتابُ الْجِہاد میں
بابُ الطَّعام عِندَالقُدُوم میں، مَروی ہے:
اِنَّ رسولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لَمَّا قَدِمَ الْمَدِینۃَ نَحَرَ جزوراً وَبَقرۃً۔
یعنی: جب، حضور سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، مدینہ میں تشریف لائے
تو، اونٹ اور گائے کی قربانی کی۔
اور کتابُ الْاَطْعِمَۃ میں، قصہ عتبان بن مالک میں، مَروی ہے:
قال عتبان: فَغَدا عَلَیَّ رسولُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم وابوبکر.
حِینَ ارْتفعَ النَّہارُ۔ فَلَمْ یَجلِسْ حتّٰی دَخلَ البیتَ۔
فقالَ: اَینَ تُحِبُّ اَنْ اُصَلِّی مِنْ بَیتِکَ۔ فَاَشَرْتُ اِلیٰ ناحیۃٍ۔
فقامَ فکبَّر فصففنا وَصَلّٰی رَکعَتَین۔ ثُمَّ سَلَّمَ۔
فجَلَسْنَا عَلیٰ خزیرۃٍ صَنَعْنَا ھَالَہٗ۔
یعنی: عتبان نے کہا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم
اور حضرت ابوبکر، میرے یہاں آئے۔ جب کہ آفتاب، بلند ہو چکا تھا۔
پس، نہ بیٹھے، یہاں تک کہ گھر میں تشریف لے گئے۔
اور پوچھا کہ: تم، کہاں پسند کرتے ہو کہ میں، تمہارے گھر میں نماز پڑھوں؟
میں نے، ایک گوشہ کی طرف، اشارہ کیا۔
آپ نے، وہاں کھڑے ہو کر، تکبیر کہی۔
پس، ہم نے صف باندھی اور دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر، آپ نے سلام پھیرا۔

اور ہم نے آپ کو ایک کھانے کے لئے جو خاص آپ کے لئے تیار ہوا تھا، روک لیا۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔" (ص۲۱۴و۲۱۵۔مجموعۃ الفتاوٰی، جلد اول۔مطبوعہ فرنگی محل لکھنو)

دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کے سُنّت ہونے اور اسی پر صحابہ وتابعین کے عمل

اور فُقہائے اسلام کے حکمِ شرعی کی تصریح کرتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں

ابوالحسنات، مولانا محمد عبدالحیٔ، فرنگی محلی تحریر فرماتے ہیں:

سوال:۔مصافحہ، جو، ملاقات کے وقت، مَسنون ہے، زید کہتا ہے کہ:

ایک ہاتھ سے مسنون ہے۔اور جامع ترمذی والی اس حدیث کو سند میں لاتا ہے:

فَیَأْخُذُہٗ بِیَدِہٖ وَیُصَافِحُہٗ۔فقالَ: نَعَمْ۔

یعنی: پس! کیا، اس کا ہاتھ لیتے اور اس سے مصافحہ کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔"

پس، کیا، اس کا قول صحیح ہے؟ اور مصافحہ، دونوں ہاتھ سے کرنا، حدیث سے ثابت ہے، یا نہیں؟

جواب: جمہور فُقہا کے نزدیک، دونوں ہاتھوں سے کرنا چاہیے۔

"مَجَالِسُ الْاَبْرَار" میں ہے: وَالسُّنَّۃُ اَنْ تَکُوْنَ بِکِلْتَا یَدَیْہِ۔

یعنی: اور سُنّت، یہ ہے کہ مصافحہ، دونوں ہاتھوں سے ہو۔"

ایسا ہی، دُرِّ مختار اور جامع الرُّموز، وغیرہ میں ہے۔

اور معجمِ طبرانی میں، بروایتِ ابوامامہ، جو، یہ حدیث، مذکور ہے:

قَالَ :قَالَ رسولُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم۔

اِذَا تَصَافَحَہُ الْمُسْلِمَانِ لَمْ تَفَرَّق اَکُفُّھُمَا حتّٰی یُغْفَرلَھُمَا۔

یعنی: حضور سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ:

جب، دو مسلمان، مصافحہ کرتے ہیں، تو، اُن کے ہاتھ، جدا نہیں ہوتے۔

مگر، اُس وقت کہ، ان کے گناہ، بخش دیے جاتے ہیں۔"

اس بات پر، دلالت کرتی ہے کہ، مصافحہ، دونوں ہاتھوں سے کرنا چاہیے۔کیوں کہ:

اگر، ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا، سُنّت ہوتا تو اَکُفُّھُمَا کی جگہ پر، جو کَفّ کی جمع

کَفَّاھُمَا، تثنیہ کالفظ لایا جاتا۔

صحیح بخاری میں ہے: وَصَافَحَہٗ حمادُبن زید بن الْمُبارک بِیَدَیْہِ۔

یعنی، حماد بن زید بن مبارک نے، اپنے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تابعین کے زمانے میں بھی، دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا، جاری تھا۔
اور صحیح بخاری میں، جو، یہ حدیث، حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمَا سے مَروی ہے:
عَلَّمَنِی رَسولُ اللّٰہِ وَکَفِّی بینَ کَفَّیۡہِ التَّشَھُّدَ
کَمَاعَلَّمَنِی السُّورَۃَ مِنَ الۡقرآن۔ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّیِّبات۔
یعنی: مجھے، رسول اللہ عَلَیۡہِ التَّحِیَّۃُ وَالثَّنَاء نے تَشَھُّد سکھایا
حال آں کہ میرا ہاتھ، آپ کے دونوں ہاتھوں کے بیچ تھا۔ جیسا کہ سکھائی مجھے سورہ قرآن۔
اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّیِّباتُ۔"
اس بات پر، دلالت کرتی ہے کہ:
وہ مصافحہ، جو، ملاقات کے وقت کیا جاتا ہے، مُراد، نہیں ہے۔
بلکہ، یہ ہاتھ میں ہاتھ لینا، ویسا ہے
جیسا کہ بزرگ، چھوٹوں کو کوئی چیز، تعلیم کرنے کے وقت، ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔
اور اگر، مان بھی لیا جائے کہ اس سے وہی مصافحۂ مسنون، مراد ہے
تو بھی، اس حدیث سے، یہ بات، صاف طور پر ظاہر ہے کہ:
حضور سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم نے، دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔
اور حضرت ابن مسعود کے ایک ہاتھ کا ذِکر، اِس بات کا قطعی ثبوت نہیں ہے کہ:
دوسرا ہاتھ، شامل نہیں تھا۔ کیوں کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ:
کَفّ بمعنی جنس، مستعمل ہوا ہے۔ اور کَفّ سے، دونوں ہاتھ، مراد لیے گئے ہیں۔
استعمالِ عرب اور آیاتِ قرآن واحادیث میں، یہ بات، بکثرت پائی گئی ہے کہ:
یَــدُ کا استعمال، جنسِ یَــدُ پر آتا ہے۔ جو، ایک ہاتھ اور دونوں ہاتھوں کو، شامل ہے۔
اور اکثر مقامات پر، دو، یَد کی جگہ، ایک یَد کا استعمال ہوا ہے۔" اِلیٰ آخِرِہٖ۔

(ص ۲۰۳۔و۲۰۴۔ مجموعۃ الفتاویٰ، جلد اول)

سوال: حضور سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کا نام
اذان، یا۔ غیرِ اذان میں سُن کر، انگوٹھے چومنا، کیسا ہے؟

جواب: بعض فقہا کے نزدیک، مستحب ہے۔ جامعُ الرُّمُوز میں ہے:
اِعۡلَمۡ اَنَّہٗ یَسۡتَحِبُّ اَنۡ یُقال عِندَسماعِ الۡاَوَّلِ مِنَ الشَّھادۃِ :

صَلَّى اللّٰهُ عليكَ يارَسولَ اللّٰهِ ۔

وَعِندسماعِ الثَّانيةِ :قُرَّةُ عَيْنِي بِكَ يارَسُولَ اللّٰه ۔

ثُمَّ يُقال :اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِي بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ۔

وَبَعدَهٗ يُوضَع ظُفرُ الْيَدَيْنِ عَلىٰ الْعَيْنَيْنِ۔

فَاِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ قَائِدًا لَّهٗ اِلَى الْجَنَّةِ۔ كَذَا فِي كَنزِ الْعِبَاد۔

یعنی: جاننا چاہیے کہ اذان میں پہلی شہادت سن کر: صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يارَسولَ اللّٰه

اور دوسری شہادت سن کر، قُرَّةُ عَيْنِي بِكَ يارَسُولَ اللّٰه۔

اور پھر، اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِي بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ، کہنا، مستحب ہے۔

اس کے بعد، دونوں ہاتھوں کے، دونوں ناخنوں کو آنکھوں پر، رکھے۔

پس، آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم، اُس شخص کو جنت میں لے جائیں گے۔

ایسا ہی "کنزُ الْعِبَاد" میں ہے۔"

(ص ۳۰۲۔ مجموعۃ الفتاویٰ، جلدِ اول۔ علامہ عبدالحیٔ فرنگی محلی فقہ اکیڈمی، فرنگی محل، لکھنؤ ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء)

سوال: کھانا، یا کپڑا، یا۔ اور کوئی چیز، خدا کی راہ میں کسی کو دی

یا۔ نفل نماز پڑھی اور نفل حج ادا کر کے کسی کو، اس کا ثواب بخشا، تو، وہ، پہنچتا ہے، یا۔ نہیں؟

جواب: عبادت، مالی ہو، یا بدنی، خواہ، دونوں سے مرکّب ہو۔

اگر، اس کا ثواب کسی کو بخشا جائے، تو، پہنچتا ہے۔

سوال: حضرت شاہ بوعلی قلندر کے فاتحہ کے لئے سِوَیّوں کا کھانا، مقرر کرنا

یا۔ اِسی طرح، کسی اور کے فاتحہ کے لئے کسی دوسری خاص چیز کو مقرر کرنا، جائز ہے، یا۔ نہیں؟

پس، ثواب پہنچنے میں کسی معیّن کھانے کی تخصیص ہے کہ بغیر، اس کے ثواب، نہ پہنچے؟

یا۔ کچھ تخصیص، نہیں؟

جواب: ایصالِ ثواب میں، طعامِ معیّن کی تخصیص نہیں ہے۔ بلکہ جو، لِلّٰہ دیا جائے

اس کا ثواب پہنچتا ہے اور جس کو، اس کا ثواب بخشے، پہنچتا ہے۔" (ص ۱۵۸ و ۱۵۹۔ مجموعۃ الفتاویٰ، جلد اول)

مولانا عبدالحیٔ، فرنگی محلی کے عقد کا ذکر کرتے ہوئے مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ:

"مولانا کا عَقد، حسبِ بیانِ مولوی فصیح اللہ، ۱۲۸۳ھ میں، مولوی مَہدی بن مفتی یوسف

فرنگی محلی کی بڑی صاحبزادی سے ہوا۔ جن سے کوئی اولاد، نہیں ہوئی۔

آپ کی والدہ ماجدہ نے تمنائے اولاد میں، آپ کو "بانسہ شریف" حاضر ہونے کی تاکید کی۔
آپ، حضرت سیّدُ السادات (سید عبدالرزّاق، قادری، بانسوی) کے مزارِ پاک پر
حاضر ہوئے اور چلّہ باندھ کر، وطن، واپس آئے۔
خدا نے متعدد اولادیں دیں۔ مگر، زندہ، صرف ایک صاحبزادی، رہیں۔"
(ص ۱۳۵۔ تذکرۂ علمائے فرنگی محل۔ مؤلّفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی۔ مطبوعہ اشاعت العلوم۔
فرنگی محل لکھنؤ۔ ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء)
مولانا عبدالحیّ، فرنگی محلی کا وصال ۲۸ ربیع الاول ۱۳۰۴ھ کو ہوا۔
خاندانی قبرستان (لکھنؤ) میں آپ کی تدفین ہوئی۔
آپ کی قبر پر، سفید سنگِ مرمر لگا ہوا ہے، جس پر آپ کے شاگرد، مولانا عبدالعلی، آسی، مدراسی
(وصال ۱۳۲۷ھ) کے لکھے ہوئے مرثیہ (عربی) کے چند اشعار، کندہ ہیں۔ آخری مصرع، یہ ہے:
مَاتَ "عبدُ الحَیِ" وَالقَیُّومُ حَیٌّ لایَمُوت (۱۳۰۴ء)
مولانا فقیر محمد، جہلمی (متوفی ذوالحجہ ۱۳۳۴ھ/اکتوبر ۱۹۱۶ء) آپ کے والدِ ماجد، مولانا
عبدالحلیم، فرنگی محلی (متوفی شعبان ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء) کے تعارف وتذکرہ کے آخر میں لکھتے ہیں:
"آپ کے خلفُ الصّدق، فقیہ، محدّث، عالمِ بے عدیل، فاضلِ بے تمثیل، جامعِ معقول
ومنقول، حاویِ فروع واصول، قُدوۃُ المُحَقِّقِین، زُبدۃُ المُدَقِّقِین، مصنّفِ کتبِ کثیرہ
ابوالحسنات مولانا مولوی محمد عبدالحیّ، لکھنوی، زندہ موجود ہیں۔
جو، بدءِ تحصیلِ علوم سے تصنیفِ کتب اور نشرِ علوم میں، یہاں تک مصروف ہیں کہ:
باوجودے کہ آپ کی عمر، ابھی، پورے چالیس (۴۰) برس کی نہیں ہوئی ہے
مگر، چشم بددور، آپ، ستر (۷۰) کتب ورسائل سے زیادہ، تصنیف کر چکے ہیں۔
جن میں سے اکثر، معرضِ وجود میں آکر، شہرت پا چکی ہیں۔
اور ان کے سوا، بڑی بڑی علمی اور فضلیت کی کتابوں پر آپ کے حواشی اور تعلیقات، موجود
ہیں۔ الخ۔" (ص ۵۰۲۔ حدائق الحنفیہ۔ مؤلّفہ فقیر محمد، جہلمی۔ ادبی دنیا۔ مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی)
مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری لکھتے ہیں:
"ابوالحسنات، کنیّت، بمقام باندہ، ذوالقعدہ ۱۲۶۴ھ میں ولادت ہوئی۔
گیارہ (۱۱) برس کی عمر میں حافظِ قرآن پاک اور سترہ (۱۷) برس کی عمر میں علومِ متعارفہ کی

تکمیل کی۔ والدِ بزرگوار، مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی قُدِّسَ سِرُّہٗ سے تحصیلِ علم کرکے، فارغ ہوئے۔
دربارِ حرمین معظمین کی حاضری وزیارت سے شادکام ہوئے۔
پہلی مرتبہ ۱۲۷۹ھ میں اور دوسری مرتبہ ۱۲۹۶ھ میں۔
آپ کو، شیخ الاسلام، سید احمد دحلان مکّی قُدِّسَ سِرُّہٗ سے سندِ حدیث، حاصل تھی۔
ایک عالَم، آپ کے فیضانِ علم سے مُستفید ہوا۔ درجنوں علوم وفنون کی کتابیں، تصنیف کیں۔
نواب صدیق حسن، بھوپالی کی غیر مقلدیت کی تردید میں رسالے لکھے۔
اَڑتیس (۳۸) برس کی عمر میں کارہائے نمایاں، انجام دیے۔
حضرت مولانا شاہ محمد حسین، الہ آبادی، حضرت مولانا سید عین القضاۃ لکھنوی وغیرہ
جیسے، بڑے بڑے نامور علما، آپ کے شاگردوں میں تھے۔[۱]

(ص ۱۴۴۔ ''تذکرہ علمائے اہلِ سنّت''۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی۔ مطبوعہ کان پور ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء)

مولانا عبدالرزّاق، فرنگی محلی

مولانا عبدالرزّاق (ولادت ۲۳/ذوالحجہ ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۱ء۔وصال ۲۵/صفر ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء) بن مولانا جمال الدین بن مولانا علاء الدین بن مولانا انوارُ الحق

بن مُلّا ، احمد عبدالحق بن مُلّا ، محمد سعید سہالوی بن مُلّا ، قطب الدین شہید سہالوی۔

مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) آپ کے تعارف و تذکرہ میں لکھتے ہیں:

''اسمِ گرامی، حضرت مولانا نورُ الحق بن مولانا انوارُ الحق، فرنگی محلی نے ''محمد'' رکھا۔

مولانا نور کریم، دریابادی، مُریدِ حضرت مولانا انوارُ الحق، فرنگی محلی نے حضرت سیّدُ السادات

(سید عبدالرزّاق، قادری، بانسوی) قُدِّسَ سِرُّہٗ کو، خواب میں دیکھا کہ ارشاد فرماتے ہیں:

''میاں جمال کے لڑکا ہوا ہے۔ تم، جا کر وہاں کہو کہ: اس کا نام، میرے نام پر، رکھیں۔''

اُس وقت سے اسمِ گرامی ''عبدالرزّاق'' قرار پایا۔

ابتدائی کتب، مولانا محمد حامد بن مولانا محمد احمد اور مولانا نور کریم، دریابادی سے پڑھیں۔

پھر، متوسطات تک، کتبِ درسیہ اپنے پھوپھا، مفتی محمد اصغر بن مفتی ابوالرحم سے پڑھیں۔

فاتحۂ الفراغ، پھوپھازاد بھائی، مفتی محمد یوسف بن مفتی محمد اصغر سے کیا۔

آپ اور مولانا عبدالحیٔ صاحب کے والدِ ماجد (مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی) ہم درس تھے۔

بعدِ تکمیل آپ کو اپنے والد ماجد، مولانا جمال الدین کے پاس، مدراس جانا پڑا۔

اور وہاں (ارکاٹ، مدراس) عرصہ، چار سال تک قیام کیا۔

اور اپنے والد (مولانا جمال الدین، فرنگی محلی) اور شاہ محمد نتھر، مدراسی رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ

سے سَلاسلِ چشتیہ اور سلاسلِ بحرالعلوم کی اجازت، حاصل ہوئی۔

یہ اجازت آپ کے بلا طلب کے، شاہ محمد نتھر، مدراسی نے حضرت بحرالعلوم کے

رُؤیا میں حکم کی وجہ سے، عطا کی۔

وطن (لکھنؤ) واپسی پر، آپ نے اپنے ماموں، حضرت مولانا عبدالوالی بن مولانا ابوالکرم

نواسہ و خلیفۂ حضرت مولانا انوارُ الحق کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ اور اجازت

و خلافت، مُرشد سے مرحمت ہوئی۔ اور کتبِ تصوف و سلوک، پیر و مُرشد ہی سے پڑھیں۔

علمِ حدیث، مرزا حَسن علی، محدّث اور مولانا حُسین احمد، ملیح آبادی
شاگردانِ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز، محدّث دہلوی و شاگردِ مفتی ظہورُ اللہ
اور شیخ مُلّا مُحسن بن بدر، مدنی سے حاصل کیا۔
بعدِ تکمیل، سلسلۂ تدریس و تالیف میں مصروف ہوئے۔
بعدِ بیعت، زیادہ تر علومِ شرعیہ کا درس فرماتے اور خاص کر، فقہ و حدیث کی طرف، توجہِ عالی تھی۔
حفظ، بہت زیادہ تھا۔ آپ کے تصانیف، اکثر و بیشتر، بغیر مُراجعتِ کتاب
صرف یادو، حفظ پر ہوتے۔
اور سِوائے شاذ و نادر سَہو کے، کہیں پر سَہو نہ ہوتا۔
حضرت مولانا عبدالحیٔ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے مقدمہ عُمْدَةُ الرِّعَايَة میں
مولانا کا حال، تحریر فرمایا ہے:
مولانا رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کے بچپنے سے، تقویٰ و طہارت و زُہد و عبادت کے
اِس قدر واقعات، خود میں نے ثِقات کی زبانی سنے ہیں کہ ان کا قدرِ مشترک، متواتر ہے۔
ان میں سے وہ لوگ بھی تھے، جو، حضرت مولانا کے سلسلۂ اِرادت میں، نہ تھے۔
بلکہ، بعض تو، ایسے تھے، جو، مولانا سے، رنجش رکھتے تھے۔
میرے بڑے بھائی، جو، مولانا سے بیعت رکھتے تھے
بہت کثرت سے، حضرت کا ذکر فرماتے تھے۔
میرے والدین میں سے کوئی بھی، حضرت کے سلسلۂ اِرادت میں داخل، نہ تھے۔
اور میری دادی، جو، اپنے جدِّ اَمجد کی مُریدتھیں اور حضرت مولانا سے عمر میں بڑی تھیں
یہ، سب کے سب، حضرت مولانا کے مَدّاح اور ان کے زُہد و تقویٰ کے بے حد معترف تھے۔
میں، یہاں پر، وہ چند واقعات، مولانا کے حالات سے متعلق لکھتا ہوں
جو، خود میں نے معتبر لوگوں سے سنا ہے۔ اور جن کی صحت کا مجھ کو یقین ہے۔
اور غالبًا، ان میں سے اکثر، ملفوظات میں ہوں گے۔
میری دادی صاحبہ، بیان کرتی تھیں کہ:
بھیّا عبدالرزّاق، بچپنے سے اتنے بزرگ تھے کہ:
ہم لوگوں کو جمع کرتے اور کہتے کہ:

ہم، وعظ کہیں گے۔ تم سب، سنو۔"
اور کوئی چیز، میز کی طرح، لا کر، اُس پر کپڑا بچھاتے اور فرماتے کہ:
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ، نماز پڑھو۔" وغیرہ وغیرہ۔
کبھی، میں نے ان کو، ایسے کھیلوں کے سِوا، کسی دوسرے کھیل میں مصروف، نہ دیکھا۔
فرماتی تھیں کہ: اکثر اوقات، جمال چچا (مولانا جمال الدین، فرنگی محلی) کے یہاں
(ریاستِ ارکاٹ۔ جنوبی ہند) سے خرچ، نہ آتا اور کھانے پینے کی سخت تکلیف ہوتی۔
مگر، بھائی عبدالرَّزّاق، باوجود صغرسِنی کے، کبھی، خرچ کے لئے ضد، نہ کرتے۔
اور باوجود فاقہ، ہم لوگوں سے چھپاتے۔
میری والدہ، جو، فتح پور کی تھیں اور حضرت حافظ شاہ محمد اسلم، خیر آبادی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ
سے بیعت رکھتی تھیں، حضرت مولانا سے، اِس قدر، اِعتقاد رکھتی تھیں کہ:
جب کبھی، مشکلات میں مبتلا ہوتیں، حضرت سے حلِّ مشکل کی اِلتجا کرتیں۔
اور مشکل، حل ہو جاتی۔" (ص ۹۳ و ۹۴۔ "تذکرہ علمائے فرنگی محل"۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی)
"میرے والد، اکثر، مولانا کے واقعات، جن میں کرامات، نہیں ہوتے تھے
بیان فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ:
میں، مُمانی صاحبہ (حضرت کی زوجہ) کے پاس، بیٹھا ہوا تھا کہ:
اِس اَثنا میں حضرت، کوٹھے سے نیچے تشریف لائے۔
مُمانی صاحبہ نے مجھ سے فرمایا کہ: اپنے ماموں سے کہو کہ:
"خرچ، بالکل نہیں ہے۔ بنیے کا پانچ روپیہ، قرض ہو گیا ہے۔
اب آئندہ شاید وہ، جنس، نہ دیوے۔ اور میرے پاس، دو ٹکہ بھی نہیں ہے۔
دس روپے ہوں تو، قرض ادا ہو اور جنس آ ئے۔ اور میرے کپڑے بن جائیں۔"
حضرت مولانا سے جب میں نے عرض کیا، تو، ارشاد فرمایا کہ:
"میرے پاس، کہاں ہے؟ خدا سے کہو۔"
مُمانی صاحبہ نے فرمایا کہ:
"میں، کیوں کہوں؟ خدا نے تو، مجھ کو، تمہارے حوالے کیا ہے۔ تم، کہو۔"
حضرت مولانا، سُن کر، ساکت ہو گئے۔

باہر، تشریف لے گئے۔
مَیں، نماز کی غرض سے پیچھے پیچھے، ہولیا۔
کمرۂ حضرت مولانا انوارُالحق تک گیا تھا کہ:
ناگاہ، ایک صاحب، سامنے آئے
اور حضرت مولانا سے سلام کر کے مصافحہ کیا اور کچھ، روپیہ نذر کیا۔
اور بغیر کوئی بات کیے ہوئے اُلٹے پیر، واپس ہوئے۔
حضرت مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ:
''یہ روپیہ لو، اور اپنی ممانی کو، دے دو۔
اور کہو کہ: دیکھو! میرے خدا نے بھیج دیے۔''
میں نے گنے، تو، پورے دس روپے تھے۔
دینے والے صاحب کو، میں، بالکل، نہیں پہچانتا تھا۔
اور مجھ کو یقین تھا کہ، مولانا سے بھی، ان سے سابق کا تعارف، نہ تھا۔''
(ص ۹۴ و ۹۵۔ تذکرۂ عُلمائے فرنگی محل۔ مؤلّفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی)

''مولوی احمدُ اللہ صاحب بن مولانا نعمت اللہ صاحب سے
ایک مرتبہ، جب کہ، میری عمر، بیس (۲۰) سال کی تھی۔ میں نے دریافت کیا کہ:
آپ نے مولانا عبدالرَّزّاق رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کو دیکھا ہے۔
وہ، ولی اللہ تھے، یا نہیں؟
مولوی احمدُ اللہ صاحب، کچھ نوش فرما رہے تھے۔
میرے اِستفسار پر گردن نیچے کر لی اور تھوڑی دیر، ساکت رہے۔
اس کے بعد، سر اُٹھا کر مجھ سے فرمایا کہ:
''میں، غوث اور قطب تو، جانتا نہیں۔ البتہ، اتنی بات جانتا ہوں کہ:
''اُس شخص (مولانا کی طرف، اشارہ کر کے) نے، باوجود اِبتلا اور آزمائش کے
بچپن سے لے کر، مَرتے دم تک، کبھی، کسی حرام اَمر کا، اِرتکاب نہیں کیا۔''
(۹۶۔ تذکرۂ عُلمائے فرنگی محل۔ مؤلّفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی)

''مولانا (عبدالرَّزّاق، فرنگی محلی) کے ملفوظات، بزبانِ فارسی، مولوی اِنعامُ اللہ

بن مولوی ولی اللہ صاحب نے تحریر کیے ہیں۔ جس کا نام "سَفِینَۃُ النَّجَاۃ" ہے۔
اور محبِّ مکرّم، مولانا الطاف الرحمٰن صاحب، قدوائی نے حضرت استاذ (مولانا عبدالباری فرنگی محلی) رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کی ہدایت کے مطابق، اردو میں، ملفوظ لکھا ہے۔
جس کا نام "اَنْوارِرَزّاقِیہ" ہے۔ جو، طبع ہو چکا ہے۔"
(ص ۹۶۔ تذکرہ علمائے فرنگی محل۔ مؤلّفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی)
مولانا (عبدالرّزّاق) کو مختلف سلاسل میں اجازت، مختلف بزرگانِ سلسلہ سے تھی۔
جن کا مفصّل ذِکر، حضرت کی مصنّفہ کتاب "عُمْدَۃُ الْوَسَائِل"
اور "اَحْسَنُ الْخَصَائِل" میں ہے۔
"حضرت کی وفات شریف بھی، عجیب طرح، واقع ہوئی۔ اکثر، پہلی باری کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ: اب، تمام شدائد، نزعِ روح کے، گذر گئے۔ صرف، موت، باقی ہے۔"
ایک دن تشریف فرماتھے اور رُدولی شریف کے ایک صاحبزادے سے "حَیَاۃُ النَّبِی" کے مسئلہ پر، بحث فرمارہے تھے۔ وہ صاحبزادے، کسی طرح، قائل نہ ہوتے تھے کہ:
دفعۃً، حضرت نے فرمایا کہ: اب، تشریف لے جائیں۔"
(تھوڑی دیر بعد) "وصال ۲۵ رصفر ۱۳۰۷ھ کو، دوشنبہ کو، دوپہر کے قبل، واقع ہوا۔
دفن، مغرب کے بعد، اپنے دونوں اَجْدَاد، مولانا انوار و مولانا عبدالحق کے مزاروں کے درمیان، واقع ہوا۔
آپ کی بڑی یادگار، علاوہ تصنیف کے، اور اَولاد کے، اَذکارِ میلاد شریف ہیں۔
مولانا (عبدالرّزّاق، فرنگی محلی) کے قبل، بہت کم جگہ، محافلِ میلاد شریف ہوتے تھے۔
آپ کے فیض و برکت و شغفِ محبتِ نبوی نے اس قدر، اِن محافل کو ترقی دی کہ:
اب، تقریباً (لکھنؤ) ہر ہر محلے میں محفلِ میلاد شریف، منعقد ہوتی ہے۔
مولانا جب تک معذور نہ ہوئے۔ ربیع الاول میں شب و روز، خود، بیانِ ولادت شریف کرتے۔ بارہ (۱۲) ربیع الاول کو، خاص سُرور، اور مسرّت ہوتی۔
نئے کپڑے پہننے کی کبھی فرمائش، نہ کرتے۔
مگر، ربیع الاول کے لئے مکان کی صفائی کراتے
اور بارہ (۱۲) ربیع الاول کے لئے خاص اہتمام سے نئے کپڑے سلواتے۔

اور بارہ (۱۲) کو، فجر کے وقت، غسل کر کے پہنتے۔

مولانا کی اِتباع میں، ان کے مکان میں، اب تک، ربیع الاول کے مہینے بھر، میلا د شریف

اور ربیع الثانی کے گیارہ (۱۱) دن، ذکرِ حضور غوثیت

اور محرم کے دس (۱۰) دن، اَذکارِ خُلفا و سبطین

اور ایامِ وفاتِ خُلفا، اَذکارِ خُلفا ہوتے ہیں۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ اَجۡمَعِین۔

(ص ۹۶ و ۹۷۔ ''تذکرۂ عُلماے فرنگی محل''۔ مؤلّفہ مولانا محمد عنایت اللہ فرنگی محلی)

اس کے بعد، مولانا عنایت اللہ، فرنگی محلی نے ''حَدِیۡقَۃُ الشُّھَدَاء'' کے حوالے سے

حادثۂ ہنومان گڑھی، اجودھیا اور شہادتِ مولانا امیر علی، امیٹھوی (در ۱۲۷۲ھ) اور حضرت

مولانا عبدالرَّزّاق، فرنگی محلی کا عالمانہ و مجاہدانہ کردار، بیان کیا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''ایک مرتبہ، چیف کمشنر اَوَدھ نے ملنے کی خواہش کی۔

مولانا کے اِنکار پر، جب، اِصرار شدید ہوا، تو، مولانا نے ارشاد فرمایا کہ:

''میں نے، غدر (۱۸۵۷ء) کے بعد سے کسی کافرِ حَربی کی صورت، نہیں دیکھی ہے۔

اگر، وہ، یہاں آیا، تو، مَیں تبرّ سے اس کا، سَر توڑ دوں گا۔''

مولانا کے ایک مخلص مُرید کی کوشش سے ''شمس العُلما'' کا خطاب، گورنمنٹ سے ملا تھا۔

جس دن، اس کی اِطلاع آپ کو ملی، نہایت غضب و غصہ تھا۔

یہ معلوم ہو کر کہ، فلاں مُرید کی وجہ سے ایسا ہوا، اُن پر شدید، عتاب ہوا۔

اور فرمایا کہ:

''مجھ کو مُنہ نہ دکھائے، میں نے اس کو، بیعت سے، خارج کیا۔''

بعد کو، ان صاحب نے آ کر معذرت کی

اور حضرت نے دوبارہ، بیعت میں داخل کیا۔

اُس وقت کا دستور تھا کہ، خطاب یافتہ کو، تمغہ کے علاوہ، عبا بھی ملتی تھی۔

مولانا کے واسطے، جب، یہ چیزیں آئیں

تو، صاحبزادے کو حکم دیا کہ: اسے، ابھی واپس کراؤ۔

اُس وقت کے لوگوں نے کہا کہ:

گورنمنٹ، اِس کو، اپنی اہانت سمجھے گی۔ آپ، چھپا کر، اس کو رکھ لیجیے۔

ہم، مولانا کو، حاضریِ دربار سے مُستثنیٰ کرالیں گے۔“

اِس وقت تک، وہ تمغہ، موجود ہے۔

مولانا (عبدالرزّاق) کو، اس کی اطلاع ہونے، نہیں پائی تھی۔

مدۃالعمر، کسی انگریز سے ملاقات، نہیں کی۔

مولانا (عبدالرزّاق، فرنگی محلی) کی تصانیف، حسب ذیل ہیں:

(۱) حاشیۂ شرحِ وقایہ (ناتمام) (۲) مَنهَجُ الرِّضْوان فی قِیَامِ رَمضان (۳) کشفُ الْقَنات عَنْ اُمُورِ الْاَمْوَات (۴) رسالہ مقاماتِ صوفیہ کے بیان میں

(۵) انوارِ غیبیہ (۶) رسالہ سعد ونحس (۷) رسالہ آدابِ مطالعہ۔

(۸) عُمْدَۃُ الْوَسَائِل۔ تصوف میں، اور اس کی شرح (۹) اَحْسَنُ الْخَصَائِل۔

(۱۰) بارہ رسائل ”ذکرِ ولادتِ حضرت رسالت“ میں۔

(۱۱) ایک رسالہ، میلادِ نبی کا۔

(۱۲) تَنْشِیطُ الْعُشَّاق فِی اَحْوَالِ النَّبِیِّ الْمُشْتَاق۔

(۱۳) گیارہ رسائل، اَحوال وسِیَرِ حضرت غوثیت میں۔

(۱۴) ایک علیحدہ رسالہ، حضرت کے ذکر میں۔

(۱۵) چھ رسائل، اَذکارِ خُلفا وسِبطین میں۔

(۱۶) دو رسالے، اوقاتِ نماز میں۔ بحساب اصولِ جدید ریاضی۔

(۱۷) مقدمۃ التفسیر (۱۸) دو رسالے، شرحِ اَسمائے حُسنیٰ میں۔

ان کے علاوہ اور بھی رسالے ہیں، جو، مرتّب نہیں ہیں۔

ان کے علاوہ، مولانا کا ایک رسالہ ”حکمِ طعامِ نصاریٰ“ میں نے کتب خانہ میں، مرتّب دیکھا ہے۔

مولانا (عبدالرزّاق، فرنگی محلی) کا سلسلۂ اِرادت، بہت وسیع ہوا۔

ہزاروں آدمی، سلسلۂ اِرادت میں داخل ہوئے۔

فرنگی محل کے اکثر حضرات کو، آپ سے بیعت تھی۔

فرنگی محل کے حضرات میں سے، اپنی اولاد کے سوا

مولوی ابراہیم صاحب اور مولوی عبدالباقی صاحب، اَبنائے مولوی علی محمد صاحب اور مولوی عبدالعزیز صاحب بن مولوی عبدالرحیم صاحب کو اجازت وخلافت بھی مرحمت ہوئی۔

اور ملبوسِ خاص بھی عنایت فرمایا۔ اور مولوی صَمصَامُ الحق کو بھی اجازت، عطا فرمائی تھی۔"

(ص ۹۹ و ۱۰۰۔ "تذکرہ علمائے فرنگی محل"۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی۔ مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۳۰ء)

مولانا عبدالرزّاق، فرنگی محلی کی اولاد، آپ کی حیات ہی میں فوت ہوگئی تھی۔

صرف، مولانا عبدالوہّاب، فرنگی محلی (صاحبزادہ۔ جو، مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے والد ہوئے) آپ کے بعد، بقیدِ حیات رہے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالرزّاق، فرنگی محلی کے تعارف و تذکرہ میں مولانا محمود احمد قادری رفاقتی، مظفر پوری لکھتے ہیں:

"حضرت کے والد کا نام، مولانا جمال الدین، فرنگی محلی۔ ۱۲۲۷ھ سالِ ولادتِ باسعادت۔

مولانا جمال الدین، فرنگی محلی کا قیام، بسلسلۂ تدریس، مدراس تھا۔

آپ، فطری رُجحان کی بنیاد پر تحصیلِ علم میں لگ گئے۔

پہلے کچھ کتابیں، مولانا نور کریم دریابادی اور مولانا مفتی محمد اصغر اور مولانا مفتی محمد یوسف فرنگی محلی سے اکثر درسیات پڑھی۔

حدیث و تفسیر، مولانا حسین احمد، ملیح آبادی اور مولانا مرزا حَسَن علی، لکھنوی سے پڑھی۔

مولانا شاہ محمد عبدالوالی، فرنگی محلی کے مُرید تھے۔ کتبِ تصوف کی تحصیل، انھیں سے کی۔

۱۲۵۴ھ میں تکمیلِ علوم سے فارغ ہوئے۔

پیر و مُرشد اور والد ماجد سے اجازت و خلافت تھی۔

آپ نے آخری عمر میں، تدریس کا کام ختم کردیا۔

مولانا شاہ عبدالرزّاق اپنے زمانے میں فرنگی محل کے نامور صاحبِ اِرشاد بزرگ و مَرجع خاص و عام تھے۔

۲۵ صفر المظفّر، بروز شنبہ، بوقت نصف النّہار ۱۳۰۷ھ میں فوت ہوئے۔

آپ کا مزار، باغ مولانا انوار صاحب میں ہے۔"

(ص ۱۱۵۔ "تذکرۂ علمائے اہلِ سُنّت"۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد قادری، رفاقتی۔ مطبوعہ کان پور۔ ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء)

مولانا محمد نعیم، فرنگی محلی

مولانا محمد نعیم، فرنگی محلی (وصال ۲۲ ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء) بن مولانا عبدالحکیم بن مولانا عبدالرّب بن بحرالعلوم، مولانا عبدالعلی، فرنگی محلی۔

"کتبِ درسیہ، از اوّل تا آخر، اپنے والد ماجد سے تحصیل فرمائے۔ ریاضی، مولوی کمال الدین موہانی، تلمیذِ مولانا نعمت اللہ سے پڑھ کر فراغت پائی۔ اور زاہدِ یگانہ و عالمِ زمانہ ہوئے۔

آخر عمر تک، سلسلۂ تدریس و تالیف، بند نہیں ہوا۔

خاص کر علوم فقہیہ میں کمالِ وُسعتِ نظر، حاصل فرمائی تھی۔ آپ کے زمانے میں آپ کا کوئی نظیر، باقی نہیں رہا تھا۔ زُہد و اِتقا و اِحتیاط میں، درجۂ اعلیٰ، حاصل تھا۔

باوجود وُسعتِ نظر و کمالِ علم، معمولی اِستفتوں کا جواب بھی بغیر مکرّر کتاب پر نظر کیے ہوئے نہیں، تحریر فرماتے تھے۔

باجودے کہ نہایت عُسرت سے بسر ہوتی تھی

مگر، کبھی، دُنیا کی جانب، رغبت نہ فرمائی۔ اور نہ کبھی، اُمَرَا و حُکّام سے خلا و ملا رکھا۔

گورنمنٹ کی جانب سے۔ آپ کے علم کے بغیر۔ غیروں کی کوشش سے "شمس العلماء" کا خطاب ملا تھا، مگر، نہ کبھی، اس سے ذرا بھی عزت و وجاہت کا فائدہ حاصل فرمایا

نہ کبھی، دربار میں تشریف لے گئے اور نہ کبھی، کسی سرکاری حاکم کی ملاقات کی تکلیف فرمائی۔

ہر جمعہ کو، مولوی حیدر علی کی مسجد میں وعظ فرماتے تھے۔ نہایت آہستہ گفتگو فرماتے۔

شکل، نہایت نورانی اور پاکیزہ، واقع ہوئی تھی۔

آپ کی صحبت میں حاضرین کو، دنیاوی اَشغال سے غفلت اور یادِ خدا کی جانب رغبت، پیدا ہوتی تھی۔

باوجود، اَربابِ دُنیا سے قطع تعلق کے، جو، حاضر ہوتا، اُس سے اخلاقِ کریمانہ سے پیش آتے۔"

(ص ۱۹۴۔ "تذکرۂ علمائے فرنگی محل"۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی)

"میں نے، جن بزرگوں کو دیکھا ہے

اُن میں، مولانا کے پایہ کو، باعتبار علم و عمل، باعتبار صورت و سیرت، اکثر سے بڑھا ہوا پایا۔

اگلے بزرگوں کے بعد مولانا کی ذات، فرنگی محل کی اگلی روایتوں کی حامل
اور اگلے بزرگوں کا نمونہ تھی۔
بیعت و اجازت و اِرشاد، آپ کو، اپنے والد ماجد سے تھی۔
"تَکْمِلَةُ خَیْرِ الْعَمَل" میں ہے کہ:
حضرت حاجی شاہ، اِمداد اللہ رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ سے بھی، آپ کو مکہ مکرمہ میں
سلسلۂ چشتیہ میں اجازت، حاصل ہوئی تھی۔
مولانا اسلم صاحب فرماتے ہیں کہ:
حاجی صاحب موصوف رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ نے بھی، آپ سے اجازت، حاصل کی تھی۔"
جب، مولانا، حج و زیارت سے مشرف ہوئے
تو، مدینہ منورہ کے مشہور عالم، سید امین رضوان نے مولانا سے سندِ حدیث، حاصل کی تھی۔"
آپ کے سلسلۂ ارشاد میں، ہزاروں اَشخاص، داخل تھے۔
خاص کر، جوار کے بہت حضرات کو، آپ سے بیعت تھی۔
ایک کتاب "تَنْقِیْدُ الْکَلَام" آپ کی مؤلّفہ، مطبوعہ ہے۔
مگر، افسوس کہ مَیں، اِس کتاب کی بھی، زیارت سے محروم رہا۔"
(ص ۱۹۵۔ "تذکرۂ عُلَماے فرنگی محل"۔ مؤلّفہ مولانا عنایت اللہ، فرنگی محلی)
حضرت حاجی اِمداد اللہ مہاجرِ مکی نے حضرت مولانا محمد نعیم، فرنگی محلی کو
اپنی اجازت، جس طرح، عطا فرمائی
اُسی طرح، حضرت مولانا محمد نعیم، فرنگی محلی نے، حاجی صاحب کو اپنی اجازت سے نوازا تھا۔
حضرت مولانا محمد نعیم، فرنگی محلی، اپنے دَور میں
خانوادۂ فرنگی محل کے نہایت محتاط و متقی اور عابد و زاہد عالمِ دین تھے۔

مولانا عبدالوھّاب، فرنگی محلی

حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی (وصال ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء) کے والدِ ماجد

حضرت مولانا عبدالوھّاب، فرنگی محلی (وصال ۲ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ) بن مولانا عبدالرزّاق فرنگی محلی، بن مولانا جمال الدین، فرنگی محلی، نہایت جلیل القدر عالمِ دین اور شیخِ طریقت تھے۔

آپ کے بارے میں، مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی لکھتے ہیں:

''حفظِ قرآن کے بعد، کتبِ درسیہ آپ نے مِنْ اَوَّلِہٖ اِلٰی آخِرِہٖ اپنے والد ماجد سے تمام کیے۔ اَوراد و اَشغال اور تصوف کی تعلیم بھی اپنے والد ماجد (مولانا عبدالرزّاق، فرنگی محلی بن مولانا جمال الدین، فرنگی محلی) سے پائی۔

والد ماجد ہی کی حیات میں، باعتبار زُہد و اِتقا و فراست، تمام لوگوں میں خاص عزت حاصل کر لی تھی۔

سلسلۂ تدریس و تالیف بھی جاری رکھا۔ فرنگی محل کے لوگوں کے علاوہ، دوسرے تلامذہ بھی تھے۔ مولانا ریاست علی خاں صاحب، شاہجہاں پوری، اِس وقت تک، بقیدِ حیات ہیں۔

والدِ ماجد کے انتقال کے بعد، ان کے جانشین ہوئے۔ سلسلۂ تدریس، اس کے بعد موقوف کر دیا۔ سلسلۂ رُشد و ہدایت، آخر تک جاری رہا۔ مُریدین، اب تک، کثرت سے زندہ ہیں۔

حضرت مولانا عبدالحیٔ، رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ اور میرے والد ماجد سے علاوہ قرابت تعلقاتِ محبت اور دوستی، بہت زائد تھی۔

میں نے بزرگانِ فرنگی محل میں اِس قدر سمجھ دار اور اصلاح ذات البَین کرنے والا اور اَعِزّہ و اَقرِبا کے ساتھ، خفیہ احسانات کرنے والا، آپ کے زمانے میں کسی کو نہیں دیکھا۔

نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ ہر ایک کے ساتھ، تعظیم و توقیر سے پیش آتے۔

باوجود کثرتِ خُلق کے، رُعب اور ہیبت ایسی تھی کہ میرے بڑے بھائی کہتے تھے کہ:

میں، اپنے پیر و مُرشد سے بے تکلُّف تھا اور اِس قدر ڈرتا، نہ تھا کہ

جس قدر، چچا صاحب (مولانا عبدالوھّاب) سے ڈرتا تھا۔

جہاں، ہم میں سے کسی کو آواز دی، بس، یہ معلوم ہوا کہ شیر کے سامنے جانا ہے۔

میں نے خود بھی، اس قدر ہیبت و رُعب والا، کسی کو نہیں دیکھا۔

آپ کی تصانیف، حسبِ ذیل ہیں:

(۱) رسالہ جوازِ فاتحہ میں (۲) رسالہ ذکرِ حضرت غوثیت میں (۳) حواشیِ میر قطبی

(۴) حواشیِ توضیح تلویح (۵) حواشیِ مثنوی شریف

(۶) هِدَايَةُ الْمُؤْمِنِين اور اِزَاحَةُ الضَّالِّين (ہر دو، ساتھ ہیں)

بیعت اور اجازت آپ کو، حضرت مولانا عبدالوالی، فرنگی محلی، رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ سے تھی۔

پھر، اپنے والد ماجد کے ہاتھ پر، تجدیدِ بیعت فرمائی اور اجازت و خلافت، حاصل کی۔

اپنے والد ماجد کے انتقال کے بعد، حج و زیارت سے مشرّف ہوئے

اور حرمین شریفین کے شیوخ سے اجازتِ حدیث، حاصل فرمائی۔

انتقال آپ کا، ۲ رمحرم ۱۳۲۱ھ یوم چہار شنبہ کو بوقت پونے چار بجے، بعدِ ظہر، واقع ہوا۔

عرس آپ کا، آپ کے والد ماجد کے عرس کے ساتھ ۲۶ رصفر کو ہوتا ہے۔

یومِ انتقال میں گھر پر فاتحہ ہوتا ہے۔"

(ص ۱۰۲ و ۱۰۳۔ "تذکرۂ علماے فرنگی محل"۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی)

حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی، آپ کے نامور فرزند ہیں۔

آپ نے اپنے جلیلُ القدر والدِ ماجد، حضرت مولانا عبدالوھّاب، فرنگی محلی کے احوال پر مشتمل ایک کتاب، تحریر کی ہے۔ جس کا نام ہے: حَسْرَةُ الْمُسْتَرْشِد بِوَفَاةِ الْمُرْشِد"

مولانا عبدالباری، فرنگی محلی

حضرت مولانا قیام الدین محمد عبدالباری، فرنگی محلی (ولادت ۱۰ربیع الآخر ۱۲۹۵ھ/ ۱۴/اپریل ۱۸۷۸ء۔ وصال ۴/رجب ۱۳۴۴ھ/۱۹/جنوری ۱۹۲۶ء، بروز سہ شنبہ)

بن مولانا عبدالوہاب، فرنگی محلی بن عبدالرزّاق بن جمال الدین بن علاء الدین احمد بن انوارالحق بن احمد عبدالحق بن مُلّا محمد سعید، سہالوی بن مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی۔

حضرت مولانا قیام الدین محمد عبدالباری، فرنگی محلی، چودھویں صدی ہجری کے نصفِ اول کی وہ مقتدر شخصیت ہے، جس کے محور پر، عہدِ جدید کی ہندوستانی مسلم تاریخ، بلکہ ہندوستانی سیاست کی جدید تاریخ، بڑی حد تک، گردش کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

آپ کے ابتدائی اَحوال اور تعلیم و تربیت کے بارے میں، آپ کے تذکرہ نگار، بیان کرتے ہیں کہ:

''اس آفتابِ عزّت و اِقبال کا طلوع ۱۰ربیع الثانی ۱۲۹۵ھ یوم یک شنبہ مطابق ۱۴/اپریل ۱۸۷۸ء کو، ملکُ العلماء، مُلّا حیدر کی محل سرائے کے، ڈیرہ سے ہوا۔

حسبِ معمول، ساتویں دن، عقیقہ ہوا۔ اور جدِّ اَمجد نے ''قیام الدین محمد عبدالباری'' اسمِ گرامی، تجویز کیا۔

سچ ہے کہ: اِنَّ الْاَسْمَاءَ تَتَنَزَّلُ مِنَ السَّمَاءِ۔

خدا نے، اِس نام کی برکت سے مولانا کو، واقعی، قِیَامُ الْمِلَّةِ وَالدِّین بنادیا۔

جب، عمرِ مبارک، پانچ (۵) سال کی ہوئی، جدِّ اَمجد (حضرت مولانا عبدالرزّاق، فرنگی محلی بن مولانا جمال الدین، فرنگی محلی) کی خدمت میں، رسمِ تسمیہ خوانی ہوئی۔

اور قرآن شریف، حافظ حاتم علی صاحب اور بعد کو، حافظ عبدالوہّاب صاحب، نبیرۂ نواب ظہیر الدّولہ مرحوم سے حفظ کیا اور فارسی اور حساب وغیرہ کی تعلیم، متفرق اساتذہ سے حاصل کی۔

اس کے بعد کتبِ درسیہ کی تحصیل، شروع فرمائی۔ ۱۳۱۸ھ میں ختمِ درس فرمایا۔

جس وقت، کتبِ درسیہ کی تحصیل، شروع کی، ایک دن بھی، ناغہ نہیں ہوا۔

ہمیشہ، درس میں قاری ہوتے۔ پابندی کا، یہ عالم تھا کہ:

جس دن، آپ کی پہلی بیوی کا انتقال ہوا، اُس دن بھی دفن کے بعد، حضرت استاذُ الوقت

(مولانا سید عین القضاۃ لکھنوی) کی خدمت میں، درس کے لئے حاضر ہوئے۔

مگر، حضرتِ استاذ، فضائل واَجرِ صبر، بیان فرماتے رہے۔ اور سبق، موقوف نہیں رکھا۔

میزان سے لے کر متوسِطات تک، اکثر کتب، حضرت مولانا عبدالباقی (فرنگی محلی) سے پڑھیں۔ اس زمانے میں، جب کہ:

حضرت مولانا عبدالباقی صاحب حج کو تشریف لے گئے تھے، قطبی مع حاشیۂ سید میبذی، خلاصۃ الحساب، اُقلیدس، تفسیرِ جلالین، اور تحفۃ الیمن، مولانا غلام احمد، پنجابی سے پڑھیں۔

مُطوّلات میں اکثر کتب، مثلاً: شرحِ سُلَّم مُلّا حمداللہ سندیلوی، قاضی مبارک، حواشیِ میر زاہد بر مُلّا جلال و بر اُمورِ عامّہ، شرحِ مواقف، شرحِ ہدایۃ الحکمۃ للشیرازی، شمسِ بازغہ، شرحِ ملخّص للعلّامۃ الچغمینی، بست باب اصطرلاب، حاشیۂ خیالی بر شرحِ عقائدِ نسفی

اور اصولِ فقہ میں مُسَلَّمُ الثُّبُوت، مولانا عین القضاۃ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ سے پڑھیں۔

اور میر زاھد رسالہ مع حاشیۂ مُلّا غلام یحییٰ و دیگر منقولات مطوّلات، مولانا عبدالباقی صاحب سے پڑھیں، اور ہدایہ و صحیح بخاری، باوجودے کہ مولانا عبدالباقی سے پڑھی تھیں، استاذُ الوقت (مولانا سید عین القضاۃ لکھنوی) کے فرمانے کے مطابق، دوبارہ، استاذُ الوقت سے پڑھیں۔

ختمِ کتب کے بعد، مولانا عبدالباقی صاحب نے اپنے مَروِیّات کی

مع مسلسلات وغیرہ کے، اپنے سامنے پڑھوا کر، اجازت، عنایت فرمائی۔

مولانا (عبدالباری، فرنگی محلی) جب، اپنے والدین کے ہمراہ ۱۳۰۹ھ میں

مدینہ منورہ، حاضر ہوئے تھے، تو، سید علی بن سید ظاہر وتری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے

مولانا کے والد ماجد (مولانا عبدالوھّاب، فرنگی محلی) کو، جو اِجازۂ حدیث، عطا فرمایا تھا

اُس میں، مولانا اور آپ کے بڑے بھائی کو بھی، اِجازتِ حدیث، مرحمت فرمائی تھی۔

مولانا کے والد ماجد نے، سید علی وتری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ سے فرمایا کہ:

میرے اِس بچے نے تو، ابھی تک، عربی، شروع بھی نہیں کی ہے۔"

محدِّث موصوف نے جواباً فرمایا کہ:

"میں نے ان کو، تفاؤلاً، اُسی طرح، سند دی ہے، جس طرح، حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے حافظ سیوطی رَحِمَہُمَا اللہُ تَعَالیٰ کو، اجازت، مرحمت فرمائی تھی۔"

اس سفر میں مولانا کو، سید امین رضوان اور سید محمد باشلی حریری سے بھی اجازتِ کتب حدیث

اور دلائل الخیرات، حاصل ہوئی تھی۔
ختمِ کتب کے بعد مولانا کو اپنے نانا، مولانا نورُالحسنین بن ملکُ العلماء، مولانا حیدر سے
اجازت بسلسلۂ سید عابد سندھی اور سید احمد دَحلان (شافعی مکّی) حاصل ہوئی۔
زمانۂ تحصیل ہی سے، مولانا نے تدریس کا سلسلہ، جاری فرمادیا تھا۔
ہم لوگوں کے اَسباق اُس زمانے میں ہوتے تھے
جب مولانا، حمدُاللہ اور شمسِ بازِغہ پڑھتے تھے۔
اُسی زمانے میں مُلّاحَسَن اور دیگر کتبِ مطوّلہ کا بھی مولانا، درس دیتے تھے۔''
(ص ۱۰۶ تا ص ۱۰۸۔تذکرۂ عُلمائے فرنگی محل۔مؤلّفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی)
''تکمیل کے بعد، اَسباق کی بہت کثرت ہوگئی تھی۔نمازِ فجر سے لے کر، دس (۱۰) بجے تک
اور ظہر کے بعد سے عصر تک، اور اکثر اوقات، شب کو بھی، تدریس کا سلسلہ، جاری رہتا تھا۔
بعض بعض زمانے میں، پندرہ (۱۵) اَسباق، روزانہ کی نوبت آجاتی تھی۔
مولانا (عبدالباری، فرنگی محلی) کی عادت تھی کہ:
شب کو، تدریس کی کتابوں کا مطالعہ، ضرور فرماتے تھے۔
کتابیں، مطالعہ کرنے میں، اِس درجہ، مستغرق ہو جاتے کہ:
بعض اوقات، دو اور تین بھی، رات کے، بج جاتے تھے۔اور مولانا، کتاب دیکھا کرتے تھے۔
ایک پلنگ، لکڑی کا بنوایا تھا۔اس پر چمڑے کا نہایت سخت تکیہ رکھ کر، بلا بچھونے کے
لیٹتے اور سرہانے، روشنی رکھ کر، کتاب دیکھنا شروع کرتے۔اکثر فرماتے کہ:
''اِس طریقہ سے نیند، کم آتی ہے۔اور اگر، آنکھ لگ جاتی ہے، تو، جلد کھل جاتی ہے۔''
اُس زمانے میں قیلولہ، کبھی نہیں، فرماتے تھے۔
بلکہ مطالعۂ کتب میں معروف رہتے اور اِستفتوں کے جواب، تحریر فرماتے۔
والدِ ماجد کی تاکید تھی کہ بغیر کتاب دیکھے ہوئے، معمولی سے معمولی فتوے بھی، تحریر نہ کرو۔
مولانا فرماتے تھے کہ: میری عادت تھی کہ:
جواب لکھتے وقت، کتابوں کے مقامات، بالاستیعاب دیکھتا تھا۔
اور حتّی الامکان، اس باب کے سب مسائل پر، نظر ڈال جاتا تھا۔''
والدِ ماجد (مولانا عبدالوھّاب، فرنگی محلی) کے انتقال محرم ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء کے بعد

مولانا نے اپنی والدہ اور بھائی اور استاذ کے ہمراہ، عراق اور حرمین کا سفر کیا۔
۲۳؍رجب ۱۳۲۱ھ کو، وطن (لکھنؤ) سے مع اہل وعیال کے، روانہ ہوئے۔
پاسپورٹ، نہ ملنے کی وجہ سے بمبئی میں ایک ماہ، قیام فرمایا۔ اور آخر شعبان میں
بمبئی سے بصرہ کے لئے روانہ ہوئے۔ اور رمضان شریف میں بغداد پہنچے۔
بصرہ اور بغداد کے تمام متبرک مقامات کی زیارت سے مشرف ہوئے۔
بغداد کے صاحبزادے، بے حد عزت واحترام اور اخلاق سے پیش آئے۔
اور حضرت نقیبُ الاشراف، سید عبدالرحمٰن گیلانی زادہ، رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے
سلاسل کے علاوہ، سندِ حدیث بھی، مرحمت فرمائی۔
.........شروع ذی الحجہ میں مکہ شریف پہنچے اور ینبوع سے مدینہ منورہ، وسطِ محرم میں پہنچے۔
پورے سات (۷) ماہ، وہاں، حاضری رہی۔
اسی اثنا میں، سید علی وتری، رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ سے کتبِ حدیث اور ادب، پورے طور پر
پڑھے اور ان سے اور دیگر علما سے اجازت اور اسناد، حاصل کیے۔
نیز، دورانِ حاضری، مدینہ شریف میں بعض اہلِ مدینہ کو سبق بھی پڑھاتے رہے۔
شعبان ۱۳۲۲ھ کے وسط میں، بعد شبِ براءت کے، مدینہ شریف سے روانہ ہو کر
یکم رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ کو، وطن (لکھنؤ) واپس ہوئے۔
چوں کہ مولانا کے بڑے بھائی کی علالت کا سلسلہ، شروع ہو چکا تھا
اس سلسلے میں، مولانا موصوف کے انتقال تک "بانسہ شریف" میں مقیم رہے۔
بھائی کے انتقال کے بعد مولانا کی ذمہ داریاں، بہت بڑھ گئی تھیں۔"
(ص ۱۰۹۔ تذکرۂ علمائے فرنگی محل۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی۔ مطبوعہ لکھنؤ۔ ۱۹۳۰ء)
"مولانا نے فرنگی محل کے اطفال کے لئے خاص کر اور نیز عامۂ اہلِ اسلام کی تعلیم کے لئے
"مدرسہ نظامیہ" ۹؍جمادی الاولی ۱۳۱۳ھ (یومِ وفاتِ استاذُ الھند، مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی)
کو، جاری فرمایا۔ اور اس میں جدید طریقۂ تعلیم کو، رائج فرمایا۔"
.........مولانا کا، ایک زمانہ تک، مرکزِ توجہ، صرف مدرسہ ہی رہا۔
جب، مولانا کو مدرسہ کی جانب سے بڑی حد تک، اطمینان ہو گیا۔
اور اتفاق سے، جنگِ بلقان (۱۹۱۲ء)، اس کے بعد، مسجد کان پور کا واقعہ (۱۹۱۳ء)

پھر ترکوں کے ساتھ، لائڈ جارج کے شرمناک ظلم کے پے در پے، ایسے واقعات پیش آ ئے
جنھوں نے عالَمِ اسلام میں تلاطم پیدا کردیا۔
اور، یہ صاف نظر آنے لگا کہ:
یورپ کے اقتدار پسند اور اسلام کے دشمن، مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے پر
تلے ہوئے ہیں۔ تب، مولانا، عُلمائے حقانی کے طور پر، دلیرانہ اور مجاہدانہ طور پر
سیاسیاتِ مذہبی میں کمالِ سرگرمی اور جانفشانی سے منہمک ہوگئے۔
اور خدّامِ کعبہ، خلافت کمیٹی اور جمعیۃ العلما کا، بالترتیب، سنگِ بنیاد رکھا۔
............بہر حال! ان تمام تحریکات میں مولانا نے دامے دِرمے قدمے سخنے
جو، جو کوششیں کی ہیں، وہ، اخبار بیں حضرات، خوب جانتے ہیں۔
جس قدر، ذاتی روپیہ، مولانا نے ان تحریکات پر صَرف کیا ہے، اُس کی مجموعی مقدار
کسی طرح، چالیس (۴۰) پچاس (۵۰) ہزار روپیہ سے کم نہیں۔
............جب، ابنِ سعود نے حَرَمین پر قبضہ کر کے اپنے بدعاتِ واھیہ کو رائج کیا۔
اور خدا، اور اس کے رسول کے مقرَّر کیے ہوئے حُرم اور جائے امن کو، قتل گاہِ اہلِ اسلام بنالیا
تو، مولانا سے، اور ساتھی لیڈروں سے اختلاف پیدا ہو گیا۔ جس نے بہت طول پکڑا۔
مولانا نے اُس وقت کوششِ بلیغ سے "خُدَّامُ الْحَرَمین" کی بنیاد ڈالی، جو، آج تک، قائم ہے۔
ان کاموں میں مولانا کو، اس قدر اِنہماکِ شدید تھا کہ:
اکثر، دن بھر اور رات کے دو ثلث حصوں میں انھیں اُمور پر عملی توجہ، مبذول رہتی۔
خلافت کمیٹی کی اِمداد کے سلسلے میں مولانا نے اپنے ذاتی مصارف سے تمام ہندوستان کا
یا۔ تو، سفر فرمایا، یا اپنے بھائیوں، بھتیجوں کو بھیجا۔ خود، تقریباً، ہر دوسرے مہینے، بمبئی کا سفر فرماتے۔
بہر حال! عمر کا آخری حصہ، مولانا نے اِسی جہاد میں بسر فرمایا۔"
(ص ۱۱۰ و ۱۱۱۔ تذکرۂ عُلمائے فرنگی محل۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ فرنگی محلی۔ مطبوعہ اشاعت العلوم،
فرنگی محل لکھنو۔ ۱۳۴۹ھ ۱۹۳۰ء)

تذکرہ نگار نے آخری جن سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے، اُن کا تعلق ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۲ء سے زیادہ
ہے۔ اسی زمانے میں تحریکِ خلافت و تحریکِ ترکِ موالات و تحریکِ ہجرت کا آغاز اور عروج ہوا۔
ان ہنگامہ خیز تحریکات نے مسلمانانِ ہند کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

ان تحریکات کا "نقطۂ پرکار" حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی کی ذاتِ گرامی تھی۔
مگر، افسوسناک حقیقت، یہ بھی ہے کہ ان تحریکات کی بعض سنگین بے اعتدالیوں نے
شرعی مؤاخذات کے ساتھ، تاریخی نقصانات کے واضح امکانات بھی پیدا کر دیے تھے۔
تفصیل و تحقیق کے لئے ملاحظہ فرمائیں: "علماے اہلِ سُنّت کی بصیرت و قیادت"
بقلم، یسٓ اختر مصباحی۔ دارُالقلم، قادری مسجد روڈ، ذاکر نگر۔ نئی دہلی ۲۵۔
حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی، جید اور جلیلُ القدر عالمِ اہلِ سُنّت تھے۔
مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) لکھتے ہیں کہ:
"باوجود، اِن مشاغل کے، عبادت و ریاضت اور خدمتِ علم میں کبھی، کوتاہی نہیں فرمائی۔
مدۃُ العمر، سفر و حضر میں، کبھی بھی جماعت کے ساتھ، نماز، ناغہ نہیں ہوئی۔
ہمیشہ، سفر میں، محض ضرورتِ جماعت کے لئے، دو آدمی، ہمراہ لے جاتے۔
رمضان المبارک میں شب و روز میں کبھی، دو اور کبھی کچھ کم و بیش، قرآن ختم کرتے
اور سوائے دو تین گھنٹوں کے، بالکل آرام، نہ فرماتے۔
وفات سے چند سال پیشتر، مولانا کو، زہر، استعمال کرا دیا گیا۔
جس کا اثر، فوراً، معلوم ہونے پر، مداوا کیا گیا، مگر، اِفاقہ نہیں ہوا۔
...........تقریباً، سوا گیارہ بجے شب کو، ۴؍رجب ۱۳۴۴ھ؍مطابق ۱۹؍جنوری ۱۹۲۶ء
روز سہ شنبہ، شبِ چہار شنبہ کو، حضرت نے رحلت فرمائی۔
شہر بھر میں، ایک تہلکہ اور کہرام تھا۔ صبح کو، بعد نمازِ فجر، غُسل، شروع ہوا۔
اور دس بجے کے قریب، جنازہ، تیار ہو کر، اوّل مزارِ مبارک حضرت مخدوم شاہ مینا
قُدِّسَ سِرُّہٗ پر، لے گئے۔ اور وہاں، حضرت قطب میاں صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔
اس کے بعد، باغ حضرت مولانا انوارُالحق کے متصل سڑک پر
دوبارہ، جناب حکیم مولوی وہاجُ الحق صاحب نے نماز پڑھائی۔"
(ص ۱۲۲ و ۱۲۳۔ "تذکرۂ عُلماے فرنگی محل"۔ مؤلّفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی۔ مطبوعہ اشاعتُ العلوم
فرنگی محل۔ لکھنؤ۔ ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء)
حضرت مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری، حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی
رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کے تعارف و تذکرہ میں، رقم طراز ہیں:

"قُدوۃُ الْخَلَف، بقیۃُ السَّلف، حضرت علاّمہ شاہ، محمد عبدالباری بن حضرت مولانا شاہ عبدالوھّاب بن حضرت مولانا شاہ عبدالرزّاق بن غیظُ المنافقین، مُھلِکُ الوھّابین، حضرت مولانا شاہ محمد جمالُ الدین، فرنگی محلی قُدِّسَتْ اَسْرَارُھُم، ۱۲۹۵ھ میں فرنگی محل لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالباقی، فرنگی محلی، مدنی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ سے اکثر علوم کا درس لیا۔

چند کتابیں، حضرت مولانا عینُ القضاۃ، حیدرآبادی، لکھنوی، تلمیذِ مولانا محمد عبدالحیٔ، فرنگی محلی سے پڑھیں۔

۱۳۲۲ھ میں، حَرمین طیبین کا سفر کیا۔ اور حج کے بعد، مدینہ طیبہ میں حضرت علاّمہ سید علی بن ظاھرُالْوَتری اَلْمَدنی اور شیخ الدّلائل، علاّمہ سید امین بن رضوان اور علاّمہ شیخ سید احمد، برزنجی، مدنی اور حضرت شیخ المشائخ، سید عبدالرحمٰن، بغدادی، نقیبُ الاشراف قَدَّسَ اللہُ اَسْرَارَھُم سے سند و اجازتِ حدیث و سَلاسِلِ طریقت، حاصل کی۔

آپ کو، تمام علوم میں، تبحّرِ تام حاصل تھا۔

فاضلِ بریلوی، مولانا احمد رضا، آپ کو "فاضلِ اَکمل" کہتے تھے۔

حَرمین طیبین سے واپسی کے بعد، مدرسہ نظامیہ (فرنگی محل) میں، درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔ پوری قوت سے درس دیتے تھے۔ پہلے، فنون سے دل چسپی تھی۔

آخر میں، صرف حدیث شریف پڑھاتے تھے۔

بڑے بڑے عُلَما اور فُضَلا نے آپ سے اَخذِ علوم کیا۔

آپ کو سیاست سے بھی بڑی دل چسپی تھی۔ مسٹر گاندھی کو آپ ہی کی ذات سے شہرت نصیب ہوئی۔ مگر، اعلیٰ حضرت، امامِ اہلِ سُنّت، مولانا شاہ احمد رضا، بریلوی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کے توجہ دلانے پر، مسٹر گاندھی کا ساتھ، چھوڑ دیا۔

بقیعِ مبارک، مدینہ طیبہ اور جنّتُ المعلیٰ، مکہ معظمہ کے مزارات کے اِنہدام اور سعودیِ اول کے مظالم و جفا کی آپ نے بھی، سخت مخالفت کی۔

......آپ نے، مولانا تھانوی کو، حفظ الایمان کی کفری عبارت سے توبہ کے لئے بار بار، متوجہ کیا۔ مگر، ان کو توبہ کی توفیق، نصیب نہ ہو سکی۔

جُود و سخی تھے۔ مہمان کے اِکرام میں کافی مبالغہ کرتے تھے۔ نماز باجماعت کے خیال سے ہر سفر میں، دو آدمیوں کو ساتھ، رکھتے تھے۔ "اِلیٰ آخِرِہٖ"۔

(ص ۷۳ و ص ۷۴۔ ''تذکرۂ علماے اہلِ سُنّت'' ۔ مؤلّفہ مولانا محمود احمد قادری، رفاقتی، مظفر پوری مطبوعہ کان پور۔ یو پی۔ ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء)

''جمعیۃُ العلما کی تاسیس، فرنگی محل، لکھنؤ کے نامور عالمِ دین، حضرت مولانا شاہ عبدالباری فرنگی محلی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے کی تھی۔

ان کا مطمحِ نظر، انگریزی راج میں مسلم مفادات کا حصول اور تحفظ تھا۔

........اس کا پہلا اجلاس، حضرت رسول نُما کی درگاہ شریف، دہلی میں ہوا تھا۔

جس میں، کسی دیو بندی مولوی کی شرکت، نہ تھی۔

......امام اہلِ سنّت، حضرت مولانا احمد رضا، بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے

حضرت مولانا عبدالباری کو ایک خط میں مفید، مشورہ دیا کہ:

''جمعیۃُ العلما کی صدارت، آپ اپنے ذمہ رکھیں تو، بہتر رہے گا۔

آپ، پھر بھی، ہم لوگوں سے قریب ہی رہیں گے۔''

امامِ اہلِ سنّت کی مومنانہ فراست تھی، جس نے آندھی طوفان اُٹھنے سے پہلے

اُس کے رُخ کو متعین کر دیا تھا۔

بالآخر، جمعیۃ کے کلیدی عہدوں پر، دیو بندیوں کا قبضہ ہو گیا۔

صدارت و نظامت پر، ان کا قبضہ ہو گیا۔'' الخ۔

(ص ۴۰۵ و ص ۴۰۶۔ ''سوانحِ رفاقتی'' مؤلّفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری۔ کاروانِ رفاقت، اسلام پور۔ مظفر پور۔ بہار۔ ۱۴۳۱ھ/نومبر ۲۰۱۰ء)

''دارُالعلم والعمل، فرنگی محل، لکھنؤ سے ماہنامہ ''اَلنِّظامیہ'' جاری ہوا۔

اور امامُ العلما، بُرہانُ العلم والعمل، مولانا شاہ محمد عبدالباری، فرنگی محلی قُدِّسَ سِرُّہٗ کی اُسے زبردست سرپرستی، حاصل رہی۔

''اَلنِّظامیہ'' نے مسلکِ اہلِ حق کی خوب خوب تائید کی۔ مولوی تھانوی کے اَباطیل کے بُطلان میں ''اَلنِّظامیہ'' نے سرگرمی دکھائی۔ بدایوں و بریلی کے بزرگوں نے ان سے اشتراکِ عمل کیا۔'' الخ (ص ۳۴۴۔ ''سوانحِ رفاقتی''۔ مؤلّفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی۔ مطبوعہ ۲۰۱۰ء)

''دارالعلوم معینیہ، عثمانیہ (اجمیر شریف) کے اِہتمام و انصرام کے لئے میرِ مجلس، شیخُ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد انوارُاللہ، فاروقی، حیدرآبادی، عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کی منظوری سے

''کمیٹی صدر''، ''کمیٹی منتظم'' کا قیام، عمل میں آیا۔

''مجلس العلما'' کے قیام کی تجویز، مرجعِ اَنام، حضرت مولانا شاہ محمد عبدالباری، فرنگی محلی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے فرمائی۔

میرِ مجلس، حضرت شیخ الاسلام (حیدرآبادی) قُدِّسَ سِرُّہٗ نے اِس تجویز کو غایت پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور منظوری، عطا فرمائی۔

ایسے عظیم الشان اور مرکزِ اسلامیانِ ہند کے تعلیمی اِنصرام کے لئے اَکابرِ علم و معرفت اور اَعاظمِ ہند اولیا وعُلما میں سے منتخب افراد، منتخب کیے گئے، جن کی تعداد، تیرہ (۱۳) پر مشتمل تھی۔

''مجلس العلما'' ۱۳۳۶ھ میں قائم ہوئی اور اسی برس کی روداد میں ان حضرات کے نامِ نامی مندرج ہیں۔ بعد میں گئے چند دوسرے حضرات کے ناموں کی بھی شمولیت ہوئی۔

(۱) مولانا شاہ پیر، سید مہر علی شاہ، گرلڑہ شریف، پنجاب۔

(۲) حضرت مولانا حکیم، سید برکات احمد، ریاستِ ٹونک، راجستھان۔

(۳) رئیس المتکلمین، حضرت مولانا سید محمد سلیمان اشرف، پروفیسر، مدرسۃ العلوم، علی گڑھ۔

(۴) حضرت مولانا شاہ، قیام الدین محمد عبدالباری، فرنگی محلی، مرکزِ علم وعمل، فرنگی محل، لکھنؤ۔

(۵) حضرت مولانا شاہ محمد سلیمان، قادری، چشتی، پھُلواروی، عظیم آباد، پٹنہ، بہار۔

(۶) حضرت مولانا سید، دیدار علی شاہ، محدث اَلوَرِی، لاہور۔

(۷) حضرت مولانا شاہ، محمد حامد رضا خاں، بریلی شریف۔

(۸) صدرُ الافاضل، مولانا حکیم محمد نعیم الدین، مرادآبادی۔

(۹) استاذُ العلما، مولانا مفتی محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی
صدر المدرسین، جامعہ نظامیہ فرنگی محل، لکھنؤ۔

(۱۰) مولانا مفتی محمد حفیظ اللہ، علی گڑھی، صدر المدرسین، مدرسہ لُطفیہ، علی گڑھ۔

(۱۱) مولانا مفتی نثار احمد، کان پوری، مفتیِ آگرہ۔

(۱۲) مولانا شاہ، عبدالکریم، ہوشتوڑی۔

(۱۳) مولانا شاہ، غلام محی الدین، ویرگامی۔

جو نصابِ تعلیمی، مولانا محمد معین الدین، اجمیری نے اپنے قائم کردہ، مدرسہ معینُ الحق، ۱۳۲۷ھ کے لئے مرتّب کیا تھا، میرِ مجلسِ دارالعلوم، حضرت شیخ الاسلام، عارف باللہ، مولانا حافظ حاجی شاہ

محمد انوارُ اللہ، چشتی نے اُسی کو برقرار، رکھا اور مَرجِعِ اَنام، مولانا محمد عبدالباری، فرنگی محلی نے بھی اُسے پسند فرمایا۔ چنانچہ، وہ نصاب، دارالعلوم، (معینیہ عثمانیہ) کا نظامِ تعلیمی، قرار پایا۔ اِلیٰ آخِرِہٖ۔

(ص ۸۲ ج و ص ۸۳۔ سَوانحِ رفاقتی۔ مؤلّفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری۔ کاروانِ رفاقت، اسلام پور۔ مظفر پور، بہار۔ مطبوعہ ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء)

حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی کے وہ مذہبی خیالات واَفکار، جو، مذہبِ اہلِ سُنَّت وجماعت کی تائید اور، فِرَقِ باطلہ کی تردید پر مشتمل ہیں، اُن کا ایک خلاصہ، ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

''اِس وقت ''فتاویٰ قِیامُ الْمِلَّةِ وَالدِّین'' حصہ اول کا ایک پرانا نسخہ میرے پیشِ نظر ہے، جو، فرنگی محل کے اکابر عُلما کے فتاویٰ پر مشتمل ہے۔
اس کی جمع وترتیب کا، کام، خود، مولانا عبدالباری، فرنگی محلی نے انجام دیا ہے۔
مولانا فرنگی محلی نے اس میں ایک خاص رعایت، یہ برتی ہے کہ:
جہاں کہیں، آپ کو کچھ کمی نظر آئی، یا۔ کچھ ترَدُّد ہُوا، اُس کے آگے ''جامع الفتاویٰ'' کا نوٹ لگا کر، تسلی بخش وضاحت فرمادی ہے۔

پیش ہے فتاویٰ قِیامُ الْمِلَّةِ وَالدِّین کی روشنی میں
مولانا عبدالباری، فرنگی محلی کے اَفکار وعقائد کی چند جھلکیاں:

(۱) جو شخص، اِس بات کا قائل ہو کہ، خدا تعالیٰ کا جھوٹ بولنا، ممکن ہے، وہ، کافر ہے۔ ص ۲۷۳

(۲) جو شخص، نبیِ اَکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد کسی نبی کے آنے کو، ممکن قرار دے وہ، کافر ہے۔ ص ۳۷۔

(۳) سرکارِ رسالت پناہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف منسوب اور آپ سے متعلق کسی چیز کی بھی، توہین وتحقیر، کفر ہے۔ ص ۱۶۷۔

(۴) نبیِ اَکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو، بعطائے الٰہی، علمِ غیب، حاصل تھا۔ بلکہ، جَمِیْع مَاکَانَ وَمَایَکُوْن کا عِلم، آپ کو، دیا گیا ہے۔ ص ۶۹۔۱۹۰۔

(۵) انبیا اور اولیا کو، علمِ غیب سے بالکل خالی سمجھنا، معاذ اللہ، کفر سے خالی نہیں۔ کیوں کہ، اِس سے بعض آیاتِ قرآنی اور وُسعتِ قدرت کا انکار، لازم آتا ہے۔ ص ۷۷۔

(۶) اہلِ سُنَّت وجماعت کے نزدیک، صراحۃً، ثابت ہے کہ:
حق تعالیٰ نے، سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو، اوّلین، آخرین، ماضی، مستقبل

بدءِ خلق، تا قیامت، ماکانَ وَمایکون، بلکہ، تمام جُزو کُل کا علم، عطا فرمایا ہے۔ص ۴۷۔

(۷) حضور کے شفیع ہونے میں شک کرنے والا شخص، دشمنِ رسول ہے۔

یا۔ ملحد و بے دین ہے۔یا۔ پھر، زندیق ہے۔ص ۷۸۔

(۸) میلاد شریف کو، کسی کے جنم دن وغیرہ سے تشبیہ دینا، کفر ہے۔ص ۱۶۷۔

(۹) قیام، بوقت ذکرِ ولادتِ خیر الانام، جائز و مستحسن ہے۔ص ۹۷۔

(۱۰) بزرگوں کے آثار و تبرکات کی تعظیم، جائز ہے۔ص ۱۸۲۔

(۱۱) مصنّفِ ''تقویۃ الایمان'' نے، بلا شبہ، توہینِ رسول کی ہے۔ص ۱۹۰۔

(۱۲) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے والِدَین کریمین، مؤمن تھے۔ص ۱۹۲۔

(۱۳) انبیاے کرام عَلَیہِمُ السَّلام اور ملائکہ کے سِوَا

کوئی بھی، معصوم عَنِ الخطا نہیں ہے۔ص ۲۷۵۔

(۱۴) خلیفۂ برحق، علَی الترتیب، سیدنا صدیقِ اکبر، پھر، سیدنا عمر فاروق، پھر، سیدنا عثمان غنی

پھر، سیدنا علی مرتضٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنہُم، ہیں۔ص ۲۰۲۔

(۱۵) حضرت امیر معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ کے سلسلے میں بدظنی سے زبان اور دل کو بچانا

واجب ہے۔ص ۲۵۸۔

(۱۶) جو شخص، یزید پلید کو، امامِ برحق اور سیدُ الشُّھدَاء کو، باغی کہے، گمراہ و گناہ گار ہے۔

اُس پر توبہ، واجب ہے۔ص ۲۱۲۔

(۱۷) نبیِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، اللہ کے نور ہیں۔یہی، صحیح عقیدہ ہے۔ص ۳۰۔

(۱۸) بحقِّ نبی، دعا میں کہنا، بمعنی وسیلہ کے، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی

تعلیم سے ثابت ہے۔ص ۳۰۔

(۱۹) عبدُالنّبی، عبدُالرَّسول نام رکھنا، جائز ہے۔ص ۳۷۸۔

(۲۰) حضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو، دَافِعُ البَلاءِ وَالوَبَاءِ وَالقَحطِ

وَالمَرَضِ وَالاَلَم کہنا، جائز ہے۔اور ''درودِ تاج'' کے تمام مندرجات، درست ہیں۔ص ۸۱۔

(۲۱) ذِکرِ مولود شریف، ہرگز، بدعتِ سیۂ نہیں، بلکہ اَمرِ مندوب ہے۔ص ۸۶۔

(۲۲) نام اَقدس سُن کر، دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگانا، مستحب ہے۔ص ۱۰۷۔

(۲۳) جو شخص، میلاد کی توہین کرے، اُس سے مسلمانوں کو سخت پرہیز کرنا چاہیے۔ص ۱۰۶۔

(۲۴) فرقۂ وہابیہ، فرقۂ مُفسِدین ہے۔ اس کے پیچھے، نماز، درست نہیں۔
ان کے ساتھ، مجالست ومخالطت اور ان کو، اپنی مساجد میں آنے دینا
جائز نہیں۔ ص ۲۷۲ و ۲۷۳۔

(۲۵) بلا تحقیق، کسی پر لَعن طَعن کرنا، اِلزام لگانا، وہابی اور بے ایمان کہنا
ہر مسلمان کے حق میں، کبیرہ ہے۔ ص ۳۱۹۔

(ص ۱۵ تا ص ۱۷۔ مختصر تعارفِ مولانا عبدالباری، فرنگی محلی۔ بقلم مولانا محمد احمد رضا اشرفی مصباحی شیخ الحدیث جامعہ چشتیہ، خانقاہِ حضرت شیخ العالم۔ ردولی شریف ضلع بارہ بنکی۔ یوپی۔ در آغازِ "تَنوِیرُ الصَّحِیفَۃِ فِی تَابِعِیَّۃِ اَبِی حَنِیفَۃ" ۔ مؤلّفہ حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی۔ شائع کردہ: شعبۂ نشرواشاعت۔ جامعہ چشتیہ، خانقاہِ حضرت شیخ العالم۔ ردولی شریف۔ ۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱ء)

مولانا عبدالباقی، فرنگی محلی، مہاجرِ مدنی

مولانا شاہ عبدالباقی، فرنگی محلی (ولادت ۱۲۸۶ھ لکھنو۔ وصال ۴ر ربیع الآخر ۱۳۶۴ھ/ ۱۹۴۵ء۔ مدفون جنت البقیع۔ مدینہ منورہ)

بن مولانا علی محمد، بن مولانا محمد معین، بن مُلّا محمد مبین فرنگی محلی۔ رَحِمَہُمُ اللہ تعالیٰ۔

آپ کے بارے میں قطبِ مدینہ، حضرت مولانا الشیخ ضیاء الدین احمد، قادری، مدنی (ولادت ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء ضلع سیالکوٹ، پنجاب۔ وصال ۴ر ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ/ ۲ر اکتوبر ۱۹۸۱ء۔ مدینہ منورہ۔ مدفون جنت البقیع) کے احوال پر مشتمل کتاب ''انوارِ قطبِ مدینہ'' کے مرتّب خلیل احمد رانا لکھتے ہیں:

.....''مولانا سید عبدالحیٔ، چاٹگامی، ابوالحسنات، مولانا عبدالحیٔ بن مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی مولانا سید عین القضاۃ بن محمد وزیر حیدرآبادی، مولانا فضل اللہ بن نعمت اللہ، فرنگی محلی اور مولانا محمد نعیم، فرنگی محلی بن مولانا محمد عبدالحکیم نظامی، فرنگی محلی رَحِمَہُمُ اللہ تعالیٰ سے اَخذِ علوم کیا۔

مولانا شاہ عبدالرزّاق، فرنگی محلی بن مولانا جمال الدین، فرنگی محلی سے بیعت ہوئے۔

ایک مدت تک، فرنگی محل میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ پھر، حرمین شریفین کا سفر کیا۔ حج کے بعد، مدینہ طیبہ میں سکونت، اختیار کی۔

مُلّا، نظام الدین، فرنگی محلی کی یاد میں ''مدرسہ نظامیہ'' قائم کیا۔

اور پوری توجہ سے درس و تدریس میں مصروف رہے۔

نظام حیدرآباد، میر عثمان علی، مرحوم کی طرف سے مدرسے کا وظیفہ، مقرَّر تھا۔

سلطنتِ ہاشمی کے سُقوط کے بعد، آپ، سخت آزمائش میں مبتلا ہوگئے۔ نجدی حکومت نے آپ پر سخت نظر رکھی، مگر، آپ نے اِعتقادی اُمور میں کبھی، مداہنت، گوارا نہ کی۔

آپ کا ذاتی کتب خانہ، مدینہ منورہ میں موجود و محفوظ ہے۔

مولانا محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی نے ۱۹۶۵ء میں اِس کتب خانہ میں بیٹھ کر ''خَیرُ العَمَل و تَراجمِ عُلماءِ فرنگی محل'' تالیفاتِ ابوالحسنات، مولانا عبدالحیٔ، فرنگی محلی سے اِستفادہ کیا تھا۔''

(ص ۱۴۔ ''بانیٔ درسِ نظامی'' مؤلّفہ مولانا محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی۔ مطبوعہ لکھنو۔ ۱۹۷۳ء)

آپ (مولانا شاہ عبدالباقی، فرنگی محلی) کی تصنیفات میں ''حَسرۃُ الفُحُول بوفاۃِ نائبِ الرَّسول"۔ اَلمنحُ المَدنیّۃ فِی مُختارات الصُّوفیۃ"۔ رسالہ فِی تحقیقِ علمِ الغَیب"۔ قُرَّۃُ الاَبصار فِی نَسبِ قطبِ الاَنصار"۔ اور دوسرے رسائل کے نام ملتے ہیں۔

۴؍ ربیع الآخر ۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء کو، مدینہ طیبہ میں وصال ہوا۔

اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ سُبحٰنَ اللّٰہ۔

حضرت مولانا الشیخ محمد علی حسین، خیر آبادی، مدنی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ (متوفی ۱۳۷۴ھ)

آپ کے ممتاز تلمیذ اور خلیفۂ مجاز تھے۔

حضرت مولانا الشیخ ضیاء الدین، مہاجرِ مدنی قُدِّسَ سِرُّہٗ کو، آپ نے

سلسلۂ طریقت کی اجازت، مرحمت فرمائی تھی۔"

(ص ۱۶۴ و ص ۱۶۵۔ ''انوارِ قطبِ مدینہ'' مرتبہ: خلیل احمد رانا۔ مطبوعہ مرکزی مجلس رضا۔ اندرون ٹکسالی گیٹ، لاہور۔ طبعِ اول، ربیع الاول ۱۴۰۸ھ)

تلامذۂ خانوادۂ فرنگی محل

ص ۱۹۴ تا ص ۳۴۸

مُلّاً، حمد اللہ، سندیلوی

مُلّاً، حمد اللہ، سندیلوی (متوفی ۱۱۶۰ھ۔۱۷۴۷ء۔ مدفون دہلی) بن شکر اللہ بن دانیال بن پیر محمد، صدیقی سندیلوی، معروف ترین معقولی عالم ہیں۔ مُلّاً، نظام الدین محمد، سہالوی، فرنگی محلی اور مُلّاً، کمال الدین سہالوی کے تلامذہ میں نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔

''حمد اللہ'' کے نام سے ان کی ایک کتاب ماضی قریب تک، درسِ نظامی کے نصاب میں شامل تھی۔ جو، ''سُلّم العلوم'' کی بحثِ تصدیقات کی شرح ہے۔

مُلّاً، حمد اللہ، سندیلوی، نسباً، صدیقی، مگر، مذہباً، شیعہ تھے۔

ان کے تعارف و تذکرہ میں رحمٰن علی (متوفی ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) ''تذکرۂ عُلماے ہند'' میں لکھتے ہیں:

''مولوی حمد اللہ، سندیلوی ولد حکیم شکر اللہ ولد شیخ دانیال ولد پیر محمد صدیقی
مُلّاً، نظام الدین بن مُلّاً، قطب الدین، سہالوی کے ممتاز تلامذہ میں تھے۔
عالم، عامل اور طبیب حاذق تھے۔
قصبہ سندیلہ (مضافاتِ لکھنؤ) میں ایک بڑا مدرسہ، جاری کیا۔ مدرسے کے مصارِف کے لئے چند بیگھہ آراضی، بادشاہِ وقت کی طرف سے معافی ملی۔
انھوں نے اپنی تمام عمر، طلبہ کے درس و اِفادہ میں صَرف کیا۔
شاہِ دہلی کی طرف سے ''فضل اللہ خاں'' کا خطاب ملا۔ مشہور عُلما و فُضلا نے ان کے سایۂ دامن میں تربیت پائی۔ ان کے اَسماے گرامی، درج ذیل ہیں:
(۱) قاضی، احمد علی، سندیلوی۔ داماد مُلّاً، حمد اللہ، سندیلوی (۲) مولوی احمد حسین، لکھنوی (۳) مُلّاً، بابُ اللہ، جون پوری (۴) مولوی محمد اعظم، قاضی زادہ، سندیلہ (۵) مولوی عبد اللہ بن مولوی زین العابدین، مخدوم زادہ سندیلہ۔
مولوی حمد اللہ کی مندرجہ ذیل تصانیف، مشہور ہیں:
شرحِ تصدیقات ''سُلّم العلوم''، معروف بہ ''حمدُ اللہ''۔ حاشیۂ شمسِ بازغہ۔ حاشیۂ صدرا۔ شرحِ زُبدۃ الاصول، عاملی۔

ان کی وفات، دہلی میں ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء میں ہوئی۔
حضرت قطب الدین، اوشی (بختیار کاکی) قُدِّسَ سِرُّہٗ کے غرب وجنوب میں دفن ہوئے۔"
(ص ۱۶۹۔ تذکرۂ علماے ہند۔ مؤلفہ مولانا رحمٰن علی۔ اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب قادری۔
مطبوعہ پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی۔ کراچی۔ طبعِ اول ۱۹۶۱ء)

حکیم عبدالحیٔ، رائے بریلوی (متوفی ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء) نے مُلّاً حمداللہ، سندیلوی کے بارے میں لکھا ہے: اَلصِّدِّیقی نَسَباً وَالشِّیعِی مَذْھَباً۔

اور اس کے آگے لکھا ہے: کانَ مِنَ الْاَسَاتذۃِ الْمَشھورین فِی اَرضِ الْھِند۔ وُلِدَ و نَشأبِسَنْدِیلہ۔ وَقَرأ العِلم عَلیٰ الشیخِ العلّامۃ کمال الدین الْفتح پُورِی وَالشَّیخِ الْاَجَلِّ نظام الدین بن قطب الدین الْاَنْصارِی السِّھالوِی۔

....وَلَہٗ مصنَّفاتٌ عدیدۃٌ۔ اَشھرُھا: تَعلیقاتُہٗ عَلیٰ "الشَّمسِ الْبَازِغہ" لِلْجَون بوری وَتعلیقاتُہٗ عَلیٰ "شرحِ ھِدایۃِ الْحِکمۃِ" لِلشِّیرازی وَ لَہٗ شرح عَلیٰ "زُبدۃِ الاصول" لِلْعامِلی وَ شرحٌ بَسِیطٌ عَلیٰ "سُلَّم العُلوم" لِلْفاضلِ الْبِھَارِی وَ ھُوَ اَشھر مؤلّفاتِہٖ تَلَقَّاہُ العلماءُ بِالقبول وَ اَدخلوہُ فِی برنامجِ الدَّرسِ۔ (ص ۱۶۷۔ نُزھۃ الْخواطِر۔ ج ۶۔ دار ابن حزم، بیروت)

حضرت شیخ صفی عبدالصّمد بن مولانا علم الدین، معروف بہ حضرت مخدوم شاہ صفی (وصال محرم ۹۴۵ھ/جون ۱۵۳۸ء۔ صفی پور شریف، ضلع اناؤ۔ اتر پردیش) تلمیذ و مرید و خلیفۂ حضرت مخدوم شیخ سعد الدین خیر آبادی (وصال ربیع الاول ۹۲۲ھ/۱۵۱۶ء) مرید و خلیفۂ قطبِ اَوَدھ، حضرت شیخ محمد بن قطب، معروف بہ حضرت شاہ مینا، لکھنوی (وصال صفر ۸۸۴ھ/۱۴۷۹ء) سے منسوب "سلسلۂ صَفَویہ" کے ساتویں سجادہ نشین

حضرت شاہ عبداللہ، صَفوی (وصال ۱۱۶۳ھ) کے ایک مرید و خلیفہ، حضرت شاہ قدرتُ اللہ صفوی (وصال رجب ۱۱۸۳ھ/۱۷۶۹ء) بن شیخ ہدایت اللہ، قدوائی (مَسولی، ضلع بارہ بنکی۔ اتر پردیش) کے تذکرہ میں ملتا ہے کہ، انھوں نے سترہ (۱۷) حضرات کو اپنی اجازت و خلافت سے نوازا تھا۔ جن میں سے دو نام، مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا شاہ اکبر علی، سندیلوی (متوفی ۱۲۲۰ھ) خَلفِ اکبر، مُلّاً حمداللہ، سندیلوی۔
(۲) حضرت مولانا شاہ حیدر علی، سندیلوی (متوفی ۱۲۲۵ھ) خَلفِ اصغر، مُلّاً حمداللہ، سندیلوی۔

مندرجہ بالا معلومات کے مطابق، یہ کہا جا سکتا ہے کہ مُلّاً حمداللہ، سندیلوی

غالباً اپنے آخری دَورِحیات میں شیعیت سے تائب ہو گئے تھے۔

اور اگر انھیں، توفیقِ توبہ، نہ ملی ہو، تو بھی، ان کے مذکورہ دونوں اَخلاف، سُنّی تھے۔ ورنہ، انھیں ایک سُنّی، چشتی، صَفوی بزرگ کی طرف سے اجازت وخلافت ملتی اور نہ ہی اس کا کہیں کوئی تذکرہ ہوتا۔

وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّستقيم۔ وَ هُوَ تعالٰى اَعلم۔

مُلّا، محمد اَعلم، سندیلوی

مُلّا، محمد اَعلم، فاروقی حنفی، سندیلوی (متوفی محرم الحرام ۱۱۹۸ھ) فرزندِ محمد شاکر، سندیلوی
معروف معقولی عالم تھے۔ انھوں نے مُلّا، کمال الدین، سہالوی اور مُلّا، حمداللہ، سندیلوی سے
بڑی محنت و کدوکاوش کے ساتھ تعلیم، حاصل کی۔

تکمیلِ تعلیم کے بعد، دہلی پہنچ کر مختلف حُکّام واُمَرا سے مل کر اپنے علمی کمالات کے جوہر
دکھانے کی کوشش کی، جس میں باوقار کامیابی کی کوئی صورت اور کوئی امید نظر نہیں آئی تو، وہاں سے
واپس اپنے وطن چلے گئے اور خیرآباد، اَودھ (ضلع سیتاپور۔ اتر پردیش) میں مُتَوَکِّلاً عَلَی اللّٰہِ
اپنی مجلسِ درس وتدریس، قائم کی اور ایک طویل عرصے تک، یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

ایک مدت بعد، سندیلہ، اَودھ (ضلع ہردوئی۔ اتر پردیش) کو اپنا گوشۂ عافیت بنایا۔

اور بزمِ تعلیم وتعلّم، آراستہ کی۔

آپ کے بہت سے شاگردوں میں مُلّا، عبدالواجد، خیرآبادی کو، زیادہ شہرت ملی۔

آپ نے کئی ایک کتابیں لکھیں، مگر نہ جانے کیا بات ہوئی کہ:

اپنے آخری دَور میں اپنی کئی تصانیف، انھوں نے خود ہی ضائع کر دیں۔

جن کتابوں کے نسخے، دوسرے اہلِ علم کے پاس بھی تھے، وہی، محفوظ رہ سکے۔ مثلاً:

حاشیہ ٔ سرح الھدایہ للشیرازی، حاشیۂ دائرالاصول، رسالہ بحثِ تشکیک۔

مُلّا، اَعلم، سندیلوی کی ایک کتاب "قِسط اللّبیب و حَظُّ الادیب" کا

ایک مخطوطہ رضالائبریری، رام پور (روہیل کھنڈ) میں محفوظ وموجود ہے۔

مولانا رحمٰن علی (متوفی ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) "تذکرہ علماے ہند" میں

آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مولوی محمد اَعلم، سندیلوی، قصبہ سندیلہ کے قاضی زادے، حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ
عَنْہُ کی اولاد میں تھے۔ مُلّا، کمال الدین، سہالوی کے شاگرد تھے۔ فاتحۂ الفراغ، مولوی حمداللہ
سندیلوی کی خدمت میں پڑھا۔ اور تدریس وتصنیف میں مشغول ہو گئے۔
ان کے مشہور شاگردوں میں سید عبدالواحد، خیرآبادی (ہمشیرزادہ) اور مولوی محمد مستعان

کاکوروی ہیں۔

حاشیۂ دائر، شرحِ منار، صدرا کے تین حاشیے، صغیر، کبیر، اکبر، اور رسالہ تشکیک
ان کی مشہور تصانیف ہیں۔

بارہویں صدی کے آخر میں فوت ہوئے۔ محلّہ ملکانہ، قصبہ سندیلہ میں، دفن ہوئے۔

(ص ۴۱۶۔ تذکرۂ علمائے ہند۔ مؤلفہ رحمٰن علی۔ اردو ترجمہ پروفیسر محمد ایوب، قادری۔ مطبوعہ پاکستان
ہسٹوریکل سوسائٹی۔ کراچی۔ طبعِ اول ۱۹۶۱ء)

مترجم، پروفیسر محمد ایوب، قادری لکھتے ہیں:

مولوی محمد اعلم بن محمد شاکر، سندیلہ میں پیدا ہوئے۔ تحصیلِ علم کے بعد، مدتوں، دہلی میں
رہے۔

پھر، وہاں سے آکر خیر آباد میں درس دیا۔

آخر میں اپنے وطن، سندیلہ میں گوشہ نشین ہو گئے۔

تمام عمر، درس و اِفادہ میں بسر کی۔ ان کی تصنیفات میں حاشیۂ شرح الھدایہ شیرازی، اور
قِسطُ اللّبیب وَحَظُّ الاَدِیب بھی ہیں۔ آخری رسالہ، ریاستِ رام پور کے کتب خانہ میں موجود
ہے۔ ۱۱۹۸ھ/۱۷۷۵ء میں انتقال ہوا۔'' (ص ۴۱۶ تذکرۂ علمائے ہند۔ مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۶۱ء)

مولانا سید عبد الواجد، خیر آبادی

مولانا سید عبد الواجد، کرمانی، خیر آبادی (متوفی ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۴ء)
مُلّا، محمد اعلم، سندیلوی (متوفی ۱۱۹۸ھ/۷۷۵ا ء) کے بھانجے اور شاگرد تھے۔
مُلّا، محمد اعلم، سندیلوی، فاروقی النسب تھے۔
مُلّا، کمال الدین محمد، سہالوی (متوفی محرم ۱۱۷۵ھ/۱۷۶۲ء) اور مُلّا، حمد اللہ، سندیلوی (متوفی ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء۔ مدفون: مہرولی شریف، دہلی)
تلامذۂ مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی، فرنگی محلی (متوفی ۹ر جمادی الاولیٰ ۱۱۱۶ھ) کے مایۂ ناز شاگرد تھے۔
مولانا سید عبد الواجد، کرمانی، خیر آبادی کے ایک ممتاز شاگرد، علّامہ فضلِ امام، خیر آبادی (متوفی ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء) خیر آبادی ہیں۔
جو، امام الحکمۃ والکلام، علّامہ فضلِ حق، خیر آبادی (متوفی ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) کے والدِ محترم ہیں۔
مولانا سید عبد الواجد، خیر آبادی، تلمیذِ مُلّا، محمد اعلم، سندیلوی کے واسطے سے، علّامہ فضلِ امام خیر آبادی، مُلّا، نظام الدین، سہالوی، فرنگی محلی کے پڑپوتا شاگرد ہیں۔
مولانا سید عبد الواجد، خیر آبادی اور علّامہ فضلِ امام خیر آبادی
یہ دونوں حضرات، مُلّا، محمد ولی فرنگی محلی (متوفی ۱۱۹۸ھ) تلمیذِ مُلّا، کمال الدین محمد، سہالوی و مُلّا، نظام الدین، سہالوی، فرنگی محلی کے شاگرد ہیں۔
مُلّا، محمد ولی، فرنگی محلی کی تالیفات میں شرحِ سُلّم العلوم، حاشیۂ میر زاہد رسالہ و حاشیہ میر زاہد مُلّا جلال ہیں۔
مُلّا، محمد ولی، فرنگی محلی بن مُلّا، غلام مصطفیٰ، فرنگی محلی، بن مُلّا، محمد اسعد، سہالوی بن مُلّا قطب الدین، شہید، سہالوی کے براہِ راست شاگرد کی حیثیت سے
مولانا عبد الواجد، خیر آبادی اور علّامہ فضلِ امام، خیر آبادی، یہ دونوں حضرات مُلّا، نظام الدین، سہالوی، فرنگی محلی کے پوتا شاگرد ہیں۔
مولانا رحمٰن علی (متوفی ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) آپ کے مختصر ترین تذکرہ میں لکھتے ہیں:

مولوی عبدالواجد، خیرآبادی، مولوی محمد اَعلم، سندیلوی کے ہمشیرزادے اور شاگرد تھے۔
ان کے شاگردوں میں، مولوی فضلِ امام خیرآبادی، صدرُ الصُّد ور دہلی، بہت مشہور ہوئے۔
مولوی امامُ العالم، خیرآبادی، شارحِ قصیدہ بُردہ، ان کے پوتوں میں تھے۔
جو، مؤلّف اور ان (رحمٰن علی) کے ہم سبق تھے۔ اور طبع و ذہن کے اعتبار سے
مُشارٌ اِلَیہِ (مولانا عبدالواجد، خیرآبادی) کے مثل تھے۔

(ص ۳۳۱۔ ''تذکرۂ عُلماے ہند''۔ مؤلّفہ رحمٰن علی۔ اردو ترجمہ: پروفیسر محمد ایوب، قادری۔
مطبوعہ ہسٹوریکل سوسائٹی، کراچی۔ طبعِ اول ۱۹۶۱ء)

مولانا عبدالواجد، کرمانی، خیرآبادی، اعلیٰ درجہ کے مدرس تھے۔
مگر، آپ کی کسی تصنیف کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔
مولانا عبدالشاہد، شیروانی، علی گڑھی (متوفی جمادیٰ الاولیٰ ۱۴۰۴ھ رفروری ۱۹۸۴ء لکھتے ہیں:
''عُلَما میں، پچھلے دَور میں (خیرآباد کے اندر) سب سے بڑی شخصیت
مولانا حاجی صفتُ اللہ، محدّث خیرآبادی شاگرد، مُلّا، قطب الدین، شمس آبادی
(تلمیذِ مُلّا، قطب الدین، سہالوی کی گذری ہے۔
آپ کے صاحب زادے، مولانا احمدُ اللہ، ان کے شاگرد، مُلّا، عبدالواجد، کرمانی، خیرآبادی
صاحبِ فضل وکمال اور دور و نزدیک، مشہور تھے۔''

(ص ۱۴۲۔ ''باغی ہندوستان''۔ مطبوعہ المجمع الاسلامی، مبارک پور)

مُلّا، عبدالواجد، خیرآبادی کے بارے میں، اِسی صفحہ کے حاشیہ میں ہے کہ:
''موصوف (مُلّا، عبدالواجد، خیرآبادی) پُرجوش تقریر فاضل تھے۔
آپ کا ہر شاگرد، درجۂ کمال کو پہنچا ہوا تھا۔
تقریر ایسی فرماتے کہ عامی اور بازاری انسان بھی سمجھ لیتا تھا۔
مولوی محمد اَعلم، سندیلوی سے تلمذ، حاصل تھا۔ استاد، شاگرد پر، بے انتہا شفقت کرتے تھے۔
بعض کتابیں، مُلّا، وہاج الدین بن مولوی قطب الدین گوپاموی سے پڑھیں۔
صدرا کے کچھ اسباق، مولوی غلام طیب کی معیت میں مولانا احمدُ اللہ بن حاجی صفتُ اللہ
محدّث سے بھی پڑھے۔ ۱۲۱۸ھ میں رحلت ہوئی۔ (حاشیہ صفحہ ۱۴۲۔ باغی ہندوستان)
مولانا سید عبدالواجد، کرمانی، خیرآبادی کا مزار، خیرآباد میں ہے۔

مولانا شیروانی، علی گڑھی، تذکرۂ علّامہ فضلِ امام، خیرآبادی میں لکھتے ہیں:

''اِحاطۂ درگاہِ مخدوم، شیخ سعد الدین، خیرآبادی میں اپنے استاذ، مُلّا، عبدالواجد، کرمانی سے

کچھ فاصلے پر، شمالی حصے کی جانب آخر میں مدفون ہوئے۔

اس حصے کے آغاز میں مولانا عبدالحق، خیرآبادی کی قبر ہے۔

اب، یہ قبریں، شکستہ ہیں۔ ممکن ہے کچھ دن بعد، آثار بھی باقی نہ رہیں۔

اِس وقت بھی، ان کے جاننے والے، خال خال ہیں۔

کاش! کوئی قدر دانِ علم بزرگ، ان کے نام کے پتھر لگا کر

ان فُضَلا کے آثارِ قبور کو، مٹنے سے بچالیتے۔

(ص ۱۴۲۔ باغی ہندوستان۔ مطبوعہ المجمع الاسلامی، مبارک پور)

مُلّا، عبدالواجد، کرمانی، خیرآبادی اور علّامہ فضلِ امام، خیرآبادی

یہ دونوں مشاہیرِ خیرآباد، مُلّا، محمد ولی فرنگی محلی تلمیذِ مُلّا، کمال الدین، سہالوی و مُلّا، نظام الدین

سہالوی، فرنگی محلی کے شاگرد اور دونوں، ''ہم استاذ'' ہیں۔

مولانا نعمت اللہ، فرنگی محلی (نبیرۂ مُلّا، محمد ولی، فرنگی محلی) کے ایک مخطوطہ (مملوکہ فرنگی محل

میں، تلامذۂ مُلّا، محمد ولی، فرنگی محلی میں، دونوں کے نام، درج ہیں۔

اس کا ذکر، ''تذکرۂ عُلمائے فرنگی محل'' اور ''اَحوالِ عُلمائے فرنگی محل'' میں بھی مطبوع وموجود ہے۔

جیسا کہ ''تذکرۂ عُلمائے ہند'' مؤلّفہ رحمٰن علی کے حاشیہ میں

بقلم، مترجم، پروفیسر محمد ایوب، قادری اس کی صراحت ہے۔

(حاشیہ ص ۳۸۲۔ تذکرۂ عُلمائے ہند۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء)

''خیرآبادی سلسلۂ علم و حکمت'' علّامہ فضلِ حق، خیرآبادی کے والدِ محترم

علّامہ فضلِ امام خیرآبادی کی طرف، منسوب ہے۔

مولانا صوفی عبدالرحمٰن، لکھنوی

مولانا صوفی عبدالرحمٰن، وجودی، لکھنوی (متولد ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۸ء۔ متوفی ۱۲۴۵ھ/۱۸۲۹ء) بن سید محمد حَسن، متوطن کوٹ مخدوم عبدالحکیم، تعلقہ مبارک پور، (شکار پور، سندھ)

جلیل القدر عالم اور صوفیِ کامل تھے۔

آپ ہی کو، صوفی عبدالرحمٰن، موحّد لکھنوی بھی کہا جاتا ہے۔

انیس (۱۹) سال کی عمر تک اپنے والد، سید محمد حسن سے تعلیم، حاصل کی۔

پھر، چار سال تک، خیر پور (سندھ) میں مولوی محمد فاضل سے متوسّطات تک کی تعلیم، حاصل کی۔ قصبہ مہاروں میں بھی، مولوی اسداللہ سے تحصیلِ علم کیا۔

اس کے بعد، دہلی پہنچے۔ یہاں سے کچھ دنوں بعد، رام پور کا سفر کیا۔

اور بحرالعلوم، مولانا عبدالعلی، فرنگی محلی، لکھنوی (متوفی ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) کی خدمت میں ایک سال، رہ کر ۱۱۹۹ھ/۱۷۸۴ء میں تکمیلِ علوم کیا۔

۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء میں، حج وزیارتِ حرمین طیبین کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔

واپسی کے بعد لکھنؤ پہنچے اور مسجد پنڈواری میں قیام کیا۔

مسئلہ "وحدۃ الوجود" کے حقائق ونکات کے عارف تھے۔ مطیعِ سنّت وشریعت تھے۔

متبحر عالم ہونے کے ساتھ، خوش بیان واعظ تھے۔ سماع کے شائق تھے۔

رسالہ "کلمۃ الحق" اور "کاسِرۃ الاسنان" دربیانِ توحید، آپ کی تصنیفات ہیں۔

سلسلۂ چشتیہ میں، شاہ عظیم چشتی، خلیفۂ حضرت شاہ فخرالدین، چشتی، دہلوی سے بیعت تھے۔ اجازت وخلافت بھی حاصل تھی۔

احترامِ سادات اور قناعت وتوکل وعُزلت نشینی، آپ کے خصوصی اوصاف تھے۔

ایک مشہور تاریخی واقعہ، باعثِ عبرت ہے کہ:

شاہ محمد اسمٰعیل، دہلوی (متوفی ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) جب سکھوں کے خلاف اپنی جہادی مہم میں، عازمِ پنجاب وسرحد ہوئے تو، علمائے فرنگی محل، لکھنؤ اور صوفی عبدالرحمٰن، وجودی، لکھنوی کے بارے میں ایسے نازیبا اور دل خراش تبصرے کیے، جن سے ان کی جارحانہ وہابیت کے عزائم آشکار، اور نمایاں ہو جاتے ہیں۔

لکھنؤ میں حضرت صوفی عبدالرحمٰن، وجودی سے ملاقات کے وقت

شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی نے اپنا، یہ گستاخانہ ارادہ، ظاہر کیا کہ:

ابھی تو، عزمِ جہاد اور سلسلۂ سفر ہے۔ واپسی کے بعد آپ کی خبر لوں گا۔"

حضرت صوفی صاحب نے ارشاد فرمایا: پہلے تم، واپس تو آ جاؤ۔"

قلندر ہر چہ گوید، دیدہ گوید کا مصداق، یہ جُملہ ہوا کہ:

آپ کا کشف، غالب آیا اور شاہ محمد اسمٰعیل، دہلوی کو، دوبارہ لکھنؤ اور دہلی کا منہ دیکھنا بھی

نصیب، نہ ہو سکا۔ اور بالاکوٹ ہی، آپ کا مدفن بن گیا۔ فَاعْتَبِرُوْا یَاۤاُولِی الْاَبْصَار۔

سچ ہے کہ: اِتَّقُوا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللہ۔

مذکورہ بالا واقعہ، صدی ڈیڑھ صدی قدیم بعض کتابوں میں مسطور و مذکور ہے۔

اِسی طرح، درگاہِ حضرت محبوبِ اِلٰہی، نظام الدین اولیا، دہلی کے تعلق سے بھی

شاہ محمد اسمٰعیل، دہلوی کے جارحانہ و مُفسِدانہ خیالات و عزائم کا بعض قدیم تحریروں میں، ذکر ملتا ہے۔

مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری لکھتے ہیں:

......استاذُ الھند، قطبُ الاقطاب، مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی قُدِّسَ سِرُّہٗ اور ان کے

فرزند، ملک العلما، بحرالعلوم، مُلّا، امام، عبدالعلی محمد، فرنگی محلی قُدِّسَ سِرُّہٗ کے

اَخلاف و جانشینان اور سلسلۂ تلامذہ کے کِبار عُلما و مشائخ نے تقویۃ الایمانی ایمان و عقیدہ

کا، رَدِّ بلیغ فرمایا۔

مولوی اسمٰعیل، دہلوی، کلکتہ، بنگال جاتے ہوئے لکھنؤ پہنچے اور دارُ العلم و العمل، فرنگی محل کے

عُلمائے اَخیار سے ملے۔

ان حضراتِ کِبار نے مولوی اسمٰعیل، دہلوی کے عقیدہ کو، مستر د کر دیا۔

اس وقت، فرنگی محل میں اسلاف کی مَسندِ رُشد و ہدایت پر حضرت امام، عارف باللہ

مولانا شاہ انوارُ الحق، ان کے فرزند، مرجعِ الا فاضل، مُلّا، شاہ نورُ الحق

حضرت مُلّا، امام محمد مبین کے خلفِ اَسعد، حضرت مُلّا محمد حیدر، جلوس فرماتے۔

حضرت بحرالعلوم، ملک العلما، قطبِ زمانہ، امام، عبدالعلی محمد، فرنگی محلی کے تلمیذِ اَجل

مخزنِ اَسرارِ توحید، حضرت مولانا شاہ، سید عبدالرحمٰن، صوفی سے بڑے دعاوئی کے ساتھ

مولوی اسمٰعیل دہلوی ملنے گئے۔ مگر، ان کے سامنے، ان کی زبان، بند ہو گئی۔

واپس ہوتے ہوئے اپنے طرف داروں سے کہا:

فرنگی محل کے مولوی، بہت گمراہ ہیں۔ بنگال سے واپسی پر، ان سے جہاد کروں گا۔''

(ص ۲۰۷ وص ۲۰۸۔ ''سوانحِ رفاقتی'' مؤلفہ: مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری۔

کاروانِ رفاقت اسلام آباد، مظفر پور، بہار۔ ۱۴۳۱ھ/نومبر ۲۰۱۰ء)

محمد حسین، رئیسِ قصبہ نہٹور ضلع بجنور لکھتے ہیں کہ:

جب، شاہ محمد اسمٰعیل، دہلوی اپنے متعلقین ومعاونین کے ساتھ، دہلی سے روانہ ہو کر لکھنؤ پہنچے اور اپنے خیالات کی تبلیغ شروع کی۔

''اسی زمانہ میں، مولانا عبدالرحمٰن، ولایتی، صوفی لقب، شہر لکھنؤ میں، مقیم تھے۔

ان کے کشف وکرامات کی، اس زمانے میں، بڑی شہرت تھی۔

مولوی اسمٰعیل، بحث ومباحثہ کے ارادے سے ملنے گئے۔ مگر، کہتے ہیں کہ:

صوفی صاحب کا تصرُّف، غالب رہا۔ بحث، شروع کرنے سے باز، رہے۔

رُخصت ہونے کے وقت، مولوی اسمٰعیل، دہلوی نے، فرمایا کہ:

''فرنگی محل (لکھنؤ) کے مولوی، بہت گم راہ ہیں۔ میرا اِرادہ ہے کہ:

جس وقت، کلکتہ سے واپس ہوں گا۔ اِن گم راہوں سے، جہاد کروں گا۔''

مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے کہا کہ:

''صاحب زادے! جو، اِس قسم کا ارادہ رکھتے ہیں، وہ، مُڑ کر نہیں آتے۔''

(فریادُ المسلمین، مطبوعہ مطبع ریاضِ ہند، امرتسر۔ ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۰ء۔ مؤلفہ محمد حسین بجنوری)

تاریخی شہرت کے حامل، مجاہد عالمِ دین، مولوی امیر علی، امیٹھوی (شہادت صفر ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۵ء) خانوادہ مُلّا جیون، امیٹھوی، استاذ سلطان اورنگ زیب عالم گیر کے ممتاز فرد مولانا اسدُ اللہ (متوفی رمضان ۱۲۸۱ھ) فرزند وتلمیذ مولانا نورُ اللہ، فرنگی محلی وتلمیذِ مولانا ظہورُ اللہ فرنگی محلی، اور صوفی عبدالرحمٰن، لکھنوی، تلمیذِ بحرالعلوم، علاّمہ عبدالعلی، فرنگی محلی کے تلمیذ اور مرید وخلیفہ تھے، یہ مولانا امیر علی، امیٹھوی۔

''تذکرۂ علمائے ہند'' مؤلفہ رحمٰن علی میں، آپ کا تعارف، اِس طرح ہے:

''جب، کفارِ ہند نے مسجد عالمگیری، واقع ہنومان گڑھی، متعلقہ اَوَدھ

(ہنومان گڑھی ہندوؤں کی مشہور عبادت گاہ ہے) کو، شہید کر دیا

اور اس معرکے میں، شاہ غلام حسین، مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ

۱۳/ ذی قعدہ ۱۲۷۱ھ/ ۱۸۵۵ء میں شہید ہو گئے

تو، مولوی امیر الدین علی، شاہ غلام حسین (اَوَدھی اور مسلمانوں) کے خون کے انتقام کی

غرض سے، ہنومان گڑھی کے، بَیراگیوں کے مقابلے پر جہاد کے لئے تیار ہو گئے۔

اور جاں باز غازیوں کی ایک جماعتِ کثیر نے ان کے ہاتھ پر، جہاد کے لئے بیعت کی۔

سُنّی و شیعہ علما، پس و پیش میں پڑ گئے۔ کسی نے فرضیتِ جہاد کے مفقود ہونے کا بیان کیا

تو، دوسرے نے شرطِ امامت کو، پیشِ نظر رکھا۔

واجد علی شاہ، فرماں رَوَائے لکھنؤ، اس جھگڑے کے تصفیے کا وعدہ کرتا تھا

اور ریزیڈنٹ کی طرف سے لڑائی جھگڑے کے دفعیہ کے لئے بادشاہ اور وزیر پر، اِصرار ہوتا رہا۔

اس قیل و قال میں کچھ وقت گذرا۔ جب، دولت مند ہندوؤں کے اثر سے (تصفیہ کی)

امید منقطع ہو گئی، تو، امیر المجاہدین، مولوی امیر الدین علی، عزمِ بالجزم کر کے

اپنے مقصود کی طرف روانہ ہو گئے۔

فرماں رَوَائے لکھنؤ (واجد علی شاہ) کی فوج کا افسر، بارلو، فرنگی، حاکمِ وقت (واجد علی شاہ)

کے حکم سے، سَدِّ راہ ہوا۔

اور شجاع گنج (اَوَدھ) کے مقام پر "بارلو" کی فوج نے، غازیوں کا محاصرہ کر لیا۔

طرفین سے مقابلہ ہوا۔ ۲۶/ صفر، بروز بدھ، ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۵ء کو، امیر المجاہدین (مولوی

امیر الدین علی) شہید ہو کر، راہیِ جنت ہوئے۔ اللہ، ان کی سَعی، مشکور فرمائے۔ آمین۔

عین معرکہ میں، ان کے بعض ارادت مندوں نے عرض کیا کہ:

حالات، خراب ہو چکے ہیں۔ اگر، آپ فرمائیں تو، آپ کو کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیا جائے؟

اس کے جواب میں (مولوی امیر علی نے) بے ساختہ، زبانِ حق ترجمان سے فرمایا:

سرِ میداں، کفن بر دوش دارم (۱۲۷۲ھ)

طالبانِ تاریخ نے شہادت کے بعد غور کیا

تو مصرع کے اَعدَاد، سالِ شہادت کے مطابق نکلے۔ (یعنی ۱۲۷۲ھ)

منشی ظہیر الدین، خلفِ منشی مسعود، بلگرامی نے اس کو، اِس طرح، تضمین کیا ہے:

قطعۂ تاریخِ شہادتِ مولوی امیر الدین علی، امیٹھوی

از منشی ظہیر الدین، بلگرامی

بتاریخ شہیدانِ کفن پوش — چہ حاجت تا سَنَنْش، مَنْ بَرِنگارم
کہ خود فرمود آں، میرِ شہیداں — سرِ میداں، کفن بردوش دارَم

(ص ۱۲۴ و ص ۱۲۵۔ ''تذکرۂ علمائے ہند''۔ مؤلفہ رحمٰن علی۔ اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب، قادری
مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی۔ کراچی۔ طبع اول ۱۹۶۱ء)

مترجمِ ''تذکرۂ علمائے ہند'' پروفیسر محمد ایوب، قادری لکھتے ہیں:

''مولوی امیر الدین علی بن شیخ محمد بخش بن شیخ امام الدین بن شیخ محمد بن شیخ احمد
عُرف مُلّا جیون، امیٹھی۔

مولوی امیر الدین علی نے لکھنؤ میں تحصیلِ علم کی۔ اٹھارہ (۱۸) سال کی عمر میں ۱۲۳۶ھ
(۲۱۔۱۸۲۰ء) میں، **مولانا عبد الرحمٰن، موحّد لکھنوی کی خدمت میں پہنچے۔**

سات (۷) سال، تین (۳) ماہ، سترہ (۱۷) دن، ان کی خدمت میں رہے۔

مثنویِ معنوی، رسالہ کلمۃُ الحق، کتاب مالابدّ منہٗ شیخ محی الدین ابنِ عربی مع شرحِ عبد الکریم
جیلی، اور، رُبعِ اول مشکوٰۃ شریف، با شرحِ شیخ عبد الحق، محدّث دہلوی

مولانا عبد الرحمٰن، موحّد لکھنوی سے پڑھیں۔

کتاب ''نورِ مطلق (شرحِ کلمۃُ الحق) کو، سبقاً سبقاً، مولوی نورُ اللہ، بچھرایونی سے پڑھا۔

اور سلوک و تصوف میں اِستفادہ کیا۔

۱۲۴۲ھ (۲۷۔۱۸۲۶ء) بروز عید الاضحیٰ، مولوی عبد الرحمٰن، لکھنوی کے مُرید ہوئے۔

تمام سلاسل میں اجازت و خلافت ملی۔

سیکڑوں اشخاص، ان کے مُرید ہوئے اور راہِ ہدایت پائی۔

زیارتِ حرمین شریفین سے مشرّف ہوئے۔''

(حاشیہ ص ۱۲۵۔ تذکرۂ علمائے ہند، مترجم، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء)

مولانا شاہ، عینُ الحق، عبدالمجید، بدایونی

حضرت مولانا شاہ عینُ الحق عبدالمجید، عثمانی، قادری، برکاتی، بدایونی (ولادت رمضانُ المبارک ۱۱۷۷ھ/۱۷۶۴ء وصال ۱۷ محرمُ الحرام ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۶ء) شمس العارفین، سید شاہ آلِ احمد عُرف اچھے میاں، قادری برکاتی، مارہروی (وصال ۱۲۳۵ھ/جنوری ۱۸۲۰ء) کے خلیفۂ ارشد اور اہلِ سُنّت کے جلیلُ القدر عالمِ دین و عارف بِاللہ تھے۔

مولانا رحمٰن علی (وصال ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) مؤلّف ''تذکرۂ علماے ہند'' حضرت مولانا شاہ عینُ الحق، عبدالمجید، عثمانی، قادری برکاتی قُدِّسَ سِرُّہٗ کے تعارف و تذکرہ میں لکھتے ہیں:

''مولوی عبدالمجید، بدایونی بن عبدالحمید بن مولوی محمد سعید بن مولوی محمد شریف بن مولوی محمد شفیع، بدایونی، ۲۹ر رمضانُ المبارک ۱۱۷۷ھ/۱۷۶۴ء میں پیدا ہوئے۔

''ظہورُاللہ'' ان کا تاریخی نام ہے۔

ابتداے عمر سے مولوی محمد علی، بدایونی کی خدمت میں تربیت، حاصل کی۔

زُہد و تقویٰ اور علمِ دین کی تعلیم میں مشغول رہے۔ اکثر کتب مروّجہ، ان کی خدمت میں پڑھیں۔

ان (مولوی محمد علی، بدایونی) کے انتقال کے بعد، بقیہ درسی کتابیں، مولوی ذوالفقار علی، ساکن قصبہ دیوہ (مضافاتِ لکھنؤ) تلمیذِ مولانا نظام الدین بن مُلّا قطب الدین، سہالوی سے پڑھیں۔

علم سے فراغ، حاصل کرنے کے بعد، مُرشدِ کامل کا خیال پیدا ہوا۔

ہر طرف، شیخِ کامل کی تلاش، شروع کی۔ چوں کہ بہت سے مشائخِ وقت (کامل طور سے) شریعت کا اِتّباع نہیں کرتے تھے، اِس لئے اِس گروہ سے نفرت، شروع ہوگئی۔ قسمت، یاوَر تھی۔

خواب میں دیکھا کہ:

حضرت ہادیِ المُضِلّین، سیدُ المرسلین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی مجلس میں جناب محبوبِ سبحانی، غوثِ صَمدانی، شیخ عبدالقادر، جیلانی۔

مخدومُ الانام، کانِ نمک، گنج شکر، شیخ فریدالدین مسعود، نیز دوسرے اولیا، موجود ہیں۔

حضرت رسالت پناہی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اشارے سے غوثِ اعظم نے مولوی عبدالمجید، بدایونی کا ہاتھ، سید شاہ آلِ احمد، مارہروی کے ہاتھ میں دے دیا۔

جب، وہ، بیدار ہوئے، تو، مارہرہ کا راستہ لیا۔ اور اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔
زُہد وتقویٰ اور اِتباعِ شریعت کو کامل طور سے پایا، ان کے مُرید ہوئے۔
خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اپنے مُرشد سے "معین الحق" کا لقب پایا۔
اَسّی (۸۰) سال کی عمر میں حج وزیارت سے مشرّف ہوئے۔" الخ

(ص ۳۲۲ "تذکرۂ علماے ہند"۔ مؤلّفہ مولانا رحمٰن علی۔ ترجمہ اردو از پروفیسر محمد ایوب قادری۔
مطبوعہ پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی۔ کراچی۔ ۱۹۶۱ء)

مولانا محمد رضی الدین، صدیقی، بسمل بدایونی (وفات ۱۳۴۳ھ) اپنی سوانحی کتاب "تذکرۃ الواصلین" (تصنیف ۱۳۱۶ھ، ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء، ۱۹۰۰ء) میں لکھتے ہیں:

مولانا محمد علی، بدایونی سے تحصیلِ علم کی، جو، قاضی مبارک، گوپاموی اور قاضی مُستعد خاں دہلوی کے شاگرد تھے۔ بعد وفاتِ جناب مولوی محمد علی صاحب کے، بمقام لکھنؤ
تلامذۂ ملکُ العلما، مولانا نظام الدین، سہالوی سے تکمیلِ علوم فرمائی۔
حضورِ اقدس، سیدُ الواصلین، سندُ العارفین، ابوالفضل، حضرت سید شاہ آلِ احمد، اچھے میاں صاحب، قادری، مارہروی کے دستِ حق پرست پر، شرفِ بیعت سے مشرّف ہوئے۔
اور شرفِ اِختصاص وخلافتِ خاص سے ممتاز ہوکر "شاہ معین الحق" لقب، عطا ہوا۔
تیس (۳۰) سال کامل، حضرت مُرشدِ برحق کے خدمت میں کمالِ ریاضت ومجاہدات میں مشغول رہے۔
بعد وصالِ مرشد کے، وطن (بدایوں) میں تشریف لاکر، دریاے فیضِ باطنی وظاہری جاری فرماکر، ایک عالَم کو سیراب کیا۔
اَسّی (۸۰) سال کی عمر میں باوجود، شدتِ ضعف وکثرتِ اَمراض، غلبۂ شوق میں عزمِ سفر، حرمین طیبین کا فرمایا۔ اگرچہ، بظاہر، یہ سفر اُس وقت اور اس عمر میں نہایت مشکل تھا۔
مگر، بہ تائیدِ ربانی، بہ کمال آسانی، طے ہوا۔
اس سفر میں آپ کے خُلفُ الصِّدق وخلیفۂ برحق، حضرت مولانا شاہ معینُ الحق فضلِ رسول قادری نے سعادتِ کاملۂ خدمتِ خاص، حاصل فرمائی۔
اور دربارِ مرشد سے "شاہ معینُ الحق" کے لقب سے، سرافروزی پائی۔
.......آپ کے تلامذہ میں سے، جناب مولانا افتخار الدین صاحب و مولانا شاہ سلامتُ اللہ

صاحب، بدایونی اور مولوی سعد الدین، عثمانی و مولوی عبد الوالی صاحب و حافظ علی حَسَن صاحب وجناب مولانا سید شاہ آلِ رسول صاحب، مارہروی، سجادہ نشین درگاہِ مارہرہ شریف وغیرھُم ہیں۔

منجملہ آپ کی تصنیفات کے، فتحُ المنّان، شرحِ فارسی جو اھرُ الرحمٰن وشرحِ فارسی کتابُ الصّلوۃ و محافلُ الانوار ورسالہ رَدِّ وہابیہ ورسالہ رَدِّ رَوافض اور دیگر، رسائلِ تصوف ہیں۔

......آپ کے مُرید و خلیفہ، صدہا آدمی ہوئے۔"

("تذکرۃُ الواصلین" ۔ مؤلّفہ محمد رضی الدین صدیقی، بسمل بدایونی ۔ مطبوعہ رائے صاحب گلاب سنگھ اینڈ سنس پریس ۔ لکھنؤ ۔ ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء)

مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری آپ کے تعارف وتذکرہ میں لکھتے ہیں:

"قدوۃُ العُلما، زُبدۃُ العُرفا، عروسِ حُجلۂ تقدیس، نوشاہِ خلوتِ توحید، حضرت مولانا شاہ عینُ الحق عبد المجید، سرمستِ بادۂ توحید، حضرت شاہ عبد الحمید، عثمانی، بدایونی المتوفی ۱۲۳۳ھ کے بڑے صاحبزادے، ۲۹ رمضانُ المبارک ۱۱۷۷ھ کو پیدا ہوئے۔

"ظہورُ اللہ" تاریخی نام، تجویز ہوا۔

بزرگِ خاندان اور والدِ ماجد کے پھوپھا، بحرُ العلوم، مولانا شاہ محمد علی، عثمانی، بدایونی اور اپنے ماموں، حضرت مولانا محمد عمران خطیب اور پھوپھا، حضرت مولانا شاہ عبد الغنی قُدِّسَتْ اَسْرَارُھُم سے پڑھنے کے بعد، لکھنؤ میں حضرت مولانا ذوالفقار علی، دیوی (اَوَدھی) سے تکمیلِ علوم کی۔

بہ اشارۂ سرورِ کائنات، فخرِ موجودات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

حضرت شاہ اچھے میاں، مارہروی کے دستِ حق پرست پر، مُرید ہوئے۔

مُرید ہونے کے بعد آپ نے شب و روز، شیخ کی خدمت میں حاضری کا اِلتزام کیا۔

..............."آثارِ احمدی" میں حضرت اچھے میاں نے آپ کے بارے میں نہایت بلند کلمات تحریر فرمائے ہیں۔

.......حضرت سید شاہ آلِ رسول، احمدی، مارہروی اور مولانا شاہ سلامتُ اللہ، کشفی، بدایونی آپ کے نامور شاگرد تھے۔ اور حضرت مولانا فضلِ رسول، بدایونی آپ کے صاحبزادے اور جانشین تھے۔ ("تذکرۂ عُلمائے اہلِ سُنّت" ۔ مؤلّفہ مولانا محمود احمد قادری رفاقتی ۔ مطبوعہ کانپور ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء)

مولانا ضیا علی خاں، اشرفی آپ کے تعارف وتذکرہ میں لکھتے ہیں:

"مولانا شاہ عبد المجید، قُدوۂ اہلِ دیں اور شہِ کاملین تھے۔

عبدالمجید نام اور ''شاہ عینُ الحق'' خطاب، پیر و مُرشد کا عطا کیا ہوا تھا۔
''خاتم الاولیا'' کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔
والدِ ماجد کا اسمِ گرامی، مولوی عبدالحمید تھا۔ حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ کی اولاد میں تھے۔ مورثِ اعلیٰ کا نام، دانیال قطری تھا۔
........آپ کے پیر و مرشد (حضرت اچھے میاں، مارہروی) اپنے سَر ناموں میں آپ کو ''فضلُ العمید، مولوی عبدالمجید'' لکھا کرتے تھے اور فرماتے تھے:
''مولوی عبدالمجید کی ظاہری حالت، مثل ابوحنیفہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ کے ہے۔
اور باطن، ان کا مثل، منصور کے ہے۔''
........مارہرہ شریف میں زیادہ رہتے تھے۔ پیر و مُرشد نے آستانۂ برکاتیہ کے مدرسہ کی نظامت آپ کے سپرد کر دی تھی۔ مُنتہی طلبہ کو، درس بھی دیتے تھے۔
پیر و مُرشد کے وصال کے بعد، بدایوں چلے آئے تھے۔
عمر کے آخری حصے میں مسجدِ خُرما (بدایوں) کے شمالی حجرے میں گوشہ نشینی، اختیار کر لی تھی۔
آپ کی ذاتِ بابرکات سے بے شمار خلائق نے راہِ ہدایت پائی۔
........مولانا شاہ عبدالمجید، قادری کے ارشدِ تلامذہ میں، حضرت سید نا شاہ آلِ رسول مارہروی اور حضرت مولانا شاہ سلامتُ اللہ، کشفی، بدایونی، کانپوری، مشہور ہیں۔
آپ کے خُلفائے گرامی میں مولانا محمد مکّی میاں و مستان شاہ کمبل پوش، اجمیری و مولانا شیخ مصلح الدین، فتح پوری اور مولانا شاہ فضلِ رسول، بدایونی، خاص طور پر، قابلِ ذکر ہیں۔
۷ المحرمُ الحرام ۱۲۶۳ھ، شب سہ شنبہ کو، وصال ہوا۔
نمازِ جنازہ، مولانا شاہ فضلِ رسول صاحب، بدایونی نے پڑھائی۔''
(''مردانِ خدا''۔ مؤلفہ مولانا ضیا علی خاں اشرفی۔ طبعِ چہارم، شوقین بکڈپو۔ بدایوں۔ ۱۹۹۸ء)

مولانا سید کفایت علی کافی، مرادآبادی

حضرت مولانا سید کفایت علی، کافی، مرادآبادی (شہادت ۲۲ر رمضان ۱۲۷۴ھ/مطابق ۶ر مئی ۱۸۵۸ء۔ مرادآباد) سرزمینِ مرادآباد کے مشہور عالم و فاضل و طبیب و شاعرِ نعت اور خطّۂ روہیل کھنڈ کے ایک اہم قائدِ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء تھے۔

شاہ ابوسعید، مجدّدی، رام پوری، خلیفۂ شاہ غلام علی، مجدّدی، دہلوی، و تلمیذِ شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی سے علمِ حدیث کا درس لیا۔

اور علومِ منقول و معقول کی مولانا ظہوراللہ، فرنگی محلی، لکھنوی سے تحصیل کی۔

مولانا رحمٰن علی مؤلّفِ ''تذکرۂ علماے ہند'' کے والد، حکیم شیر علی سے علمِ طِب اور شیخ مہدی علی خاں، ذکی، مرادآبادی سے فنِ شاعری سیکھا۔

مولانا کافی، مرادآبادی ۱۸۴۱ء میں حج و زیارتِ حرمین شریفین سے مشرّف ہوئے۔ جس کی مقدس یادگار ''تجمّلِ دربارِ رسالت'' ہے۔ جس میں آپ نے اپنے اِحساسات و تأثرات اور جذباتِ فراواں کا اظہار، بڑے والہانہ انداز میں کیا ہے۔

مثنوی تجملِ دربارِ رحمت بارِ نبی کریم عَلَیہِ الصَّلوٰۃُ وَ التَّسلِیم۔

ہے سزاوارِ تمامی حمد، وہ ربِّ مُجیب
صاحبِ لَوْلَاک ہے جس ربِّ اکبر کا حبیب

نور سے اپنے وہ نورِ اوّلیں پیدا کیا
اور اُس محبوب کو لَــــــوْلَاک کا رُتبہ دِیا

اور اُس اپنے نبی پر کی جو نازل اِک کتاب
رحمۃٌ لِلعالَمیں کا اُس کو فرمایا خطاب

رحمتِ عالَم کا وہ دربارِ عالی شان ہے
جلوۂ دِیدار پر، جس کے تصدّق، جان ہے

ہو نہیں سکتے بیاں، اوصاف اُس درگاہ کے
کیا ادب آداب ہیں، درگاہِ شاہنشاہ کے

وہ تجمل شوکت و ہیبت کا عالَم ہے کہ یاں
ایک ذرّہ سے بھی کم ہے، قدرِ شاہانِ جہاں

ہر در و دیوار پر، اِک عالَمِ تنویر ہے
سرنگوں جس کے رَقم سے خامۂ تحریر ہے

آستانِ انور و اقدس پہ خلقت کا ہجوم
ہر طرف صَلوات خوانوں اور زوّاروں کی دھوم

پڑھ رہا ہے دست بستہ، باادب کوئی سلام
ہے کوئی سرگرمِ تسلیمات باحُبِّ تمام

کوئی اِس دربار میں، ہے سرنگوں بیٹھا ہوا
ہے کسی کا بہرِ مطلب، اُٹھ رہا دستِ دُعا

جابہ جا قرآن خواں، گرمِ تلاوت ہیں یہاں
عابد و زُہّاد، مشغولِ عبادت ہیں یہاں

صوفیانِ باطریقت عارفانِ باکمال
ہیں بہ قدرِ رُتبہ، سرگرمِ بُکا وَ وَجد و حال

ہے ہجومِ درس جس جا، اور ہی وَاں دھوم ہے
جو یہاں حاضر ہے اُس کا کیا، بڑا مقسوم ہے

ہے زیارت میں درِ دولت کی اَنبوہِ کثیر
اہلِ روم واہلِ ہند، اہلِ عرب بُر ناو پیر

دست بستہ ہو کے پڑھتے ہیں وہ صلوٰت وسلام
کرتے ہیں پھر عرضِ مطلب، زائرانِ نیک نام

ہے کسی کے ہاتھ میں جالی کا شُبکہ آ گیا
مَل رہا ہے اُس سے آنکھیں اور کرتا ہے دُعا

آستانے پر کوئی رکھتا ہے چشمِ اَشک بار
لے کے خاکِ آستاں، مَلتا ہے منھ پر بار بار

اور اُسی حجرے کے اندر بالیقیں
ہے جہاں وہ خواب گاہِ رحمۃٌ لِلعالمیں

اور محرابِ تہجد کی طرف، صَــلِّ عَــلــیٰ
ہے مزارِ بنتِ ختمِ المرسلیں خیر النّسا

داخلِ روضہ ہے اور بیرونِ حجرہ وہ مقام
ہے جہاں وہ مَرقدِ بختِ دلِ خیر الانام

اُس مزارِ پاک پر ہے قُبہ چوبیں بنا
اس کے اوپر ہے فروہشتہ غلافِ پُر ضیا

مُنتَہی اُس کے سبب سے ہیں سب اَطرافِ مزار
ہے نصیبِ زائراں وہ پردۂ زرّیں شِعار

اور وُکلائے سلاطین واُمیرانِ جہاں
رہتے ہیں حاضر، بہ دربارِ شفیعِ عاصیاں

ہر وکیل اپنے مؤکل کی طرف سے صبح وشام
عرض کرتا ہے درِ دولت پہ تسلیم وسلام

ایک جا، بالحنِ خوش، بیٹھے ہوئے میلاد خواں
مولدِ خیر الورٰی کا، حال کرتے ہیں بیاں

اور یہ میلاد خوانوں نے رکھا ہے اِلتزام
پڑھتے ہیں آیاتِ قرآں، پیشِ صلوٰت وسلام

بعد ازاں حالِ ولادت، سیدِ اَبرار کا
پھر سراپائے مبارک، احمدِ مختار کا

اور آجاتا ہے جب، ذکرِ ولادت، آپ کا
واسطے تعظیم کے، ہر شخص ہوتا ہے کھڑا

دیر تک رہتے ہیں قائم اور پڑھتے ہیں سلام
بیٹھ کر پھر حالِ مولد کو، وہ کرتے ہیں تمام

ہاتھ اُٹھا، روضے کی جانب، حُرمتِ ھٰذا النّبی
کہتے ہیں وقتِ دعا، سن کر تڑپ جاتا ہے جی

عُود اور صَندل سے جو محفل میں اٹھتا ہے بخور
اس کی خوش بو ہے نصیبِ مجمع نزدیک و دُور

بیش تر ہر روز ہے، یہ شغلِ میلادِ شریف
ہے غرض، ہر طرح سے، اُس بزم میں یادِ شریف

ہے یہ آدابِ مؤذّن، یاں کہ ہنگامِ نماز
آستانِ روضۂ حضرت پہ باعجز و نیاز

اِذن کرتا ہے طلب، پڑھ پڑھ کے صلوٰت وسلام
پھر وہ جاتا ہے اذاں دینے منارے پر مدام

وہ منارہ جس پہ کہتے تھے اذاں، حضرت بلال
اب تلک ہے اُس منارے پر نہیں جاتا کوئی

اور پڑھتے تھے تہجد، آں کر حضرت، جہاں
اب تلک باقی ہے، محرابِ تہجد کا نشاں

اور ہے اس کے مقابل، وہ بھی صُفّہ برقرار
رہتے تھے اَصحابِ صُفّہ، جس جگہ لیل ونہار

شرق کی جانب کو ہے، روضے سے بابِ جبرئیل
آتے رہتے تھے اُدھر ہی سے جنابِ جبرئیل

دوسرا اُس کے برابر، اور ہے بابُ النّسا
وہ بھی اک مشہور ہے بابِ حریمِ مصطفیٰ

اور، وَاں سے شرق کی جانب کو ہے بابُ السّلام
بابِ رحماں نے بھی پایا ہے اُسی جانب نظام

نوعمارت اوروہ جو ایک ہے بابِ مجید
ہے شمالی سَمت کو، بازینت وزیبِ مزید

ایک غُرفہ اور بھی، مشرق کی جانب ہے وہیں
اُس طرف سے بھی کبھی آتے تھے جبرئیلِ امیں

ہے مُزیَّن اب تلک، وہ غُرفۂ والا مقام
آتا تھا اُودھر سے بھی ختمِ رسالت پر پیام

نور اَفشاں ہیں سبھی اَبوابِ شاہِ مُرسلاں
ہے وہ درگاہِ مقدس، مرجعِ قُدُوسیاں

اور وہ جو کچھ حرم میں ہیں درختِ تازہ تر
نخلِ فردوسی سے ایک ایک برگ دیتا ہے خبر

نُوبہارِ نور ہے ہر نخلِ بُن سے آشکار
جلوۂ دیدار پر، اُس کے تصدُّق نوبہار

اور وہ معراج کی شب، مطلعِ نور وضیا
جس کے تھے نظّارگی، حور وملک، اہلِ سما

آئے تھے لینے کو حضرت مصطفیٰ کے جبرئیل
اور لائے آپ کو جس رات میں روحُ الامیں

آتی ہے ہر سال میں جب، وہ شبِ فرخندہ پَے
یاں کے رہنے والوں کا، اِس طرح کا معمول ہے

آتے ہیں چاروں طرف سے، وہ، مدینے کی طرف
تاشبِ معراج کے اِحضار کا پاویں شرف

کیا خوشی کرتے ہیں سب، اہلِ عرب اُس رات کی
ہے بجا اُس کو کہوں گر "عیدِ معراجِ نبی"

جمع ہوتے ہیں بہ پیشِ روضۂ خیر الانام
اُس حریمِ محترم میں ہوتی ہے اِک دُھوم دھام

کرتے ہیں اُس دن، لباسِ فاخرہ، ملبوسِ تن
ہوتی ہے وہ انجمن، رشکِ بہارِ ہر چمن

ہوتے ہیں حاضر وہاں، حضرت نبی کے مدح خواں
حالِ معراجِ رسول اللہ، پڑھتے ہیں وہاں

اور وہ جو ہیں مَنارے، اس حریمِ پاک کے
اس حریمِ اَطہر واقدس شہِ لَـولاک کے

ہوتی ہے اُن پر شبِ معراج میں کیا روشنی
دوسری ایسی کہیں، دیکھی نہ زیبا روشنی

اور اُس شب باعثِ معراجِ ختمِ المرسلیں
ہوتے ہیں گرمِ مبارک باد، باہم اہلِ دیں

آگیا جو سامنے سے، وہ پکارا: شاد ہو۔
آج یہ معراج کی شب ہے، مبارک باد ہو!۔

حَبَّذا! اے طالعِ کافی! یہ تیری رہ بری
مجھ کو دِکھلائی بہارِ "عیدِ معراجِ نبی"

کافیِ عاصی جو حاضر تھا، شبِ اَسریٰ میں وَاں
اُس کو بھی اَحباب، دیتے تھے مبارک بادیاں

عید معراجِ رسول اللہ کی جلوہ گری
وہ تجمل اور اُس درگاہ کی جلوہ گری

بس رہی ہے دیدۂ مشتاق میں، اَب کیا کروں
یاد کر کر روز وشب، اُس رات کو تڑپا کروں

اور ہے وہ صاحبِ کوثر کی یاں جاری، سبیل
یاد آوے دیکھنے سے، جس کے کوثر سلسبیل

وہ خنک پانی کہ ہو، پینے سے جس کے شاد دل
پھر کبھی برف آب کو، ہرگز نہ لاوے یاد دِل

جابہ جا نہریں، رواں پانی، کی، باصد آب وتاب
جوش زَن ہُ اُن میں عجب انداز سے ہے آبِ ناب

اور وہ وُسعت، حریمِ محترم کی حَبَّذا
دیکھنے سے جس کے، پاتی ہے بَصر، نور وضیا

مسجدِ عالی کا عالَم، عالَمِ بالا پہ ہے
مسجدِ ختمِ رسالت، رتبۂ اعلیٰ پہ ہے

عرض میں درجے ہیں اُس مسجد کے، دس تا اِنتہا
اور چودہ طول میں، محرابہائے باصفا

اُستنِ مسجد کو مَیں، گنتی میں لایا جس گھڑی
ایک سو تینتیس پائے، وہ ستونِ مسجدی

وہ ستون وقُبّہ ومحراب، محسودِ جناں
اُن میں نقّاشی کا عالَم، رشکِ باغ وگلستاں

خاص محرابوں کی نقّاشی وگل کاری کا حال
ہو سکے کس سے بیاں؟ ہے یاں زبانِ نُطق، لال

وہ جو، اک محراب ہے، حضرت کے منبر کے قریب
دید کے قابل ہے اس محراب کا حالِ عجیب

ایک جانب اُس کے، منبر ہے شہِ لَولاک کا
دوسری جانب کو ہے، روضہ حبیبِ پاک کا

ہے جو وہ مابین منبر اور روضے کے مقام
روضۂ جنت رکھا، حضرت نبی نے اُس کا نام

نور کا عالَم ہے وَاں، چشمِ ظواہر سے عیاں
وہ جگہ بے شبہ ہے، اِک سطحۂ باغِ جناں

اور وہ منبر کا عالَم، عالَمِ تصویر ہے
اُس کی وہ صَلِّ علیٰ، کیا مشتمل تنویر ہے

ہے وہ منبر اُس جگہ، جس جا، وہ شاہِ کائنات
پڑھتے رہتے تھے وہیں، خطبے کو ثابت ہے یہ بات

کیوں نہ نورانی ہو وہ منبر شہِ لَولاک کا
سیدِ کون ومکاں نے، اُس جگہ خطبہ پڑھا

اور روزِ جمعہ دو زرّیں لوائے سرفراز
گردِ منبر کرتے ہیں، لاکر نصب، وقتِ نماز

احمدی دونوں علَم سے، صاف ہوتا ہے عیاں
ہیں لوائے حمد کے، گویا کہ نائب، یہ نشاں

اور محرابِ رسول اللہ سے سیدھی طرف
دفن ہے وہ اُستنِ حنّانہ، کیا پایا شرف

پشتۂ دیوار کی صورت، لحد اُس چوب کی
بن رہی ہے اب تلک، وہ زیرِ محرابِ نبی

وہ سُتوں تھا عاشقِ صادق، رسول اللہ کا
واہ! چوبِ خشک کو، کیا عشق میں رتبہ ملا
وہ جوتڑپا تھافراقِ صاحبِ لَــــولَاک میں
حشر تک محراب کے، نیچے رہے گا خاک میں
اور محرابوں میں آویزاں ہیں قندیلیں تمام
اور وہ جھاڑوں میں، ہرشب، روشنی کی دھوم دھام
دیکھنے سے ہے تعلق، قابلِ اِنشا نہیں
مثل جس کے عالَمِ اِمکان میں، پیدا نہیں
اور وہ جو ہے شباکِ روضۂ خیرالوَرا
اُس کا عالَم کیا کہوں؟ صَلِّ علیٰ، صَلِّ علیٰ
جلوۂ قُدسی ہے باہر سے وہ جالی کی بہار
نور کے شعلے ہیں ہر شبکے سے اُس کے آشکار
سبزگنبد کاوہ جلوہ، مایۂ نور وضیا
جس نے دیکھادور سے،تسلیم کرکے جُھک گیا
وہ نبی کا سبزگنبد، مطلعِ انوار ہے
چرخِ اَخضرایک جس کا، سایَباں بردار ہے
چار جانب سَقف کے اندر شباکِ پاک کے
گرد ہے وہ جو مکانِ صاحبِ لَولَاک کے
شمع داں ہیں فرش پر، اُوپر ہیں قندیلیں تمام
اورواں کے عُودسوزوں سے مہکتا ہے مشام

علمِ حدیث سے آپ کاشغف واِنہماک، بے پناہ تھا۔
اورعشقِ رسولِ مقبول کے جذبۂ صادق سے آپ کادل،سرشار،رہا کرتا تھا۔
جس کااظہارآپ کے نعتیہ اشعار سے ہوتا ہے۔ چنانچہ،مولانا کافیؔ،عرض کرتے ہیں:

بَس آرزو، یہی دلِ حسرت زدہ کی ہے
سُنتا رہے شمائل واَحوالِ مصطفیٰ

☆☆☆

ہے سعیدِ دوجہاں، وہ جو،کوئی لیل ونہار
نعتِ اَوصافِ رسول اللہ کا،شاغل ہوا

آپ کے اِسی جذبۂ مسعود اوروصفِ محمود سے متاثر ہوکر،امام احمدرضا،قادری برکاتی
بریلوی نے آپ کو''سلطانِ نعت گویاں'' قراردیتے ہوئے عرض کیاہے کہ:

مَہکاہے مِری بوے دِہَن سے عالَم
یاں، نغمۂ شیریں نہیں، تلخی سے بہم
کافیؔ ''سلطانِ نعت گویاں'' ہیں،رضا
اِن شَــــاءَ اللہ مَیں،وزیرِاعظم

پروفیسر،محمدایوب قادری (کراچی) لکھتے ہیں:
مولانا کفایت علی،کافیؔ،مرادآبادی، ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں انگریزوں کے خلاف

سینہ سپر، رہے۔اور مرادآباد میں چلنے والی تحریکِ حریت کے ممتاز قائد تھے۔

جب، مرادآباد میں نواب مجدالدین خاں، عرف مجو خاں کی آزاد حکومت، قائم ہوئی

تو، آپ کو، مرادآباد کا "صدرِ شریعت" بنایا گیا۔

اور آپ، شرعی احکام کے مطابق، مقدمات کے فیصلے کیا کرتے تھے۔

مولانا کافی نے انگریزوں کے خلاف، جہاد کا فتویٰ، جاری کیا اور اُس کی نقلیں، دوسرے مقامات پر بھیجیں۔ اپنے ہم سبق ساتھی، حکیم سعداللہ ولد حکیم عظیم اللہ کے یہاں آنولہ (روہیل کھنڈ) میں، اِسی مقصد سے ایک ہفتے کا قیام کر کے، انگریز مخالف ماحول بنایا۔

حکیم سعدُاللہ صاحب، خود، تحریکِ آزادی کے اہم رکن تھے۔

آنولہ سے مولانا کافی، بریلی پہنچے اور خان بہادر خاں، روہیلہ، نبیرۂ حافظ رحمت خاں روہیلہ سے ملاقات و تبادلۂ خیالات کر کے، جنرل بخت خاں کے ایک فوجی دستہ کے ساتھ جو، دہلی جا رہا تھا، آپ، مرادآباد، واپس آئے۔

(ملخصاً۔جنگِ آزادی نمبر۔ماہنامہ "العلم" کراچی۔شمارہ اپریل تا جون ۱۹۵۷ء)

مرادآباد کے حالات اور نوابِ رام پور کی سرگرمیوں سے آپ، "خان بہادر خاں" کو بذریعۂ دستی خط، برابر مطلع کرتے رہتے تھے۔

سید محبوب حسین، سبزواری، مرادآبادی لکھتے ہیں:

"اِسی دَوران، نواب خان بہادر خاں کو، ایک خط، مولوی سید کفایت علی کافی کا مرادآباد کے متعلق ملا۔ جس میں نوابِ رام پور کی قوم دشمن سرگرمیوں کا تفصیل سے، تذکرہ تھا۔

نواب خان بہادر نے، یہ خط، جنرل بخت خاں کو دکھایا اور نوابِ رام پور کی غدّارانہ حرکتوں سے آگاہ کیا اور مرادآباد میں رام پور کی فوجی مداخلت سے جو حالات پیدا ہو چکے تھے ان کے سدِّ باب کی گفتگو کی۔

نواب، خان بہادر خاں نے جنرل بخت خاں کے مشورہ سے محمد شفیع رسالدار کو مع رسالہ کے مرادآباد جا کر، قیام کا مشورہ دیا۔ (اخبارُ الصّنادید، از حکیم نجم الغنی، رام پوری)

رسالدار محمد شفیع، آنولہ ہوتے ہوئے مرادآباد پہنچے اور خود اپنے مکان میں قیام کیا اور اپنے رسالہ کو، جہاں، اِس وقت انٹر کالج محلہ مغل پورہ میں واقع ہے، پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔

دَورانِ قیام، مرادآباد کے کچھ جوشیلے نوجوانوں کو اپنے ساتھ، ملا کر کے اپنے رسالہ سے

تربیت دلائی اور نمبر ۲۹ پلٹن مُقیم مراد آباد، جو، باغی ہوگئی تھی، اُس کو بھی اپنے ساتھ، شامل کرلیا۔'' الخ

(ص ۲۰۳۔ ''مراد آباد! تاریخ جدوجہد آزادی'' ۔مرتّبہ سید محبوب حسین، سبز واری۔

مطبوعہ اسلامی بُک ہاؤس مراد آباد۔مارچ ۲۰۰۰ء)

۲۵؍اپریل ۱۸۵۸ء کو، مراد آباد پر، جب انگریزوں کا دوبارہ قبضہ ہوا

تو، مولانا کافیؔ ۱۶؍رمضان ۱۲۷۴ھ؍۳۰؍اپریل ۱۸۵۸ء کو گرفتار کرلیے گئے۔

اور مختلف فرضی دفعات لگا کر آپ کے خلاف، مقدمہ چلایا گیا۔

سرسری اور نمائشی ضابطہ کی کارروائی کر کے پھانسی کا حکم، صادر کر دیا گیا۔

۴؍مئی ۱۸۵۸ء کو مقدمہ، پیش ہوا، اور ۶؍مئی کو پھانسی کا حکم ہوا۔

جس وقت، مولانا کافیؔ کو، قتل گاہ لے جایا جارہا تھا، اُس وقت آپ اپنی ایک نعت شریف

پڑھتے ہوئے، خراماں خراماں، تشریف لے گئے۔'' (ص ۹۴۔تذکرۂ علمائے ہند۔مؤلفہ رحمٰن علی)

کوئی گل باقی رہے گا نَے چمن رہ جائے	پر، رسول اللہ کا، دینِ حَسَن رہ جائے گا
ہم صفیرو! باغ میں ہے کوئی دَم کا چہچہا	بلبلیں، اُڑ جائیں گی، سونا چمن رہ جائے گا
جو پڑھے گا صاحبِ لولاک کے اوپر درود	آگ سے محفوظ اُس کا، تن بدن ہو جائے گا
سب فنا ہو جائیں گے کافیؔ ولیکن حشر تک	نعتِ حضرت کا زبانوں پر، سخن رہ جائے گا

(''۱۸۵۷ء کے مجاہد شعرا'' ۔از امداد صابری۔مطبوعہ دہلی)

مولانا کافیؔ، مراد آبادی کی تدفین، رات کے اندھیرے میں مراد آباد کے نامعلوم مقام پر کردی گئی۔تقریباً تیس (۳۰) سال کے بعد آپ کی قبر کے کھلنے اور جسم کے صحیح وسالم، محفوظ ہونے کے دو واقعات مولانا امداد صابری، دہلوی نے اپنی کتاب ''شہیدانِ وطن مراد آباد'' میں، بیان کیے ہیں۔جس میں ایک روایت، مولانا محمد ظفر الدین، نعیمی، مراد آبادی، فرزندِ صدرُ الافاضل مولانا محمد نعیم الدین، مراد آبادی، اِس طرح ہے:

''ایک سڑک، اس مقام سے نکالی جارہی تھی اور مولانا کافیؔ کے مزار کا نشان، نمایاں نہیں تھا۔ مزدور کام کر رہے تھے کہ مولانا کافیؔ کی قبر، کھل گئی اور مزدور کا پھاوڑا، مولانا کافیؔ شہید کی پنڈلی پر لگا۔جسمِ اطہر، ویسا ہی تھا، جیسا شہادت کے وقت تھا۔

بزرگ لوگوں نے چہرۂ مبارکہ، دیکھ کر شناخت کرلیا اور بھاری تعداد میں لوگ، زیارت کرنے دوڑ پڑے۔ (''۱۸۵۷ء کے مجاہد شعرا'' ۔از امداد صابری۔و''شہیدانِ وطن، مراد آباد'' ۔از امداد صابری)

مولانا کافیؔ شہید کی علمی قابلیت کے بارے میں مولانا عبدالغفور نسّاخ
مؤلّفِ ''سخنِ شُعرا'' فرماتے ہیں کہ:
مولانا کافیؔ، اپنے دَور کے نعت گوشعرا میں جواب نہیں رکھتے تھے۔
وہ، مستند عالمِ دین تھے۔ ان کا زیادہ تر وقت، تصنیف و تالیف میں گذرتا تھا۔
مولوی عبدالغفور کے بیان کے مطابق:
مولانا کافیؔ شہید کی تصنیف میں احادیث کے تراجم، بہارِ خلد اور شاہ عبدالحق، محدّث دہلوی
کے رسالہ ترغیب اہلِ سعادت کا ترجمہ ''خیابانِ فردوس'' ہے۔
(''۱۸۵۷ء کے مجاہد شعرا''۔ مؤلّفہ امداد صابری، دہلوی۔ مطبوعہ دہلی)
ترجمہ شمائلِ ترمذی (منظوم) مجموعۂ چہل حدیث (منظوم) مع تشریح۔ خیابانِ فردوس
بہارِ خلد، نعیمِ رحمت، مولودِ بہار، جذبۂ عشق۔ تجملِ دربارِ رحمت بار۔
دیوانِ کافیؔ کے علاوہ، صَرف و نحو پر بھی، آپ کی تصانیف ہیں۔
مولانا کافیؔ ایک مستند عالم، اعلیٰ درجہ کے نعت گو شاعر، عاشقِ رسول
اور ممتاز قائدِ جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) اور شہیدِ وطن تھے۔

شاہ احمد سعید، مجددی، دہلوی

حضرت شاہ، احمد سعید، مجددی، دہلوی (ولادت غرّہ ربیع الاول ۱۲۱۷ھ۔رام پور۔
وصال ۲ ربیع الاول ۱۲۷۷ھ۔مدینہ منورہ۔مدفون جنت البقیع)
دہلی کے جلیل القدر عالمِ دین اور سلسلۂ نقشبندیہ، مجددیہ کے بزرگ شیخ طریقت
اور حضرت شاہ غلام علی، نقشبندی، مجددی، دہلوی کے خلیفہ و جانشین تھے۔
مولانا شرف الدین، رام پوری و مولانا فضلِ امام، خیرآبادی و مولانا نورالحق، فرنگی محلی
و مولانا رشید الدین، خاں دہلوی و مولانا شاہ رفیع الدین، دہلوی و مولانا عبدالقادر، دہلوی
اور شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی جیسے عظیم المرتبت علمائے کرام کے تلمیذِ رشید تھے۔
آپ کا مادۂ تاریخِ ولادت "مظہرِ یزداں" (۱۲۱۷ھ) ہے۔
حافظ احمد علی خاں شوق، رام پوری، آپ کے تعارف و تذکرہ میں لکھتے ہیں:
"آپ کا نام، شاہ محمد صدیقی نے جو نہایت عالم اور بزرگ صاحبِ باطن تھے
آپ کا مشربِ باطنی، ازروئے طریقۂ درویشی، جان کر "غلام غوث" نام رکھا۔
بچپن میں بحالتِ حفظِ قرآن شریف، شاہ درگاہی صاحب کی خدمت میں بھی
حاضر ہوا کرتے تھے۔شاہ صاحب آپ پر بہت عنایت فرماتے تھے۔
اور اپنے قریب بٹھا کر قرآن شریف، سنا کرتے تھے۔"
(ص ۱۴۔"تذکرۂ کاملانِ رام پور"۔مؤلفہ حافظ احمد علی خاں شوق، رام پوری۔ہمدرد پریس۔کوچہ چیلان۔
دہلی، طبعِ اول ۱۹۲۹ء)
حضرت شاہ درگاہی، رام پوری (ولادت ۱۱۶۰ھ۔قصبہ بھاول پور، ساحلِ دریائے چناب
صوبہ لاہور۔ وصال ۱۴ ریا ۱۵ ر جمادی الآخرہ ۱۲۲۶ھ۔رام پور، روہیل کھنڈ) خلیفۂ حضرت
سید شاہ جمال اللہ، رام پوری (وصال ۳ ر صفر ۱۲۰۹ھ۔رام پور) آپ کے مقرب و مشہور خلیفہ ہیں۔
حضرت سید شاہ جمال اللہ کا سلسلۂ نسب، غوثِ اعظم، سیدنا الشیخ عبدالقادر، جیلانی، بغدادی
رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے منسلک ہے۔
آپ، قصبہ گجرات شاہ دولہ، مضافاتِ لاہور میں پیدا ہوئے تھے۔
ایامِ طفلی میں، وزیرآباد (پنجاب) چلے گئے۔وہاں، ایک بزرگ کی خدمت میں رہ کر

حفظِ قرآن کیا۔ بزرگ نے فرمایا:

''جمالُ اللہ! تمہارا حصہ، ہندوستان میں امانت ہے۔

وہاں، جاؤ اور حصہ لو۔ تم سے ایک عالَم کو فائدہ ہوگا۔''

وزیرآباد (پنجاب) سے چل کر دہلی پہنچے۔ ایک ویرانے کی مسجد میں قیام کیا اور علمِ فقہ پڑھنا شروع کیا۔ محنت و جانفشانی کر کے کسبِ حلال کرتے۔ ایک دو روز کے ناغہ سے جَو وغیرہ کھالیا کرتے تھے۔ یہاں، ایک بزرگ سے مُرید ہوئے اور ان کی خلافت، حاصل ہوئی۔

انھوں نے حکم دیا کہ ''کٹھیر'' (روہیل کھنڈ) جا کر، افغانوں کی تربیت کرو۔

چنانچہ، آپ مصطفیٰ آباد، عُرف رام پور پہنچے اور ریاستِ رام پور کے ملازم ہوئے۔

لباسِ سپہ گری میں اپنی درویشی کو چھپایا۔

لیکن، ایک واقعہ نے آپ کی بزرگی کا شہرۂ عام کر دیا۔ اور ہزاروں افراد

آپ کی تربیت و ہدایت کے اثر سے خدا پرست اور صلاح و تقویٰ کے پابند ہو گئے۔

آپ کے خُلفا میں حضرت شاہ درگاہی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ مشہور بزرگ اور بافیض ولی ہیں۔

رام پور، آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔

شاہ احمد سعید، مجدِّدی، حضرت شاہ درگاہی، رام پوری کے منظورِ نظر تھے۔

احمد علی خاں شوق، رام پوری لکھتے ہیں کہ:

جس وقت، شاہ احمد سعید، مجدِّدی کے والد ماجد، شاہ ابو سعید، مجدِّدی، رام پوری

آپ کو لے کر دہلی گئے، اُس وقت آپ کی عمر، محض دس (۱۰) سال تھی۔

دہلی پہنچ کر حضرت شاہ غلام علی، مجدِّدی سے بیعت کی۔ شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے:

''بہت سے لوگوں سے میں نے لڑکے مانگے۔ کسی نے نہیں دیا۔

البتہ، ابو سعید نے اپنا لڑکا، مجھے دے دیا ہے۔ میں نے اسے اپنا بیٹا کیا ہے۔''

شاہ غلام علی، مجدِّدی نے شاہ احمد سعید، مجدِّدی کو حکم دیا کہ:

''عُلمائے دہلی سے علمِ ظاہری پڑھو اور ہمارے حلقۂ مراقبہ میں آکر، شریک ہوا کرو۔''

''آگے کا حال، مولانا موصوف، اِس طرح، بیان کرتے ہیں:

''اکثر ایسا ہوتا کہ کثرتِ مریدین کی وجہ سے جگہ، نہ ہوتی۔

شاہ صاحب، ان کو اپنے برابر، مسند کے اوپر بٹھالیا کرتے۔

اکثر تصوف کی کتابیں، جیسے کہ رسالہ قشیریہ، عوَارِفُ المعارف، اِحیاءالعلوم، نفحات، رشحات
مکتوباتِ امامِ رَبّانی، مثنویِ مولانا روم، وغیرہ وغیرہ، شاہ صاحب سے پڑھیں۔
اور بعض کی سماعت کی۔ ترمذی شریف اور مشکوٰۃُ المصابیح بھی، شاہ صاحب سے پڑھیں۔
باقی کتبِ معقول ومنقول، علماے دہلی سے مثل، مولوی فضلِ امام ومولوی رشیدالدین خاں
ومولانا شاہ عبدالعزیز ومولوی رفیع الدین وشاہ عبدالقادر، وغیرہ سے پڑھیں۔
رام پور میں مفتی شرف الدین اور اپنے والد کے خالو، مولوی سراج احمد بن حضرت محمد مُرشد
بن محمد ارشد بن حضرت فرخ شاہ بن حضرت محمد سعید بن حضرت مجدِّد سے کتابیں پڑھیں۔
لکھنؤ، میں مولوی محمد اشرف ومولوی نور صاحب سے بھی پڑھا۔
اور بیس (۲۰) سال کی عمر میں، دستارِ فضیلت، بندھ گئی۔
حضرت شاہ عبدالعزیز کی سند، مناقبِ احمدیہ ومقاماتِ سعیدیہ میں موجود ہے۔
حضرت شاہ غلام علی صاحب کی آپ کے حال پر نہایت توجہ تھی۔
شاہ صاحب نے خلافت، عطا فرمائی۔ اور اپنی زندگی میں صاحبِ ارشاد ہو گئے۔"
(ص ۱۴ و ص ۱۵۔ ''تذکرہ کاملانِ رام پور''۔ مولفہ مولانا احمد علی خاں شوق، رام پوری۔ مطبوعہ دہلی ۱۹۲۹ء)
''جس زمانے میں، شاہ غلام علی صاحب کو، مرضِ موت، لاحق ہوا
اور شاہ ابوسعید صاحب کو لکھنؤ سے طلب فرمایا، تو، خط میں، یہ بھی لکھا تھا کہ:
''لکھنؤ میں، شاہ احمد سعید صاحب کو چھوڑ آیئے۔''
صاف ظاہر ہے کہ اس سے مراد، اِجراے سلسلہ تھا۔
ایک روز، شاہ ابوسعید صاحب اور شاہ احمد سعید، دونوں باپ بیٹے
شاہ غلام علی صاحب کی خدمت میں حاضر تھے۔
حاضرین سے ارشاد ہوا۔ بتاؤ! دونوں میں کون بہتر ہے؟
سب، خاموش رہے۔ پھر، خود ہی، ارشاد فرمایا: بیٹا، باپ سے افضل ہے۔"
شاہ غلام علی صاحب کے انتقال سے، نو (۹) سال اور تین (۳) ماہ کے بعد
شاہ ابوسعید صاحب ۱۲۴۹ھ میں عازمِ کعبۃُ اللہ ہوئے۔ اور شاہ احمد سعید صاحب کو قائم مقام
خانقاہ میں کر گئے۔ مُریدین کا ہجوم ہو گیا۔ اور لوگوں کو بہت فائدہ پہنچا۔
مُریدوں کے حال پر، نہایت شفقت تھی۔

جو مرید، عاشقِ صادق تھے
اُن کو، دنیوی عطیات سے کچھ نہیں دیتے تھے۔
البتہ، ضعیف طالبوں کی امداد فرماتے تھے۔
تا کہ شوقِ حق، غالب ہو جائے۔
ساٹھ (۶۰) آدمی، دونوں وقت، آپ کے باورچی خانہ سے کھانا کھاتے تھے۔
نمازِ صبح، نمازِ ظہر اور نمازِ مغرب کے بعد، تین وقت، حلقۂ مراقبہ ہوتا تھا۔
دیگر اوقات میں علومِ حدیث و تفسیر و فقہ وغیرہ کا درس بھی ہوتا تھا۔
رات کو پچھلی شب میں تہجد کو، نہایت اہتمام سے وضو کر کے، ادا کرتے تھے۔
اور نمازِ صبح، قرأتِ طویل کے ساتھ، ادا فرماتے تھے۔
جب، آفتاب، خوب اونچا ہو جاتا تھا
تو، نمازِ اشراق پڑھ کر جلسۂ عام میں بیٹھ جاتے۔ حاجت مند آتے اور مقاصد اور مدّعا، بیان کرتے۔
اس کے بعد درس، علومِ دینی کا، شروع فرماتے۔
کتابوں کے حواشی اور شروح بھی دیکھتے تھے۔ معقول میں قطبی میر تک پڑھاتے تھے۔
اگر، کسی کو زیادہ شوق ہوتا
تو، عُلمائے معقول کے پاس بھیج دیتے تھے۔
فرماتے تھے کہ معقول کے درس پر، گو، مَیں قادر ہوں، مگر، اس کی تعلیم، پسند نہیں ہے۔
علومِ تفسیر و حدیث و فقہ و اصول، نہایت وضاحت اور متانت سے تقریر فرماتے تھے۔
اِسی طرح، کتبِ تصوف کے حقائق اور معارف بھی خوب حل فرماتے تھے۔
فتویٰ بھی لکھتے اور فرماتے تھے کہ فتویٰ نویسی، میرا کام نہیں ہے۔
مگر، مجبوری ہے کہ عوام نے جاہلوں کو عالم بنالیا ہے۔
(بہادر) شاہ ظفر، دہلوی کی کوئی حکومت، نہیں تھی۔
تاہم، مدت سے، وہ متمنّیِ ملازمت (مشتاقِ زیارت) تھے، لیکن، آپ، ملنے سے انکار کرتے تھے۔
اخیر میں چند بار تشریف لے گئے۔ اور پند و نصیحت، نہایت سختی سے کی۔
اور فرمایا: میں، اِسی غرض سے گیا تھا۔"
پچیس (۲۵) سال، کامل، خانقاہ، دہلی میں، اِسی طرح، زندگی بسر فرمائی۔

ستاون (۵۷) برس کی عمر میں، سولہویں رمضان المبارک، بارہ سو تہتر (۱۲۷۳ھ) میں
دہلی میں غدر (۱۸۵۷ء) ہو گیا۔ چار مہینے تک، یہ ہنگامہ رہا۔
آخر محرم، بارہ سو چوہتر (۱۲۷۴ھ) میں، انگریز، دہلی میں داخل ہوئے۔

شہری مع اہل وعیال، بلا سامان کے، بھاگ نکلے۔

آپ نے بھی، اپنے اہلِ وعیال، شہر سے باہر بھیج دے اور خود، خانقاہ میں مقیم رہے۔
لوگوں نے چلنے کو کہا تو فرمایا: جب تک، مشائخِ کرام، اجازت نہ دیں۔ کیوں کر جاؤں؟
ایک دن، تہجد کے وقت فرمایا کہ: یہاں سے نکلنے کی اجازت ہو گئی ہے۔"
خانقاہ کا انتظام، حاجی دوست محمد، قندھاری کے سپرد کیا اور فرمایا:
خود، رہیں، یا۔ کسی کو، اپنی طرف سے رکھیں۔"
حاجی دوست محمد، قندھاری نے خانقاہ، حاجی رحیم بخش کے سپرد کر دی تھی۔
نمازِ صبح کے وقت فرمایا: کوئی سواری لے آؤ۔"
وہ، واپس آیا اور کہا کہ: سواری کا پتہ نہیں ہے۔ سب زن ومرد، امیر غریب، پاپیادہ جا رہے ہیں۔
فرمایا: میں، تو، پیدل جا نہیں سکتا۔"
پھر، حلقۂ مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ:
دو گھوڑے، تھوڑی دیر میں مل گئے۔ آپ، وہاں سے سوار ہو کر منصور کے مقبرہ میں آئے۔
دوپہر کا کھانا کھا کر، قطب صاحب کو چلے۔ اِس لئے کہ اہل وعیال، وہاں تھے۔
مگر، راہ میں بدمعاش، جمع ہو گئے تھے اور لوٹ مار کرتے تھے۔
مگر، آپ، بخیریت پہنچ گئے۔ وہاں، انگریزی فوج کا، رسالدار، نورنگ خاں نامی کہ
جو، بالواسطہ آپ سے اِنتسابِ طریقت رکھتا تھا، مع چند سواروں کے، بغرضِ حفاظت، حاضر ہوا۔
اور منصور کے مقبرہ تک پہنچا دیا۔
یہاں، آپ کی بیوی صاحبہ کا عارضۂ وبا سے انتقال ہوا۔ اور نہایت عمدہ طریقہ سے
حضرت سید نور محمد، بدایونی کے مزار کے پہلو میں، قریب حضرت محبوب الٰہی کے، دفن کیا۔
اب، آپ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا۔
نورنگ خاں، رسالدار کے ذریعہ سے، پروانہ راہداری کا مل گیا۔
سو، سوا سو آدمیوں کی جمعیت سے، براہِ پنجاب، ماہِ صفر میں روانہ ہوئے۔

جس شہر میں گذر ہوتا تھا، لوگ، جوق در جوق آ کر، قدم بوس ہوتے تھے۔
اس ہنگامۂ رُستخیز، غدر میں، آپ کے قافلہ کو کوئی تکلیف، نہیں ہوئی۔
ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں، حاجی دوست محمد خاں، آپ کے خلیفہ آئے
اور اپنی خانقاہ، مقام موسیٰ زئی میں لے گئے۔
غرض کہ کراچی سے، بہ سواری کشتی، بمبئی اور یہاں سے، بہ سوارئ جہاز (بحری) جدّہ کو روانہ ہوئے۔
دریا (سمندر) میں رمضان ہوا۔ مگر، آپ نے ایک قرآن، تراویح میں پڑھا۔
اور اوقات میں، کوئی تغیر نہیں آیا۔
اخیر شوال میں جدّہ پہنچے۔ آپ کے بہت سے مخلص، جدّہ میں بطور استقبال آئے تھے۔
مکہ معظّمہ پہنچ کر، حج ادا کیا۔ یہاں بھی کثرت سے لوگ، داخلِ طریقہ (سلسلہ) ہوئے۔
چار مہینے تک، مکہ معظّمہ میں قیام فرما کر، ماہ ربیع الاول میں اپنے فرزندوں اور درویشوں
کے ساتھ، مدینہ منورہ، روانہ ہوئے۔ عورتوں کو اور اپنے فرزند، مولانا مظہر کو، مکہ معظّمہ میں چھوڑا۔
اہلِ مدینہ بھی، نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آئے۔
لوگوں نے وہاں کے قیام کی نسبت، عرض کیا۔ فرمایا: گھر سے، اِسی ارادہ سے چلا ہوں۔
مگر، بغیر ایمائے آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، قیام نہیں کر سکتا۔
چند روز کے بعد، مدینہ منورہ کے قیام کا ارادہ، پختہ ہو گیا۔
خالد پاشا، محافظِ مدینہ منورہ، حلقۂ اِرادت میں داخل ہو گئے۔
ایک مکان کرایہ پر لے کر اس کی کنجی، حضرت کے پاس بھیج دی۔
یہ مکان، محلہ مناخہ میں متصل مسجدِ حضرت سیدنا علی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ تھا۔
دس کمرے، اس میں تھے۔ اگر، وہاں سے عورتیں چاہیں
تو، جماعت مسجدِ نبوی کی اِقتدا، نماز میں کر سکتی ہیں۔
رجب میں کُل اہل و عیال کو، مکہ معظّمہ سے بلا لیا۔
مدینہ منورہ میں قیام کا زیادہ حصہ، مسجد نبوی میں گذرتا تھا۔ بہت سے لوگ، مُرید ہوئے۔
حلقہ میں ایک سو کے قریب آدمی، جمع ہوتے تھے۔
اہلِ شہر نے متفقاً، سلطانِ قسطنطنیہ کو لکھا کہ ایسے بزرگ کے لئے کچھ وظیفہ، مقرّر ہو جائے۔
چنانچہ، معقول وظیفہ، مقرّر ہو گیا۔

آخر میں، دردِ سر اور تپ، لاحق ہوئی۔ ایک عرصہ تک یہی حالت رہی۔ کبھی شدت ہوتی تھی کبھی تخفیف۔ سہ شنبہ کے دن، دوسری تاریخ ربیع الاول کو، بارہ سو ستتر (۱۲۷۷ھ) میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔ اور حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی قبر کے پہلو میں دفن ہوئے۔

قیامِ دہلی میں، وصیت فرمائی تھی کہ:

اگر، انتقال ہو، تو، مرزا مظہر جانِ جاناں عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کے زیرِ قدم، دفن کرنا۔

مدینہ منورہ کی حاضری پر، وصیت فرمائی کہ:

سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے قریب، دفن کرنا۔ وہاں، انوار و برکات کا زیادہ، ظہور ہے۔

اولاد میں، خلفِ اکبر، مولوی شاہ عبدالرشید۔ دوم، شاہ محمد عمر سلام۔

محمد مظہر، صاحبِ مناقبِ احمدیہ و مقاماتِ سعیدیہ ہیں۔

تینوں بزرگ اور صاحبِ ارشاد ہوئے۔ رَحِمَہُمُ اللّٰہُ عَلَیْہِم۔"

(ص ۱۵ تا ص ۱۹۔ "تذکرۂ کاملانِ رام پور"۔ مؤلفہ احمد علی خاں شوق، رام پوری۔ مطبوعہ دہلی ۱۹۲۹ء)

خُلفا میں حاجی دوست محمد، قندھاری و مولانا ارشاد حسین، مجدّدی، رام پوری و مولانا ولی النبی رام پوری کے علاوہ، تقریباً ساٹھ (۶۰) خُلفا کے، نام درج کیے گئے ہیں۔

اس کے بعد، تصانیف کا ذکر، اِس طرح کیا ہے۔

"حضرت کی تالیف سے کتبِ ذیل ہیں:

اَلْحَقُّ الْمُبِیْن فِی الرَّدِّ عَلَی الْوَهَّابِیِّیْن ۔ فَوَائِدُ الضَّابِطَة فِی اِثْبَاتِ الرَّابِطَة۔ اَلذِّکْرُ الشَّرِیْف فِی دَلَائِلِ الْمَولِدِ الْمُنِیْف۔ اَربع اَنہار۔

یہ رسالہ، شاہ غلام علی قُدِّسَ سِرُّہٗ کے رسالہ، اِیْضَاحُ الطَّرِیْقَة کے ساتھ مطبع علوی، علی بخش خاں میں، ۱۲۸۴ھ میں طبع ہوا ہے۔"

(ص ۲۰۔ "تذکرۂ کاملانِ رام پور"۔ مطبوعہ دہلی ۱۹۲۹ء)

مولانا شاہ سلامت اللہ، بدایونی

حضرت مولانا شاہ، سلامت اللہ، کشفی، بدایونی ثُمَّ کان پوری (ولادت ۱۱۹۸ھ/۱۷۸۳ء بدایوں۔ وصال ۳/رجب ۱۲۸۱ھ/دسمبر ۱۸۶۴ء۔ کان پور) فرزندِ شیخ برکت اللہ، صدیقی جلیلُ القدر عالمِ دین تھے۔

مولانا رحمٰن علی (مؤلّفِ تذکرۂ علماے ہند) تلمیذِ حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ، بدایونی لکھتے ہیں کہ:

مولانا سلامتُ اللہ، بدایونی نے اپنے شاگردِ رشید، مولانا محمد عادل، ناروی، کان پوری کو ایک سندِ تکمیل (بزبانِ فارسی) عطا فرمائی تھی، جس میں آپ کے تعلیمی حالات بھی، درج ہیں۔

اور پھر، اس کا خلاصہ، اِس طرح، درج کرتے ہیں:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

(ترجمہ) سلامتُ اللہ کہتا ہے کہ:

مَیں، بدایوں میں پیدا ہوا۔ صدیقی نسب، حنفی مذہب، قادری مشرب ہوں۔

فقیر (سلامت اللہ، بدایونی) نے مروّجہ درسی کتابیں

اپنے زمانہ کے، ممتاز عُلما اور فُضلا سے پڑھیں۔

بچپن میں، مولانا ابوالمعانی بن مولانا عبدالغنی، بدایونی سے اِستفادہ کیا۔

جن کا سلسلۂ درس، مُلّا، جلال الدین، دَوّانی، تک پہنچتا ہے۔

دو سال میں میزانِ صَرف سے شرحِ جامی بر کافیہ اور شرحِ تہذیب پڑھ لیں۔

اس کے بعد، مولوی ولی اللہ سے جو، مولانا بابُ اللہ، جون پوری کے شاگرد تھے، قطبی میبذی، اور رشیدیہ پڑھا۔ اسی زمانے میں مولوی صاحب کسی ضرورت سے اپنے وطن چلے گئے۔

حضرت پیر و مرشد، سید شاہ آلِ احمد (اچھے میاں) مارہروی، قُدِّسَ سِرُّہٗ کے حسبِ ارشاد مولانا مجدالدین، عُرف مولوی مدن (شاہ جہاں پوری۔ مولانا مدن شاہ، جہاں پوری آخری عمر میں، بریلی رہنے لگے تھے۔ یہیں ۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ مولانا وہاج الدین گوپامئوی کے شاگرد تھے۔ مترجم) کی خدمت میں، حاضر ہوا

جو، اِس زمانہ میں لکھنؤ سے واپس ہوکر، بریلی میں سکونت پذیر تھے۔
نہایت تحقیق وتدقیق کے ساتھ، کتبِ درسیہ متعارفہ، زولیدِ ثلاثہ وقاضی مبارک وحمداللہ
شرحِ سُلّم ومطوّل تفتازانی وصدرا وشمسِ بازغہ وشرحِ عقائدجلالی (مُلّا یوسف)
حاشیۂ مُلّا کمال الدین وہدایہ بفقہ حنفی ومسلّم الثبوت وبیضاوی وغیرہ پڑھیں۔
مولانا مدن نے نہایت مہربانی اور عنایت سے تھوڑی مدت میں
جو، کچھ وہ، سرمایۂ علمی رکھتے تھے، مجھ ہیچ کارہ کو، مرحمت فرمادیا۔ اور حق یہ ہے کہ:
عظیم تحقیقات وتدقیقات، جو، معرکۃُ الآرا اور عُلما کے قدم لڑکھڑا دینے والی ہیں
جنابِ ممدوح (مولوی مدن، شاہ جہاں پوری) کے فیض وتوجہ سے حل اور حاصل ہوگئیں۔
واللہُ یضاعِفُ لِمَنْ یَّشَاءُ۔
کتبِ درسیہ کی تحقیق وتدقیق کے بعد، جناب پیرومرشد (سید شاہ آل احمد، اچھے میاں
مارہروی) قُدِّسَ سِرُّہٗ کے حکم کے مطابق
مولانا شاہ عبدالعزیز، محدِّث دہلوی، انَارَاللہُ بُرھَانَہٗ کی خدمتِ بابرکت میں سعادت
حاصل کی۔ اور احادیث وتفاسیر کی کتابوں کی تحقیق وتنقیح وتفصیل میں مشغول ہوا
اور اس خاندان سے فیض، حاصل کیا۔
چنانچہ، صحاحِ ستّہ اور کتبِ تفاسیر کی، مولانا ممدوح (شاہ عبدالعزیز، محدِّث دہلوی)
اور آپ کے چھوٹے بھائی، مولانا شاہ رفیع الدین سے، جو جُملہ علوم، خصوصاً علمِ حدیث
وتفسیر میں تجرِ کامل رکھتے تھے، سند حاصل کی۔
یہاں تک کہ ان دونوں کی صحبت سے معانیِ حدیث کی فہم اور تفسیر کے حقائق ودقائق کے
سمجھنے کا ذوق، میری طبیعت میں پیدا ہوگیا۔
آخر میں، حضرت مولانا ممدوح (شاہ عبدالعزیز، محدِّث دہلوی) نے
اِس خاکسار کے حال پر بہت کرم فرمایا اور، صحاحِ ستّہ ومشکوٰۃُ المصابیح وحصنِ حصین
وکتابُ المسلسلات وکتبِ احادیث وتفاسیر
اپنے تصنیف کردہ رسالوں اور اپنے والدِ ماجد (شاہ ولی اللہ، دہلوی) کی کتابوں کی
اجازت، مرحمت فرمائی اور رخصت کیا۔
خلاصہ، یہ کہ فقیر، کتبِ درسیہ کی سند، بہ تمام وکمال، مولانا مجدالدین، شاہجہاں پوری سے

اور احادیث و تفاسیر کی کتابوں کی سند، قراءۃً ، سماعۃً ، دِرایۃً اور اجازۃً
حضرت شاہ عبدالعزیز محدِّث دہلوی اور آپ کے بھائی، شاہ رفیع الدین دہلوی سے رکھتا ہے۔
اور حضرت شاہ عبدالعزیز اپنے والد ماجد، شاہ ولی اللہ، محدِّث دہلوی سے رکھتے ہیں۔
اور شاہ ولی اللہ، محدِّث دہلوی نے اپنی مختلف اَسانید کا حال
''کتابُ الْاِرشاد اِلیٰ مُہِمّاتِ الْاِسناد'' میں، تفصیل سے لکھ دیا ہے۔'' الخ۔
(ص ۲۱۹ و ص ۲۲۰۔ ''تذکرہ علمائے ہند''۔ مؤلّفہ مولانا رحمٰن علی اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب، قادری
(کراچی) مطبوعہ ''پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی کراچی۔ طبع اول ۱۹۶۱ء)
''مولانا شاہ سلامت اللہ کی ذات، مفیدِ عام اور مُفیضِ اتام تھی۔
سیکڑوں عُلما و فُضلا، آپ کے شاگرد ہوئے اور آپ سے علم، حاصل کیا۔
اس کے علاوہ، اُن کی شانِ علمی، اُن کی مصنَّفہ کتابیں ہیں۔ جو، یہ ہیں:
(۱) تحفۃُ الاحباب (۲) معرکۃُ الآرا (۳) برقِ خاطف (درمناظرۂ اہلِ سُنَّت وشیعہ)
(۴) تحریرُ الشّہادتَین (شرحِ سِرُّ الشّہادتَین، بیانِ شہادتِ سیدالشُّہدا رَضِیَ اللہُ عَنْہُ) (۵)
خدا کی رحمت (بیانِ میلادِ نبیِ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) (۶) رسالہ شہابِ ثاقب (درسقوطِ
کواکب) (۷) حقائقِ محمدیہ (علمِ حقائق) (۸) بحرُ التوحید (بیانِ شطحیاتِ اَولیاء اللہ) (۹)
اَسرارُ العاشقین (حلِّ اقوال واشعارِ عربی وفارسی، بطریقِ صوفیۂ کرام) (۱۰) رسالہ کشفیہ (یہ
رسالہ، بعض جُہلا کے اُن اعتراضات کے جواب میں لکھا گیا ہے، جو، اُنھوں نے حافظؔ شیرازی کی
اصطلاحات سے ناواقفیت کی بناپر، حافظؔ کے بعض اشعار پر کیے ہیں)
(۱۱) ترجمہ، دو رسالہ شیخ محی الدین ابن العربی (دربیانِ لطائف، موسومہ معائناتِ صوفیہ
(۱۲) مکاشفاتِ قُدسیہ (۱۳) رسالہ نغماتِ حالات (۱۴) رسالہ اِشْبَاعُ الْکَلام فِی اِثْبَاتِ
الْمَولِدِ وَالْقِیَام (۱۵) رقعاتِ کشفی (۱۶) شرحِ مثنوی گل گشتی (۱۷) رسالہ اَلوان، دربیانِ جوازِ
وعدمِ جوازِ اَلوان (۱۸) رسالہ تحقیقِ جوازِ مصافحہ ومعانقۂ عیدین (۱۹) رسالہ مجموعۂ اِستفتا (جن
میں سے ہر ایک کا جواب، خود، تحریر فرمایا ہے) (۲۰) رسالہ اَلْاِسْنَاد (جس میں مختلف مروّجہ علوم کی
تحصیل کی کیفیت اور اساتذہ سے اسنادِ علم کے حصول کا حال لکھا ہے)
مولانا سلامت اللہ، بدایونی کو شعر گوئی کا بھی مذاق تھا، اِس لئے اپنا تخلّص، کشفی کرتے تھے۔
''دیوانِ کشفی'' آپ کے فارسی کلام کا مجموعہ ہے۔''

(ص ۲۲۱۔ ''تذکرۂ علمائے ہند'' ۔مؤلفہ مولانا رحمٰن علی ۔ اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب قادری

(کراچی) مطبوعہ پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی ۔کراچی ۔طبعِ اول ۱۹۶۱ء)

مولانا محمد یعقوب حسین، ضیاء القادری، بدایونی آپ کے تعارف و تذکرہ میں لکھتے ہیں:

''علاّمۂ اجل، فاضل بے بدل، مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب، کشفی، بدایونی قُدِّسَ سِرُّہٗ:

آپ، شیخ برکت اللہ صاحب، صدیقی متولی، بدایونی کے فرزند ہیں

جو، بدایوں کے شرفا اور عمائد و ممتاز لوگوں میں تھے۔

میاں، قادر شاہ صاحب، قادری (جن کا مزار، مسجد حیدر شاہ میں ہے) سے بیعت رکھتے تھے۔

مولانا کشفی صاحب، ابتدائے عمر سے باوجود، ریاست و امارت کے، تحصیلِ علم کی طرف،

مائل تھے۔ چنانچہ، ہوش سنبھالتے ہی مدرسہ عالیہ (قادریہ، بدایوں) میں علمی تربیت کے لئے بٹھا دیے

گئے۔

آپ کی تحریر پیشانی، آپ کے آئندہ پیش آنے والی سعادت و مرتبت کا نوشتہ تھی۔

آپ کی فراست و ذہانت دیکھ کر حضرتِ اقدس (شاہ عینُ الحق عبد المجید) قُدِّسَ سِرُّہٗ

الْمَجِید آپ کی عزت و عظمت کی دعا فرماتے۔

اور آپ کے والد، کو آپ کی آئندہ شان و شوکت کی بشارت دیتے۔

کچھ عرصے تک حضرت نے اپنے پیشِ نظر رکھ کر آپ کی تعلیم و تربیت کی۔

اس کے بعد مولانا ابو المعانی قُدِّسَ سِرُّہٗ کے سپرد کر دیا۔

اس کے بعد آپ نے بریلی جا کر معقول کی تکمیل، مولانا مجد الدین صاحب، معروف بہ

مولوی مدن شاہجہاں پوری (جو مولوی غلام یحییٰ بہاری کے شاگردِ رشید تھے) سے کی۔

اور وطن (بدایوں) واپس آ کر عرصے تک حضرتِ اقدس (شاہ عینُ الحق عبد المجید، قادری

بدایونی) کی صحبت سے مستفیض ہوئے اور مثنوی شریف حضرت مولانا روم کو، بالاستیعاب

مولانا خطیب محمد عمران صاحب عثمانی سے پڑھا۔

ذوقِ تصوف پیدا ہوتے ہی، مُرشدِ کامل کی طرف، نگاہیں دوڑانا شروع کیں۔

حضرتِ اقدس (شاہ عینُ الحق، عبد المجید، بدایونی) قُدِّسَ سِرُّہٗ الْمَجِید صاحب

جب مارہرہ شریف سے وطن (بدایوں) تشریف لاتے، تو، آپ، ارمانِ بیعت کو کلیجے سے

لگائے ہوئے حاضرِ خدمت ہوتے ۔لیکن، کمالِ ادب سے اظہار، نہ فرماتے۔

آخر، جب حضرت اقدس قُدِّسَ سِرُّہُ الْمَجِید صاحب کوآپ کے ارادے سے آگاہی
ہوئی، تو، اپنے ہمراہ، مولانا (سلامت اللہ، کشفی) کو، مارہرہ شریف لے گئے۔
اور حضورِ پُرنور (سید شاہ آلِ احمد، مارہروی) اچھے میاں قُدِّسَ سِرُّہٗ کا مُرید کرایا۔
دربارِ شیخ سے بھی، آپ کی تربیتِ باطنی، حضرت اقدس کے سپرد ہوئی۔
اسی اثنا میں آپ نے سندِ حدیث، مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی سے حاصل فرمائی۔
دربارِ شیخ (حضرت اچھے میاں، مارہروی) سے مثالِ خلافت، عطا ہوئی۔
عرصے تک، بدایوں رونق افروز رہے۔ بعدہٗ، آپس کے نزاعات کے باعث
لکھنؤ، تشریف لے گئے۔ وہاں، مرزا قتیل سے شعروسخن میں اِصلاح لی۔ کشفی، تخلص، مقرر کیا۔
مجتہدِ عصر اور شیعہ عُلماے لکھنؤ آپ کے درپے ایذا رسانی ہوگئے۔ لیکن، آپ صحیح وسالم
نکل کر، کان پور تشریف لے آئے اور آخر وقت تک، کان پور ہی میں متمکن رہے۔
ظاہری و باطنی فیض کے دریا، بہا دیے۔
سیکڑوں ہزاروں بندگانِ خدا آپ کے دامنِ ارادت سے، وابستہ ہوگئے۔
باوجود، صاحبِ ارشاد ہونے کے، اپنے پیرزادوں اور استاذ زادگانِ وطن کا، نہایت ادب
واحترام کرتے تھے۔ بڑے بڑے عُلماے کرام آپ کے فیضِ علم سے مستفیض ہوئے
جن کے تلامذہ کا سلسلہ، اَطرافِ ہند میں، جاری وساری ہے۔
منجملہ آپ کے تلامذہ کے، مولانا شاہ عادل (نارِوی، کان پوری) صاحب تھے۔ جو، آپ
کے بعد آپ کے جانشین ہوئے۔ مولوی سید محمد عبداللہ، صاحب بلگرامی و مولوی غلام محمد خاں
صاحب (ساکن کوٹ ضلع فتح پور ہَنسوہ) وخان بہادر مولوی سید فریدالدین احمد صاحب کڑوی
(وکیلِ ہائی کورٹ) آپ کے مشہور تلامذہ ہیں۔
علاوہ ان کے، مولوی بزرگ علی صاحب (مارہروی) آپ کے مخصوص شاگردوں میں
تھے۔ جن کے شاگردِ رشید، مفتی عنایت احمد صاحب، کاکوروی تھے
جو، استاذ، مولانا مفتی لطف اللہ صاحب، علی گڑھی کے ہیں۔
اور مفتی صاحب کا فیضِ درس، عام ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے۔
اِس سلسلے میں موجودہ طبقۂ عُلما میں، شاید ہی کوئی ایسا ہو
جس کو بدایوں کے بحرِ فیض سے حصہ، نہ پہنچا ہو۔

مولانا کی تصانیفِ کثیرہ، مشہور مطبوعہ ہیں۔ رَدِّ شیعہ میں تحفۃُ الاحباب، معرکہ آرا برقِ خاطف ہیں۔ تحریرُ الشّہادتَین شرحِ سِرُّ الشہادتَین، خدا کی رحمت، وغیرہ، مختلف رسائل ہیں۔
ایک رسالہ ''اِشْبَاعُ الْکَلام فِی اِثْبَاتِ الْمولدِ وَالْقِیَام'' ہے۔ جس کا جواب، مولوی بشیر الدین صاحب، قنوجی نے لکھ کر، دربارِ نبوت سے اپنے اِرتداد کا سرٹیفکٹ، حاصل کیا۔
اور پھر، اس جواب کا رَد، حضرت تاج الفحول (مولانا عبد القادر، بدایونی) قُدِّسَ سِرُّہٗ نے رسالہ ''سَیفُ الاسلام'' میں بخوبی، فرمادیا۔
مولانا (کشفی) کا، فارسی دیوان بھی، مطبوعہ ہے۔
بہ عمر ستّاسی (۸۷) سال، ۳؍رجبُ المرجب ۱۲۸۱ھ/ (دسمبر ۱۸۶۴ء) میں آپ کا وصال ہوا۔ مزار شریف، خاص آپ کی بنا کردہ مسجد، واقع محلہ ناچ گھر، کان پور میں ہے۔''
(ص ۱۱۴ تا ص ۱۱۶۔ ''اکملُ التاریخ''، حصہ اول۔ مؤلفہ مولانا ضیاء القادری، بدایونی۔ مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی۔ بدایوں۔ ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء)
مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری لکھتے ہیں:
آپ (مولانا شاہ سلامت اللہ) حضرت شاہ عبد العزیز، محدِّث دہلوی وقطبُ الاقطاب، شمس العارفین (سید شاہ آلِ احمد، اچھے میاں، مارہروی) کے فیض وبرکت کے اثر سے، اِحیاے سُنّت واِماتَتِ بدعتِ ضالّہ میں بھی سرگرم تھے۔ نتیجہ، ظاہر تھا۔
رَدِّ مسائل وعقائدِ رَوافض کی وجہ سے لکھنؤ کے رافضی عُلما، آپ کے درپے آزار ہوگئے۔
لیکن، حضرت (مولانا شاہ سلامت اللہ، بدایونی) وہاں سے صحیح وسالم نکل کر کان پور تشریف لے آئے۔
یہاں (کان پور) آپ نے محلہ ناچ گھر میں قیام فرمایا۔ ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء میں ایک شاندار مسجد تعمیر کرائی اور مدرسہ بنوایا۔ زبردست مرجعیت ومرکزیت، حاصل ہوئی۔
آپ کے درس کی برکتوں سے سیکڑوں افراد، اکابر عُلماے عہد ہوگئے۔ باضابطہ درس کے علاوہ، بعد نمازِ جمعہ، وعظ درسِ قرآن اور حدیث فرماتے تھے۔ وعظِ مبارک، پُر تاثیر ہوتا تھا۔
نواب، صدیق حسن، قنوجی نے بھی لکھا ہے کہ:
''فاضلِ عدیمُ المثیل وواعظِ خوش تقریر وشاعرِ جادو تحریر ست۔
محررِ سُطور، او را بارہا دیدہ ولطفِ وعظ دریافتہ۔

درزمرۂ علما، خیلے خوش صورت، نفیس سیرت بود۔ عمرِ دراز، یافت۔"

حضرت (مولانا شاہ سلامت اللہ، بدایونی) کے تلامذہ میں

بہت سے اکابر علما و مشائخ میں سے چند نام، یہ ہیں:

حضرت مولانا سید شاہ آلِ رسول، احمدی، مجدِّث مارہروی۔

حضرت مولانا سید عبداللہ، بلگرامی۔ متوفی ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء۔

حضرت مولانا شاہ، محمد عادل، نارِوِی (کان پوری) متوفی ۱۳۲۵ھ آپ کے جانشین۔

اور حضرت مولانا بزرگ علی، مارہروی قُدِّسَ سِرُّہٗ، مولانا محمد سعید، حسرت عظیم آبادی، حضرت

مولانا محمد زماں خاں شہید (استاذِ نواب، محبوب علی خاں، نظام حیدر آباد) قامعِ فرقۂ مہدَ وِیَّہ ضالّہ۔

حضرت مولانا سید حبیب الرحمٰن، کاظمی، ردولوی، مہاجرِ مکی، زبردست عالم و عارف

اور کاسب و شاغل بزرگ، اُمَر او عُلمائے مکہ مکرَّمہ، آپ کے علم و فضل کے مدّاح تھے۔

آپ کے مخصوص شاگرد، حضرت مولانا شاہ، ابوالخیر محی الدین عبداللہ، مجدِّدی، سجادہ نشین

درگاہِ مظہر جانِ جاناں و شاہ غلام علی، مجدِّدی، دہلوی تھے۔" الخ

(ص ۴۷۔ "حیاتِ شاہ آلِ رسول، احمدی، مارہروی" ۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی۔ مطبوعہ خانقاہِ اشرفی رفاقتی۔ اسلام آباد۔ ضلع مظفر پور۔ بہار۔ طبعِ اول ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء)

علاّمہ فضلِ رسول، بدایونی

سَیفُ اللّٰہِ الْمَسْلُول، علاّمہ فضلِ رسول، عثمانی، قادری، بدایونی (ولادت ماہ صفر ۱۲۱۳ھ۔ وصال ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) فرزند وخلیفۂ شمسِ مارہرہ، مولانا شاہ عینُ الحق عبدالمجید، قادری، برکاتی بدایونی (وصال محرمُ الحرام ۱۲۶۳ھ/جنوری ۱۸۴۷ء)

سَوَادِ اعظم اہلِ سُنَّت و جماعت کے اُن اکابر واَعاظم علما و مشائخ میں ہیں، جو، اپنے دَور میں "مِعیارِ سُنِّیت" اور "وَقارِ اہلِ سُنَّت" تھیں۔

آپ کے تعارف وتذکرہ میں مولانا محمد یعقوب حسین، ضیاء القادری، بدایونی (متولّد ماہ رجب ۱۳۰۰ھ/جون ۱۸۸۳ء۔ بدایوں۔ متوفی ۱۲/ جمادیٰ الاخریٰ۔ ۱۳۹۰ھ/۱۵/ اگست ۱۹۷۰ء کراچی) لکھتے ہیں:

.........قبل اِس کے کہ، مکان (بدایوں) سے اس مولود کی خبر، مارہرہ مطہرہ میں پہنچے حضرت سیدُ الاولیا (سید شاہ آلِ احمد، قادری، برکاتی، مارہروی) حضور اچھے میاں نے مبارک باد کے طور پر خوش خبریِ ولادت، حضرت مولانا شاہ عبدالمجید صاحب کے گوش گذار کردی تھی۔ نہ صرف خوش خبری، بلکہ آئندہ، اس نونہال کے فضل وکمال اور حُسنِ مآل کی بشارت بھی دے دی تھی۔

چنانچہ، بعدِ ولادت، خود، حضورِ پُر نور نے اس تصویرِ فضل وکمال کا نام "فضلِ رسول" رکھا اور معنوی طور پر، اپنا فرزند قرار دیا۔"

(ص ۱۶۵۔ "اَکملُ التاریخ"، حصہ دوم۔ مؤلفہ مولانا ضیاء القادری، بدایونی۔ طبع جدید ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء۔ تاج الفحول اکیڈمی۔ بدایوں۔ طبع اول ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء۔ بدایوں)

چار برس کی عمر ہوتے ہی مکتب کی رسم، ادا ہوئی۔ مقدس دادا نے بسم اللہ، شروع کرائی۔ واقفِ اَسرارِ توحید، حضرت مولانا شاہ عبدالحمید، قادری برکاتی، بدایونی (وصال جمادیٰ الاولیٰ ۱۲۳۳ھ/مارچ ۱۸۱۸ء۔ خلیفۂ حضرت اچھے میاں، مارہروی) نے ابتدائی تعلیم وتربیت فرمائی۔

علاّمہ فضلِ رسول، بدایونی فرماتے ہیں کہ:

اِس خاکسار نے صَرف ونحو کی اکثر کتابیں، جدِّ امجد، مولانا شاہ عبدالحمید سے پڑھی ہیں۔

ایسی عجیب وغریب برکت اور حُسنِ تربیت تھی کہ، جو، آپ کے بعد کسی میں نظر، نہ آئی۔

اِس ہیچ مداں کو، جو کچھ عطا ہوا ہے، وہ، سب، آپ کی اِس برکت اور تربیت کا اثر ہے۔"

گیارہ برس تک، جدِّ امجد کی آغوشِ تعلیم وتربیت میں پرورش پائی۔

بارھویں سال کا آغاز ہوتے ہی تحصیلِ علم کے شوق میں

متوکلاً علی اللہ لکھنؤ کے لئے، پاپیادہ، راونہ ہوگئے۔

طلبِ علم کی بے تابی نے اجازتِ سفر بلکہ اس کی خبر دیے بغیر، آپ کو سرگرمِ سفر کر دیا۔

صعوبتِ سفر، برداشت کرتے ہوئے، براہِ شاہجہاں پور ایک مدت بعد لکھنؤ پہنچے۔ زادِ سفر سے بے نیازی، زنجیرِ پا، نہ بن سکی۔ قدم قدم پر برکتوں کا ظہور ہوتا رہا۔ بالآخر، منزلِ مقصود تک پہنچے۔ اور:

"صبح کو، سلطانُ العلما، حضرت مولانا نورُ الحق (فرنگی محلی) صاحب رَحمَةُ اللهِ عَلَیهِ کی درس گاہ میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ مولانا، خود، چشم براہ، کہ آمد کے منتظر ہیں۔

جس وقت آپ پر نظر پڑی، بکمالِ تکریم ومحبت، بڑھ کر سینے سے لگایا۔

پیشانی کو بوسہ دیا اور نہایت فخر ومباہات کے ساتھ، اظہارِ مسرت فرمایا۔

اکابر علمائے فرنگی محل نے، یہ سن کر کہ:

حضرت مولانا شاہ عینُ الحق عبدالمجید صاحب، بدایونی کے صاحب زادے

بارہ برس کی عمر میں، اِس سج دَھج سے تحصیلِ علم کے لئے تشریف لائے ہیں

جوق در جوق آنا شروع کیا۔ اور ہر طرف سے شفقت وپیار کی نظریں، آپ پر پڑنا، شروع ہوگئیں۔

ہر بزرگ آپ کی جبینِ روشن کو دیکھتا اور فرماتا کہ:

"یہ بچہ، خدا جانے کس مرتبہ فضل وکمال کو پہنچے گا۔"

یہی ہوا کہ آپ نے تین برس تک، فرنگی محل میں رہ کر شفیق استاذ کی مخصوص عنایت کے باعث

جُملہ علوم معقول ومنقول سے فراغِ تام، حاصل کیا۔

بزرگ استاذ کو، اپنے گرامی قدر شاگرد سے کمال درجہ، اُنس تھا۔

اور ہمیشہ فخر کے ساتھ، آپ کے مَلکۂ قُدسیہ کا تذکرہ فرماتے اور خوش ہوتے۔

خداداد ذہانت کی تعریف فرماتے اور جدید طلبہ، جو حلقۂ درس میں آکر شریک ہوتے وہ، مولانا (فضلِ رسول، بدایونی) کے سپرد کیے جاتے۔

جماعت سے جُداگانہ، مخصوص اوقات میں، یکہ وتنہا آپ کو سبق پڑھاتے اور اپنے سامنے

تکرار (مذاکرۂ علمیہ) کراتے۔ جیّد طلبہ سے کسی خاص مسئلے میں تقریری مناظرہ کراتے۔
اور مولانا کے زورِ تقریر اور قوتِ اِستدلال سے بے اِنتہا، مسرور ہوتے۔
.... یہاں تک کہ، جمادیٰ الثانی ۱۲۲۸ھ/ (اگست ۱۸۱۳ء) کا مہینہ آیا۔
یہ وہ مہینہ ہے کہ، قطبُ الآفاق، مخدوم شاہ عبدالحق، ردولوی رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ کا عُرسِ مبارک
پندرہ سے سترہویں تاریخ تک "ردولی شریف" میں ہوتا ہے۔
.... اُستاذِ مطلق، حضرت سلطانُ العلما، مولانا نورُالحق (فرنگی محلی) رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ
نے اپنے پیارے شاگرد (مولانا فضلِ رسول، بدایونی) کو، حکم دیا کہ:
ردولی شریف، ہماری، ہم رکابی میں چلنے کے لئے تیار ہو۔"
خاندان کے معزّز ارا کین، خدّام اور طلبہ کی جماعت بھی، ہمراہ ہوئی۔
عرس شریف کی برکتوں سے، یہ قافلہ، مستفیض ہوا۔
سترہویں تاریخ، جو، خاص قُل کی تاریخ تھی، فرنگی محل کے اس نورانی وجود نے صبح کو
مواجھہ مزار شریف میں ایک مجلس، ترتیب دی۔
تمام اَکابرِ وقت اور علما و مشائخِ عصر، حاضرینِ عرس، خاص مجلس میں شرکت کے لئے
تشریف لائے۔ جب، مجمع، کافی ہو گیا اور مجلس، حاضرین کی کثرت اور ہجوم سے بخوبی پُر ہو گئی
حضرت سلطانُ العلما نے کھڑے ہو کر
اوّل، صاحبِ آستانہ سے اِستعانت فرمائی۔ اور مولانا کو، اپنے پیشِ نظر، بلا کر کھڑا کیا۔
اس کے بعد (۱) مولانا عبدالواسع صاحب (۲) مولانا عبدالواجد صاحب، خیر آبادی
(۳) مولانا ظہورُ اللّٰہ صاحب، فرنگی محلی و دیگر اکابر موجودین کو، مخاطب کر کے فرمایا کہ:
"آج، یہ مجلس، صرف اِس لئے منعقد کی گئی ہے کہ:
آپ حضرات کے سامنے، ان صاحب زادے کا امتحان ہو جائے۔
جُملہ علوم و فنون میں جو بزرگ چاہیں، بلا تکلف، جانچ پڑتال کر سکتے ہیں۔"
اس کے بعد، علمائے کرام سے اصرار فرمایا کہ: آپ حضرات، سوال کریں۔
بعض اصحاب نے اشارۃً، بعض نے امتحاناً، مسائلِ دقیقہ، باتوں باتوں میں، دریافت کیے۔
اس کے بعد، حضرتِ مکرّم، سلطانُ العلما (مولانا نورُالحق، فرنگی محلی) نے
آپ کی رسمِ دستار بندی، ادا فرمائی۔

سندِ خاص میں اجازتِ درس جُملہ علومِ نقلیہ وعقلیہ کی تحریر فرمائی۔ اور دستِ دعا، بلند کیے۔
صاحبِ مزار کا روحانی تصرُّف، ان سراپا برکت دعاؤں کو بابِ اِجابت تک لے اُڑا۔
مشائخ وسجادہ نشینانِ محفل نے آمین کہی۔

.........عرس شریف کے اِختتام کے بعد، مجلسِ علم کا یہ سراپا نور قافلہ سالار مع خدم وحشم
اپنی جاے اِقامت، یعنی لکھنؤ تشریف فرما ہوا۔

وہاں، اِس نونہالِ چمنِ بغداد کو، تجلیاتِ قُدس کی قند آور تشبیہ
یعنی، حضرت مولانا احمد انوارُالحق (فرنگی محلی) رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ کی رُونمائی کے لئے پیش کیا۔
نورِ نظر (مولانا نورُالحق، فرنگی محلی) کی آب یاریِ فیض کا ثمرہ
جس وقت، قبلۂ حاجات باپ (مولانا انوارُالحق، فرنگی محلی) کے سامنے آیا، فرطِ مسرت سے
چہرے کا نورانی رنگ، اَرغوانی ہوگیا۔

مولانا (فضلِ رسول، بدایونی) کو قریب بلا کر، دعائیں دیں۔ اور فرمایا:
"صاحب زادے! ایک دن آنے والا ہے کہ:
حفاظتِ دین کا سہرا، تمہارے سر پر سجایا جائے گا۔
مسندِ فقر وعرفان کو، تمہارے دَم سے فروغ ہوگا۔
فرزندِ اَرجمند، مولانا نور کا نورِ علم، تمہارے جلوۂ فیض سے تجلّی بخشِ عالم ہوگا۔"
ان کلماتِ سراسر حَسنات کو، والد کی زبان سے سن کر، مولانا نورُالحق صاحب کے ہنستے ہوئے
چہرے پر تبسُّم کی لہر، دوڑ گئی اور نہایت فرحت وانبساط کے ساتھ
مولانا (بدایونی) کو جانبِ وطن (بدایوں) رخصت فرمایا:
آپ (مولانا فضلِ رسول، بدایونی) شاداں وفرحاں، بدایوں تشریف لائے۔
جَدِّ امجد کی قدم بوسی کی۔
تین سال کی محنت کا نتیجہ، یعنی سندِ تکمیل، پیش کی۔"

(ص ۱۶۸ تا ص ۱۷۱۔ "اکمل التاریخ"، حصہ دوم۔ مؤلفہ مولانا ضیاء القادری، بدایونی۔ مطبوعہ بدایوں ۲۰۱۳ء)

بدایوں میں آپ کے مربی ومشفق اور جَدِّ امجد، حضرت شاہ عبدالحمید، قادری، برکاتی (وصال
جمادی الاولیٰ ۱۲۳۳ھ / مارچ ۱۸۱۸ء) نے علمِ طِب، حاصل کرنے کی ہدایت فرمائی۔
اور جب اپنے والدِ مکرّم، حضرت مولانا شاہ عبدالمجید، قادری برکاتی، بدایونی (وصال ۱۷

محرم ۱۲۶۳ھ/جنوری ۱۸۴۷ء) سے ملاقات کے لئے مارہرہ مطہرہ پہنچے

تو، وہاں سے بھی، یہی ہدایت ملی۔

چنانچہ، امامُ الاطِبّا، حکیم سید ببر علی، موہانی کی خدمت میں دھول پور (راج پوتانہ) حاضر ہو کر فنِ طِب کی تحصیل میں مصروف ہوئے اور اس فن میں بھی مہارت و کمال، حاصل کیا۔

فنِ طِب میں تحصیل و تکمیل کی، یہ مدت، دو سال کی ہے۔

فرنگی محلی، لکھنؤ اور دھول پور (راج پوتانہ) سے تکمیلِ علوم و فنونِ مختلفہ کے بعد، مولانا فضلِ رسول، بدایونی، بدایوں کے اپنے آبائی مدرسہ "مدرسہ محمدیہ" میں مصروفِ درس و تدریس ہو گئے۔ اور اسے شہرت و ترقی دے کر، اس کا نام **"مدرسہ قادریہ" رکھا۔**

اس مدرسہ میں ہر طرف سے طلبہ کا ہجوم ہونے لگا۔

اور آپ کے تبحّرِ علم اور درس و تدریس کی شہرت، دور دور تک پھیل گئی۔

اِسی دَوران، حج و زیارتِ حرمین شریفین سے بھی مشرّف ہوئے۔

جس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ضیاء القادری، بدایونی لکھتے ہیں:

مدینہ منورہ کے علمی تاجدار، عُلماے عالَم کے سرتاج، حضرت مولانا شیخ عابد، مدنی، انصاری اور مکہ مکرّمہ کے روشن چراغ، امامُ الائمہ، سراجُ الأمّۃ کے مسند کے وارث، حضرت مولانا شیخ عبداللہ سراج، مکی قُدِّسَ سِرُّھُمَا سے (باوجودے کہ جُملہ علوم و فنون میں سلسلۂ درس، جاری تھا) حصولِ برکت کے لئے جدید اَسانید، حاصل فرما کر، وطن (بدایوں) مسندِ درس پر جلوہ آرا ہوئے۔

اُس وقت کی فیض بخشی، اِحاطۂ تحریر سے باہر ہے

ہندوستان کے ہر گوشے کے طالب علم، بدایوں میں نظر آنے لگے۔

اِس سے قبل، صرف ظاہری علوم کا فیض جاری تھا، اب باطنی کمالات کے سرچشمے بھی اُمڈنا، شروع ہو گئے۔

اور آپ کی ذاتِ سراپا برکت، مجمع البحرین بن کر، ظاہر و باطن کی نعمتوں کی قاسم، بن گئی۔" الخ

(ص ۱۷۵۔ اکمل التاریخ۔ حصہ دوم۔ مطبوعہ بدایوں ۲۰۱۳ء)

علّامہ فضلِ رسول، بدایونی کے اساتذۂ کرام میں حضرت مولانا نورالحق فرنگی محلی فرزندِ مولانا احمد انوارالحق، فرزندِ مُلّا، احمد عبدالحق، فرنگی محلی کا نام، نمایاں ہے۔

جو، بحرالعلوم، مولانا عبدالعلی فرنگی محلی، کے شاگردِ رشید تھے۔

امامُ الاطِبّا، سید ببر علی، موہانی، آپ کے استاذِ علمِ طب ہیں۔
جو، آپ کے فیض و برکت سے، اپنے عقیدۂ شیعیت سے تائب ہو کر، پختہ سُنّی ہو گئے تھے۔
آپ کی وفات، آگرہ میں ہوئی۔
رئیس العلما، شیخ محمد عابد، سندھی، مدنی (وصال دوشنبہ، ماہ ربیع الاول ۱۲۵۷ھ/مارچ ۱۸۴۱ء۔
مدینہ منورہ) وسراجُ العلما، شیخ عبداللہ سراج مکی
یہ دونوں حنفی عُلما و شیوخِ حرمین شریفین بھی آپ کے اساتذۂ کرام ہیں۔

آپ کے تلامذہ میں نمایاں حضرات، یہ ہیں:

مفتی اسدُ اللہ، الہ آبادی (متوفی یکم جمادیٰ الاولیٰ ۱۳۰۰ھ/اپریل ۱۸۸۳ء) ومولانا عنایت رسول، چریا کوٹی ومولانا سید عبدالفتاح گلشن آبادی ومولانا شاہ احمد سعید، مجدّدی، دہلوی (متوفی ۲/ربیع الاول ۱۲۷۷ھ/ستمبر ۱۸۶۰ء) وحضرت سید شاہ محمد صادق میاں، قادری برکاتی مارہروی (متوفی ۲۴/شوال ۱۳۲۶ھ/نومبر ۱۸۰۹ء) ومولانا سید اَولادِ حَسَن، موہانی ومولانا سید اشفاق حسین، سَہسوانی، بریلوی وقاضی تجمل حسین، عباسی وسید سلمان، بغدادی وسید اَرجمند علی، نقوی بدایونی وشیخ جلالُ الدین، متولی، بدایونی وحکیم وجیہُ الدین، صدیقی، بدایونی وحکیم شیخ تفضل حسین بدایونی ومولانا امانت حسین صدیقی، بدایونی ومیاں بہادر شاہ دانش مند، بدایونی وشیخ فصاحت اللہ متولی، بدایونی وسید خادم علی بخاری، بدایونی۔ وغیرھُم۔

راجہ بنارس کی لڑکی کے علاج ومعالجہ کے سلسلے میں بنارس جانے کا ایک سبب اور داعیہ پیدا ہوا، تو، آپ، وہاں پہنچے۔ راجہ کی لڑکی شفایاب ہوئی۔ مزید بندگان خدا کے علاج ومعالجہ کے سلسلے میں، راجہ کی دعوت پر، بنارس میں ایک سال آپ کا قیام رہا۔
اس کے بعد، جب، بدایوں واپس آئے، تو، اس فن سے لاتعلقی، اختیار کر لی۔
گاہے گاہے، صرف خدمتِ خلق کی نیت سے کسی کا علاج کر دیا کرتے تھے۔
آگے کا حال، مولانا ضیاء القادری، بدایونی اِس طرح تحریر کرتے ہیں:

”آپ نے کچھ دنوں محکمۂ اِفتا (جو، اُس وقت، گورنمنٹ میں قائم تھا اور بطور مفتی کے عُلما کو، عہدے دیے جاتے تھے) کو، اپنے کلکِ انصاف جو کی روشنائی سے فروغ بخشا۔
.... ادھر حاکمِ ضلع کو، اپنی کچہری میں عہدۂ جلیلۂ سر رشتہ داری کے لئے کسی معزز وممتاز فائقُ الاقران والعلم کی تلاش ہوئی۔ ضلع بھر میں، اِس قابلیت کا کوئی شخص، موجود نہ تھا۔

ہر پھر کر، آپ پر ہی نظر پڑتی تھی۔

آخر، بکمالِ اِصرار، آپ کو، رضامند کیا گیا۔ اُس وقت ضلع کا صدر مقام، سَہسوان تھا۔

جہاں، اب تحصیل و منصفی کی، دو کچہریاں، موجود ہیں۔

آپ، بدایوں سے سَہسوان، تشریف لے گئے اور غالباً، ساڑھے تین سال تک

آپ نے جوہرِ ذاتی سے حُکّامِ وقت کو، اپنا گرویدہ بنائے رکھا۔

.........پوری تنخواہ، مصارفِ مہمان نوازی میں، صَرف ہو جاتی تھی۔

بعض اوقات، خرچ کے لئے، مکان (بدایوں) سے بھی کچھ، طلب کر لیا جاتا۔

درس و تدریس کا سلسلہ، وہاں (سَہسوان) بھی جاری رہتا۔

اکثر، سَہسوان کے علم دوست شُرفا کو، آپ سے اور آپ کے تلامذہ سے، شرفِ تلمُّذ، حاصل تھا۔

جب، آپ نے اس سلسلے سے بھی، قطعِ تعلق کر لیا

مدرسہ عالیہ (قادریہ) میں، مستقل طور پر حلقۂ استفادہ کا اِجرا فرمایا۔

برابر، اہلِ سَہسوان، تحصیلِ علم کی دُھن میں بدایوں آتے رہے اور حضرت تاج الفحول (مولانا عبدالقادر، بدایونی) اور مولانا فیض احمد (عثمانی، بدایونی) کی شاگردی کا فخر، حاصل کیا۔

مشائخانہ سیّاحی میں، جب، زیادہ تر قیام، حیدر آباد دکن میں (جہاں کی باطنی خدمت سرکارِ غوث مآب کی جانب سے آپ کو سپرد تھی) نواب آصف جاہ، خلد مکانی اور تمام اُمَرا وارکینِ ریاست کو آپ سے عقیدت و ارادت ہوئی۔" الخ (ص ۲۰۸ و ص ۲۰۹۔ اکمل التاریخ، حصہ دوم)

ملازمت و علائقِ دنیوی سے بے نیاز ہونے کے بعد، اپنے والدِ مکرّم، حضرت شاہ عینُ الحق عبدالمجید، قادری برکاتی، بدایونی سے سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں بیعت و ارادت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کے والدِ مکرّم، اپنے مرشدِ طریقت، شمسِ مارہرہ، سید شاہ آلِ احمد، اچھے میاں مارہروی (وصال ۱۲۳۵ھ/جنوری ۱۸۲۰ء) کے خلیفۂ ارشد تھے۔

جن کی اجازت و خلافت کے بارے میں، مولانا ضیاء القادری، بدایونی لکھتے ہیں کہ:

"جب، تکمیلِ مَراتب ہو چکی، مثالِ خلافت، عطا کی گئی، اور "شاہ عینُ الحق" کے خطاب سے سرفراز فرمائے گئے۔ آپ کے باطنی جذبات اور روحانی وَلولے، اگرچہ، بہت کچھ آپ کو ذوق آشنائے بے خودی کرنا چاہتے تھے، لیکن، علومِ شریعت کی زبردست قوت ایک پیش، نہ جانے دیتی تھی۔

آپ کا ظاہری و باطنی کیف وسُرور دیکھ دیکھ کر
خود حضورِ اقدس (حضرت اچھے میاں مارہروی) ارشاد فرماتے کہ:
"درویش، باید ش کہ ظاہرش، چوں ابی حنیفہ باشد و باطنش، چوں منصور۔
وایں معنی بجز مولوی عبدالمجید، در دیگرے، نہ دیدہ ام۔"
(ترجمہ) درویش کو چاہیے کہ اُس کا ظاہر، امام ابوحنیفہ کی طرح ہو، اور باطن، حضرت منصور کی طرح۔ اور یہ بات، میں نے، سِوا مولوی عبدالمجید کے، کسی دوسرے میں، نہ دیکھی۔)
اتباعِ شریعت، اِس طرح ملحوظِ خاطر تھا کہ:
کبھی، کسی وقت میں، تَرکِ سُنّت کا ظہور ہوا ہی نہیں۔
نوافل و مستحبات، جو، روزِ اول سے اختیار فرمائے، آخر دم تک، تَرک نہ ہوئے۔
ایک طرف، پیر و مرشد (حضرت سید شاہ اچھے میاں، مارہروی) کو
آپ سے، اِس درجہ، خصوصیت اور اُنس تھا کہ:
اکثر مریدانِ بااختصاص اور خُلفائے خاص کے حلقے میں ارشاد فرماتے کہ:
اگر، روزِ قیامت، خداوندِ کریم کی جناب سے سوال کیا گیا کہ:
ہماری بارگاہ کے لئے، کیا تحفہ لائے ہو؟
تو، مولوی عبدالمجید کو، پیش کر دوں گا۔"
دوسری جانب، پیرزادگان (ساداتِ مارہرہ مطہّرہ) میں، آپ کا
اِس درجہ، وقار واحترام تھا کہ، جو، آپ فرماتے اُس پر جُملہ صاحب زادگان، متفق ہو جاتے۔"
(ص ۹۹۔ **اکمل التاریخ**، حصہ اول۔ مطبوعہ بدایوں ۲۰۱۳ء)
والدِ مکرّم نے مولانا فضلِ رسول، بدایونی کو سلاسلِ خمسہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ مداریہ کی اجازت، مع تمام معمولاتِ خاندانی و سندِ خلافت، عطا فرمائی۔
ایک بار، قطبُ الاقطاب، خواجہ قطبُ الدّین بختیار، کاکی، چشتی، دہلوی کے آستانہ مبارکہ کی حاضری و زیارت کے دَوران، عالمِ جذب و بےخودی میں، اِحرامِ حج باندھ کر، پاپیادہ، روانہ ہوئے تو، دہلی سے اجمیر شریف اور پھر، احمد آباد، گجرات ہوتے ہوئے سورت پہنچے۔
اور سورت سے جدّہ کے لئے بذریعۂ بادبانی جہاز، روانہ ہوئے۔
دہلی سے سورت تک، اُس زمانے میں، چھ ماہ کا سفر ہوتا تھا۔

جب کہ آپ، متعدد مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کرتے ہوئے، صرف سترہ (۱۷) دن میں
دہلی سے سورت پہنچ گئے۔ یہ روح پرور واقعہ سفر ۱۲۵۴ھ/۴۰-۱۸۳۹ء کا ہے۔

"غرض، یہ پہلا سفر، دہلی سے مدینہ طیبہ تک، پاپیادہ، طے ہوا۔
کعبے میں، تجلیاتِ الٰہی کی جلوہ ریزیاں، نورِ باطن کے فروغ کا سبب ٹھہریں۔
مدینہ میں حضور رحمتِ عالم (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم) کی خصوصی رحمتوں نے مالا مال کیا۔
دونوں جگہ، علما و مشائخِ کرام کی مجالس میں شرکت فرمائی۔ اکابرِ حجاز و عرب کی زیارت کی۔
اصحابِ عظام کے مزارات سے فیضِ روحانی، حاصل کیا۔
اسنادِ حدیث، دونوں جگہوں کے اَجِلّہ مشائخ سے (جو، اُس وقت، تمام بلادِ عرب میں
استاذ العلما اور شیخِ وقت مانے جاتے تھے) لے کر، ہندوستان کو، مُراجعت فرمائی۔"

(ص ۲۲۰۔ اکمل التاریخ، حصہ دوم۔ مطبوعہ بدایوں ۲۰۱۳ء)

بیعت و اِرادت کے بعد، آپ پر، جذب و بے خودی کا ایک عجیب دَور، گذرا ہے۔
جس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ضیاء القادری، بدایونی لکھتے ہیں کہ:

"متقدمین کے اندازِ ریاض، جو، کانوں سے سنے تھے، دیکھنے والوں نے اپنی آنکھوں سے
دیکھے۔ کبھی، لذتِ بادیہ پیمائی سے حلاوت پائی، کبھی، دامنِ کوہ سے دامن باندھ کر، چِلّہ کشی فرمائی۔
بارہ (۱۲) سال تک، اِسی طرح، اسمائے جلالی و جمالی کے اَشغال میں محو، رہ کر، منازلِ تکوین کو طے کیا۔
مسندِ تمکین پر، جلوہ افروز ہوئے۔ سَیر فی اللّٰہ کی محویت آفریں شاہراہ میں رسائی ہوئی۔
بے خودی نے کام بنایا، نسبتِ چشت، غالب آئی۔
ہندُ الوَلی کی سرکار سے سندِ ولایت کی تکمیل، اِس طرح ہوئی کہ:
حضرت قطبُ الاقطاب، خواجہ قطبُ الدین بختیار کاکی رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ کی روحانیت نے
آپ کو، بالکل اپنی جانب،، متوجہ کر لیا۔
کشاں کشاں، آپ، دربارِ دُربارِ حضرت قطب صاحب (مہرولی شریف، دہلی) پر
حاضر ہوئے۔ آستانہ بوسی کی تہ میں، رازِ کمال اور سِرِّ کامیابی، مضمر تھا۔
یہاں، صرف صِبْغَۃُ اللّٰہ کی دین کا وہ چوکھا رنگ، آپ پر چڑھا کہ بالکل، رنگ گئے۔
حالتِ جذب نے تنزل کیا، شکر کی کیفیت، سکونِ طبیعت کا سبب ہوئی۔
نعمتِ باطن اور دولتِ عرفان کے، اَن گنت خزانوں سے جھولیاں، بھر لیں۔

چند روزہ حاضری میں، برکاتِ بے کراں کے علاوہ، ''طیُّ الارض'' کا خصوصی تمغہ، عطا ہوا۔
جس نے سِیْرُوْا فِی الْاَرْض کی تمام مشکلات کو، آسان کر دیا۔
انھیں ایام میں ایک بزرگ صاحبِ دل سے ملاقات ہوئی۔
بہ اشارۂ روحانیت حضرت دست گیرِ عالم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، انھوں نے ایک خاص درود شریف کی، جو، معمولاتِ خاندانِ حضرت سید آلِ حَسَن، رسول نُما، دہلوی سے ہے۔
اور قصیدۂ بُردہ شریف کے، اِس شعر کی اجازت دے کر، آپ کے اَوراد میں داخل فرمایا:

هُوَ الْحَبِيْبُ الَّذِي تُرْجٰى شَفَاعَتُهٗ
لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمِ

(ترجمہ) وہ، ایسے حبیب ہیں کہ پیش آنے والے ہر خوف و خطر میں
اُن کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے)

اِس درود شریف کی کثرت اور اِس مبارک شعر کی برکت سے نوشاہِ کون مکاں عُروسِ مملکتِ رَبّانیہ، جانِ جہاں، جانانِ عالم، حضور رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْن (رُوْحِی لَهُ الْفِدَاء) کے نظارۂ جمال سے چند بار، مشرّف ہوئے۔'' الخ

(ص ۲۱۵ و ص ۲۱۶۔ اکمل التاریخ، حصہ دوم۔ مطبوعہ بدایوں ۲۰۱۳ء)

اپنے اِس سفرِ دہلی کی برکتوں کا ذکر کرتے ہوئے، اپنے والدِ مکرم، حضرت مولانا شاہ عین الحق عبد المجید، قادری برکاتی، بدایونی کے نام ایک مکتوب میں، حضرت علامہ فضلِ رسول، بدایونی تحریر فرماتے ہیں:

''اِس سفر میں ایک بزرگ سے، حضرت سید آلِ حَسَن، رسول نُما قُدِّسَ سِرُّہٗ کے معمولاتِ خاندانی میں سے، ایک درودِ پاک اور قصیدۂ بُردہ کا ایک شعر پڑھنے کی اجازت ملی۔ وہ شعر، یہ ہے۔

هُوَ الْحَبِيْبُ الَّذِي تُرْجٰى شَفَاعَتُهٗ
لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمِ

(ترجمہ) وہ، ایسے حبیب ہیں کہ پیش آنے والے ہر خوف و خطر میں
ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے)

آج، جب، اِشراق کی نماز کے بعد، تھوڑا سویا
تو، حضرت ختم المرسلین، امام المتقین شفیع المذنبین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی زیارت

سے مشرّف ہوا۔
اور قصیدۂ بُردہ کا، یہی شعر، میں نے حضور کی خدمت میں پڑھا۔
آپ نے ارشاد فرمایا کہ:
"کعب کے قصیدۂ بانت سُعاد کا بھی ایک شعر، بہت خوب ہے۔اس کو بھی، پڑھنا چاہیے۔"
چنانچہ، وہ شعر بھی، آپ کی زبانِ مبارک سے ادا، ہوا۔
جب، میں نیند سے بیدار ہوا تو، وہ شعر، ذہن سے محو ہو گیا۔
لِہٰذا، عرض ہے کہ وہ شعر، ارشاد فرمایا جائے۔
اور اس مبارک قصیدہ کی اجازت، طریقۂ معمولہ کے مطابق، مرحمت کی جائے۔
اگر چہ، یہ معاملہ (یعنی خواب میں حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زیارت)
اُس درود پاک سے جو آپ نے ارشاد فرمایا تھا، دو مرتبہ، اِس سے پہلے بھی پیش آیا ہے۔
پہلی مرتبہ، میں نے دیکھا کہ:
آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، چاہِ زمزم پر تشریف فرما ہیں۔
اور میں بھی، خدمت میں حاضر ہوں۔
کنویں سے پانی، جوش مار کر، اُبل رہا ہے، اور ایک طرف، بہہ کر، جا رہا ہے۔
اور مَیں، دونوں ہاتھوں سے پانی کو بہانے اور جاری کرنے میں مشغول ہوں۔
ایک مرتبہ، دیکھا کہ:
آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، ایک جگہ، تشریف فرما ہیں۔
لوگ آ رہے ہیں اور واپس جا رہے ہیں۔ میں بھی، ایک بار گیا اور پھر، واپس آیا۔
اور جیسا کہ یاد پڑتا ہے، میں نے، واپسی کے وقت، سات بار، طواف کیا۔
پہلی بار، جب میں نے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو، چاہِ زمزم پر، دیکھا
تو، آپ کے رُخسارِ مبارک سے ایسا نور پھوٹ رہا تھا کہ، ان پر نگاہ، نہیں جم رہی تھی۔
یہ غنیمت ہے۔اَلْحَمْدُلِلّٰہِ، اَلْحَمْدُلِلّٰہِ، اَلْحَمْدُلِلّٰہِ۔
آپ کی توجہ سے، مزید امید رکھتا ہوں۔

دِلا! خوش باش، کاں سلطانِ دیں را
بدرویشاں و مسکیناں، سرے ہست

والادب۔ (ص۲۹۶و۲۹۷۔ اکمل التاریخ، حصہ دوم۔ مطبوعہ بدایوں ۲۰۱۳ء)

پہلے سفرِ حج وزیارت کے دوران، حضر موت کے ایک بزرگ سید، جو، قصیدۂ بُردہ شریف کے عامل تھے، اُن سے بھی، علّامہ فضلِ رسول کو، اجازتِ قصیدۂ بُردہ، حاصل تھی۔

''حجِ ثانی'' کے ذیلی عنوان کے تحت، مولانا ضیاء القادری، بدایونی رقم طراز ہیں:

''ابھی، آپ، بمبئی ہی میں، رونق افروز تھے کہ مکان (بدایوں) سے خبر آئی کہ:

حضرت کے والدِ ماجد، حضرت سیدی مولانا شاہ عینُ الحق (عبدالمجید) قَدَّسَ سِرَّہُ الْمَجِیْد مع قافلۂ عظیم الشان کے، عالَمِ ضعیفی میں، بہ کمالِ غلبۂ عشق، بہ قصدِ حج وحاضریِ دربارِ رسالت وطن سے روانہ ہوکر، ریاستِ بڑودہ، تشریف لا چکے ہیں۔

فوراً، بے تابانہ قدم بوسی کے اِشتیاق میں، بمبئی سے روانہ ہوکر، بڑودہ پہنچے۔

شیخ کے جمالِ حق نُما کی زیارت سے آنکھوں کو، پُرانوار بنایا۔

قدمِ ناز پر، جبینِ نیاز رگڑ کر، نوشتۂ تقدیر میں اِضافۂ حَسنات کیا۔

اور پھر، ہم رکابیِ شیخ میں، قصدِ حرمین فرمایا۔'' الخ

(ص۲۲۴۔ اکمل التاریخ، حصہ دوم)

حاضریِ حرمین کا مختصراً، ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہاں تک کہ، اسی سفر میں ''معینُ الحق'' کے لقب سے سرفراز فرمائے گئے۔

(ص۲۲۴۔ اکمل التاریخ، حصہ دوم)

طالعِ بلند اقبال کی سعادت وارجمندی کا ایک قابلِ صدرشک واقعۂ ایمان افروز اِس طرح، بیان کرتے ہیں:

''جب، مدینہ طیبہ میں قافلہ پہنچا اور حریمِ رسالت، یعنی روضۂ اقدس کی حاضری نصیب ہوئی، آپ نے ایک ہاتھ میں روضۂ انور کی جالیاں، اور ایک ہاتھ میں دامنِ شیخ کو مضبوط تھام کر، بارگاہِ رسالت میں عرض کی کہ:

یَـا رَسُـوْلَ اللہِ اُنْـظُـرْ حَـالَـنَـا

یَـا حَبِیْـبَ اللہِ اِسْـمَـعْ قَـالَـنَـا

(ترجمہ: یارسول اللہ! ہمارے حال کی طرف، توجہ فرمایئے۔

اے اللہ کے حبیب! ہماری فریاد سنیے)

بہ سلام آمدم، جوابم دِہ
مَرہمے بردلِ خرابم دِہ

(ترجمہ: یارسولَ اللہ! مَیں، سلام کے لئے حاضر ہوا ہوں، جواب، مرحمت فرمایئے۔
میرے ویران دل پر، مرہم لگایئے)

اے رحمتِ عالم! جہاں تیری رحمت نے چند ہفتوں، اپنے جوارِ رحمت میں رکھا ہے
وہاں، اپنے خادمِ در کی یہ آرزو برلا کہ، تازیست، یہی بارگاہ ہو۔
اور یہ خادم، اِسی ولولۂ جوشِ اشتیاق میں، گردن جھکا دے۔
قیامِ حرم کی تمنا میں، طالبِ اجازت ہوئے۔
حضور رحمۃٌ للعٰلمین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی جانب سے ''عَلَیْکَ بِالْھِنْد'' کی
پاک اور مبارک ندا، گوشِ حق نیوش میں پہنچی۔
سرکارِ رسالت کی اِس ذرّہ نوازی سے بے حد فرحت و مسرت، حاصل ہوئی۔
یہ بشارت بھی دی گئی کہ:
تنبیہ و تادیب، گمراہانِ اَشرار (جو، ہندوستان میں اہلِ نجد کے متبعین ہیں) کی، ضروری ہے۔
اِس بشارتِ کبرٰی کی تعمیل، آپ نے ہندوستان مع الخیر، واپس آکر، کی۔
اکثر اہلِ قافلہ، جو، بہ نیتِ ہجرت، بہ اجازت اپنے شیخِ طریقت، حضرت سیدی عین الحق
(عبدالمجید) قُدِّسَ سِرُّہٗ، اپنے گھروں سے روانہ ہوئے تھے، مکّۂ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں
مقیم ہو گئے۔ باقی تمام حضرات، مراجعت فرمائے وطن ہوئے۔''

(ص ۲۲۴ و ص ۲۲۵۔ اکمل التاریخ، حصہ دوم۔ مطبوعہ بدایوں ۲۰۱۲ء)

علّامہ فضل رسول، بدایونی کے تیسرے اور چوتھے سفرِ حج و زیارت کے بارے میں
مولانا ضیاء القادری، بدایونی لکھتے ہیں:

اِسی طرح ۱۲۷۰ھ (۵۴۔۱۸۵۳ء) و ۱۲۷۷ ہجری (۶۱۔۱۸۶۰ء) میں، بہ ہمراہی اَعِزّہ
و اَقارِب، ظاہر طور پر سفرِ حج کو تشریف لے گئے۔ بلدَین طیّبین کے تمامی اَعاظم و اکابر حضرات
آپ کے کمالات کے معترف اور آپ کے فضائل و مناقب کے مُقِر ہوئے۔
یہ وہ سفر ہیں، جو، بالکل علانیہ طور پر کیے گئے۔
اور اہلِ بصیرت کے نزدیک تو، پہلے اور دوسرے سفر کے بعد، کوئی سال ایسا، نہ ہوگا کہ:

آپ کے اثرِ روحانی نے، بذریعۂ "طَـــیُّ الْاَرْض" آپ کو، حرمین شریفین کی حاضری سے باز رکھا ہو، اور آپ، برکتِ حج سے فائز المرام، نہ ہوئے ہوں۔"

(ص ۲۲۵۔ اکمل التاریخ، حصہ دوم۔ مطبوعہ بدایوں ۲۰۱۳ء)

قادری دربار میں حاضری کے لئے علامہ فضلِ رسول، بدایونی کے سفرِ بغدادِ مقدسہ، عراق کے بیان میں، مولانا ضیاء القادری، بدایونی لکھتے ہیں:

"۱۲۷۸ھ (۶۲۔۱۸۶۱ء) میں، سفرِ عراق کا قصد فرمایا۔

جوشِ عقیدت نے، بہ کمالِ تکریم و تعظیم، بغداد شریف، حاضر کرایا۔

یہ سفر بھی، اگر چہ، پہلا سفر تھا۔ لیکن، دربارِ غوثیت میں

جو کچھ، عزت افزائی اور سرفرازی فرمائی گئی، وہ، برسوں کے مشتاقانِ جمال کو بھی شاید، نصیب ہوئی ہو۔ اِس سفر میں صرف حاضریِ آستانۂ حضور دستگیرِ عالم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی نیت کی گئی تھی۔

جس وقت، آپ، دربارِ پُر انوار میں حاضر ہوئے، آپ کی حاضری کی خبر سُن کر

قطبُ الافراد، نقیب صاحب بغداد، حضرت مولانا سید علی، قُدِّسَ سِرُّہٗ

سجادہ نشین دربارِ مقدس، خود، بنفسِ نفیس مسندِ مطہّر سے اُٹھ کر

تا دَرِ دولت سرا تکلیف فرما ہوئے۔

اور، بہ کمالِ اِعزاز و اِکرام، ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر، دولت خانۂ فیض کاشانہ میں لے گئے۔

اور اُس سجادۂ عالی پر جس کی حاشیہ نشینی کی آرزو میں، نہ صرف مشائخِ وقت و اکابرِ دہر، رہتے ہیں، بلکہ تاج و نگین والے بھی، اس سلطانِ دو عالم کے مسند نشینوں کی نگاہِ کرم کے ہمیشہ، متمنی رہتے ہیں) لے جا کر، اپنے پہلو میں جگہ دی۔

یہ اِعزاز و وقار، حضور غوثِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی نظرِ رحمت کا، پرتو تھا۔

ایک طرف تو، یہ عزت دی جاتی ہے کہ:

اپنی مسندِ فیض کے حقیقی وارث کے برابر بٹھایا جاتا ہے۔

اور دوسری جانب، یہ وقار اور توقیر، دی جاتی ہے کہ:

خود، بے حجاب و بے نقاب اپنے جمالِ جہاں آرا کی

عین بیداری میں، خواب کا خیال و خواب مٹا کر، زیارت کرائی جاتی ہے۔

اِسی بے پردہ نظارۂ عارض کا نقشہ، حضرت سیدی تاج الفحول (مولانا عبد القادر، عثمانی

بدایونی) قُدِّسَ سِرُّہٗ نے ایک شعر میں کھینچا ہے:

وہ جن کو عین بیداری میں تھا، بغداد میں تم نے
دِکھایا چہرۂ گلفام، یا محبوبِ سُبحانی

بغداد شریف میں آپ نے عرصہ تک، قیام فرمایا۔

حضرت نقیب صاحب نے، بہ کمالِ کرم، حضور پیرانِ پیر کے باطنی اشارے سے مثالِ خلافتِ خاندانی، عطا فرمائی۔

اور اپنے فرزندِ اکبر، حضرت سیدی سلمان صاحب کو حکم دیا کہ:

"آپ سے، تلمذ و اجازت، حاصل کریں۔"

(ص ۲۲۵ و ص ۲۲۶۔ اکمل التاریخ، حصہ دوم۔ مؤلّفہ مولانا ضیاء القادری، بدایونی)

پہلے سفرِ بغداد شریف کے موقع پر، عقیدت و توقیرِ سرکارِ قادریت و تعظیم و تکریمِ دربارِ حنفیت کا، ایک بڑا ہی روح پرور اور کیف آور واقعہ

مولانا ضیاء القادری، بدایونی نے نقل کیا ہے کہ:

..........پہلی بار، جب حضرت سَیفُ اللّٰہِ المَسلول (علّامہ فضلِ رسول) تشریف لائے اور عرصہ تک (بغداد شریف) قیام فرمایا۔ یہاں تک کہ واپسی کا قصد کیا

تو، حضرت نقیب صاحب نے اپنے صاحب زادے، مولانا سید سلمان صاحب سے فرمایا کہ:

مولانا کو، حضرت، اِمامُ الاَئِمّہ، سِراجُ الاُمّۃ امام اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعالیٰ عَنہُ کے مزارِ فائض الانوار کی زیارت، تو، کراؤ۔ اتنا عرصہ ہو گیا، آپ، اماکنِ متبرکہ پر، حاضر نہیں ہوئے۔"

حضرت نقیب صاحب کے اس ارشاد کو سن کر، مولانا (سیف اللہ المسلول، مولانا فضلِ رسول) نے جو جواب دیا ہے، اُسی سے معلوم ہوتا ہے کہ:

اگر، دنیا میں، حضور غوثیت مآب رَضِیَ اللّٰہُ تَعالیٰ عَنہُ سے کوئی سچی عقیدت اور زبردست نسبت رکھنے والی ذات، اُس وقت تھی

تو، وہ صرف ایک، مولانا (سیف اللہ المسلول) کی ذات تھی۔

آپ نے جواب میں کہا کہ:

مجھے، یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ:

مَیں، گھر سے حضرت غوث اعظم کی آستانہ بوسی کی نیت سے چلوں

اور ضمناً، حضرت امام اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی زیارت کو، حاضر ہوں۔
یہ احرام، صرف سرکارِ غوثیت کے لئے باندھا ہے۔
وَ کُلُّ ذَنْبٍ سِوَی الْاِشْرَاکَ مَغْفُوْرٌ۔ (ترجمہ: اپنے محبوب کی محبت میں، شرکتِ غیر کے علاوہ، ہر گناہ، قابلِ معافی ہے)
ایک جلیلُ القدر حنفی عالم کی زبان سے، جو، تمام عُلمائے اَحناف کا مقتدا، مانا جاتا ہو
ان کلمات کا نکلنا، دراصل ایک سربستہ راز ہے، جس کو، فقط، حقیقی معرفت شناس ہی جانتے ہیں۔
چنانچہ، اس سفر میں آپ، اسی طرح، تشریف لائے۔
اس کے بعد، متعدد مرتبہ، جب، سفرِ عراق کیا، تو، تمام اَماکنِ مقدسہ کی زیارت کی۔
دربارِ امامِ اعظم پر، جبیں فرسا ہو کر، کاظمین شریفین، نجفِ اشرف، کربلائے معلّٰی، بیت المقدس وغیرہ، مقاماتِ متبرکہ سے فیوضِ روحانی، حاصل فرمائے۔" (اکمل التاریخ، حصہ دوم)
سفرِ قسطنطنیہ و حیدر آباد، دَکن کے بارے میں مولانا ضیاء القادری، بدایونی لکھتے ہیں کہ:
"قطعِ نظر ان سفروں کے، ایامِ گم شدگیِ مولانا فیض احمد (عثمانی، بدایونی) صاحب عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ میں (بعد انقلاب ۱۸۵۷ء) آپ کا
بلادِ اسلامیہ میں، بہ سلسلۂ جستجو، مولانا ممدوح، سیاحت کرنا، عرصہ تک، خاص قسطنطنیہ میں سلطانُ المعظّم، خلیفۃُ المسلمین، خادمُ الحرمین الشّریفین، حضرت سلطان عبدالمجید خاں خلدمکین کے قصرِ دولت میں، بہ کمالِ اعزاز و اِکرام، مہمان رہنا
اور، بہ وقتِ رخصت، سلطانُ المعظّم کا، بہ سعیِ بلیغ آپ کو روکنا، مشہور واقعات ہیں۔
جب سے آپ، اقلیمِ حیدر آباد، دَکن کی خدمت پر (روحانی طور سے)
خاص طور سے، مامور، فرمادیے گئے، سیاحت، کم کردی گئی۔
خدائے پاک نے ایک عالَم کو، سیراب کرنے کے لئے، یہ سفر آپ سے کرائے۔
ہر جگہ، ہزاروں بندگانِ خدا، آپ کے فیضِ ظاہر و باطن سے مستفیض ہوئے۔
کہیں، آپ کے چشمۂ علم نے موج خیز ہو کر، رُشد و ہدایت کی آبشاری فرمائی۔
ہزاروں غیر مذہب والوں نے دولتِ ایمان پائی۔
فِرَقِ باطلہ نے، مذہبِ حق اہلِ سُنّت اختیار کیا۔
کہیں، دریائے عرفان نے جوش زن ہو کر، تشنگانِ فیوضِ روحانی کو

سَقَانِی الْحُبُّ کَاسَاتِ الْوِصَالِ کے تندو تیز ساغر پلائے۔
دیار وأمصار میں آپ کے معترف اور متوسّلین، بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔
حضرت تاج الفحول (مولانا عبدالقادر، عثمانی، بدایونی) نے بعض اشعار میں
اِس کی طرف، اشارہ فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

وہ جن کے ذاتِ اَشرف سے، ترے باعث ہیں سب واقف
حجاز و مصر و روم و شام! یا محبوب سبحانی
شہِ فضلِ رسول پاک، جن کے ہاتھ سے پھیلا
جہاں میں تیرا فیضِ عم، یا محبوب سبحانی

(۲۳۱۔ اکمل التاریخ، حصہ دوم۔ مطبوعہ بدایوں ۲۰۱۳ء)

علاّمہ فضلِ رسول، بدایونی کے معمولاتِ شب روز اور عقیدت واحترامِ اکابرِ سلاسلِ طریقت و اَولیاے کِبار کے بارے میں مولانا ضیاء القادری، بدایونی لکھتے ہیں کہ:

..........ہر وقت کے حاضر باش بھی خلافِ مزاج، نہ ایک لفظ، زبان سے کہہ سکتے تھے نہ دخل دے سکتے تھے۔ اِس حالت میں بھی وُسعتِ اخلاق کا، یہ عالَم تھا کہ:
جو، ایک مرتبہ، حاضر ہو کر، اظہارِ مدعا کر لیتا، اُس کو، یہ دعویٰ ہوتا کہ:
میرے برابر، دوسرے کسی شخص سے آپ کو، اُنس نہ ہوگا۔

دراصل، آپ کا، یہ خُلق، سرکارِ اَبد قرار، مدنی تاجدار (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کے خُلقِ عظیم کا خاص ظِل و پرتو تھا۔ جو، کمالِ اِتّباعِ سنّتِ نبوی (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کے باعث، آپ کے عادات وأطوار سے ہر لحظہ، آشکار تھا۔

اوقاتِ شبانہ روز میں، شب کا کُل حصہ، یادِ الٰہی کے لئے وقف تھا۔
شب بیداری کی عادت، طبیعتِ ثانیہ ہوگئی تھی۔
فجر کی نماز سے فارغ ہو کر، چاشت کے وقت تک، اوراد و وظائف کا معمول تھا۔
نو بجے کے بعد، مسندِ درس پر، جلوس ہوتا تھا۔ ظہر تک، یہ سلسلہ، جاری رہتا تھا۔
درمیان میں تھوڑا وقت، قیلولہ کا ہوتا تھا۔
ظہر کی نماز کے بعد پھر تھوڑی دیر، وظائف میں صَرف ہوتا۔
باطنی فیضان کے طالب، عرصہ تک، اِستفاضہ کرتے۔

شہر کے اَکابر واَصاغر، حاضر ہوکر، اظہارِ مدّعا کرتے۔

عصر ومغرب کا درمیانی وقت بھی، بالکل اَشغال وواَذکار میں، صَرف ہوتا۔

نمازِ مغرب کے بعد، نوافل وغیرہ سے فارغ ہوکر، مَسائلِ علمیہ پر گفتگو فرماتے۔

چند طلبہ، آپس میں آپ کے سامنے، مکالمہ کرتے۔ تحریرات، جو، بہ سلسلۂ تصانیف قلمبند کی جاتیں، آپ کو، سنائی جاتیں۔ اس کے بعد نمازِ عشا پڑھ کر، دولت خانے میں تشریف لے جاتے۔

آخر عمر میں، بالکل مدرسے ہی میں اِقامت، اختیار فرمالی تھی۔

نسبتِ اُویسی، روحِ پُرفتوح حضورِ غوثِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ساتھ ہر وقت، غالب تھی۔

کبھی، خواجگانِ چشت کا عشق، ماسوا سے بے خود کردیتا تھا۔

دربارِ چشت سے جو فیضِ عظیم، آپ کو حاصل ہوا اُس کا اندازہ، اِحاطۂ خیال سے باہر ہے۔

خصوصاً، سلطانُ الہند، حضرت خواجہ غریب نواز وحضرت قطب صاحب وحضرت گنج شکر وحضرت سلطانُ المشائخ، محبوبِ الٰہی رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْھِمْ اَجْمَعِین کے ساتھ، آپ کی نسبتِ باطنی نہایت زبردست تھی اور یہی چاروں حضرات، آپ کے قصرِ کمال کے، چار ستون تھے۔

.........سرکارِ غوثیت کے وَلولۂ عشق نے حضرت شیخ اکبر، محی الدین بن عربی اور حضرت شیخ الشیوخ، شہاب الدین بن عمر سہروردی رَحِمَھُمُ اللّٰہُ اَجْمَعِین کی محبت بھی، بہ درجۂ غایت، آپ کے قلب میں، جاگزیں کردی تھی۔

وجہ، یہ ہے کہ، یہ دونوں حضرات، حضورِ غوثِ پاک کے فرزندانِ مجازی میں شمار ہوتے ہیں۔

اَربابِ کشف جو حضورِ غوثِ پاک کو ''ذوالجناحین'' کہتے ہیں، وہ، اسی باعث سے کہ:

آپ کے جناحِ اول، حضرت شیخ الشیوخ، عمر سہروردی

اور جناحِ دوم، حضرت شیخ اکبر، ابنِ عربی ہیں۔

حضرت سہروردی، شریعت واتّباعِ سُنّت میں، وارثِ علومِ غوثیہ ہیں۔

اور حضرت محی الدین بن عربی، علومِ حقائق ومعارف میں، شمعِ شبستانِ قادریہ ہیں۔''

(ص ۲۲۴ تا ۲۳۶۔ اکمل التاریخ، حصہ دوم۔ مطبوعہ بدایوں۔ ۲۰۱۳ء)

آپ کے والدِ مکرّم وشیخِ معظم، مولانا شاہ عینُ الحق عبدالمجید، قادری برکاتی، بدایونی کا آپ کے بارے میں، یہ ارشاد آپ کے مرتبۂ بلند ومنصبِ ارجمند کی واضح نشان دہی کرتا ہے کہ:

''جس طرح، اکثر اولیاء اللہ کا ارشاد، مثلاً:
حضرت محبوبِ الٰہی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:
''اگر، خدا، مجھ سے پوچھے گا کہ کیا تحفہ لائے ہو؟
تو، امیر خسرو کو، پیش کر دوں گا۔''
اِسی طرح، اگر، میرے رب نے مجھ سے سوال کیا
تو، میں، مولوی فضلِ رسول کو، دربارِ اَحدیت میں، پیش کروں گا۔''
(ص ۲۳۷۔ اَکملُ التاریخ، حصہ دوم۔ مطبوعہ بدایوں۔ ۲۰۱۳ء)

علّامہ فضلِ رسول، بدایونی کے عہد و عصر میں، مدرسہ قادریہ، بدایوں کا
جو علمی و روحانی ماحول تھا، اُس کی منظر کشی کرتے ہوئے مولانا ضیاء القادری، بدایونی لکھتے ہیں:
''ایک طرف، علومِ شریعت کے طالب، دیار و اَمصار سے آ آ کر، اپنی تمناؤں کے دامن
گُلہائے مقصود سے بھرتے، دوسری جانب، بادۂ عرفان کے مَے خوار، دور دراز سے
ساقیِ مست کے مَے خانے میں آ کر، شرابِ معرفت سے مخمور و مدہوش ہو کر جاتے۔
مدرسۂ قادریہ میں جہاں، قَالَ اللہُ اور قَالَ الرَّسُوْلُ کی صداؤں سے کان پڑی آواز
نہ سنائی دیتی، وہیں، اَللہ اور لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللہ کے اَذکار و اَشغال کی دل کش اور روح پرور آوازیں
قلوب کو اپنی طرف، متوجہ کرنے میں برقی قوت، دکھاتیں۔
خدا والے، تزکیۂ نفس کے لئے حاضرِ خدمت ہوتے
مدرسہ عالیہ قادریہ کے حجروں میں چلّہ کشی اور پاسِ اَنفاس میں مشغول ہوتے۔
حصولِ کمال کے بعد، اجازت و خلافت کی نعمت، حاصل ہوتی۔''
(ص ۲۴۱۔ اکملُ التاریخ، حصہ دوم۔ مطبوعہ بدایوں۔ ۲۰۱۳ء)

آپ کے فیض یافتہ خُلَفا میں سے چند حضرات کے اَسمائے گرامی، درجِ ذیل ہیں:
مولانا حکیم عبدالعزیز، مکّی و سید شاہ آلِ نبی، شاہجہاں پوری و مولانا سید نورُ الحسن، حیدر آبادی
و مولانا سید شمس الضحیٰ، بخاری و مولانا محمد اکبر شاہ، ولایتی و مولانا شاہ محمد قدرت اللہ، کشمیری
و مولانا شیخ عبدالہادی، ملقّب بہ شاہ سالار سوختہ، لکھنوی و مولانا نواب ضیاء الدین، حیدر آبادی
و مولانا محمد یار خاں، محی الدولہ بہادر، صدیقی، حیدر آبادی۔
آپ کی تصانیف میں سے جو تصانیف، دستِ بُردِ زمانہ سے محفوظ رہ سکیں

اُن میں سے چند، درج ذیل ہیں:

(۱) حاشیہ، برحاشیۂ مرزازاہد رسالہ (۲) شرحِ فُصوص الحکم (۳) تلخیصِ شرحِ مسلم، امام نووی (۴) اَلمُعتقد المُنتقد (۵) تثبیتُ القدمین فی تحقیقِ رَفعِ الیدین (۶) رسالہ، سلوک (۷) رسالہ، شُغلِ مُراقبۂ حقیقتِ محمدیہ (۸) رسالہ، وحدتُ الوجود (۹) اَلبَوارِق المحمدیہ (۱۰) کتابُ الصَّلوۃ (۱۱) اِحقاق الحق واِبطال الباطل (۱۲) تصحیح المسائل (۱۳) سَیفُ الجبار (۱۴) فوزُ المؤمنین (۱۵) اِکمال فی بحثِ شدِّ الرِّحال (۱۶) فصلُ الخطاب (۱۷) تلخیص الحق (۱۸) تبکیتُ النَّجدی (۱۹) حرزِ معظّم (۲۰) اختلافی مسائل پر تاریخی فتوی۔

مؤخّرالذکر رسالہ، ایک استفتا کا جواب ہے

جسے آخری مغل بادشاہ، بہادرشاہ ظفر نے، بہ کمالِ اِہتمام، بدایوں بھیج کر، حاصل کیا تھا۔

پھر، یہ فتوی، ماہِ جمادیُ الآخرہ ۱۲۶۸ھ میں مطبع مفیدُ الخلائق، محلہ زینب باڑی، دہلی سے شائع ہوا۔ متعدد سوالات و جوابات پر، یہ رسالہ، مشتمل ہے۔

اَلبَوارِق المحمدیہ، مؤلّفہ علاّمہ فضل رسول، بدایونی کے تعارف میں مولانا ضیاء القادری بدایونی، رقم طراز ہیں:

''اِس سلسلۂ تصنیف میں ہم، سب سے پہلے کتاب ''بَوارِق محمدیہ'' کا نام لکھیں گے، جس کی وجہِ تصنیف و تالیف، تائیدِ غیبی اور حضور (سَیفُ اللہِ المَسلُول، بدایونی) کا ایک خصوصی شرف تھا۔

اعلیٰ حضرت، تاجُ الفحول، (مولانا عبدالقادر، عثمانی، بدایونی) قُدِّسَ سِرُّہٗ ''تحفۂ فیض'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ

حضورِ اَقدس (سَیفُ اللہِ المَسلُول، بدایونی) دہلی میں، حضرت خواجۂ خواجگان قطبُ الاقطاب (خواجہ قطبُ الدین بختیار، کاکی) رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی زیارت سے مشرّف ہوئے۔ دیکھا کہ:

حضور خواجہ، کھڑے ہیں۔ اور دونوں ہاتھوں پر

اِس قدر کتابیں رکھی ہیں کہ آسمان تک، بلند ہو گئی ہیں۔

عرض کیا: حضور خواجہ! یہ تکلیف، کتابیں اٹھانے کی، حضور نے کیوں فرمائی ہے؟

جواب میں ارشاد ہوا: تمھارے لئے مولوی فضلِ رسول!

لو، اِن کتابوں کو لو، اور ان کی مدد سے فتنۂ شیاطین، دَفع کرو۔''

اس کے بعد ہی، بہ عجلت، حضور نے کتابِ مذکور (بوارقِ محمدیہ) تصنیف فرمائی۔
جس میں اصولِ کلیّہ وہابیہ، باطل کیے گئے ہیں
(ص ۲۸۳۔ اکمل التاریخ، حصہ دوم)

اَلبَوارِقُ المحمدیہ کے بارے میں "ضمیمۂ اَکمَلُ التاریخ" مرتّبہ مولانا اُسید القادری بدایونی میں ہے:

"ہماری معلومات کی حد تک "بوارقِ محمدیہ" پہلی مرتبہ، ذی الحجہ ۱۲۶۶ھ/اکتوبر ۱۸۵۰ء میں مطبع دارُالسّلام، دہلی سے شائع ہوئی۔ چھوٹی تقطیع پر، دوسو ستائیس (۲۲۷) صفحات پر، مشتمل ہے۔
پنجاب کے جلیلُ القدر عالم وصوفی، حضرت مولانا غلام قادر، چشتی، بھیروی (ولادت ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء۔ وفات ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء) نے "بوارِقِ محمدیہ" کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کا اردو ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ "شَوَارِقِ صَمدیہ" کے نام سے، بتّیس (۳۲) صفحات پر، مشتمل ہے جو، مطبع گلزارِ محمدی، لاہور سے سنہ ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء۔ ۱۸۸۲ء میں، شائع ہوا۔
شَوارِقِ صَمدیہ، مکمل کتاب کا ترجمہ، نہیں ہے۔ بلکہ صرف کتاب کے مقدمے اور بابِ اول کی ابتدائی بحث کو، اردو کا جامہ پہنایا گیا ہے۔
سَرِورق پر "قسطِ اول" لکھا ہے اور جہاں، ترجمہ ختم ہوا ہے، وہاں "باقی آئندہ" درج ہے۔
اس سے خیال ہوتا ہے کہ:
مترجم، پوری کتاب کا ترجمہ، دو، یا۔ اس سے زیادہ حصوں میں شائع کرنا چاہتے تھے۔
پہلی قسط، مکمل ہوئی، تو، اسے شائع کردیا گیا۔ ممکن ہے بعد میں، دوسری، یا تیسری قسط بھی شائع ہوئی ہو۔ لیکن، اِس سلسلے میں راقِم سطور کو معلومات، دست یاب نہیں ہوسکیں۔
یہ ترجمہ، جمادی الآخرہ ۱۴۳۳ھ/مئی ۲۰۱۲ء میں تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں نے "وہابی تحریک! تاریخ وعقائد" کے نام سے شائع کردیا ہے۔"
(ص ۳۸۲۔ ضمیمۂ اکملُ التاریخ، مرتّبہ مولانا اسید الحق، قادری، بدایونی۔ مشمولہ اکمل التاریخ، حصہ دوم۔ مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں)

اَسلاف واَکابرِ اہلِ سنّت اور بزرگوں کے روحانی ظِلِّ عاطفت میں تائیدِ حق ونصرتِ دین کی جو عظیم خدمت، بتوفیقِ الٰہی آپ نے انجام دی، اُس کا صلہ اور انعام، یہ ہے کہ:
آپ، اپنے عہد وعصر میں، معیارِ حق وہدایت، اور اہلِ سنّت کا نشانِ امتیاز، بن گئے۔

چنانچہ، متحدہ ہندوستان کے مذاہب و مسالک کی تاریخ، بیان کرتے ہوئے واضح و صریح الفاظ میں اِس حقیقت کا اعتراف و اظہار، حکیم، عبدالحیٔ، رائے بریلوی (متوفی ۱۳۴۱ھ/فروری ۱۹۲۳ء) نے اپنی مشہور عربی تصنیف "اَلثَّقافةُ الاسلامیة فِی الْھِنْد" میں، اِس طرح کیا ہے:

(ترجمہ) "بعض لوگوں کے نزدیک، مسائلِ فقہیہ میں کسی امام کی تقلید، ناجائز و حرام ہے۔
اور ان کے نزدیک، کتاب و سنّت سے جو اَحکام، صراحۃً، معلوم ہوں
انھیں کا، اِتّباع کرنا چاہیے۔
اور مسائلِ فقہ میں قیاس و اِجماع، حجتِ شرعی نہیں۔
یہ مسلک، مولانا فاخر الہ آبادی، بن یحییٰ اور میاں جی، شیخ نذیر حسین دہلوی بن جواد علی اور نواب، صدیق حسن، بھوپالی اور ان کے متبعین کا ہے۔
ایک گروہ کی رائے، اِس معاملے میں، حدِّ اِفراط تک پہنچی ہوئی ہے۔
اور تقلید کی حُرمت پر، یہ لوگ، بہت مُصِر ہیں۔
مقلّدین کو یہ لوگ، اہلِ بدعت، شمار کرتے ہیں اور ان کو نفس کا غلام سمجھتے ہیں۔
یہ لوگ اپنی اِس سخت رائے میں، اِس حد تک بڑھ گئے ہیں کہ:
ائمۂ کرام، بالخصوص، امامِ اعظم ابوحنیفہ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کی شان میں گستاخی بھی کر دیتے ہیں۔
یہ مسلک، شیخ عبدالحق، بنارسی بن فضل اللہ اور شیخ عبداللہ، صدیقی، الہ آبادی کا ہے۔
ان لوگوں نے اپنے مسلک و خیال کے مطابق کتابیں بھی، تصنیف کی ہیں۔ مثلاً:
شیخ معینُ الدین، سندھی بن امین کی "دِرَاسَاتُ اللَّبِیب" اور شیخ فاخر، الہ آبادی کی "قُرَّةُ الْعَیْنَیْن" اور شاہ اسمٰعیل دہلوی کی "تَنْوِیرُ الْعَیْنَیْن" اور میاں سید نذیر حسین، دہلوی کی "مِعْیَارُ الْحَق" اور شیخ عبداللہ، الہ آبادی کی "اِعْتِصَامُ السُّنَّة"۔
اور نواب صدیق حسن، بھوپالی کی "اَلْجُنَّة فِی الْاُسْوَةِ الْحَسَنَةِ بِالسُّنَّةِ" وغیرہ ہیں۔.....
عُلمائے اَحناف میں بھی، دو گروہ ہیں۔ ایک تحقیق و انصاف کی راہ پر ہے۔ مثلاً:
مُلّا، بحرالعلوم، عبدالعلی بن مُلّا، نظام الدین۔ مصنّف "اَرکانِ اربعہ"
اور مولانا عبدالحیٔ، فرنگی محلی بن مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی۔ مصنّف "اَلتَّعْلِیقُ الْمُمَجَّد"
اَحناف میں دوسرا گروہ، اُن لوگوں کا ہے، جو تقلید پر سختی سے قائم ہیں۔
اور اس کے خلاف کوئی چیز، برداشت نہیں کر سکتے۔ مثلاً:

مولانا شیخ فضلِ رسول، بدایونی۔ اور ان کے متبعین۔"

(ص ۱۵۴۔ "اسلامی علوم وفنون! ہندوستان میں" ۔ مؤلفہ حکیم عبدالحیٔ، رائے بریلوی ۔ مطبوعہ دارالمصنفین، اعظم گڑھ)

اَلْمُعْتَقَدُ الْمُنْتَقد مؤلّفہ علاّمہ فضلِ رسول، بدایونی کے تعارف میں

مولانا ضیاءالقادری، بدایونی لکھتے ہیں:

"علمِ کلام کی وہ کتاب ہے اور ایسی تصنیف ہے جس نے بڑی بڑی کتابوں کی ضرورت واِحتیاج سے مُستغنی کردیا ہے۔

یہی، پُر سَطوت تصنیف، علمِ کلام وعقائد میں، ایک محقّقِ کامل اور متبحر الفیض معلّم بنی ہوئی ہے۔

فِرَقِ باطلہٗ مُستحدثۂ زمانہ کا رَد، جابہ جا، شامل کیا گیا ہے۔

گویا، رَدِّ فلسفۂ جدیدہ کی بنیاد، قائم فرمائی گئی۔

حضرتِ اَقدس (علاّمہ فضلِ رسول، بدایونی) کے اکابر معاصرین نے

جو، اس کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور اس تحریر کی عظمت وجلالت کو سراہا ہے

ان کی تقریظوں میں ملاحظہ کیجیے۔" الخ (ص ۲۷۶۔ "اکمل التاریخ"، حصہ دوم۔ مطبوعہ بدایوں ۲۰۱۳ء)

اس کے بعد، خلاصۂ تقریظِ استاذِ مطلق، علاّمہ فضلِ حق خیرآبادی وخلاصۂ تقریظِ مولانا مفتی صدرُالدین آزردہ، صدرُالصّدور دہلی وخلاصۂ تقریظِ مولانا شاہ احمد سعید، مجدّدی، دہلوی وخلاصۂ تقریظِ مولانا حیدر علی، فیض آبادی (تلامذۂ سراج الہند، شاہ عبدالعزیز، محدّث دہلوی) درج ہے۔

اَلْمُعْتَقَدُ الْمُنْتَقد کی پہلی طباعت واشاعت، بمبئی سے ہوئی۔

جس میں اَغلاطِ کتابت، کثرت سے راہ پاگئی تھیں ۔ دوسری طباعت واِشاعت حامیِ سنّت، قاضی عبدالوحید، عظیم آبادی کے اِہتمام سے مطبعِ اہلِ سنّت، پٹنہ، صوبہ بہار سے ہوئی۔

سب سے پہلے اَلْمُعْتَقَدُ الْمُنْتَقد کے مَتن کی شرح، مولانا فیض احمد، عثمانی، بدایونی ہمشیرزادۂ حضرت علاّمہ فضلِ رسول، بدایونی نے کیا۔ مگر، اس شرح کا کوئی نسخہ، کہیں، دست یاب نہیں ۔

دوسری شرح کے بارے میں، مولانا ضیاءالقادری، بدایونی لکھتے ہیں:

"طبعِ ثانی میں جب کہ قاضی عبدالوحید صاحب مرحوم کا اِہتمام تھا

تو، جناب عالمِ اہلِ سنّت، ماحیِ بدعت، مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب، بریلوی سے انھوں نے فرمائش کرکے، اس کا تحشیہ کرایا۔

مولانا بریلوی نے ابتدا میں مختصراً، بطورِ حواشی، کلام کیا۔
بعد کو، بہ مشورۂ مولانا وصی احمد صاحب محدّث سورتی، بعض مقامات پر، بسط و تفصیل سے بھی لکھا۔"
(ص ۲۷۹ و ص ۲۸۰۔ اکمل التاریخ، حصہ دوم۔ مطبوعہ بدایوں۔ ۲۰۱۳ء)

امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی (وصال ۲۵ رصفر ۱۳۴۰ھ/۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء) نے
۱۳۲۰ھ میں، یہ حاشیہ، بنامِ تاریخی "اَلْمُعْتَمدُ الْمُسْتَنَد بِناء نِجاۃِ الْاَبَد" تحریر فرمایا۔
اس کے خطبہ میں آپ لکھتے ہیں:

(ترجمہ! امابعد! کتاب "اَلْمُعْتَقَدُ الْمُنْتَقَد" مصنفہ: خاتم المحققین، عُمدۃُ المدقّقین، سیفُ الاسلام
شیرِ سنّت، دور کرنے والے تاریکی کے، بند کرنے والے فتنے کے
مَولانا الْاَجَلُّ الْاَبْجَلُ، سَیْفُ اللّٰہِ الْمَسْلُوْل، مُعِینُ الْحَقِّ فَضْلِ رَسُوْل
اَلسُّنِّی الْحَنَفِی الْقَادرِی الْبَرَکَاتی الْعُثْمَانی الْبَدَایُوْنِی
(بلند فرمائے حق تعالیٰ، ان کے مقام کو، اعلیٰ علیّین میں، اور ان کو بہتر سے بہتر
اسلام اور تمام مسلمانوں کی طرف سے، جزا، عطا فرمائے)
اپنے باب و نصاب میں یکتا و کامل تھی۔
اس کی طبع کی طرف، وہ، متوجہ ہوا جس کو، خداوند تعالیٰ، تاجِ خیرات، اُڑھا چکا ہے۔
اور اس کو، توفیق والا، بلکہ وقف موقف نیکیوں پر، بنا چکا ہے۔
یعنی، حامیِ سنّت، مولانا قاضی عبدالوحید صاحب، حنفی، فردوسی۔
انھوں نے اِس کی تصحیح، میرے متعلق کر دی۔
مجھ کو قاضی صاحب موصوف کی دینی جاں فشانی دیکھ کر، اِمتثالِ امر کرنا پڑا۔
اس کے لئے مجھے، جو نسخہ، اَلْمُعْتقد، کا، ملا، وہ، بمبئی کا مطبوعہ تھا۔
جس کو کاتب نے نسخ و تحریف و تبدیلی کر ڈالا تھا۔ جس کی تصحیح میں، میں نے کمالِ جد و جہد کیا۔
اور مختصر مختصر حلّ مشکلات و کشفِ مُعضلات و لُغات بھی کرتا گیا۔
جب، کچھ اَجزاے کتاب، طبع ہو گئے۔
تو، مجھ سے میرے دوست خالص، حامیِ دین، مولانا وصی احمد صاحب سنّی، حنفی
محدّث سورتی کا اشارہ ہوا کہ، میں، بجاے اِختصار، بسط و تشریح و توضیح کروں۔
پس! میں نے جو کچھ لکھا، وہ، یہ موجود ہے۔ اس کا نام میں نے "اَلْمُعْتَمدُ الْمُسْتَنَد بِناء نِجاۃ

الْاَبَد'' تاریخی رکھا۔'' فقط۔'' (ص ۲۸۰۔ اَکمل التاریخ، حصہ دوم۔ مطبوعہ بدایوں ۲۰۱۳ء)

''اِس کتابِ مبارک، اَلْمُعْتَقَدُ الْمُنْتَقَدْ'' میں، باوجود اِختصار کے، تمام معرکۃ الارا مسائل کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔

بالخصوص، بحثِ صفاتِ باری تعالیٰ اور اسی ضمن میں اِمکانِ کذبِ باری تعالیٰ کی تردید اور بابِ دوم میں مبحثِ نبوت اور مسئلۂ نبوت اور مسئلۂ اِمتناعِ نظیرِ حضور نبیِ اکرم، بشیر و نذیر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بحث، شفاعت کی تقریرِ بسیط، وغیرہ وغیرہ قابلِ حظِّ علما و لطف یابیِ فُضَلا ہیں۔'' (ص ۲۸۱۔ اکمل التاریخ، حصہ دوم)

سَیفُ اللّٰہِ الْمَسْلُول، علّامہ فضلِ رسول، بدایونی اپنے عہد و عصر میں اَکابر و اَسلافِ سَوادِ اعظم اہلِ سنّت و جماعت و عُلمائے فرنگی محل کے اَفکار و تعلیمات اور خیالات و نظریات کے داعی و ترجمان تھے اور پوری سرگرمی کے ساتھ، آپ نے اپنے اوپر عائد شدہ دینی و علمی فرائض انجام دے کر ایک روشن اور گراں قدر تاریخِ خدمتِ دین، مرتّب کی۔

اس کے بعد، درمیانِ عصر و مغرب، بروز شنبہ، بتاریخ ۲؍ جمادیٰ الآخرہ ۱۲۸۹ھ/ ۲ جولائی ۱۸۷۲ء یہ آفتابِ علم و روحانیت، ظاہری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

محبِ رسول، تاج الفحول، مولانا عبدالقادر، بدایونی نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

وصیت کے مطابق آپ کے والد کے پائنتی، درگاہِ مجیدی، بدایوں میں آپ کی تدفین ہوئی۔

سید شاہ آلِ رسول، مارہروی

خاتم الاکابر، سید شاہ آلِ رسول، احمدی، قادری برکاتی، مارہروی (ولادت ماہِ رجب ۱۲۰۹ھ/ ۱۷۹۵ء۔ وصال ۱۸/ذی الحجہ ۱۲۹۶ھ/دسمبر ۱۸۷۹ء)

خَلفِ اَوسط، حضرت سید شاہ آلِ برکات عُرف ستھرے میاں، قادری برکاتی، مارہروی (ولادت ۱۱۶۳ھ/۵۰-۱۷۴۹ء۔ مارہرہ، مطہّرہ وصال بعمر، نوے (۹۰) سال۔ بتاریخ ۲۶/ رمضان ۱۲۵۱ھ/۱۸۳۶ء، بہ مقام مارہرہ مطہّرہ)

اپنے عہد وعصر کے جلیل القدر عالم وعارفِ ربّانی اور شیخِ طریقت ومُرشدِ حقیقت تھے۔

خاتم الاکابر، مارہروی کے والدِ مکرّم، حضرت ستھرے میاں نے

آپ کو، فیوضِ روحانی واَسرارِ خاندانی سے نواز کر، **اپنا خلیفۂ مطلق ومجاز برحق فرمایا۔**

اور شمسِ مارہرہ، حضرت سید شاہ آلِ احمد، عُرف اچھے میاں، قادری برکاتی، مارہروی (ولادت ۲۸/رمضان ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء۔ مارہرہ۔ وصال ۱۷/ربیع الاول ۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ء۔ مارہرہ) نے، **اپنا خلیفۂ اعظم اور سجادہ نشین بنا کر، سرفرازی بخشی۔**

حضرت ستھرے میاں اور حضرت اچھے میاں کے پدرِ بزرگوار تھے:

حضرت سید شاہ حمزہ، قادری برکاتی، مارہروی (ولادت ۱۴/ربیع الآخر ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء۔ مارہرہ۔ وصال ۱۴/محرمُ الحرام ۱۱۹۸ھ/۱۷۸۳ء، مارہرہ) فرزندِ حضرت سید شاہ آلِ محمد، قادری برکاتی مارہروی (ولادت ۱۸/رمضان ۱۱۱۱ھ/۱۷۰۰ء، بلگرام۔ وصال ۱۶/رمضان ۱۱۶۴ھ/۱۷۵۱ء۔ مارہرہ) فرزندِ صاحبُ البرکات، سید شاہ برکت اللہ، قادری (ولادت ۲۹/جمادیٰ الآخرہ ۱۰۷۰ھ/ ۱۶۶۰ء۔ بلگرام۔ وصال، عاشورۂ محرم ۱۱۴۲ھ/۱۷۲۹ء۔ مارہرہ) فرزندِ حضرت سید شاہ اُویس قادری (وصال ۲۰/رجب ۱۰۹۷ھ/۱۶۸۶ء۔ بلگرام) فرزندِ حضرت سید عبدالجلیل، بلگرامی مارہروی (ولادت ۲۰/رجب ۹۷۲ھ/۱۰۶۵ء۔ وصال ۸/صفر ۱۰۵۷ھ/۱۶۴۷ء بعمر پچاسی (۸۵) سال، بہ مقام مارہرہ مطہّرہ)

مولانا غلام شبر صدیقی، قادری، برکاتی، نوری، بدایونی (ولادت ۲۹/رمضان ۱۲۷۵ھ/ ۱۸۵۹ء۔ وصال ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء) اپنی سوانحی کتاب ''مدائحِ حضورنور'' (۱۳۳۳ھ) معروف بہ ''تذکرۂ نوری'' میں، حضرت خاتم الاکابر، مارہروی کا

تعارف وتذکرہ، اِس طرح، تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت خاتم الاکابر، سید شاہ آلِ رسول، احمدی، قُدِّسَ سِرُّہٗ

آپ، خَلفِ اَوسط، حضور سید شاہ آلِ برکات، قُدِّسَ سِرُّہٗ کے ہیں۔

ولادت شریف، بہ ماہِ رجب ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۵ء) بہ مقام، مارہرہ ہوئی۔

منظورِ نظرِ خاص ومُریدوتربیت یافتہ وخلیفۂ اعظم وسجادہ نشین

حضور قبلۂ جسم وجان، سید شاہ آلِ احمد، اچھے میاں، قُدِّسَ سِرُّہٗ کے ہیں۔

اپنے والدِ ماجد سے بھی، اِستفادہ فرمایا اور اِجازت وخلافت پائی۔

سند، تمام علومِ درسیہ کی، مشاہیر علمائے عہد سے حسبُ الحکم

حضور پیرومُرشدِ خود رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ، حاصل فرمائی۔ اکثر فرماتے کہ:

اَلْحَمْدُلِلّٰہ! فقیر کے اساتذۂ علومِ دین، سب، فخرِ فاوکملائے وقت تھے۔"

ابتدائی رسائل، مولانا شاہ عبدالمجید صاحب، بدایونی، عثمانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ

(ارشدِ خُلفائے حضور اچھے میاں صاحب رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ) سے پڑھے۔

متوسّطات، مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب، بدایونی، کشفی، آلِ احمدی اور مولوی عبدالواسع

صاحب، سیدن پوری رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ سے حاصل فرماکر

کتبِ معقول وکلام وفقہ واصول حضرت مولانا شاہ نورُالحق صاحب، رزّاقی (فرنگی محلی)

لکھنوی، عُرف مُلّا نور رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ سے تحصیل وتکمیل فرمائی۔ اور سلسلۂ قادریہ، رزّاقیہ میں

سندو اجازت، حاصل فرمائی۔

ہدایہ (فقہ) مولانا مفتی محمد عوض، عثمانی، بدایونی ثُمّ البریلوی الغازی المجاہد رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ

سے پڑھا۔ حدیث، مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب، محدّث دہلوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ سے پڑھی۔

بعض احادیثِ مسلسل اور مصافحات ومشابکہ اور بعض سلاسل واَوْعِیہ وصحاح کی سندِ اجازت پائی۔

سندِ علمِ ہندسہ، دو مقالۂ اُقلیدس سنا کر، مولانا شاہ نیاز احمد صاحب، فخری، بریلوی

رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ سے حاصل کی۔ علمِ طِب، حکیم فرزند علی خاں، موہانی سے پڑھا۔

ذاتِ والاصفات، مجمعِ کمالاتِ ظاہر وباطن تھی۔

بعد وفاتِ حضرت سید آلِ برکات، ستھرے میاں صاحب رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ، اپنے والد ماجد

کے، ۱۲۵۱ھ/ (۳۶-۱۸۳۵ء) میں، اِستحقاقاً، سجادۂ برکاتیہ پر، رونق افروز ہوئے۔

تصرُّف وحکومت میں آپ اپنے پیرومُرشدوعَمِ معظّم، حضوراچھے میاں صاحب، رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کے سچے جانشین اوروارثِ کمالات اور اِخفاوسَترِ حال میں اپنے والدماجد، حضورستھرے میاں صاحب، رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کے خَلفُ الصِّدق تھے۔

کبھی، کوئی تصرُّف، بغیرپردۂ حیلہ کے، نہ فرماتے۔ اہلِ حاجت کو دعااوردوا، مرحمت ہوتی۔

دعاؤں میں بھی عام سائلوں کو، بیشتر، وہ دعائیں، مرحمت فرماتے

جو، احادیثِ نبوی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے منقول ہیں۔

ہمیشہ، لِبس ورَوشِ علما میں رہتے۔

تکلُّفاتِ مشائخانہ اوروظائفِ عاملانہ سے اِحترازفرماتے۔

معاملات میں جوثبوت کسرِ نفس وایثاروعطا آپ نے دیا، بہت دشوارکام تھا۔

بعدوفاتِ حضورستھرے میاں صاحب رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ بہت سے آثاروتبرکاتِ خاندانی بڑی فراخ حوصلگی سے بھائیوں کو، مرحمت فرمادیے اوران میں حصہ نہ لیا۔"

(ص ۱۰۵ وص ۱۰۶۔ "تذکرۂ نوری"۔ مؤلفہ: مولاناغلام شبر، صدیقی، نوری، بدایونی)

جائدادوکمیٹی ودرگاہ وانتظامِ عرس وغیرہ کاذکرکرنے کے بعد، لکھتے ہیں:

...........صرف مجالسِ وعظ ونعت خوانی ومنقبت وختمِ قرآن وقرأتِ دلائل الخیرات اورحُضّارِعرس کی مہمان داری، باقی رکھی۔

فضولیات کا، حضورکے دربارمیں گذر، نہ تھا۔ ظاہرِشریعت سے ایک ذرّہ، تجاوز، گوارا نہ فرماتے۔ معمولاً، روزانہ، حلقۂ ذکرہوتا۔

تمام عملۂ درگاہ، جماعت میں، پانچوں وقت (مسجدمیں) حاضرہوتا۔ فُقَرا، تہجدمیں شریک ہوتے۔

عام خاندانِ برکاتیہ کے تمام متوسّلوں کی حاجاتِ دینی ودُنیوی، آپ، پوری فرماتے۔

ہرخادم ومُریدسے نہایت شفقت ورأفت سے معاملہ فرماتے۔

ان کی پُرسشِ حال، حوائج کااِنصرام، خطاپرمعافی، خفیہ معاونت، عادتِ کریمہ تھی۔

دوسری مثال، کسرِ نفس اورکمالِ درویشی کی، یہ ہے کہ:

باوجود، ہرقسم کے اِستحقاقِ فائق کے، حضور، نمازِ جماعت، ایک حافظ سے پڑھواتے۔ کبھی، امام نہ بنتے۔

تیسری مثال، کسرِ نفسی اورکمال کی، یہ ہے کہ:

اپنے صاحب زادوں کو، باوجودِ تکمیل
اپنے گھر کے خُلفا و خُدام سے اَخذِ علم وفیض کا حکم فرماتے۔
آپ کے خَلفِ اکبر، حضرت سید شاہ ظہور حَسَن، رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے
جب، سلوک، ختم فرمالیا، تو، آپ نے حکم دیا کہ:
"تمہارے گھر کی بڑی دولت، مولانا عبدالمجید صاحب، بدایونی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کے
پاس ہے۔ جاؤ، اور ان سے اپنا حصہ لاؤ۔"
اور بدایوں کو، روانہ فرمایا۔ حسبُ الحکم، صاحب زادے صاحب، رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ
بدایوں، پہنچے۔ حضرت مولانا مولوی محمد عبدالمجید صاحب رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے مع عمائدینِ شہر
بیرونِ آبادی تک استقبال کیا۔ اور بہ کمالِ احترام، پالکی (جس میں صاحب زادے
سوار تھے) کو، خود، کندھا دیا۔ مدرسے میں فروکش کیا۔
حضور صاحب زادے صاحب، رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے فرمایا کہ:
"مَیں، بطورِ پیر زادگی، اپنے گھر کے خادم وخلیفہ کے یہاں، نہیں آیا ہوں۔
حضور والد ماجد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے آپ کے پاس، اِس غرض سے بھیجا ہے کہ:
اُس نعمت سے، جو، حضور جدِّ امجد (حضرت اچھے میاں) رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ سے آپ کو ملی ہے
اِس فقیر مستحق کو بھی، کچھ، مرحمت ہو۔"
مولانا (شاہ عینُ الحق عبدالمجید) رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے بہ کمالِ ادب، عرض کیا کہ:
"یہ خادم اور نعمت، سب آپ کا مال ہے۔ تشریف رکھیے۔
جو، مجھ کو، معلوم ہے، حاضر کروں گا۔"
بعد نمازِ عشا، حضرت صاحب زادے صاحب، رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ، حُجرے میں
تشریف لے گئے۔ جو، آپ کے واسطے، مرتّب کیا گیا تھا۔ اور اَشغالِ باطنی میں مصروف ہو گئے۔
وقتِ نمازِ صبح، اذان سُن کر، حضرت صاحب زادے صاحب، حُجرے سے برآمد ہوئے
دیکھا کہ:
مولانا (عینُ الحق عبدالمجید) رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ دروازۂ حجرہ پر، دست بستہ کھڑے ہیں۔
معلوم ہوا کہ، تمام شب آپ کی، اِسی طرح، گذری ہے۔
حضرت صاحب زادے صاحب، رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے اس تکلیف کا عذر فرمایا۔

مولانا (عین الحق عبدالمجید) رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے عرض کیا:
یہی نعمت ہے۔ جو، میں آپ کے گھر سے لایا ہوں۔ اور مجھ کو، یہی حکم ہے۔
اَلْحَمْدُلِلّٰہ کہ، سلوک آپ کا، باقاعدہ تکمیل کو، پہنچ گیا۔
یہ نکتہ تھا، جس کی تکمیل کو، آپ، بدایوں بھیجے گئے کہ:
راہِ سلوک میں ادب و محبت، ترکِ رعونت، ایک لازمی امر ہے۔
بس، اب آپ، تشریف لے جایئے۔"
اور سندِ اجازت، حاضر کی۔

چھوٹے صاحب زادے (خاتم الاکابر، مارہروی کے) حضرت سید شاہ ظہور حسین عُرف چھٹّو میاں صاحب، رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ فرماتے تھے کہ:
ایک روز، مَیں، حضور والد ماجد رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کی خدمت میں، حاضر ہوں۔
ارشاد فرمایا: ہمارا دل چاہتا تھا کہ:
تم کو، بھائی عبدالمجید صاحب سے بھی اجازت لکھا دیتے۔
وہ، اِس گھر کے، بڑے خزینہ دار ہیں۔"
پھر، فوراً فرمایا: ذرا، جا کر، درگاہ شریف میں دیکھنا۔
کیا، مولوی عبدالمجید صاحب، بدایونی، آئے ہیں؟
میں نے عرض کیا: نہ حضور نے مولانا (عین الحق عبدالمجید) کو طلب فرمایا ہے
نہ کوئی وقت، ان کے آنے کا ہے، نہ کوئی اطلاع ملی ہے۔"
ارشاد فرمایا: تم، جا کر دیکھو۔
مَیں، درگاہ شریف میں پہنچا۔ دیکھا۔ مولانا (عین الحق عبدالمجید) اسی وقت پہنچے ہیں۔
اسباب، اُتارا جا رہا ہے۔
میرے ساتھ ساتھ، حاضرِ خانقاہ ہوئے۔ اور حضور کے قدم بوس ہوئے۔
حضور نے فرمایا: بھائی! تم، خوب آگئے۔ ہمارا دل چاہتا تھا کہ:
چھٹّو میاں کو، تم سے اجازت دلا دیں۔"
مولانا (عین الحق عبدالمجید) رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے عرض کیا: جو حکم ہو۔
اُسی وقت، قلم، دوات، کاغذ منگا کر، سندِ اجازت، لکھ دی۔

صاحب زادگان، سید حسین حیدر اور سید شاہ ظہور حیدر، رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِمَا

اپنے نواسوں کو، تحصیلِ علم کے واسطے، مدرسہ قادریہ (بدایوں) بھیجا۔

حضورِ اَقدس و اَنور، مُرشدی و مولائی، حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد، نوری میاں صاحب

رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ، اپنے لختِ جگر اور نورِ نظر پوتے سے، ارشاد فرماتے:

"ہم، بہ سبب کبرِ سن، کتابیں، بھول گئے ہیں۔

برخوردار مولوی عبدالقادر، نبیرۂ مولانا عبدالمجید رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ کا علم، تازہ ہے اور حاضر ہے۔

وہ، ہمارا خاص گھر ہے۔ اور ہم کو، برخوردار موصوف کی دیانت و تقویٰ پر، پورا، اِطمینان ہے۔

تم، مسائلِ فقہ و کلام میں، ان سے مشورہ کر لیا کرو۔"

چنانچہ، ہمارے حضور، ہمیشہ، مسائل میں، مولانا (عبدالقادر، بدایونی) سے مشورت رکھتے۔

اور بغیر دکھائے مولانا (عبدالقادر، بدایونی) کے، کوئی تحریر، شائع نہ فرماتے۔"

آلِ مولانا عبدالمجید صاحب، رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ کا، یہ فرما کر کہ: ہمارے استاذ زادے ہیں۔"

اِکرام فرماتے اور صاحب زادوں کو بھی، ان کے احترام کی ہدایت فرماتے۔" الخ

(ص ۱۰۷ تا ص ۱۱۰۔ "تذکرۂ نوری"۔ مؤلفہ مولانا غلام شبر، صدیقی، نوری، بدایونی۔

مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں۔ ۲۰۱۳ء)

تعلیم و تربیت اور اجازت و خلافت و عطائے سند وغیرہ کے بارے میں

مولانا غلام شبر، بدایونی لکھتے ہیں:

"حضور (خاتم الاکابر، مارہروی) کی تعلیم و تربیت کا سچا نقشہ

حضور مرشدی (حضرت نوری میاں، مارہروی) قُدِّسَ سِرُّهُ الْاَنْوَر کی ذاتِ بابرکات تھی کہ:

عِلماً، عَملاً، عادةً، صورةً، سیرةً، اپنے اکابر رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِم اَجْمَعِین سے

سَرِ مُو، فرق، نہیں تھا۔

حضرت معظمی، سید شاہ، علی حسین صاحب اشرفی (کچھوچھوی) دَامَتْ بَرَکَاتُهُم

روایت فرماتے ہیں کہ:

"میں، بہ کمالِ اشتیاق، مارہرہ پہنچا۔

اور بعض مخصوصاتِ خاندانِ برکاتیہ کی، آپ سے اجازت چاہی۔

ارشاد فرمایا: صاحب زادے! ابھی، وقت، نہیں آیا۔

مَیں، گِلہ مند، واپس ہوا۔

تھوڑے عرصہ کے بعد، نوازش نامہ پہنچا اور حضور نے طلب فرمایا۔

خاص چیزوں کی اجازت اور خلافت، عطا فرمائی۔

مولوی صوفی عبدالرحمٰن صاحب، مرید و خلیفۂ حضرت حافظ عبدالعزیز صاحب (اخوند) دہلوی، قُدِّسَ سِرُّہٗ، اپنا حال، بیان فرماتے تھے کہ:

بعد ختمِ سلوک، حضرت پیر و مرشد رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے ارشاد فرمایا کہ:

حاضرِ مارہرہ ہو، اور سندِ تکمیل، حضرت خاتم الاکابر، قُدِّسَ سِرُّہٗ سے لاؤ۔"

مَیں، مارہرہ حاضر ہوا، اور عرضِ حال کیا۔ درود داویسیہ کی اجازت، چاہی۔

ارشاد فرمایا کہ: چار اَربعین، یہاں، حاضر رہو۔ اُس وقت دیکھا جائے گا۔"

مَیں، حاضر رہا، اور حسب ہدایتِ حضور، کسب و وَرزِشِ اَشغال کرتا رہا۔

چار اَربعین کے ختم پر، سندِ تکمیل و اجازتِ عامّہ و خلافت، مرحمت فرمائی۔

درسِ حدیث شریف سے، خاص اُنس تھا۔

یہ بھی، شانِ کسرِ نفسی تھی کہ:

کسی فن میں تصنیف کا قصد، نہیں فرمایا۔

جب کبھی، عرض کیا گیا، ارشاد فرمایا:

متقدمین نے کیا بات چھوڑ دی ہے؟ خواہ مخواہ، مصنّف بننا، کیا ضروری ہے؟"

.......آخرِ عہد میں، اِستدعا کی گئی کہ:

حضور! حسبِ سنّتِ اَکابر، بطورِ وصیت نامہ، کچھ تحریر فرمادیں۔ ارشاد فرمایا کہ:

"وصیت نامے، اکابر کے موجود ہیں۔ پڑھو اور عمل کرو۔

اگر، مجبور کرتے ہو، لکھ لو۔ یہ ہمارا وصیت نامہ ہے:

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْل۔

بس، یہی کافی ہے۔ اور اسی میں دین و دنیا کی فلاح ہے۔"

(ص ۱۱۳ تا ص ۱۱۵۔ "تذکرۂ نوری")

حضرت سید میر عبدالواحد، بلگرامی (وصال ۳ رمضان ۱۰۱۷ھ / ۱۶۰۸ء)

مؤلّفِ "سبع سنابل" سے، جو سلاسل طریقت، سلسلہ بہ سلسلہ، حضرت خاتم الاکابر، مارہروی تک پہنچے

اُنھیں، شجرۂ قدیمہ اور صاحبُ البرکات، سید شاہ برکتُ اللہ، قادری، مارہروی (وصال عاشورۂ محرمُ الحرام ۱۱۴۲ھ/۱۷۲۹ء) کے ذریعہ، پہنچنے والے سلاسل کو، جدیدہ کہا جاتا ہے۔

مزید برآں، حضرت سید شاہ حمزہ، مارہروی (وصال ۱۴ محرمُ الحرام ۱۱۹۸ھ/۱۷۸۳ء) بھی کچھ سلاسل لائے۔ بعض سلاسل کا، حضرت خاتم الاکابر، مارہروی کے ذریعہ بھی، اضافہ ہوا۔

جملہ سلاسل واجازات واسناد کی تفصیل

''اَلنُّوْرُ وَالْبَھَا لِاَسَانِیْدِ الْحَدِیْثِ وَسَلَاسِلِ الْاَوْلِیَا'' (۱۳۰۷ھ)

مؤلفہ: نورُ العارفین، سید شاہ ابوالحسین احمد، نوری، مارہروی میں، مسطور ومذکور ہے۔

بعض دیگر کتب ورسائل، مثلاً ''تذکرۂ نوری'' وا''کملُ التاریخ'' و''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' و''حیاتِ سید شاہ آلِ رسول، احمدی''، وغیرہ میں بھی، یہ شجراتِ طیبہ، درج ہیں۔ جن کے اسما، اِس طرح ہیں:

(۱) شجرۂ قادریہ قدیمہ۔ (۲) شجرۂ چشتیہ قدیمہ۔ (۳) شجرۂ سہروردیہ قدیمہ۔

یہ تینوں سلاسل، بذریعۂ حضرت سید میر عبدالواحد، بلگرامی، حضرت سید شاہ برکتُ اللہ قادری، مارہروی تک اور سلسلہ بہ سلسلہ، حضرت خاتم الاکابر تک پہنچے۔

مندرجہ ذیل سلاسل وشجراتِ جدیدہ، بواسطۂ حضرت سید شاہ لطف اللہ بلگرامی وحضرت سید مُربی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْھِمَا وخُلفاءِ حضرت سید احمد کالپوی وحضرت سید فضل اللہ کالپوی قُدِّسَ سِرُّھُمَا، حضرت صاحبُ البرکات، سید برکتُ اللہ، مارہروی تک اور سلسلہ بہ سلسلہ، حضرت خاتم الاکابر، مارہروی تک پہنچے۔

(۱) شجرۂ قادریہ جدیدہ، کالپویہ (۲) شجرۂ چشتیہ جدیدہ، کالپویہ (۳) شجرۂ سہروردیہ جدیدہ کالپویہ (۴) شجرۂ نقشبندیہ جدیدہ کالپویہ ابوالعلائیہ علویہ (۵) شجرۂ نقشبندیہ جدیدہ کالپویہ ابوالعلائیہ صدیقیہ (۶) شجرۂ مداریہ جدیدہ، کالپویہ۔

مولانا غلام شبر، صدیقی، نوری، بدایونی شجرہائے طیبہ کے نام وغیرہ کا ذکر کرکے، لکھتے ہیں:

''یہ وہ سلاسل ہیں، جو، وقتاً فوقتاً، سرکارِ مارہرہ میں پہنچے۔

............حضور سیدنا شاہ برکتُ اللہ، صاحبُ البرکات قُدِّسَ سِرُّہٗ کے عہدِ مبارک سے یہ خاندان، قادری ہوگیا۔ بیشتر عام مُریدین، اِسی سلسلۂ قادریہ جدیدہ، کالپویہ میں مرید کیے جاتے۔ قدیم غلاموں اور صاحب زادگان، یا۔ خاص طالب کو، اور سلاسل میں بھی بیعت فرماتے۔ تمام رَوِشِ خاندان، قادری تھی۔ اَذکار واَشغال ومُراقبات، تمام خانوادوں کے، معمول تھے۔

اور صدہا طریقے، خود، حضراتِ اکابرِ مارہرہ نے نہایت قلیل محنت وسریع المنفعت استخراج فرمائے۔'' الخ (ص ۱۴۲۔تذکرۂ نوری۔مطبوعہ بدایوں ۲۰۱۳ء)

خاتم الاکابر، سید شاہ آلِ رسول، احمدی، قادری برکاتی، مارہروی کے چند مشاہیر خُلفائے کرام کے اَسمائے گرامی، درج ذیل ہیں:

حضرت سید شاہ ظہور حَسَن، مارہروی وحضرت سید شاہ ظہور حُسین، مارہروی وحضرت سید شاہ ابوالحسین احمد، نوری، مارہروی وحضرت سید شاہ ابوالحسن خرقانی، مارہروی وحضرت سید شاہ مَہدِی حَسَن، مارہروی وحضرت سید شاہ محمد صادق، برادرزادۂ حضرت خاتم الاکابر وحضرت سید شاہ حسین حیدر، ہمشیرزادۂ حضرت خاتم الاکابر وحضرت سید حسین حیدر وقاضی عبدالسلام، عباسی، بدایونی وشاہ اِحسانُ اللہ، فرشوری، بدایونی وشاہ شکر اللہ خاں، فرشوری، بدایونی وشاہ احسان اللہ خاں، فرشوری بدایونی وحاجی حافظ محمد احمد، فرشوری، بدایونی وحاجی فضلِ رزّاق، فرشوری، بدایونی وحافظ مظہر حسین فرشوری، بدایونی وحافظ حکیم مجاہد حسین، فرشوری، بدایونی ومفتی محمد شرف علی، صدیقی، بدایونی ومفتی محمد حسن خاں، بریلوی ومفتی نقی علی، قادری برکاتی، بریلوی ومولانا احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی وسید شاہ علی حسین اشرفی، کچھوچھوی وسید شاہ تجمل حسین، شاہ جہاں پوری ومولوی عبدالرحمٰن وقاضی شمس الاسلام، عباسی، بدایونی ومولوی محمد ضیاءاللہ، عباسی، بدایونی ثم بریلوی۔

حضرت خاتم الاکابر، مارہروی (وصال ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء) کے خَلفِ اکبر، حضرت سید شاہ ظہور حَسَن، قادری برکاتی، مارہروی (ولادت ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء، مارہرہ۔وصال ۲۴ رجمادیٰ الاولیٰ ۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء بعمرِ سینتیس (۳۷) سال۔ بمقام دھاری ضلع احمد آباد، گجرات) نے اپنے والدِ ماجد، خاتم الاکابر کی آغوشِ شفقت میں تربیت پاکر، آپ سے بیعت کی تھی۔

اور سلوک، باقاعدہ، ختم کیا۔ بعدِ تکمیل، حسبُ الحکم حضور خاتم الاکابر قُدِّسَ سِرُّہٗ مولانا شاہ عینُ الحق عبدالمجید، عثمانی، قادری، بدایونی سے اجازت، حاصل کی۔

انھیں خَلفِ اکبر، سید شاہ ظہور حَسَن، مارہروی کے فرزندِ جلیل تھے:

سراجُ السالکین، نورُ العارفین، سید شاہ ابوالحسین احمد، نوری، مارہروی (ولادت ۱۹ رشوال المکرم ۱۲۵۵ھ/۲۷ ردسمبر ۱۸۳۹ء۔مارہرہ۔وصال ۱۱ ررجب ۱۳۲۴ھ/۳۱ راگست ۱۹۰۶ء۔مارہرہ)

اور یہی نورُ العارفین، سید شاہ ابوالحسین احمد، نوری، مارہروی اپنے جَدِّ امجد، حضرت خاتم الاکابر مارہروی کے وصال (۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء) کے بعد، آپ کے جانشین اور خانقاہِ عالیہ قادریہ برکاتیہ

مارہرہ مطہرہ کے سجادہ نشین ہوئے۔

جدِّ مکرَّم، حضرت خاتم الاکابر، مارہروی نے اپنے پوتے، سید، شاہ ابوالحسین احمد، نوری کی
تعلیم وتربیت کا خصوصی اِہتمام کیا تھا اور ہر وقت اپنی نگرانی میں رکھ کر
آپ کی ترقی مدارج کا اِہتمام فرمایا کرتے تھے۔

حضرت نوری میاں نے قرآنِ کریم، صَرف، نحو، فقہ واصول، حدیث وتفسیر، منطق وغیرہ
نیک عالموں، اچھے استادوں سے پڑھا۔ درسِ تصوف وسلوک بھی عُرفا سے جاری رہا۔

یہ حقیقت، معلوم ومسلَّم ہے کہ اَرکان واَفرادِ خانوادۂ عثمانیہ، بدایوں
نسبتِ بیعت واِرادتِ حضراتِ سادات ومشائخِ مارہرہ مطہَّرہ سے مشرَّف ہوا کرتے تھے۔
اور حضراتِ سادات ومشائخِ مارہرہ مطہَّرہ، اپنے شہزادوں کو تحصیل وتکمیلِ علوم وفنون کے لئے
مدرسہ قادریہ، بدایوں کی زیب وزینت بنا کر، اسے اِعزاز وافتخار سے نوازا کرتے تھے۔
اَفرادِ خانوادۂ عثمانیہ، بدایوں، شہزادگانِ مارہرہ مطہَّرہ کی بے پناہ تعظیم وتوقیر کیا کرتے تھے۔
ذکرِ تعظیم وتکریم کے ضمن میں مولانا غلام شبّر، صدیقی، بدایونی لکھتے ہیں:

’’عُلما میں، جو خصوصیت واِعتماد، حضرت مولانا مولوی عبدالقادر صاحب، بدایونی
رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ پر تھا، کسی دوسرے پر نہ تھا۔ اور اس کے چند وجوہ تھے:

اوّلاً:۔ خاتم الاکابر، قُدِّسَ سِرُّہٗ کا ارشاد کہ:
علومِ ظاہر میں، مولانا (عبدالقادر، بدایونی) سے مشورہ رکھیے۔ ہم کو، ان پر اعتماد ہے۔

ثانیاً:۔ ابتدا سے تا وقتِ رحلت، رَبط ومحبت۔

ثالثاً:۔ حضرت مولانا مولوی محمد عبدالمجید صاحب (بدایونی) رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کی
جانشینی اور خصوصیت۔

اکثر ارشاد فرماتے: ہمارے دَور میں سُنّیت کی شناخت
محبتِ مولانا عبدالقادر صاحب رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ ہے۔
ہرگز، کوئی بدمذہب، ان سے محبت نہ رکھے گا۔
مولانا (عبدالقادر، بدایونی) رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کی خود تعظیم فرماتے
اور خُدّام کو تعظیم کی ہدایت دیتے۔‘‘

(ص ۲۱۳۔ تذکرۂ نوری۔ مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں ۲۰۱۳ء)

"مُریدین وخُدّام کے باہمی اختلافِ دنیوی میں، حضورِاَقدس (نوری میاں) قُدِّسَ سِرُّہٗ
بجز اصلاح، فیمابَین، کسی کو، ترجیح نہ دیتے۔
لیکن، جب، نوبتِ اختلافِ مذہبی پہنچی
اور ایک گروہ، تفضیلی، اور مولانا (عبدالقادر، بدایونی) کا مخالف ہوگیا۔ اور اکابر پر، اِفترا کی ٹھہری
حضورِ اَقدس (نوری میاں) قُدِّسَ سِرُّہٗ نے
اُس گروہ سے براءت، فرمائی اور صاف فرمایا کہ:
"اب، مخالفتِ استاذی، مولانا محمد عبدالقادر صاحب (بدایونی) رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ
بربنائے اُمورِ دنیوی، نہیں رہی۔ اور جب، بہ سببِ اختلافِ مذہب ہے
لہٰذا، ہم بھی، اُس جماعت سے، جو مولانا رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ سے، نہ ملے، نہ ملیں گے۔
اور جس محفل میں، حضرت مولانا (عبدالقادر، بدایونی) رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نہ جائیں گے
ہم بھی، شریک، نہ ہوں گے۔" (ص ۲۰۹۔ تذکرۂ نوری۔ مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں ۲۰۱۴ء)
"تمام متوسّلانِ حضرت مولانا مولوی محمد عبدالمجید صاحب رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ پر
خاص نظرِ کرم تھی۔" (ص ۲۱۴۔ تذکرۂ نوری۔ مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں ۲۰۱۴ء)
جَدِّ امجد، خاتم الاکابر، مارہروی نے حضرت نوری میاں مارہروی کو، مجاہداتِ سلوک
وریاضتِ طریقہ اور خصوصی اَذْعِیۂ خاندانی کی باضابطہ تربیت دی۔
مولانا غلام شبّر، صدیقی، نوری، بدایونی آپ کے احوال وآثار بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
"تمام اساتذہ، حضور کے، معترف تھے کہ:
تعلیم وتعلُّم، بہانہ تھا۔ حضرت خاتم الاکابر قُدِّسَ سِرُّہٗ نے حضور کو بچپن سے
اوقات وپابندی سے اِلتزام اور وقتوں کو، ایسا منضبط فرمادیا تھا کہ:
آخر وقت تک، ریاضت وصوم وخلوت، شب بیداری، تہجد، تلاوت وذکر
عادتِ کریمہ سے ہوگئے تھے۔
..........حضور خاتم الاکابر قُدِّسَ سِرُّہٗ فرماتے:
"اِن کو، عیش وآرام سے کیا کام؟ یہ کچھ، اور ہیں اور ان کو کچھ، اور ہونا ہے۔
یہ اَقطابِ سبعہ سے ایک قطب ہیں۔ جن کی بشارت، حضرت بوعلی شاہ قلندر، پانی پتی
رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ اور حضرت شاہ بدیع الدین قطب مدار رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے دی ہے۔

اور یہی، اس سلسلۂ بشارت کے خاتم ہیں۔"

.... چوں کہ طریقۂ تعلیمِ حضور خاتم الاکابر قُدِّسَ سِرُّہٗ ، معلوم ہو چکا تھا۔

ہر وقت، ہر شان میں، حضور پیر و مُرشد (خاتم الاکابر) قُدِّسَ سِرُّہٗ سے

حالاتِ اَکابرِ خاندان، خصوصاً حال، حضور سید شاہ ابوالفضل آلِ احمد، اچھے میاں صاحب

رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کا، دریافت فرماتے۔

اور مسلکِ روشن، تحقیق فرما کر، اس سے متصف ہو جاتے۔" الخ

(ص ۱۴۸۔ تذکرۂ نوری۔ مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں ۲۰۱۳ء)

حضرت خاتم الاکابر نے، بارہ ربیع الاول ۱۲۶۷ھ (۱۵/ جنوری ۱۸۵۱ء) کو، ایک سندِ خلافت

واجازت عطا فرما کر، حضرت نوری میاں، مارہروی قُدِّسَ سِرُّہٗ کو

اپنے سلاسلِ قادریہ و چشتیہ و نقشبندیہ و سہروردیہ و مداریہ قدیمہ و جدیدہ و قادریہ رَزّاقیہ و علویہ

مَنَامِیہ اور جُملہ اَذکار و اَشغال و اَوراد و معمولۂ خانوادۂ برکات کا، ماذون و مجاز بنایا۔

مولانا غلام شبر، صدیقی، نوری، بدایونی لکھتے ہیں کہ:

"حضور خاتم الاکابر قُدِّسَ سِرُّہٗ نے، حضور (نوری میاں) کو

اجازتِ قرآنِ کریم و صحاحِ ستّہ و مصنّفاتِ شاہ ولی اللہ صاحب، محدِّث دہلوی و حصنِ حصین

و دلائلُ الخیرات و اَسماے اربعینہ و حزبُ البحر و حدیثِ مسلسل بالاوّلیہ و حدیثِ مسلسل بالاضافہ

و مصافحاتِ اربعہ و مصافحہ و مشابکہ اور تمام علوم کی سندیں

جو، آپ کو، اپنے اساتذہ سے پہنچی تھیں، مرحمت فرمائیں۔

جن میں سے اکثر "اَلنُّوْرُ وَالْبَہَا" میں، طبع ہو کر مشتہر ہو چکی ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰالِکَ

(ص ۱۵۱۔ تذکرۂ نوری۔ مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں ۲۰۱۳ء)

اِعتقاد و اِستقامت، بر مذہب اہلِ سُنّت و جماعت کے بیان میں ہے کہ:

"مسائلِ اِعتقاد میں، حضور اقدس (حضرت نوری میاں مارہروی) قُدِّسَ سِرُّہٗ کے رسائل

موجود ہیں "اَلْعَسَلُ الْمُصَفّٰی فِی عَقَائِدِ اَرْبَابِ التُّقٰی" خاص اِعتقاداتِ ضروریۂ

اہلِ سُنّت میں تصنیف فرما کر، طبع و تقسیم فرمایا۔

جس وقت، بدایوں و بریلی کے بعض خُدّام سلسلۂ عالیہ برکاتیہ میں "تفضیلِ مُرتضوی"

کا فتنہ اٹھا، حضور اقدس (حضرت نوری میاں) قُدِّسَ سِرُّہٗ نے علاوہ ہدایاتِ زبانی و بعض مختصر

تحریرات کے، ایک رسالۂ نافعہ ''دَلِیْلُ الْعَارِفِیْن مِنْ کَلِمَاتِ الْعَارِفِیْن''
تصنیف فرما کر، طبع و مشتہر فرمایا۔ اور اقوال عقائدِ حضراتِ مشائخ، جمع فرما کر، دکھایا کہ:

تمام صوفیۂ صافیہ، مذہب اہلِ سنت کے پابند ہیں۔
اور یہ غلط ہے کہ صوفیۂ کرام کا مسلک، خلافِ علمائے ظاہری ہے۔''
(۱۶۰۔ تذکرۂ نوری۔ مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں ۲۰۱۳ء)

''مسائلِ فقہ میں اکثر، مولانا مولوی محمد عبد القادر صاحب، بدایونی، مُعِینی، مجیدی آلِ محمدی، رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ سے، تذکرہ و مشورت فرماتے۔

اور بعد بیانِ حضرت مولانا (عبد القادر، بدایونی) رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کے رجوع بہ کتب، نہ فرماتے۔

چوں کہ، ان کی وُسعتِ علم اور دیانت کی تعریف، حضور خاتم الاکابر قُدِّسَ سِرُّہٗ سے سن چکے تھے، ان پر، پورا بھروسہ فرماتے۔''
(ص ۱۶۳۔ تذکرۂ نوری۔ مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں ۲۰۱۳ء)

نورُ العارفین، حضرت نوری میاں، مارہروی کو، تصنیف و تالیف سے کوئی خاص دل چسپی نہ تھی، تاہم بعض کتب و رسائل آپ کی یادگار ہیں۔ مفصَّل مکتوبات، ان کے علاوہ ہیں۔
حمایتِ شریعت و لطائفِ طریقت میں، آپ کے قلم سے نکلی ہوئی کچھ کتابوں کے نام، یہ ہیں:

(۱) اَلْعَسَلُ الْمُصَفّٰی فِی عَقَائِدِ اَرْبَابِ سُنَّۃِ الْمُصْطَفٰی:۔ عقائدِ حقہ اہلِ سنّت و جماعت کے بیان میں مختصر و مفید عام رسالہ، مطبوعہ (بزبانِ اردو)
(۲) سوال و جواب:۔ مسئلۂ تفضیل پر تحقیقی رسالہ، مطبوعہ۔ (بزبانِ اردو)
(۳) اِشتہارِ نوری:۔ مکائدِ ندوہ سے بعض علما و مشائخ اہلِ سنّت و جماعت کو آگاہ کرنے کے لئے، فوائدِ جلیلہ پر مشتمل ایک مختصر تحریر۔ مطبوعہ (بزبانِ اردو)
(۴) تحقیقُ التراویح:۔ بیس (۲۰) رکعت تراویح کے اِثبات پر مشتمل ایک تحقیقی رسالہ (بزبانِ عربی) مطبوعہ مطبع غالبُ الاخبار، سیتاپور، ذوالحجہ ۱۲۹۱ھ / فروری ۱۸۷۵ء۔
طبعِ جدید مع ترجمۂ اردو۔ بقلم مولانا دلشاد احمد، قادری، مدرس مدرسہ قادریہ، بدایوں۔ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں ۱۴۳۳ھ / ۲۰۱۲ء)
(۵) دَلِیْلُ الْیَقِیْن مِنْ کَلِمَاتِ الْعَارِفِیْن:۔ تفضیلِ کُلّی حضراتِ شیخین رَضِیَ اللہُ

تَعَالیٰ عَنْهُمَا کا اِثبات کہ:
تفضیلِ شیخین، مسئلۂ مسلّمۂ اہلِ سنّت و جماعت ہے۔ مطبوعہ (بزبانِ فارسی)

(۶) عقیدۂ اہلِ سنّت، نسبتِ مُحاربینِ جمل وصفین ونہر وان:۔ غیر مطبوعہ (بزبانِ اردو)

(۷) کشف القلوب:۔ ابتدائی سلوک اور بعض اَشغال واَوراد خاندان کا بیان۔
مطبوعہ (بزبانِ اردو)

(۸) اَلنُّورُ وَالْبَهَافِی اَسَانِیدِ الْحَدِیْثِ وَسَلَاسِلِ الْاَوْلِیَا۔ (۱۳۰۷ھ):۔
مطبوعہ (بزبانِ عربی)

سلاسل واسنادِ اَحادیثِ صحاح ومسلسل بالاوّلیہ وحصنِ حصین ودلائل الخیرات واَسماے اربعینہ ومصافحاتِ اربعہ ومشابکہ وحدیث مسلسل بالاضافہ واسنادحرزِ یمانی وقرآنِ کریم وتسبیح وسلسلۂ عالیہ قادریہ قدیمہ وَاحِدیہ وکالپویہ جدیدہ ورزّاقیہ ومنوریہ وچشتیہ وسہروردیہ ونقشبندیہ ومداریہ جو، مختلف طریقوں سے خانوادۂ برکاتیہ کو حاصل ہیں، درج کردیے گئے ہیں۔

(۹) سِرَاجُ الْعَوَارِف فِی الْوَصَایَا وَالْمَعَارِف (۱۳۱۳ھ):۔ متفرق فوائدِ فقہ وکلام وحدیث وتصوف وسیر وسلوک اور وصایا وہدایات پر مشتمل، یہ مجموعۂ معارف، طبع ہوچکا ہے۔

(۱۰) اَلجفر: علمِ جفر کا ایک خاص قاعدہ، اِس میں مفصّلاً، مذکور ہے۔
ہنوز غیر مطبوعہ (بزبانِ اردو) ہے۔

(۱۱) اَلنجوم:۔ اس میں وہ چیزیں، درج ہیں جن کا جاننا، کسی عامل وغفّار کے لئے ضروری ہے۔ غیر مطبوعہ۔

(۱۲) تخیلِ نوری:۔ مجموعۂ اشعارِ عربی وفارسی واردو ہے
جو، ۱۳۱۶ھ/۹۹۔۱۸۹۸ء میں، مرتّب ہوکر، شائع ہوچکا ہے۔

(۱۳) صلوٰۃِ غوثیہ: شجرۂ عالیہ قادریہ واَسماے حسنیٰ واَسماے حضور سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّم۔ مرتّب ہوکر، مطبوع ہوچکا ہے۔

(۱۴) صلوٰۃِ معینیہ:۔ شجرۂ چشتیہ پر مشتمل، مطبوعہ ہے۔

(۱۵) مجموعہ: اس میں، ننانوے (۹۹) اَسماے باری تعالیٰ، ننانوے (۹۹) اَسماے حضور سرورِ دوعالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّم، ننانوے (۹۹) اَسماے حضرت علی مرتضیٰ، ننانوے اَسماے سیدنا امام حسن مجتبیٰ، ننانوے (۹۹) اَسماے حسین شہید کربلا، ننانوے (۹۹) اَسماے سیدنا الشیخ

ابومحمد محی الدین عبدالقادر، جیلانی، بغدادی مع ایک دعا کے، ترتیب وار، درج ہیں۔

(۱۶) صلوٰۃِ نقشبندیہ:۔ اس میں ننانوے (۹۹) صیغے ہیں۔ ننانوے (۹۹) القاب کریم سے نامِ حضرت خواجہ نقشبند مع اسمائے حسنیٰ و اسمائے حضور سرورِ دوعالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم۔

(۱۷) صلوٰۃِ صابریہ، صلوٰۃِ ابوالعلائیہ، صلوٰۃِ مداریہ:۔ اسی طور پر، مندرج ہیں۔

(۱۸) صلوٰۃُ الاقربا:۔ اس میں اسمائے ساداتِ مارہرہ، اور مشائخِ کرام کے اسما، درج ہیں۔

(۱۹) صَلوٰۃُ الْمَرْضِیَّۃ لِفُقَرَاءِ الْمَارَهْرَوِیَّۃ:۔

اس میں اکثر خُلفائے خاندان کے اسما، درج ہیں۔

''بَعْدَہٗ صَلوٰۃُ الْبَهِیَّۃ عَلیٰ اَساتِذَتِی وَاساتِذۃِ اَجْدَادِی:۔ اس میں سید محمد باقر حکیم عطاءُ اللّٰہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِمَا، استاذانِ حضرت سید شاہ حمزہ صاحب رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ۔

مولانا مولوی محمد عبدالمجید صاحب، بدایونی و مولانا نور صاحب، لکھنوی و مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب، بدایونی و شاہ عبدالعزیز صاحب، محدِّث دہلوی و مفتی محمد عوض صاحب، بریلوی و شاہ نیاز احمد صاحب، بریلوی و مولانا عبدالواسع صاحب، سیدن پوری، رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِم اَجْمَعِین۔ استاذانِ حضور خاتمِ الاکابر، سید شاہ آلِ رسول، احمدی، قُدِّسَ سِرُّہٗ۔

بعدہٗ، اپنے اساتذۂ کرام ہیں۔ جو، سابقاً، معروض ہوئے۔

یہ عجیب مجموعہ ہے۔ اس میں بہت ذخائرِ نفائس ہیں۔''

(۲۰) اسرارِ اکابرِ برکاتیہ:۔ صدہا نِکات و اسرار پر مشتمل، خزینۂ جواہر و گنجینۂ برکات ہے۔

(۲۱) مجموعہ ہائے اعمال و اشغال: متعدد حضرات کے پاس، مجموعۂ اعمال و اشغال کے مختلف مجموعے ہیں۔ جو، اوراد و وظائف و ادعیہ و نقوش وغیرہ پر مشتمل ہیں۔

(ص ۲۲۲ و ۲۲۳۔ ''تذکرۂ نوری''۔ مؤلفہ مولانا غلام شبر صدیقی، نوری، بدایونی۔ مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں۔ ۱۴۳۴۔ ۲۰۱۳ء)

نورُالعارفین، سید شاہ ابوالحسین احمد، نوری، مارہروی کے خُلفا کے اسمائے گرامی ''تذکرہ نوری'' میں درج کر دیے گئے:

اسما اور تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: ''تذکرۂ نوری''، مؤلفہ مولانا غلام شبر، صدیقی نوری بدایونی۔ مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء۔

مولانا شاہ فضلِ رحمٰن، گنج مرادآبادی

اُویسِ زماں، مولانا شاہ فضلِ رحمٰن، گنج مرادآبادی (ولادت: ۱۲۰۸ھ/۹۴-۱۷۹۳ء۔ بہ مقام سندیلہ۔ وصال: ۲۲ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ/۹۶-۱۸۹۵ء۔ مدفون گنج مرادآباد۔ ضلع اُناؤ۔ صوبہ اترپردیش)

حسبِ تحریر مولانا رحمٰن علی:

''مولانا فضلِ رحمٰن کے اوصافِ حمیدہ اور خصائصِ پسندیدہ، ایسے نہیں ہیں کہ: زبان بُریدہ قلم، قلمِ بے بنیاد، کاغذ پر، اُن میں سے تھوڑے بھی لکھ سکے۔ اور انسانِ ضعیف البُنیان کی کیا مجال ہے کہ ان کا عُشرِ عَشیر بھی بیان کر سکے:

لَایُدْرِکُ الْوَاصِفُ الْمُطْرِی خَصَائِصَهٗ
وَاِنْ یَکُ سَابِقًا فِی کُلِّ مَاوَصَفَا

(ص ۲۷۹۔ ''تذکرۂ علماے ہند''۔ مؤلفہ مولانا رحمٰن علی۔ اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب قادری۔ مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی۔ ۱۹۶۱ء)

حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمٰن، گنج مرادآبادی کا سلسلۂ نسب خلیفۃُ المسلمین، حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ سے مربوط ومنسلک ہے۔

آپ کے آباد واَجداد میں سے ایک بزرگ، شیخ شہاب الدین مُلقّب بہ زاہدِ حق گوشہید بن شیخ ادہم دانا بن شیخ فخرالدین ولی، معروف بہ شاہ بن شیخ شہاب الدین مکی سب سے پہلے، واردِ ہندوستان ہوئے۔

شیخ شہاب الدین ثانی، معروف بہ زاہدِ حق گوشہید، ہندوستان آکر پہلے اجمیر شریف پہنچے اور دربارِ سلطانُ الھند، خواجہ معین الدین، چشتی، اجمیری میں ایک عرصہ تک، یادِ الٰہی میں مصروف رہے۔

اجمیر شریف سے ایک عرصہ بعد، حضرت زاہدِ حق گوشہید، بہار پہنچے۔ وہاں، آپ نے نکاح فرمایا۔ اِس طرح بہار، وطنِ ثانی ہوا۔ اسی مقام پر کفار سے اہلِ اسلام کا ایک تصادم اور معرکۂ جدال برپا ہوا، جس میں آپ، درجۂ شہادت سے فائزُ المرام ہوئے۔

شیخ شہاب الدین ثانی، معروف بہ زاہدِ حق گو شہید کے خلفِ اصغر، شیخ داؤد بیس (۲۰) سال کی عمر میں بہار سے دہلی آ گئے۔ یہ سلطان، فیروز شاہ کا دورِ حکومت تھا۔

دہلی میں کچھ دنوں قیام کے بعد شیخ داؤد، پنجاب کے معروف شہر ''پانی پت'' پہنچے۔ یہیں، نکاح فرمایا اور یہیں، توطّن، اختیار کیا۔

شیخ داؤد کے ایک صاحب زادے، شیخ مگن ہوئے۔ جو ۹ رشعبان ۷۸۷ھ میں اپنے والد، شیخ داؤد کے انتقال کے بعد، سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔

شیخ مگن کے چھوٹے صاحب زادے، حضرت بہاء الدین مخدوم شیخ محمد معروف بہ ''مصباح العاشقین چشتی'' عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ ہیں۔

حضرت مصباح العاشقین، چشتی، بتاریخ ۱۹ رمحرم الحرام ۸۱۰ھ، بہ مقام پانی پت، پنجاب پیدا ہوئے۔

مؤلّفِ ''رحمت و نعمت'' آپ کے تعارف و تذکرہ میں، رقم طراز ہیں:

''حضرت مخدوم (مصباح العاشقین) سات ماہ کے جب شکمِ مادری میں تھے تو، پانی پت (پنجاب) کے مشہور ولی، مُلّا محمد سعید صاحب قُدِّسَ سِرُّہٗ نے خواب دیکھ کر، یہ بشارت دی کہ:

مخدوم صوفی مگن شاہ صاحب بہاری قُدِّسَ سِرُّہٗ، وارِدِ حال پانی پت کے گھر مادرزاد ولی، پیدا ہونے والا ہے، جس سے بے حد مخلوق، فیض یاب ہو گی۔''

چنانچہ، حضرت مخدوم (مصباح العاشقین) اُنیس (۱۹) محرم ۸۱۰ھ کو پانی پت میں ولیِ مادرزاد پیدا ہوئے جو ۹۳۹ھ میں، ایک سو اُنتیس (۱۲۹) برس کی عمر میں بوقتِ چاشت غرّۂ رجب کو، واصل بحق ہوئے۔

مُلّا محمد سعید اَولیا نے حضرت مخدوم قُدِّسَ سِرُّہٗ کی بسم اللہ خوانی کرائی۔ پھر، درسِ نظامی و بعض کتبِ فقہ پڑھائیں۔

(غالباً، درسِ نظامی سے مُراد، یہ ہے کہ وہ کتابیں، جو، بعد میں درسِ نظامی میں داخل ہوئیں۔ کیوں کہ استاذُ الھند، مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی فرنگی محلی ''بانیِ درسِ نظامی'' اُس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ ان کی ولادت ۱۰۸۹ھ یا ۱۰۹۰ھ مطابق ۱۶۷۸ء یا ۱۶۷۹ء کو ہوئی اور وصال ۹ رجمادی الاولیٰ ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء کو ہوا۔ مصباحی)

پھر، علاّمہ محمد حسین صاحب، محدِّثِ ملتان سے تکمیلِ فقہ و حدیث کے بعد

اوّلاً، فریضۂ حج، مخدوم صاحب نے ادا کیا۔ جس طرح، حضرت مخدوم کے پَر دادا!

قطبِ بہار، مولانا شاہ شہاب الدین (ثانی) زاہد شہید، ملقّب بہ ''حق گو'' نے اور حضرت مخدوم

کے جدِ اعلیٰ، امام شہاب الدین اوّل (مکّی) قُدِّسَ سِرُّہٗ نے، جن کو مُصلّاے شافعی کی امامتِ حرم

سپرد تھی، اولادِ رسول واولادِ صحابہ سے تحصیلِ علمِ حدیث کی اور سند لے کر آئے

اُسی طرح، حضرت مخدوم صاحب کو بھی، یہ فضیلتِ خصوصی، حاصل ہوئی کہ:

ایک سال، مکّۂ مکرّمہ میں رہ کر اور ڈیڑھ سال، مدینہ منورہ میں رہ کر، اولادِ رسول

واولادِ صحابہ سے کسبِ روحانی وحصولِ علمِ حدیث کے بعد، سندِ حدیث لی۔ خدمتِ حرمین کی۔

پھر، اپنے وطن بہار، محلّہ کافوری سرائے، تشریف لائے۔

یہاں سے اجمیر شریف جا کر، چلّہ کشی وریاضت میں مصروف رہے۔

پھر، اپنے مُرشد، شاہ تاج بخش، حضرت شاہ جلال صاحب گجراتی قُدِّس سِرُّہٗ، مقیم پنڈوہ

(بنگال) کی خدمت میں آ کر، بیعت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔

تاحیاتِ مُرشد، خدمتِ مُرشد میں رہے۔

پھر، بعد وصالِ مُرشد، مع اَقربا، اپنے وطن بہار شریف آ گئے۔

یہاں سے کچھ عرصہ بعد بحکمِ ربّی، منتقلیِ وطن، بہ فہمائشِ مُرشد، ۷۸۸ھ میں فرمائی۔

اور ملاواں ضلع ہردوئی کو وطنِ ثانی بنایا۔

یہ منتقلیِ وطن، بہار سے، اِس بنا پر تھی کہ:

حضرت مخدوم کی صُلب سے، اِسی دیار میں فَـردُ الْاَفْـرَاد، حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمٰن

صاحب، محمدی، قُدِّسَ سِرُّہٗ کا ظہور، مقدرّاتِ رَبّانی سے تھا۔

(ص ۱۱۸ تا ص ۱۲۰۔ ''رحمت و نعمت''۔ مؤلفہ مولانا شاہ افضال الرحمٰن، عُرف بھولے میاں جوہر

سجادہ نشین، بارگاہِ فضلِ رحمٰن گنج مرادآباد۔ ضلع اُناؤ۔ مطبوعہ لیتھو برقی پریس، نئی سڑک۔ کان پور۔ یوپی)

مخدوم شیخ محمد، معروف بہ ''مصابح العاشقین'' چشتی، عہدِ شباب ہی میں پانی پت (پنجاب)

سے عازمِ لاہور وملتان ہوئے اور شیخ الاسلام، حضرت بہاء الدین زکریا، ملتانی رَضِیَ اللّٰہُ عَـنْـہُ کی

خانقاہ میں مقیم ہو کر، وہاں کے متبحر علما سے علومِ فقہ وحدیث وغیرہ کی تکمیل فرمائی۔

اس کے بعد، عازمِ حرمین طیبین ہوئے اور مکہ مکرّمہ پہنچ کر، مناسک وارکانِ حج ادا کر کے

کچھ عرصہ، قیام کیا۔ اور وہاں کے محدِّثین سے اجازت وسندِ حدیث حاصل کی۔

پھر، مدینہ طیبہ پہنچے اور وہاں کی برکات وحسنات سے مستفید و مستفیض ہوئے۔

حضرت شاہ فضلِ رحمٰن، گنج مرادآبادی، اکثر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ:

''ہمارے بزرگوں نے تو: مکّہ شریف میں حدیث شریف پڑھی بھی اور پڑھائی بھی۔

اور وہیں سے، سندِ حدیث بھی لائے۔''

چنانچہ، مخدوم مصباحُ العاشقین صاحب نے

ایک سال، سات ماہ: مزارِ سراپا انوار، رسولُ الثقلین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی

جاروب کشی کی۔ اور جو اَولادِ امجاد، سیدُ الاسیاد، صاحبِ لولاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

وصحابۂ کرام، وہاں تھے، اُن کی زیارت وشرفِ صحبت سے مشرّف ہوتے رہے۔

بعد ازاں، اپنے وطن، پانی پت واپس ہوئے۔'' الخ۔

(ص ۴۴۔ ''افضالِ رحمانی''۔ مؤلفہ مولانا شاہ افضالِ رحمٰن، عُرف بھولے میاں جوہر، گنج مرادآبادی۔

مطبوعہ شمس پریس۔ گیا، بہار۔ باہتمام منشی محمد شفیع رحمانی۔ طبعِ اول)

مخدوم شاہ، مصباح العاشقین، چشتی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ وَالرِّضْوَان

باجازتِ والدِ محترم، راہِ طلبِ حقیقت میں پھر، عازمِ سفر ہوئے اور بعمر پینتالیس (۴۵)

پانی پت سے دہلی اور یہاں، چند ماہ گذارنے کے بعد، دیارِ پورب کی طرف نکل گئے۔

یہاں سے، منزل بہ منزل، مخدوم مصباح العاشقین صاحب، لکھنؤ پہنچے

اور مولانا اعظم ثانی، رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کی صحبت اختیار کی۔

یاد، رہے کہ، یہ وہی مولانا اعظم ثانی ہیں

جو، حضرت مخدوم شاہ مینا صاحب اور شیخ سعد الدین بن قاضی بڈھن انامی

رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِمَا کے استاد تھے۔

.............ایک روز، مخدوم (مصباحُ العاشقین) صاحب وحضرت شاہ مینا صاحب

رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِمَا، باہم، تشریف رکھتے تھے کہ:

ایک شخص نے مخدوم (مصباحُ العاشقین) کے متعلق سوال کیا کہ:

ایشاں کدام اند؟

تو، حضرت شاہ مینا صاحب عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ نے جواب دیا کہ:

مَنْ، ہستم۔

وہ شخص، کچھ نہ سمجھ سکا، بلکہ کچھ اور متعجب ہوا۔

حضرت شاہ مینا صاحب نے متبسم ہو کر فرمایا کہ:

ایشاں، فی الحقیقت مَنَم، وفی التسمیہ مَنَم۔"

تو، وہ شخص، اپنی کم علمی پر، بہت منفعل ہوا۔

کیا، الفتِ باہمی ہے۔ سُبْحٰنَ اللّٰہ۔" (ص ۳۶۔ "افضالِ رحمانی")

مخدوم مصباح العاشقین، چشتی، شیخ اعظم ثانی لکھنوی سے تعلیم حاصل کر کے

قصبہ راوٹی واقع اَوَدھ (موجودہ دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی، صوبہ اتر پردیش) پہنچے۔

جہاں، حضرت شیخ احمد، راوٹی نے سلسلۂ چشتیہ میں آپ کو مرید کیا۔

حضرت شیخ احمد، راوٹی کے حکم و ہدایت پر، مخدوم مصباح العاشقین، چشتی

مخدوم شیخ جلال گجراتی، معروف بہ تاج بخش کی خدمت میں، پنڈوہ شریف (بنگال) پہنچے

اور اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اور ایک مدت تک آپ کی تربیت و صحبت و برکت سے

متمتع و فیض یاب ہوتے رہے۔ آپ ہی کی بارگاہ سے "مصباح العاشقین" کا خطاب، مرحمت ہوا۔

بہ مقتضائے الٰہی، مخدوم مصباح العاشقین کے والد ماجد، شیخ مگن صاحب، بعمر نوے (۹۰)

سال، بیس (۲۰) ذی قعدہ ۸۶۹ھ کو، نیز، اسی سال، سولہ (۱۶) ذی قعدہ کو

مخدوم صاحب کے بڑے بھائی، شیخ اولیا صاحب، رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِم

دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف، ایک ہی ماہ میں، سدھارے۔

اس حادثہ کے نتیجے میں پانی پت (پنجاب) کے آپ کے سبھی گھر والے

پنڈوہ شریف (بنگال) آ گئے۔

حضرت شاہ جلال تاج بخش شہید کے حکم و ہدایت کے مطابق آپ، بہ سَمتِ مغرب، روانہ ہوئے۔

یہاں سے عازمِ سفر ہو کر جون پور، پھر، قصبہ راوٹی (موجودہ دریاباد ضلع بارہ بنکی)

ہوتے ہوئے لکھنؤ پہنچے۔

"اُس وقت، شیخ قطب الدین، برادر زادۂ حضرت شاہ مینا صاحب، وہاں صاحبِ سجادہ تھے

اور حضرت شاہ مینا صاحب کے بڑے خلیفہ، حضرت شیخ سعد الدین بن قاضی بڈھن انامی بھی

وہیں تھے۔ ہر دو صاحبان نے تین روز تک ٹھہرا کر، لوازمِ مہمان نوازی، بہ طیبِ خاطر ادا کیے۔

اور فیضِ صحبت حضرت مخدوم صاحب عَلَيْهِ الرَّحْمة سے فیض یاب ہوئے۔

مخدوم (مصباح العاشقین) صاحب، پھر، ان صاحبان سے رخصت ہوکر، حضرت مولانا اعظم ثانی صاحب عَلَيْهِ الرَّحْمة کے مزار شریف پر ہوتے ہوئے ملاواں، واقع ہردوئی پہنچے۔

.........مخدوم (مصباح العاشقین) صاحب، متوطنِ ملاواں ہوئے

تو، یہ زمانہ، سلطان بہلول شاہ لودی کے عہدِ سلطنت کا تھا۔

مخدوم صاحب نے، مسجد خام و حجرہ، برائے عبادت، و مکان، قیام کے لئے تعمیر کرایا اور متوکلانہ زندگی، بسر کرنے لگے۔ معتقدین، جو طعام و ہدایا، پیش کرتے

مخدوم صاحب، تین یوم کے بعد، پھر قبول نہ کرتے۔

اُس وقت تک، ملاواں میں لوگ، نمازِ جمعہ کے نام سے بھی آشنا، نہ تھے۔

چنانچہ، مخدوم صاحب عَلَيْهِ الرَّحْمة نے سلطانِ وقت سے اجازت لے کر سب سے پہلے، ملاواں کے موجود مسلمانوں کے ساتھ، جمعہ، ادا فرمایا۔"

(ص ۱۴۰ و ص ۱۴۱۔ "افضالِ رحمانی"۔ مؤلفہ مولانا شاہ افضالِ رحمٰن، عُرف بھولے میاں جوہر، گنج مراد آبادی مطبوعہ شمسی پریس۔ گیا۔ بہار)

"جب، حضرت مخدوم (مصباح العاشقین) صاحب عَلَيْهِ الرَّحْمة اپنے آخری سفرِ دہلی سے واپس ہوکر، قنوج پھر تشریف لائے تو، معتقدین نے باصرار، قیام پر مجبور کیا۔

مخدوم صاحب نے فرمایا کہ: یہ ہمارا آخری سفر ہے۔ سوائے آخرت، اب سفر نہ ہوگا۔"

آپ کے ہم عصر، مخدوم شیخ اخی جمشید، راج گیری عَلَيْهِ الرَّحْمة کا وصال

ان ایام میں ہوا تھا۔ چنانچہ، آپ، موصوف کے مزار شریف پر، برائے فاتحہ تشریف لائے۔

اتفاقِ وقت کہ، مخدوم شیخ سعد خیرآبادی بن شیخ بڈھن صاحب اور مخدوم عبدالصَّمد، عُرف شاہ صفی صاحب (جن کا مزار شریف، قصبہ صفی پور میں ہے جو کہ گنج مراد آباد کی تحصیل، اور پندرہ میل کی مسافت پر ہے) خلیفۂ اعظم شیخ سعد صاحب خیرآبادی بھی، قنوج آئے ہوئے تھے۔

ہردو صاحبان، حضرت سیدنا مخدوم مصباح العاشقین صاحب عَلَيْهِ الرَّحْمة کی خبرِ آمد سن کر ملاقات کو چلے۔ شیخ سعد صاحب عَلَيْهِ الرَّحْمة نے چاہا کہ:

میں، شیخ صفی صاحب عَلَيْهِ الرَّحْمة سے پہلے ہی ملاقات کروں۔

مگر، مخدوم صفی صاحب نے پیش قدمی کی اور شیخ سعد صاحب، ان کے بعد پہنچے۔

حضرت شیخ سعد صاحب نے مخدوم مصباح العاشقین، چشتی، رَحمَۃُ اللّٰہِ علَیہ کو دیکھتے ہی، ایک کیف وسرور میں بزبانِ ہندی کہا: دیکھا! "محمد ثانی۔"

یہ کنایہ، اپنے پیر، مخدوم شاہ مینا صاحب سے تھا، جن کا اصلی نام، شیخ محمد تھا۔"

(ص ۱۴۱ وص ۴۲۔ "افضالِ رحمانی")

"آپ کا بیشتر وقت، یادِ الٰہی میں بسر ہوتا۔ بعدِ ظہر وعصر، درسِ قرآن مجید وحدیث شریف دیا کرتے۔ مابین عصر ومغرب، اکثر مُراقبہ فرماتے۔ اور لوگ، شریکِ حلقہ ہوا کرتے۔

جب، مخدوم صاحب کا، سن شریف، سو (۱۰۰) سے متجاوز ہوا

تو، گوشہ نشینی آپ نے اختیار کرلی اور وہ خرقۂ خلافت جو آپ کے مُرشد، شاہ جلال صاحب تاج بخش عَلَیہِ الرَّحمَۃ نے مرحمت فرمایا تھا

صاحب زادہ، شیخ عبدالرزاق صاحب عَلَیہِ الرَّحمَۃ کو دے کر، صاحب سجادہ کیا۔

اور اپنا ذاتی خرقہ، صاحب زادہ، حافظ شیخ عبدالحلیم بندگی میاں صاحب عَلَیہِ الرَّحمَۃ کو مرحمت فرما کر، حسبِ معمولِ اولیاے سَلف، ایک تحریر خلافت بھی، رقم فرمادی۔

۲۳ر جمادی الثانی سے مخدوم صاحب عَلَیہِ الرَّحمَۃ کو شدتِ تپ، زائد ہوئی اور غرّہ رجب ۹۳۹ھ، بروز جمعہ، بوقتِ چاشت، آپ، واصل بحق ہوئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

مخدوم صاحب نے، یہ وصیت، پہلے ہی، فرمادی تھی کہ:

میرے جنازے کی نماز، شیخ عبدالرزّاق صاحب

ورنہ، حافظ عبدالرحیم بندگی میاں صاحب پڑھائیں۔"

چنانچہ، بعد ادائے جمعہ، شیخ عبدالرَّزاق صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

پندرہ (۱۵) ختم قرآن، حافظ عبدالرحیم صاحب نے اور پانچ (۵) ختم، شیخ عبدالرزّاق صاحب نے اور پانچ (۵) ختم، سب سے چھوٹے صاحب زادے، شیخ جلال صاحب نے پڑھ کر، ایصالِ ثواب کیا۔

اوّل روز، شیخ عبدالرزّاق صاحب نے، دوسرے روز، حافظ عبدالرحیم صاحب نے تیسرے روز شیخ جلال نے تقسیم طعام کیا۔

بوقتِ دفن، مخدوم صاحب عَلَیہِ الرَّحمَۃ کے جنازے پر، اَبر کا ایک ٹکڑا، چھا کر برسا۔

جو، دلیلِ واضح، مغفرت و مہربانیٔ ربی کی ہے۔

اور سید نبی صاحب نے جو روضہ، تعمیر کرایا تھا۔ اسی میں محوِ خوابِ راحت، ملاواں میں ہیں۔"

(ص ۴۴۔ "افضالِ رحمانی")

مخدوم، مصباح العاشقین، چشتی، عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کے خلفِ اکبر، شیخ عبدالرزّاق تھے۔

مگر، طریقِ سلسلہ، مخدوم حافظ عبدالرحیم بندگی میاں سے جاری ہوا۔ چنانچہ، مذکور ہے کہ:

"ہم، جہاں تک شجرہ پر غور کرتے ہیں

تو، طریقِ سلسلہ، مخدوم عبدالرحیم صاحب عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ سے جاری، نظر آتا ہے۔

کیوں نہ ہو۔ یہی تو وہ مبارک ہستی ہے

جو، اس مہتم بالشان امانت کی امین ہے، جس کی بشارت، شاہ جلال صاحب تاج بخش و مخدوم شیخ سعد صاحب خیر آبادی و مخدوم شیخ عبدالصّمد، عُرف شیخ صفی صاحب صفی پوری رَحْمَۃُ اللّٰہ عَلَیْہِم دیتے چلے آئے۔

اور یہی تو، وہ وجہ ہے، جس سے والدۂ عبدالرحیم بندگی میاں صاحب کو

حضرت شیخ جلال صاحب تاج بخش عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کا خاص طور پر اپنی بیٹی بنانا اسی دُرِ مکنون کے لئے تھا۔ جو "فضلِ رحمٰن" اسم بامسمّٰی ہو کر، چمکنے والا تھا۔" (ص ۴۶۔ "افضالِ رحمانی")

حضرت مخدوم بہاء الدین شیخ محمد، معروف بہ مخدوم، مصباح العاشقین، چشتی (متولد محرمُ الحرام ۸۱۰ء۔ متوفی ۹۳۹ء) کے صاحب زادہ، حافظ عبدالرحیم بندگی میاں کی نسل سے ایک بزرگ، شاہ، اہلُ اللہ میاں، دو صدی بعد پیدا ہوئے۔

جن کے فرزندِ جلیل ہیں: اُوَیسِ زمان، مولانا شاہ فضلِ رحمٰن، گنج مراد آبادی

جو، اپنے عہد و عصر کے مشہور عالم و محدّث اور عارف باللہ ہوئے۔

رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْن۔

حضرت مولانا شاہ، فضلِ رحمٰن کو، عُرفِ عام میں "مولانا بابا" کہا جاتا تھا۔

آپ کی ولادت کے بارے میں، تحریر ہے کہ:

"مولانا بابا کے والد، عارف باللہ، مخدوم شاہ، اہلُ اللہ میاں صاحب

حضرت بقیۃُ السَّلف والخَلف، قطبِ دوراں، مولانا شاہ عبدالرحمٰن صاحب لکھنوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ (تلمیذِ بحرالعلوم، مُلّا، عبدالعلی، فرنگی محلی، لکھنوی) کے مُریدِ خاص تھے۔

اور خود، حضرت شاہ صاحب قبلہ، اہلُ اللہ میاں صاحب کو بے حد عزیز و محبوب رکھتے تھے۔
اور بہت کم، جُدا ہونے دیتے تھے۔
ایک مرتبہ، شاہ اہلُ اللہ میاں صاحب، اپنے مُرشد، شاہ صاحب قبلہ کی پشتِ مبارک
مَل رہے تھے۔ یکا یک، وہ خلِش، جو، فرزند نہ ہونے سے اکثر دامن گیر رہا کرتی تھی
پھر، عود کر آئی۔ کیوں کہ آپ کی دختر صاحبہ، جمعیت بی بی کو پیدا ہوئے
اٹھارہواں (۱۸) سال تھا۔
حضرت شاہ صاحب قبلہ نے، یہ کبیدگی، اَز روئے کشف معلوم کر کے، متبسّم ہو کر فرمایا کہ۔
کیوں؟ میاں اہلُ اللہ! کس فکر میں ہو؟ شاید، خلِشِ اولاد ہے؟"
پھر، خود، حکم دیا کہ:
اچھا، اب تم، اپنے مکان جاؤ۔ تم کو، پروردگارِ عالم، ایک ایسا فرزند عطا فرمائے گا
جو، مثلِ آفتاب، دنیا میں روشن ہوگا۔ جس کا فیض، مغرب سے مشرق تک
ایسا روشن کر دے گا کہ اس کے سامنے، دیگر ستارے، ماند ہوں گے۔ **اُس کا نام "فضلِ رحمٰن" رکھنا۔"**
چنانچہ، شاہ، اہلُ اللہ صاحب اپنے مُرشد سے رخصت ہو کر مکانِ مَسکونہ، واقع سندیلہ
واپس آئے اور یکم ماہِ رمضان ۱۲۰۸ھ، بوقت صبحِ صادق
اس مادرزاد قطبِ ولایت عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ نے قدومِ میمنت لزوم سے عالَم کو فیض بخشا۔
مخدوم، اہلُ اللہ میاں، فَرطِ اِبتہاج میں، اسی ہفتہ
مولانا بابا (شاہ فضلِ رحمٰن) عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کو لے کر لکھنؤ
حضرت شاہ (عبدالرحمٰن موحّد لکھنوی) صاحب قبلہ عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کی خدمت میں پہنچے۔
مخدوم، عبدالرحمٰن صاحب، عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ نے، مولانا بابا کے کانوں میں
بطریقِ مَسنون، اَذان واِقامت کہی اور بے حد دعاؤں کے ساتھ، واپس کیا۔
تیسرے برس کا آغاز تھا کہ مولانا بابا کو لے کر مخدوم اہلُ اللہ صاحب
پھر، مخدوم عبدالرحمٰن صاحب، رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کی خدمت میں گئے
تو، آپ نے بہ کمالِ محبت، رسمِ بسم اللہ، ادا فرمائی۔"
(ص ۵۱۔ "افضالِ رحمانی")
"نامِ نامی" بلا الف ولام کے "فضلِ رحمٰن" صحیح ہے۔ چوں کہ، یہ تاریخی نام ہے۔

اس کے عدد نکالنے سے ۱۲۰۸ھ نکلتا ہے۔" (ص ۵۱۔ "افضالِ رحمانی")

حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمٰن کے استاذ:

حضرت مولانا شاہ نور الحق، فرنگی محلی، لکھنوی، فرزندِ حضرت مولانا شاہ انوار الحق، فرنگی محلی لکھنوی، تلامذۂ بحر العلوم، مولانا عبد العلی، فرنگی محلی، لکھنوی تھے۔

اِسی طرح، سراج الہند، شاہ عبد العزیز، محدِّث دہلوی بھی، آپ کے استاذِ جلیل تھے۔

عُلمائے فرنگی محل، لکھنو کے ذِکر میں، حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمٰن، گنج مراد آبادی ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"ہم نے درسِ نظامی وفقہ واصول وکلام وغیرہ کا تکملہ، بحر العلوم، مولانا محمد نور صاحب فرنگی محلی (قُدِّسَ سِرُّہٗ) سے کیا۔

ان کے والد، مولانا محمد انوار صاحب (قُدِّسَ سِرُّہٗ) فرنگی محلی نے جانے کیا دیکھا کہ:

اپنی مسند پر بٹھالیتے اور اپنی خوشی وشفقت سے

پوری بیضاوی وکامل قدوری، پھر، ہدایہ، مکمل پڑھائیں۔

یہ خدا کی دین دیکھو کہ ہم کو، ان کے مصنفین سے فیض آتا ہے۔" الخ

(ص ۱۱۴۔ "رحمت ونعمت"۔ مؤلفہ مولانا شاہ بھولے میاں جوہر، سجادہ نشین بارگاہِ فضلِ رحمانی گنج مراد آباد، ضلع اُنّاؤ۔ مطبوعہ کان پور)

"مولانا بابا، عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ نے فرمایا کہ:

ہم، جب، پہلی بار ۱۲۲۱ھ میں، حضرت مُرشِد (شاہ محمد آفاق، نقشبندی، مجدِّدی) دہلوی کی خدمت میں مُرید ہونے گئے تو، بعدِ بیعت، خواہشِ تعلیم، بیان کی۔

آپ نے دعائیں دے کر، اجازت بخشی۔

اور دن میں، اپنے وہاں، کھانا کھانے کی ہدایت بھی فرمائی۔

ہم، جب، اوّل روز، حضرت شاہ عبد العزیز، صاحب محدِّث عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ کے پاس درس کو گئے، تو، موصوف نے عام توجہ رکھی۔

بعدِ درس، اس شب کو، تو، ہم بھوکے پڑ رہے۔ مگر، اسی رات، حضرت شاہ صاحب عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ نے، نہ جانے کیا دیکھا کہ:

مجھ کو، صبح ہی بلانے، ایک آدمی بھیجا۔ اور میں، بعدِ مغرب، مُرشد قبلہ سے

اجازت لے کر گیا، تو، شاہ صاحب، قُدِّسَ سِرُّہٗ، بہ کمالِ شفقت، پیش آئے۔

ہدایت کی کہ، آج سے شام کا کھانا، میرے پاس کھایا کرو۔"

اس شب، ہم نے عشا بعد سے تہجد تک پڑھا۔

یہی معمول ہو گیا کہ عشا سے تہجد تک، درس

اور تہجد کو، خدمتِ مُرشد میں آ کر، وضو و کلوخ وغیرہ کا نظم کرنا، دن بھر خدمت میں رہنا۔

کبھی، دن میں بھی، شوق اُکساتا، تو، مُرشد قبلہ کو کشف ہو جاتا۔ بہ شفقت فرماتے:

فکر مندی کا ہے کی؟ فیضِ مصطفوی سے تم، خود پڑھ جاؤ گے۔"

ایک بار، شاہ (عبدالعزیز) صاحب عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ نے فرمایا کہ:

اگر تم، پسند کرو، تو، ہم، اپنے داماد، سید ظہیر الدین شہید (عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ) کو

شریک، تمہارے درس میں، کر لیا کریں۔"

میں نے کہا: اتنا شرمندہ، نہ کیجیے۔ آپ، مختار ہیں۔ جسے چاہیں، شریک کر لیں۔"

مگر، حضرت شاہ صاحب نے سِوا، اپنے داماد کے

کبھی، کسی اور کو شریک، میرے درس میں، نہیں کیا۔

جن کتب کو لوگ، سال اور ڈیڑھ سال میں پڑھتے

بہ توفیقِ الٰہی، ہم، دس پندرہ دن میں پڑھ لیتے۔

بخاری شریف، اٹھارہ پارے، ایک وقت میں پڑھ کر ختم کی

تو، شاہ صاحب عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ نے بہت دعائیں دیں۔

پیر و مرشد کی اس وَہبی شانِ علم و کمال کا اندازہ

مذکورہ واقعہ تعلیم سے آپ، بہ خوبی کر سکتے ہیں۔

حکیم الحکما، محمود خاں صاحب، فضلِ رحمانی، دہلوی نے بیان کیا کہ:

مجھے، حضورِ اعلیٰ سے خبر ملی، تو، پتہ لگاتے، شاہ صاحب عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ کے وہاں گیا۔

سید شاہ مولوی ظہیر الدین صاحب شہید عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ نے

دورانِ تذکرہ، حضرت شاہ صاحب قُدِّسَ سِرُّہٗ سے کہا کہ:

عشا سے تہجد تک کے بجائے، مولانا فضلِ رحمٰن کا کوئی اور درس کا وقت، رکھ دیجیے۔"

تو، شاہ صاحب نے فرمایا کہ:

مولوی فضلِ رحمٰن کو، سب سے علیحدہ پڑھاتے میں، یہ راز ہے کہ:
وہ، توجّہاتِ رسالت سے پڑھتے ہیں۔
ان کو برابر، حضوریِ رسالت، حاصل رہنے کی وجہ سے، میں بھی، یہ پسند کرتا ہوں کہ:
میری راتیں بھی، حضوریِ رسالت میں حدیث وقرآن خوانی کے ساتھ گذریں۔
اسی سعادت یابی کے لئے صرف تم کو، اس درس میں بٹھالیتا ہوں۔
تم، کبھی کبھی، شریک، ہوتے ہو۔ میں، چاہتا ہوں کہ تم، ان سے علم حاصل کرو۔ کیوں کہ:
مولوی فضلِ رحمٰن کو، بہ فیضِ مصطفوی، وہبی علوم، عطا ہو رہے ہیں۔
سب کچھ وہ، آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے پالیتے اور پوچھ لیتے ہیں۔
ورنہ، اِس طرح، نہ کوئی پڑھا سکتا ہے، نہ پڑھ سکتا ہے۔''
اس چیز نے مجھے اور عاشق بنادیا اور حضرت کی جستجو کر کے، مکان لایا۔
مُریدی کی خواہش کی، تو، آپ نے فرمایا: اِس مرتبہ نہیں، دوبارہ آمد پر رکھو۔''
بعض لوگوں سے، یہ بات اور مشہور ہوئی
تو، مولانا بابا عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ گھر، واپس ہوگئے۔ پھر، جب دوبارہ، آپ، دہلی تشریف لائے
تو، میں اور حکیم اللہ دیا صاحب دہلوی، مُرید ہوئے۔''
(قرآن کریم وتفسیر، تین ماہ تک پڑھ پائے تھے کہ) ایک طرف، شاہ صاحب نے
لوگوں سے بہت کچھ کہہ دیا۔ دوسری طرف، مرشد قبلہ، قُدِّسَ سِرُّہٗ نے فرمادیا کہ:
میاں فضلِ رحمٰن! تمہارا کام، تو، کبھی کا انجام پاچکا۔ اب، جا کر، خلق اللہ کو فائدہ پہنچاؤ۔''
تو، ہم، شرما کر، گھر واپس آگئے۔
مگر، ایک عزیز کو، والدۂ ماجدہ کی خبر گیری کو رکھ کر، بلا کسی کو بتائے
گیارہ بارہ یوم میں، چند رشتہ داروں کے ساتھ، دہلی آگئے۔
اور تین ماہ میں دیگر کتبِ تفاسیر، نیز احادیث، جیسے ہر دو موطّا، مُسندِ امام اعظم، دارمی
دار قطنی، معجمِ کبیر وغیرہ، شاہ صاحب قُدِّسَ سِرُّہٗ سے ختم کرلیں۔
دو چار کے سوا، اِس سفر کا کسی کو، پتہ بھی، نہ ہوا کہ کب گئے اور کب پڑھ آئے؟
ہمارا، دوسرا سفر ۱۲۲۲ھ کو، دہلی کا پھر ہوا۔ اس وقت بھی مستدرک وغیرہ کتبِ احادیث
اور فقہِ اکبر وجامعِ صغیر وقسطلانی وغیرہ، ڈیڑھ ماہ میں پڑھیں۔

شاہ صاحب عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ، بہ شفقت کچھ اور دن ہم کو روک کر، اپنی صحبت میں رکھنا
اور اپنے سامنے، درس دِلوانا چاہتے تھے۔ مگر، وہ، جاے ادب تھی۔ ہم، ایسا نہ کر سکتے تھے۔
ادھر، مُرشد قبلہ نے پھر ہم کو، حکمِ واپسی دے دیا۔ ہم کو، گھر آنا پڑا۔"
اصل حقیقت، فرمودۂ حضرت سے، واضح ہے۔
۱۲۲۱ھ کے سفر کو، چوں کہ آپ نے پوشیدہ رکھا تھا
اِس لئے تذکرۂ عام میں، یہ دوسرا سفر، مشہور نہ ہوا۔
جس سے لوگوں کو مکمل تحصیلِ حدیث نہ معلوم ہو سکی۔
پھر، مولانا بابا عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ نے فرمایا کہ:
تیسرا سفر ۱۲۲۵ھ میں دہلی کا ہوا۔ مولوی مرزا حَسَن علی صاحب لکھنوی (محدِّث) کا ساتھ
تیسرے سفر میں، آگرہ کی ایک سرائے سے دہلی تک، ہم سے رہا۔
مرزا صاحب نے جب، ارادہ، اوّل میں کیا تھا اُس وقت، ہمارے پاس، زادِ سفر نہ تھا۔
اِس لئے مرزا صاحب، ہمارے تیسرے سفر سے پہلے، پڑھ آئے۔
حکیم محمود خاںؒ کے وہاں، ہم ٹھہرے تو، مرزا صاحب، جُدا ہو گئے۔
مولوی حسین احمد صاحب ملیح آبادی سے، دہلی میں ہم سے دو ایک ملاقاتیں ہوئیں۔
وہ، مجب پڑھنے گئے، ہم کو، والدہ کی تنہائی سے جانے کا موقع، نہ ہوا۔
نیز، اِس تیسرے سفر میں، مولوی اسحاق صاحب ہم سے بڑے تپاک سے ملے۔
پھر، ہم کو، اپنے گھر لے جا کر اپنے داماد، مولوی شاہ نصیر الدین صاحب قُدِّسَ سِرُّہٗ
اور ان کی اہلیہ (دخترِ کلاں مولوی اسحاق صاحب) کو ہم سے مُرید کرایا۔
اِصرار کیا کہ ہم، ان کے یہاں ٹھہریں۔ مگر، ہم نے معذرت کر لی۔
مولوی نصیر الدین صاحب عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ کثر ہم سے توجہ لیا کرتے۔ بڑی محبت رکھتے رہے۔
لیکن، اِس مرتبہ بھی، مُرشد دہلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے
بارہ تیرہ یوم میں ہم کو، واپسی کا حکم دے دیا۔
چوتھی بار ۱۲۲۹ھ میں، ہم، دہلی گئے۔
اِس بار بھی، بارہ تیرہ روز میں مُرشد دہلوی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ نے ہم کو گھر، واپس کر دیا۔
پانچویں بار ۱۲۳۹ھ میں، دہلی جانا ہو سکا

تو، شاہ (عبدالعزیز) صاحب محدّث دہلوی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ کا وصال ہوئے تین ماہ ہوئے تھے۔
ہم کو، آگرہ سے ایک مرید نے پیٹھے کی مٹھائی دی تھی۔
وہی لیے ہوئے ہم نے شاہ (عبدالعزیز) صاحب کے مزار پر فاتحہ کی۔
اور، ان کے گھر والوں کو پیش کر دی۔
مولوی محمد اسحاق صاحب (عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ) نے ہم سے، دَورۂ حدیث کی خواہش کی
تو، ہم نے اپنے استاد، شاہ صاحب کی روحانی خوشی کے لئے بخاری و مسلم کا باہم دَورہ
کہ کبھی، وہ سنتے، ہم پڑھتے۔ کبھی، وہ پڑھتے، ہم سنتے۔ بیس (۲۰) یوم میں کیا۔
اتنے میں، مُرشد دہلوی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ نے ہم کو پھر، واپس مکان بھیج دیا۔
اس کے بعد، بس، دو بار اور حیاتِ مُرشد عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ میں دہلی گئے۔
مگر، ہفتہ سے زائد، مُرشد قبلہ نے ٹھہرنے، نہ دیا۔"
اِس باہمی دورۂ حدیث کو، چوں کہ ایک دوسرے سے سن کر نقل کیا گیا
اِس لئے کوائف مُرتب کنندہ، ایک ہی طور پر نقل کرتے چلے آئے
اور درس کے اشتباہ ہی معنی سمجھ بیٹھے۔ جس کو تفصیل فرمودۂ حضرت مولانا بابا، غلط ٹھہراتی ہے۔"
(ص ۱۱۵ تا ص ۱۱۸۔ "رحمت و نعمت")

اِرادت و اجازت و خلافت آپ کو حضرت شاہ محمد آفاق، نقشبندی، مجدِّدی، دہلوی سے
حاصل تھی۔ چنانچہ، آپ کی تعلیم و تربیت اور شوقِ ریاضت کے بارے میں
مؤلفِ "انفاسِ رحمانی"، رقم طراز ہیں کہ:
"مولانا بابا عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ کی ابتدائی تعلیم، کچھ سندیلہ اور کچھ ملاواں میں ہوئی۔
مگر، شرح مُلّا جامی، کافیہ، یعنی نحو و صَرف اور کلام و فقہ وغیرہ کی تکمیل، مولانا نور صاحب
ولد مولانا انوار صاحب لکھنوی، رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِمَا سے ہوئی۔
موصوف نے پہلی ہی نظر میں بھانپ کر، بہ کمالِ محبت، درسیات کرا کر
تعلیمِ حدیث شریف کے لئے دہلی جانے کی ہدایت فرمائی۔
عام طلبہ کا جتنا درس، پندرہ بیس یوم میں ہوتا، آپ، ایک وقت میں ختم کرتے۔
.........مولانا بابا عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ کا تکملۂ حدیث، استاذُ الاساتذہ، حضرت مولانا شاہ
عبدالعزیز صاحب، محدّث دہلوی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ سے ہوا۔

استاذِ بلند نظر نے، نگاہِ اوّلیں میں "مِی تافت ستارہ بلندی" کو، پرکھا
اور انتہائے محبت سے درسِ حدیث، شروع کردیا۔ ابھی، کچھ ماہ ہی گذرے تھے کہ:
مولانا باباعَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کو اپنی والدہ ماجدہ کی تنہائی کی وجہ سے واپس، ملاواں ہونا پڑا۔
دوبارہ، جب آپ پھر دہلی تشریف لے گئے تو، مکمل تکملہ حدیث ہوگیا۔
گو، شاہ صاحب قبلہ عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ آپ کو کچھ ماہ، روک کر خود آپ سے درسِ حدیث دِلوانا
چاہتے تھے، مگر، اوّلاً آپ کی والدہ کی تنہائی، دوسرے حُسنِ حقیقی کی جستجو، اور ہی چیز کی مقتضی تھی۔
اِس لئے بارہ تیرہ برس کی عمر میں ان علوم سے فراغت فرمالی۔
مولوی حیدر علی شاہ صاحب عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ، حضرت مُرشد محبوبِ حبیبُ الخلّاق، خواجہ شاہ
محمد آفاق صاحب عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کے خلیفہ، ملاواں میں رہا کرتے تھے۔

ایک روز، مولانا باباعَلَیْہِ الرَّحْمَۃ نے تین چار برس کی عمر میں
خلیفہ موصوف سے دریافت فرمایا کہ:
یہ آپ، گردن کیوں جھکا لیا کرتے ہیں؟
انھوں نے کہا کہ: بیٹا! ذکرِ اِلٰہی کرتا ہوں۔"
مولانا بابا نے فرمایا کہ:
ہمارا بھی، جی چاہتا ہے۔ ہم کو بھی سکھادو۔"
خلیفہ صاحب نے آپ کا کمالِ ذوق، اِس بچپن میں دیکھ کر، سینے سے لگالیا اور فرمایا کہ:
تم، روز آیا کرو۔ ہم، بتادیا کریں گے۔"
چنانچہ، ذِکرِ نفی و اِثبات و پاسِ اَنفاس و طریقِ مُراقبہ، بتاکر توجُّہ میں بٹھانا شروع کیا
تو، چند ماہ ہی میں، شاہ حیدر علی صاحب کے اِحاطہ قوت سے آپ کی روحانی قوت، باہر ہوگئی۔
اور میاں حیدر علی شاہ نے، دہلی، حضرت مُرشد عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کی خدمت میں جانے کی
ہدایت فرمائی۔" (ص ۵۲۔ "افضالِ رحمانی")

حضرت شاہ عبد العزیز، محدِّث دہلوی کی درس گاہ میں
آپ کے تحصیلِ علم حدیث کی کیفیت، یہ تھی کہ:
"ایک بار، مولانا باباعَلَیْہِ الرَّحْمَۃ نے اپنے دورِ طالب علمی کا تذکرہ فرمایا کہ:
ہمارے استاذ، مولانا شاہ عبد العزیز صاحب عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ

مجھ سے بے حد پیار وقدر ومنزلت فرماتے۔ اور جب درس، میرے قیامِ دہلی میں فرماتے

تو، جب تک، بآوازِ بلند، دریافت، نہ فرمالیتے کہ

مولوی فضلِ رحمٰن آگئے؟

اور میں خود نہ بولتا، اُس وقت تک، شروع ہی نہ فرماتے۔

فرمایا کہ: دَورانِ درس، اکثر، مجھے، تنہا درس دیتے۔

اور بیچ بیچ میں مجھ سے پوچھتے جاتے کہ:

تم، اس کا مطلب سمجھ گئے؟ جب تک، مَیں، ہاں! نہ کرتا، آگے نہ بڑھتے۔

اور اگر، مجھے کبھی، دیر ہو جاتی، تو، حضرت شاہ صاحب

جب تک، مَیں، نہ آجاتا، انتظار فرمایا کرتے۔

مولانا بابا نے فرمایا کہ:

جو کتابیں، لوگ، دو دو برس میں پڑھتے

ہم، بِفَضْلِهٖ تَعَالٰی، پندرہ دن میں ختم کرتے۔

پندرہ روز میں ہم نے بخاری شریف، ختم کی۔

بجز میرے، مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب

کسی اور کو میرے ساتھ، درس میں شریک نہ کرتے۔

البتہ، کبھی اپنے داماد، سید ظہیر الدین شہید عَلَیْهِ الرَّحْمَة کو بٹھا لیتے۔"

(ص ۵۵۔ "افضالِ رحمانی")

عُلمائے فرنگی محل لکھنؤ سے تحصیلِ علم کے حالات، بیان کرتے ہوئے

آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

"..........جب ہم لکھنؤ میں شرحِ جامی وغیرہ پڑھتے

تو، اس طرح، نہ پڑھتے جیسے لوگ آج کل پڑھتے ہیں، بلکہ دو جز پڑھتے۔

جُز سے کم تو کبھی پڑھا نہیں۔ ہم کو، ان مصنفین کتب سے فیض آتا تھا۔

ایسے ہی ہدایہ، شرحِ وقایہ وغیرہ بھی پڑھنے بیٹھتے

تو، اِس طرح کہ بعدِ عشا بیٹھے تو تہجد تک پڑھا۔ اور بعد اِشراق بیٹھے تو ظہر تک پڑھا۔

خدا کی شان کہ بڑے بڑے لوگ، جیسے مولانا انوار صاحب، ہم کو، اپنی مَسند پر بیٹھاتے۔"

(ص ۵٦۔ ''افضالِ رحمانی'')

دہلی میں تحصیلِ علم کے اَحوال میں مؤلِّف ''افضالِ رحمانی'' لکھتے ہیں کہ:

''بعض لوگوں نے مولانا بابا عَلَيْهِ الرَّحْمَةُ کا درسِ حدیث، مولانا شاہ اسحٰق صاحب سے پڑھنا، تحریر کیا ہے۔ یہ غلط ہے۔ کیوں کہ:

جو، دَورِ طالب علمی، مولانا بابا عَلَيْهِ الرَّحْمَةُ کا تھا، وہی مولوی محمد اسحٰق صاحب کا تھا۔

چوں کہ، مولانا بابا، جُملہ سات (۷) مرتبہ، دہلی آئے گئے۔ اور آپ کو حدیث شریف سے عشق تھا۔ پس، مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے وصال (۱۲۳۹ھ) کے بعد

مولانا بابا اور مولوی محمد اسحٰق صاحب نے آپس میں، دَورہ کیا کہ:

کبھی، وہ قاری، یہ سامع۔ کبھی، یہ سامع، وہ قاری۔

ہاں! مولانا شاہ احمد سعید صاحب۔ مجدِّدی اُس وقت، مولوی محمد اسحٰق صاحب سے درس لیتے اور شریکِ دَورہ بھی ہوئے۔''(ص ۵٦۔ ''افضالِ رحمانی'')

''مولانا بابا عَلَيْهِ الرَّحْمَةُ کے روئے مبارک پر حدیث پڑھتے وقت

نورِ حدیث، درخشاں رہتا۔ چنانچہ، خود، آپ نے بیان فرمایا کہ:

جب میں، حدیث پڑھ کر حضرت مُرشد عَلَيْهِ الرَّحْمَة کی خدمت میں جاتا

تو، حضرت مُرشد فرماتے کہ:

اللہ اللہ! یہ نورِ حدیث۔''(ص ۵۷۔ ''افضالِ رحمانی'')

کتاب ''افضالِ رحمانی'' کے نویں باب ''بعنوان 'نقّادانِ فن کی عقیدت کیشی'' میں متعدد مشاہیر کے تأثرات وملاقات کا اِجمالی ذکر ہے۔ اسی میں ایک روایت، یہ بھی ہے کہ:

''مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی، بہ غرضِ ملاقاتِ حضرت قدسی صفات، مولانا بابا عَلَيْهِ الرَّحْمَةُ، گنج مرادآباد، ماہِ رمضان میں آئے۔

اور ایک جگہ ٹھہر کر، خدمتِ اقدس میں اطلاع کرائی کہ: ایک شخص، بریلی سے ملنے آیا ہوا ہے۔''

مولانا بابا عَلَيْهِ الرَّحْمَةُ نے فرمایا کہ:

یہاں، فقیر کے پاس کیا دَھرا ہے؟ ان کے والد، عالم۔ دادا، عالم۔ وہ خود عالم۔

پھر، بہ کمالِ لطف فرمایا کہ: بلالاؤ۔''

بہ وقتِ ملاقات، حضرت بریلوی نے میلاد شریف کی بابت، اِستفسار فرمایا

تو، مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ:

پہلے، تم بتاؤ۔ خود بھی تو، عالم ہو؟

انھوں نے عرض کیا کہ: مَیں، میلاد کو مستحب جانتا ہوں۔"

اس پر، مولانا بابا نے فرمایا کہ:

میں، سُنّت جانتا ہوں۔ کیوں کہ صحابۂ کرام، جو، جہاد میں تشریف لے جاتے تھے۔

گھروں میں اپنے اہل و عیال سے کیا کہا کرتے تھے؟

یہی نا کہ، مکّہ معظّمہ میں نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پیدا ہوئے۔

اللہ تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ نے اُن پر قرآن اُتارا۔

انھوں نے یہ معجزے دکھائے۔ اللہ نے ان کو یہ فضائل، عطا فرمائے۔

مجلسِ میلاد میں بھی، یہی، بیان ہوتا ہے، جو، صحابہ اپنے مجمع میں کہا کرتے۔

فرق، اتنا ہے کہ:

تم، اپنی مجلس میں، لڈو بانٹتے ہو، صحابہ، اپنی مجلس میں، مُوڑ (سر) بانٹتے تھے۔

حضرت بریلوی نے عرض کیا کہ: کچھ نصیحت فرمایئے۔

ارشاد فرمایا کہ: تکفیر میں، جلدی، نہ کیا کرو۔"

انھوں نے دل میں سوچا کہ:

میں، تو، ان کو کافر کہتا ہوں، جو، حضور پُر نور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی

شان میں گستاخی کرتے ہیں.........

مولانا بابا کو، کشف ہوا۔ فرمایا کہ:

ہاں، ہاں! جو، ادنیٰ حرفِ گستاخی، شانِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میں بکے

بلا شُبہ، کافر ہے۔"

بعد ازاں، اپنی کلاہِ مبارک، حضرت بریلوی کو عنایت فرما کر

ان کی ٹوپی، خود لے لی۔

(طریقۂ صوفیہ میں تبدیلِ لباس بھی، فیض رسانی کا ایک طریقہ ہے)

پس، ۲۹ رمضان مبارک ۱۲۹۲ھ کو، رخصتِ واپسی بخشی۔" (ص ۹۵۔ "افضالِ رحمانی")

حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمٰن کا ایک اِعزاز و اِمتیاز

مولوی حبیب اللہ، ٹانڈوی، مہاجرِ مدنی، بیان کرتے ہیں کہ:

"میری عمر کے چودہ پندرہ سال تو، ایسے گذرے کہ:

ہر ماہ کا زائد حصہ، آستانہ پر گذرا کیا ہے۔ بے حد کشف و کرامات، آنکھوں سے دیکھے ہوئے ہوں۔

ازاں جُملہ، یہ بھی ہے کہ میں نے دیکھا کہ:

دربارِ رسالت صَلَّی اللّٰہُ عَلیہِ وَسَلَّم میں، پیرومُرشد، غوثِ زماں، حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمٰن صاحب عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ نظر نہیں آئے۔ تو، بڑا املال گذرا۔

اِس اثنا میں، بہ کمالِ شفقت، رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دریافت فرمایا کہ:

کیوں، ملول ہو؟

عرض کیا کہ: پیرومُرشد، کیا، یہاں، نہیں ہیں؟

تو، آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

یہ تو، دربارِ عام ہے۔ یہاں، وہ، کہاں؟

پھر، پردۂ حجاب اٹھا تو، پیرومُرشد، حریمِ خاص میں تھے۔

کئی روز مجھ پر، وجدانی کیف، طاری رہا۔" (ص ۹۶۔ "افضالِ رحمانی")

ایک بشارتِ مجدّدی، یہ ہے کہ:

"ایک بار، مولانا بابا نے فرمایا کہ:

میں نے حضرت مجدّدِ الفِ ثانی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ کو دیکھا کہ فرماتے ہیں:

ہزاروں آدمی، تمہارے سبب سے بخشے جائیں گے۔"

ایک مجلس میں امامِ اعظم ابوحنیفہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کا ذکر آیا

تو، "مولانا بابا نے فرمایا کہ:

حضرت امامِ اعظم کا بڑا رتبہ ہے۔ اور ہم کو تو، بچپن سے امامِ اعظم سے محبت ہے۔

ایک مرتبہ، ایک شخص نے ہماری دعوت کی۔ اور لوگ بھی تھے۔

کسی نے ہم سے کہا:

یہاں، چند لوگ ایسے بھی ہیں، جو، امامِ اعظم سے محبت نہیں رکھتے۔

پھر تو، ہم سے صبر نہ ہو سکا۔ ہم نے وہاں، امامِ اعظم کی بہت کچھ فضیلت، بیان کی۔

اور غصہ میں ایسے لوگوں کو بھی بہت کچھ کہا۔

وہاں سے آکر ہم نے خواب دیکھا کہ:
ایک شخص کہتا ہے: امام اعظم بیٹھے ہوئے ہیں۔
ہم نے کہا: چلو ہم بھی چلیں گے۔ میں، جو، وہاں گیا تو، دیکھا کہ:
سُبْحٰنَ اللّٰہ! کیا، چہرۂ تاباں ہے۔
پھر، سلام کیا تو، انھوں نے جواب دیا۔ اور مجھے اپنے پاس، مسند پر بٹھالیا۔
گو، میں نے ہر چند عذر کیا، مگر، قبول نہ ہوا۔
پھر، امام شافعی کو بھی دیکھا کہ ان کے سامنے کھڑے ہیں۔
پھر، ان کو بٹھایا۔
اور مجھ سے علمی مسائل کی باتیں کرتے رہے۔
میں نے اجازت چاہی تو، اور بیٹھنے کے لئے کہا۔
تھوڑے توقّف کے بعد میں رخصت ہوا تو، بہ کمال محبت، رخصت کیا۔
میں نے پلٹ کر دیکھا تو، امام شافعی، مجھے پہنچانے تشریف لارہے تھے۔
میں نے عرض کیا کہ: آپ، اتنے بڑے امام ہو کر، یہ کیا غضب کر رہے ہیں؟
مگر، موصوف، نہ مانے اور بہت دور تک پہنچانے آئے۔ پھر، آنکھ کھل گئی۔
ارشاد فرمایا کہ:
اگرچہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد، ان سب کے بڑے رتبے ہیں
لیکن، یہ امام صاحب کو، نہیں پہنچتے۔
حضرت امام جعفر صادق رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی صحبت، جو، امام صاحب کو حاصل ہے
اس کی فضیلت، کہاں جائے گی۔" (ص ۹۷۔ "افضال رحمانی")
آپ کی کرامتوں میں سے ایک کرامت، یہ ہے کہ:
"عبداللہ شاہ صاحب رحمانی، مولانا بابا کی خدمت میں آرہے تھے۔
اَثنائے راہ میں، ایک ندی پڑی۔ انھوں نے، یہ خیال کیا کہ: گھوڑی نکل تو جائے گی۔
ندی میں گھوڑی، ڈال دی۔ چنانچہ، گھوڑی، دلدل میں پھنس گئی۔ اور دھنسنے لگی۔
عبداللہ شاہ نے فوراً ہی، مولانا بابا کو یاد کیا۔
چنانچہ، مولانا بابا نے مدد فرمائی۔ اور گھوڑی، دلدل سے نکل گئی۔

جب، گنج مراد آباد، عبداللہ شاہ، فائزِ خدمت ہوئے
تو، مولانا بابا، ایک چادر، اوڑھے ہوئے بیٹھے تھے۔
عبداللہ شاہ کو دیکھ کر فرمایا: لوگ، ہم کو، بلاوجہ، تکلیف دیا کرتے ہیں۔
اور اپنی پشتِ مبارک، کھول کر دکھائی
تو، گھوڑی کے چاروں سُم کا نشان مع کیچڑ کے، آپ کی پشتِ اطہر پر تھا۔
عبداللہ شاہ، آخر میں فیضِ صحبت سے مَردِ کامل ہوئے۔"
ایسی ہی ایک اور روایت، عبدالغنی صاحب پنشنر جج نے بیان کی۔
واقعہ بعینہٖ یہی ہوا۔ نام کا فرق ہے۔" (ص ۹۸۔ "افضالِ رحمانی")
حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمٰن کی بے شمار کرامات میں سے چند کرامتیں، یہ بھی ہیں کہ
"مولانا بابا نے فرمایا کہ ایک شخص، روم سے میرے پاس آئے
اور جِنّات کے ستانے کی شکایت کی۔
ہم نے ان سے کہا کہ: تم، اس جِنّات سے ہمارا سلام کہنا۔
چنانچہ، رومی نے ایسا ہی کیا، تو، وہ، چلا گیا۔" (ص ۹۹۔ "افضالِ رحمانی")
"مولانا بابا صاحب، ایک مقام پر پہنچے
اور کنواں دیکھ کر پانی طلب فرمایا، تو، ساکنانِ قصبہ نے کہا کہ:
حضرت! یہ کنواں تو، نہ جانے کب سے، اندھا پڑا ہے۔"
آپ نے کہا کہ: تم بِسْمِ اللّٰہ پڑھ کر، اس میں سے، ڈول بھرو۔
لوگوں نے جب، ڈول باہر نکالا تو، وہ، شفاف پانی سے لبریز تھا۔"
"مولانا بابا نے فرمایا کہ:
ایک مرتبہ، ہم، سفر میں تھے۔ اور ایک خادم بھی، ساتھ تھا کہ:
ایک دریا پڑا تو، بغیر کشتی، ہم، مع خادم کے، پار اُتر گئے۔ اور دامن بھی کسی کا، تَر نہ ہوا۔"
"قاری عبدالرحمٰن صاحب جو، حیدر آباد چلے گئے تھے، ناقل ہیں کہ:
ایک مرتبہ، میرے ہاتھ پاؤں، ایسے رہ گئے کہ نقل و حرکت بالکل، ناممکن ہو گئی۔
چنانچہ، حاضرِ آستانہ ہو کر عرضِ حال بھی، نہ کر پائے تھے کہ:
مولانا بابا نے دیکھتے ہی، ارشاد فرمایا کہ:

میاں! تم تو، اچھے خاصے ہو۔"

معاً، قاری صاحب ایسے اُٹھ کھڑے ہوئے جیسے کچھ مرض ہی، نہ ہو۔"

(ص ۹۹۔ "افضالِ رحمانی")

مخدوم مصباح العاشقین، چشتی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ کی ایک کرامت کا ذکر، اِس طرح ہے کہ:

"ایک جلسہ میں، مولانا بابا نے فرمایا کہ:

ہمارے جَدِّ اَمجد، مخدوم صاحب، گو، چشتی تھے۔ مگر، خِلافِ شرع، سماع وغیرہ، نہ سنتے تھے۔"

پھر، مخدوم صاحب کی، یہ کرامت بیان کی کہ:

ایک دن، مخدوم صاحب، دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ:

دُور سے ہندوؤں کی بارات، گاتی بجاتی آنکلی۔ مخدوم صاحب کے خلیفہ، شاہ وجیہ الدین

صاحب نے ان لوگوں کو منع کیا کہ حضرت، چوں کہ دروازے پر تشریف فرما ہیں

اس لئے خاموشی وادب سے گذر جائیں۔

لیکن، بَراتی، نہ مانے تو، مخدوم صاحب عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ نے پلک اٹھا کر

ان لوگوں کی طرف دیکھا، تو، سب کے سب آکر مسلمان ہوئے اور مرید بھی ہو گئے۔"

پھر، ارشاد فرمایا کہ: سب کی حقیقی بارات ہو گئی۔" (ص ۱۰۱۔ "افضالِ رحمانی")

اس پر، دادا میاں عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ نے فرمایا کہ:

ایک مرتبہ، مکان کے لئے ایک شہتیر آیا، تو، اتفاق سے وہ، چھوٹا پڑا۔

مخدوم صاحب نے فرمایا کہ:

تم، درخت پر، تو، بڑھتے ہو۔ یہاں پر بھی، بڑھ جاؤ۔"

اب، جو شہتیر رکھا گیا تو، بالکل ٹھیک تھا۔ مولانا بابا نے اس کی تصدیق فرمائی۔

مولانا بابا نے فرمایا کہ:

حضرت مخدوم مصباح العاشقین صاحب عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ کا سلسلۂ چشتیہ

حضرت خواجہ گیسو دراز، خلیفۂ حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ سے ہے۔"

(ص ۱۰۱۔ و ص ۱۰۲۔ "افضالِ رحمانی")

"ایک بار، مولانا بابا نے فرمایا کہ:

بنارس کے قریب، ایک پہاڑ، چنار گڈھ ہے۔ وہاں کے لوگ بھی، ہمارے مُرید ہوئے۔

وجہ اعتقاد، یہ تھی کہ، وہاں، بیچ میں پانی، بہت گہرا پڑتا تھا۔
اس طرف جانے میں دور سے گھوم کر جانا ہوتا۔
غرض کہ ہم، اسی جگہ سے اُتر کر، دوسری طرف گئے۔
خدا کی شان کہ اُس وقت سے وہاں، پانی، پایاب رہ گیا۔
وہاں، عرس میں ناچ ہوتا تھا۔ ہم نے ان لوگوں کو، اس سے منع کیا کہ:
بس، قرآن خوانی اور تقسیمِ طعام کیا کرو۔" (ص ۱۰۲ و ص ۱۰۳۔ "انفاسِ رحمانی")

آپ کی بے شمار کرامات اور اوصاف وکمالات واِتّباعِ سُنّت وشریعت اور مرجعیت ومقبولیت کا ذکر کرتے ہوئے حکیم عبدالحیٔ، رائے بریلوی (متوفی ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء) لکھتے ہیں:

...........ثُمَّ لَمَّا کَبُرَ سِنُّہٗ تَرَکَ السَّفرَ وَاعْتَزَلَ بِمُراد آباد۔

فَتَھافَتَ عَلَیہِ النَّاسُ تہافتَ الظَّمآن عَلَی الْمَاء۔ وتَواتَرَتْ عَلَیہِ التُّحَف وَالْھَدایا۔ وَخضعَ لَہُ الْوُجہاءُ سَراۃُ النّاس، یاْتُونَ اِلیہِ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عمیقٍ وَ مَرمیٰ سحیقٍ۔ حتیٰ صارَ عَلَماً مُفرداً فِی الدّیارِ الْھِندیۃ۔

وَرُزِقَ مِن حُسنِ القبول مالَمْ یُرزَق اَحدٌمِنَ الْمَشَائخِ فی عصرِہٖ۔

وَکَانَ اَکبرَمَنْ رَأَیتُ واَعلَمَھُم بِھَدْیِ النَّبی صلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وسلَّم۔ لایتجاوزُ مِنہُ فی اَمرِمِنَ الْاُمورِمع العَفافِ والْقَناعۃِ۔ وَالاستغناءِ وَالسَّخاوَۃِ وَالْکرمِ وَالزُّھدِ، لایَدَّخِرُمالاً، وَلایخافُ عوزاً

تَحْصل لہُ الْاُلوف مِنَ النُّقود فَیُفرِّقُھا عَلَی النَّاسِ فِی ذالک الیوم۔

حَتّٰی کانَ لایبیتُ لیلۃً فی بیتہٖ دِرھمٌ اَودِیْنارٌ۔

وَکَانَ لایُحْسِنُ الْمَلبس وَالْمَاکل۔ وَلایلبس لُبُس الْمُتفقِّھۃِ مِنَ الْعِمَامۃِ وَالطَّیلسان فَضلاً مِنْ تکبیرِالْعِمَامۃِ وَتطویلِ الْاَکمام۔

وَلایَھابُ اَحداًفی قَولِ الْحَقِ وَکَلمۃِ الصِّدقِ وَلَوْکَانَ جَبَّاراً عَنِیداً۔

فَدانتھتْ اِلیہِ الْاِمَامۃُ فی الْعِلْمِ وَالْعَملِ،وَالزُّھدِ وَالْوَرعِ، وَالشُّجاعۃِ وَالْکَرم، وَالْجلالۃ وَالْمھابۃ، وَالْاَمرِ بِالمعروفِ وَالنَّھْیِ عَنِ الْمُنْکرِ، مع حُسنِ الْقَصدِ وَالْاِخلاصِ وَالْاِبْتِھالِ اِلَی اللّٰہِ تعالیٰ، ودَوَامِ الْمُراقبۃِ وَالدُّعاءِ اِلَیہِ وَحُسنِ الْاَخلاقِ وَنَفعِ الْخلق وَالْاِحسانِ اِلَیْھِم۔

فَاِنْ حَلَفْتُ بینَ الرُّکنِ وَالْمقامِ اَنّی مارَأیتُ فِی الْعَالَمِ اَکرمَ مِنهُ وَلااَفْزعَ مِنهُ عنِ الدِّیْنَارِ وَالدِّرهمِ وَلااَطوعَ مِنهُ لِلکتابِ وَالسُّنَّة ، مَاحَنَثْتُ۔

وَاِنّی مَارَأیتُ اَعلمَ بکتابِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهٖ صلّی اللّٰهُ علَیْهِ وَسَلَّم مِنهُ ۔ اِلٰی آخِرِهٖ۔ (ص ۳۶۲ ۔نُزْهَةُ الْخَوَاطِر، جلدِ ثامن۔ مکتبہ خیرِ کثیر۔کراچی)

ذیل میں، اُن چند مسائل کا اِجمالی ذکر ہے، جنھیں، حضرت شاہ فضلِ رحمٰن، گنج مرادآبادی نے مختلف مواقع پر، بیان فرمائے ہیں:

............مولانا بابا (شاہ فضل رحمٰن، گنج مرادآبادی) نے ارشاد فرمایا کہ:

حضرت مجدِّد صاحب، حضرت مودود چشتی، حضرت نقشبند

یہ سب، ایک ہیں۔ اور ہمارے پیر ہیں۔

اگر چہ، لوگوں نے نقش بند کی وجہ، بہت سی لکھی ہے، مگر، صحیح یہ ہے کہ:

حضرت بہاء الدین نقشبند عَلَیْهِ الرَّحْمَةُ مٹی کے برتن، بنایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ، آپ نے ان برتنوں پر، توجُّہ فرمائی

تو، ان سب پر، اسمِ ذات جناب باری تعالیٰ (اَللّٰه) منقوش ہو گیا۔

پھر فرمایا کہ: جب، حضرت نقشبند عَلَیْهِ الرَّحْمَةُ، حضرت محبوبِ سُبحانی، شیخ عبدالقادر جیلانی، رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ سے ملنے چلے، تو، آپ کا وصال ہو چکا تھا۔

حضرت نقشبند نے آپ کی قبر پر، حاضر ہو کر کہا کہ:

اے دست گیرِ عالَم، دستم چناں بگیر
دستم چناں بگیر کہ، گویند، دست گیر

قبر سے جواب آیا کہ:

اے نقشبندِ عالَم، نقشم چناں بگیر
نقشم چناں بگیر کہ، گویند، دست گیر

(ص ۱۰۴۔ ''افضالِ رحمانی'')

''ایک شخص نے عرض کیا کہ: بعض لوگ، امام اعظم کو، بُرا سمجھتے ہیں۔

تو، مولانا بابا نے فرمایا کہ:

ان کے پیچھے، ہرگز، نماز نہ پڑھنا۔''

اسی پر، دادا میاں نے فرمایا کہ:
بعض لوگ، نعتیہ اشعار پڑھنے کو، منع کرتے ہیں۔
تو، مولانا بابا، جلال سے کانپ اٹھے۔ اور فرمایا کہ:
ایسے لوگوں کا ذکر، مت کرو۔" (ص ۱۰۴۔ "افضالِ رحمانی")
"ایک بار، جوازِ مولود شریف کا ذکر ہوا، تو، مولانا بابا نے فرمایا کہ:
تمام قرآن میں پیدائشِ انبیا کا ذکر ہے۔ بس، یہی مولود شریف ہے۔"
اِسی ضمن میں ایک بار، ارشاد فرمایا کہ:
ہم تو، روز، مولود شریف کرتے ہیں۔
حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ، جُملہ اَنبیا اور حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا، بہ وقت ترجمۂ قرآن شریف و حدیث شریف۔
یہ مذکور ہی، تو، مولود شریف ہے۔
مقصد، یہ ہوا کہ، بیانِ پیدائش و عظمت و مُعجزات، یہی مولود شریف ہے۔"
(ص ۱۰۵۔ "افضالِ رحمانی")
"اس ذکر پر کہ بعض لوگ، جھوٹی روایتیں، مبالغہ کے اشعار، بلا لحاظِ ادب پڑھتے ہیں۔
تو، مولانا بابا نے فرمایا کہ:
یہ نیکی برباد، گنہ لازم ہے۔ صحیح روایات، باوضو، باادب ہو۔
اگر، کوئی محبت سے قیام کرے، تو منع نہ کرو۔"
ایک بار، دو شخصوں میں حجت ٹھہری۔ ایک جواز کے قائل۔ ایک عدمِ جواز کے۔
تو، مولانا بابا کو، یہ تشدد، ناگوار گذرا۔ اور فرمایا کہ:
میں، حشر کے روز، خداوندِ عالَم سے عرض کروں گا کہ:
اِلٰہی! اِن لوگوں نے تیرے حبیب کا ذکر، محبت سے کیا ہے۔ اِن کو بخش دے۔"
"حضرت قبلہ مولانا بابا، کان پور میں تشریف فرما ہوئے۔
مولوی محمد علی، مونگیری بھی، حاضرِ خدمت ہوئے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ:
یہاں، نہر پار، ایک مولوی، یہ کہتے ہیں کہ:
حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، ہمارے بڑے بھائی ہیں۔"

یہ سنتے ہی، مولانا بابا، کانپ اٹھے اور فرمایا کہ:
ایسے لوگوں کا ہمارے سامنے ذکر، مت کرو۔
نَعُوذُ بِاللّٰہ، یہ لوگ، مسلمان نہیں ہو سکتے۔"
پھر، فرمایا:

نسبتِ خود، بہ سگت کردم وبس منفعلم
زاں کہ نسبت بہ سگِ کوے تو شد بے ادبی

سُبْحٰنَ اللّٰہ! کیا بات فرمائی ہے کہ:
حضور اکرم صلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وسلّم کے کتّے کی برابری کا خیال بھی، بے ادبی ہے۔
"ایک صاحب نے فاتحہ کی بابت، دریافت کیا۔
مولانا بابا نے فرمایا کہ: آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے قربانی فرمائی۔
اور فرمایا کہ:
یہ میری طرف سے تمام اُمّت کے لئے ہے۔" بس، یہی فاتحہ ہے۔"
"مولوی یوسف علی، بھوپالی نے ایصالِ ثواب کے لئے، بتاشے منگوائے۔
تو، مولانا بابا نے، دستِ مبارک اٹھا کر پڑھا۔ اور فرمایا کہ:
اِس کا ثواب، ہمارے نانا، شیخ عبدالقادر، جیلانی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کو پہنچے۔"
اور خود کھا کر، حکمِ تقسیم دیا۔
"مولوی محمد علی صاحب، مونگیری سے مخاطب ہو کر حضرت مولانا بابا نے فرمایا کہ:
مولود کیا ہے؟ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنا
یہ بھی مولود ہے کہ مُخبِرِ صادق صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رسالت کا ذکر ہوا۔
ایسے ذکرِ رسالت ومدائح کا عُرف عام ہی، مولود ہے۔
سلام ہو، یا قیام، یا ذکرِ رسالت، ادب ومحبت سے، باعثِ خوشنودیِ ربُّ العزّت ہے۔
جو اہلِ محبت ہیں، اُن کو ہی، خدائے قدوس نے اس کی توفیق بخشی ہے۔"
(ص ۱۰۵۔ "افضال رحمانی")

ایک بار، دادا میاں (مولانا احمد میاں، فرزندِ شاہ فضلِ رحمٰن، گنج مرادآبادی، عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ) نے عرض کیا کہ:

بعض لوگ، میلاد شریف کو کفر و شرک کہتے ہیں۔
تو، مولانا بابا غصہ سے کانپنے لگے۔ پھر، فرمایا کہ:
اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ ۔لو! ہم تو، روز، مولود میں شریک ہوا کرتے ہیں۔"
سمجھا، آپ نے؟ یعنی نماز میں کہنا، شرک نہیں
تو، خارج از نماز میں، کیسے شرک ہے؟ (ص ۱۰۵ و ص ۱۰۶۔ "افضال رحمانی")
"ایک شخص نے سوال کیا کہ:
مشکل، یا۔ حاجت کے وقت، یَارَسُوْلَ اللّٰہ کہنا، کیسا ہے؟
مولانا بابا نے ارشاد فرمایا:
ایک نابینا، حضور سراپا نور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا
اور بینائی چاہی، تو، آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے
یَامحمَّد اِنِّی اَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ ۔الخ۔ یہ طریقہ، اُسے تعلیم فرمایا۔
درسِ حدیث میں اِسْتِسْقَاء بِعَمِّ النَّبِی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی
حدیث آئی تو، مولانا بابا نے فرمایا کہ:
اِسی واسطے، اِلٰہی بحرمتِ فلاں کہنا، درست ہے۔" (۱۰۶۔ "افضالِ رحمانی")
"درسِ قرآن میں ۔وَبَقِیَّۃٌ مِّمَّا تَرَکَ آلُ مُوسٰی وَآلُ ھٰرُوْنَ کی تفسیر میں
مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ:
یہ تبرکات، عصا، عمامہ، جوتہ تھے۔"
پھر، جلالین دیکھنے کا حکم دیا تو، اس میں یہی، مسطور تھا۔
پھر، فرمایا کہ: اِس آیت ثابت سے ہوا کہ: بزرگوں کا جوتہ وغیرہ، تبرک ہے۔"
(۱۰۶۔ افضالِ رحمانی)
چند واقعاتِ اِتباعِ سُنّت و بعض دیگر اُمور کا ذکر کرتے ہوئے
اِس باب کے آخر میں بعنوان "اولیا کا علمِ غیب" مسطور و مذکور ہے کہ:
"درسِ قرآن میں فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ ۔
(غیبِ خداوندی کو کوئی خود نہیں جان سکتا۔ مگر، خدا جس رسول کو چاہتا ہے، مطلع کر دیتا ہے)
پھر، ارشاد فرمایا کہ مِنْ رَّسُوْلٍ کی یہ قید، خصوصی نہیں، اتفاقی ہے۔

یعنی، اللہ تعالیٰ، جسے چاہے، غیب سے مطّلع کردے۔

اب، اس میں اولیا بھی داخل ہیں۔ فَاِنَّہٗ یَنۡظُرُ بِنُوۡرِ اللّٰہِ کی حدیث، اس پر شاہد ہے۔

بلکہ متفقہ فیصلہ، یہ ہے کہ:

بِذاتہٖ اور بلا واسطہ علمِ غیب، صرف حق سُبۡحٰنَہٗ کا ہے۔ اور بہ واسطۂ الٰہی میں، سب ہیں۔

لیکن، سب سے کامل و ارفع علمِ غیب، اللہ تعالیٰ نے مختارِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کو

عطا فرمایا۔ جو، کسی کو، حاصل نہیں۔" (ص ۱۱۹۔ "افضالِ رحمانی")

پھر، ارشاد فرمایا کہ:

اولیاء اللہ کے دلوں میں ایسا نور رہتا ہے کہ، اس سے سب کچھ نظر آتا ہے۔

جیسے تاریک گھر میں آفتاب سے، سب، روشن ہو جایا کرتا ہے۔" (۱۱۹۔ "افضالِ رحمانی")

حضرت شاہ فضلِ رحمٰن، گنج مراد آبادی کا وصال، اِس طرح ہوا کہ:

"یکم ربیع الاول ۱۳۱۳ھ سے مزاج کچھ زائد، ناساز گار رہنے لگا۔

مگر، کمالِ اِتقا، یہ تھا کہ ایک وقت کی بھی نماز، نہ چھوڑی۔

پھر، آپ کے سینے میں درد پیدا ہوا، جس سے خلش تکلیف اور بڑھی۔

گو، یہ بظاہر مرض تھا، مگر بہ باطن، خدا سے ملنے کا بہانہ تھا۔

اسی حالت میں ۲۲ ربیع الاول کا دن آیا تو، اِستغراق بہ حضرتِ حق اور زائد ہو گیا۔

آپ، جنابِ اَحدیت کی یاد میں، اِن تکالیف کے باوجود، تسبیح و تہلیل میں مصروف رہے۔

کبھی، رَبِّ سَہِّلۡ کُلَّ صَعۡبٍ بھی، زیرِ لب ہوتا۔

غرض کہ عصر و مغرب کے درمیان، مکانِ دنیاوی سے مکانِ اُخروی میں انتقال فرمایا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔

ماتَ قُطۡبُ الۡھِنۡد۔ نیز۔ رَضِیَ اللّٰہُ کَافِیاً عَنۡہُ سے ۱۳۱۳ھ تاریخ نکلتی ہے۔"

(۴۳۔ ۔"افضالِ رحمانی")

غسل کے بعد، آپ کو جو کفن پہنایا گیا، اُس میں، یہ تبرکات تھے:

"بعدِ غسل ایک لنگی، ایک قمیص، ایک چادر میں

جو، حضرت مُرشد دہلوی (شاہ آفاق احمد، نقشبندی) قُدِّسَ سِرُّہٗ کا خاص عطیہ تھی

ان تین کپڑوں میں کفنایا۔

پھر، دادا میاں (مولانا احمد میاں، گنج مرادآبادی) نے
مولانا بابا قبلہ (شاہ فضلِ رحمٰن) کے سرِ مبارک پر
حضرت مُرشد دہلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ کا عمامہ مبارک، باندھ کر اوپر سے چادر اُڑھادی۔"
(ص ۱۳۹۔ رحمت ونعمت)

۲۵ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ کو، اُویسِ زمان، حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن کی فاتحۂ سوم اور آپ کے خلفِ الصدق، حضرت مولانا شاہ احمد میاں، گنج مرادآبادی کی رسمِ سجادگی باتفاقِ مریدین، ادا کی گئی۔

مُریدین کے مشورہ اور مولانا شاہ احمد میاں، معروف بہ دادا میاں کی ہدایت کے مطابق:
"چھتیسویں روز بعدِ وصال، اٹھائیس (۲۸) ربیع الآخر ۱۳۱۳ھ کو، فاتحۂ چہلم ہوا۔
دو سو پچاس ختمِ کلام مجید، علاوہ کلمہ و درود شریف کے، اور دس ہزار اَشخاص کو
ماکولاتِ فاتحہ اور پانچ سو جوڑا ملبوسات، تقسیم کیا گیا۔" (ص ۱۴۲۔ رحمت ونعمت)

"بائیس (۲۲) ربیع الاول ۱۳۱۴ھ کو حضرت مولانا بابا عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ کا عرس شریف علما و مشائخِ وقت کی شرکت سے، دادا میاں عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ نے کیا۔
جس میں پانچ سو ختمِ کلام پاک، علاوہ کلمہ و درود شریف کے، اور بائیس ہزار (۲۲۰۰۰) بیرونی زائرین کو کھانا، تقسیم ہوا۔ ۲۳ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ کو، دادا میاں صاحب نے
پھر، تین ہزار (۳۰۰۰) اشخاص کو کھانا، تقسیم فرمایا۔" (ص ۱۴۳۔ رحمت ونعمت)

"مولانا احمد میاں صاحب کے فرزندوں میں
اوّل، مولانا محمد رحمت اللہ۔ پھر، مولانا محمد نعمت اللہ میاں ہوئے۔" الخ (ص ۶۳۔ رحمت ونعمت)

فرقۂ وہابیہ کا قدیم شیوہ اور وطیرہ ہے کہ وہ، اکابر و اسلافِ اہلِ سُنّت کی کتب و رسائل میں تحریف و اِلحاق کرتے رہے ہیں اور ان کی طرف، غلط واقعات و روایات، منسوب کرتے رہے ہیں۔
حضرت شاہ ولی اللہ، محدِّث دہلوی (وصال ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۲ء) عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ وَالرِّضْوَان کی کتابوں اور آپ کے رسائل میں، اِس حرکتِ قبیحہ و شنیعہ کا اِرتکاب، انھوں نے بہت کیا ہے۔
یہاں تک کہ اَلْبَلَاغُ الْمُبِین اور تُحْفَۃُ الْمُوَحِّدِین کے نام سے فرضی کتابیں، ان کے نام سے منسوب کردی ہیں۔ اِس تحریف و اِلحاق کی حقیقت، متعدد علما و محققین و مؤرخین نے اپنی اپنی کتابوں میں اچھی طرح، واضح کردی ہے۔

مولانا حکیم سید محمود احمد، برکاتی، ٹونکی (کراچی) کی کتاب (۱) شاہ ولی اللہ اور ان کے اصحاب (۲) شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان۔ مطبوعہ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی

اور مولانا شاہ ابو الحسن زید، فاروقی، مجدّ دی، دہلوی کی کتاب "اَلْقَولُ الْجَلِی کی بازیافت" مطبوعہ لاہور میں ان کی تفصیل، ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

شاہ ابو الحسن زید، فاروقی، مجدّ دی، دہلوی اپنی ایک دوسری کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں کئی جگہ، اِس قبیح فعل (تحریف واِلحاق) کی برائی بیان فرمائی ہے۔ افسوس ہے کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی کے پیر وَان، اِس کام میں بہت بڑھ گئے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شاہ عبد العزیز کی تحریرات ومکتوبات، حضرت شاہ عبد القادر کے ترجمۂ قرآن اور ان کی کتابیں، حضرت مجدِّ دالفِ ثانی، ان کی اولاد، حضرت شاہ غلام علی، حضرت شاہ علم اللہ، رائے بریلوی اور دیگر اکابر کے اَحوال میں بہت سی تحریفات کر کے

محمد بن عبد الوہاب نجدی کا، ہم نوا، سب کو، قرار دیا ہے۔"

("مولانا اسمٰعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان"۔ مؤلفہ: شاہ ابو الحسن زید، فاروقی، دہلوی۔ مطبوعہ دہلی ولاہور)

اُوَیسِ زمان، حضرت شاہ فضلِ رحمٰن کے حالات پر لکھی گئی کتابوں میں آپ کے مزاج ومسلک کے خلاف، بہت سی باتیں، خود، ان کے مؤلّفین نے شامل کردی ہیں اور حقائق کو، توڑ مروڑ کر، پیش، کیا ہے۔

مولانا شاہ افضالِ رحمٰن، عُرف بھولے میاں، جوہر، گنج مراد آبادی اپنی کتاب "افضالِ رحمانی" میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

مولانا اشرف علی، تھانوی نے اپنی بعض تحریرات میں، یہی کارنامہ، انجام دیا ہے۔

چنانچہ، آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"مدرسہ جامع العلوم (کان پور) کی ملازمت کے دَور میں، تھانوی صاحب بڑے فخر سے مولانا بابا کے محامد ومدائح، بیان کیا کرتے۔

ان مجالس کے شُرکا، آج بھی، بقیدِ حیات ہیں۔

لیکن، اس میں کبھی، یوں نہ بیان کیا، جیسے "اشرف التنبیہ" "حسن المقصد" "نیلُ المرادفی السفرِ اِلٰی گنج مراد آباد" میں، بیالیس (۴۲) برس بعد، کروٹ لے کر، درج کیا۔

جس کا جواب، مُریدینِ فضلِ رحمانی نے ھٰذَاھُوَالْحَقُّ الْمُبِین اور اَلقَوْلُ الْفَاصِل میں

مکمل طور پر، دے دیا ہے۔

بہر حال! یہ تو ژمروژتو، اُن روایات میں کی ہے، جو، ذاتی حاضری سے متعلق ہیں۔

اب سمعی روایات کی ٹھوسم ٹھاس، ملاحظہ ہو۔" اِلیٰ آخِرِہٖ۔ (ص ۱۲۳۔ افضالِ رحمانی)

اس کے بعد، کئی صفحات میں تھانوی صاحب کی کارستانی اور کارگذاری کا ذکر ہے کہ:

کس طرح، انھوں نے سمعی روایات میں، اصل روایات کو، نظر انداز کر کے

اِخفاے حال اور اِخفاے حق کی، نامراد کوشش کی ہے۔

"افضالِ رحمانی" کے دوسرے حصے کے طور پر لکھی گئی اپنی کتاب

بنام "رحمت و نعمت" میں "اعلانِ حقیقت" کے عنوان سے آپ نے ایک پورا باب

اِسی موضوع پر تحریر کیا ہے۔ اس میں آپ، رقم طراز ہیں کہ:

فقیر، شاہ محمد رحمت اللہ میاں، فضلی، گنج مرادآبادی، مخلصینِ آستانہ کے لئے دعاے صلاح

وفلاحِ دارین کے بعد، راقم ہے کہ ع پیمانہ بھر چکا ہے، چھلکنے کی دیر ہے۔

بنابریں، چند اہم اُمور، اِتمامِ حجت کے بطور، اپنے قلم سے پیش کرتا ہوں:

تجمل حسین اور دادا میاں صاحب:۔ مولانا حافظ سید ابو سعید صاحب فضلِ رحمانی، ایرایاں

جن کو، مولانا بابا (حضرت شاہ فضلِ رحمٰن) نے تحریری خلافت نامہ، بطریقِ صوفیہ

جُبّہ و دستار پہنا کر، مرحمت کیا تھا، اُن کے جمع کردہ ملفوظات سے نقل کرتا ہوں۔

(۴۴۵) مولانا مذکور، راقم کہ:

میں، مولانا ظہور اسلام و مولانا نور محمد، فتح پوری و مولانا ابوالحسن، لکھنوی و حکیم اللہ دیا، دہلوی

و شیخ وحید احمد، رُدولوی و مولوی حکیم عبدالغفار، گنج مرادآبادی و ڈاکٹر عبدالقادر خاں

نیز، کچھ اور اہلِ بستی، ۱۳۱۷ھ کے اہتمام عُرس میں تھے۔

اتفاق سے، بیس (۲۰) ربیع الاول کو، مولوی تجمل حسین، بہاری آ گئے۔

اپنی مرتّب کردہ "کمالاتِ رحمانی" مطبوعہ محرم ۱۳۱۵ھ، رحمانیہ پریس، مخصوص پور، مونگیر

بہار، نیز کتاب "فضلِ رحمانی" انوارِ احمدی پریس، لکھنو، ۱۳۱۷ھ کی جلدیں بھی، ساتھ لائے۔

بہاری صاحب نے "فضلِ رحمانی" پیش کی

تو، دادا میاں (مولانا احمد میاں، صاحب زادۂ شاہ فضلِ رحمٰن، گنج مرادآبادی) نے

سب کو، طلب کر کے فرمایا کہ:

بھائی ابو سعید! تم، اس تردید کو لکھتے اور سب لوگ سنتے رہیں۔
پھر، فرمایا: میاں تجمل حسین! تم نے ہمارے بابا کے بلا تحقیق حالات لکھ کر
اپنی ذات کو بھی، مجروح کر لیا۔
دوسری طرف، یہ لکھ کر کہ: "کمالاتِ رحمانی"، صفحہ آٹھ
اور، بروایتِ احمد میاں صاحب، سجادہ نشین، ۱۳۱۳ھ، مقام "ملانواں" میں پیدا ہوئے۔
اپنے کذب کا اِقرار، خود کر لیا۔ تم ہی بتاؤ کہ:
وہ، کون مقام اور وقت رہا، جب تم، تصدیقِ روایات، ہم سے کرتے؟ اور کوئی نہ ہوتا تھا؟
یا۔ اور بھی، ہوا کرتے تھے؟
کبھی، مسوّدہ بھی دکھایا ہو؟ اس پاک مقام پر، اسی کو بتا دو؟
اگر، تمہیں خدا نے توفیق دی ہوتی
تو فضلِ رحمٰن کے عدد، نکال لیتے، ۱۲۰۸ھ نکل آتا۔ (ص ۲۶۵۔ "رحمت و نعمت")
اس سے آگے (۱) کمالاتِ رحمانی اور (۲) فضلِ رحمانی، مولّفہ مولانا تجمل حسین، بہاری کی
عبارتیں، نقل کی گئی ہیں کہ:
حضرت شاہ فضلِ رحمٰن نے اپنے قُل اور عُرس سے منع فرمایا۔ اور اسے بدعت، قرار دیا ہے۔
اس کے جواب میں مولانا شاہ احمد میاں، گنج مرادآبادی فرماتے ہیں کہ:
یہی روایت، دوسرے کی تردید کرتی ہے۔
پھر، یہ سوال کہ، یہ بھی، بدعت ہے۔ اور جواب، کچھ ضرور نہیں۔"
بدعت، نہ ہونے کی روشن دلیل ہے۔
میرے بابا کا، یہ کشف دیکھیے کہ:
تمہارا نظریہ ہی، دوسرا تھا۔ یہ جواب اُس کا تھا۔ ہم بھی، یہی جواب دیں گے۔
ہاں! یہ تماشا اچھا دکھایا کہ:
ہمارا سوال، ہم کو، یاد نہ ہو۔ مگر، تم کو، سوال و جواب، یاد، رہے۔
باقی، اس کے شاہد، نہ ہوں۔ فقط تم سنو۔
.......مولانا بابا نے، یہ فرمایا: جب کوئی سنے کہ:
فضلِ رحمٰن کا انتقال ہو گیا، تو، چار قُل پڑھ کر بخش دے۔ اس سے زائد کچھ نہ کرے۔

کیوں کہ لوگوں کی عادت ہے کہ، جابجا اپنے پیر کا عُرس کرنے لگتے ہیں۔

..........مولانا بابا نے فرمایا کہ:

جس عُرس میں لہو ولعب کا خطرہ ہو، ایسا عُرس وفاتحہ، ہمارے وہاں، ہرگز نہ ہو۔"

اس ارشاد میں مولانا بابا کی دور اندیشی واحتیاط، واضح ہے کہ:

لوگ، جابہ جا، مقصد برآری کے لئے عرس نہ کرسکیں۔" الخ۔ (ص ۲۶۹۔ رحمت ونعمت)

کمالاتِ رحمانی، ص ۱۲۳ کے حوالہ سے ایک کشف

حضرت شاہ فضلِ رحمٰن کی طرف، منسوب کر کے، مولانا محمد قاسم، نانوتوی اور مولانا رشید احمد، گنگوہی کی تعریف، نقل کی گئی ہے۔ اور اس کی روایت، مولانا محمد علی، مونگیری کی طرف، منسوب کی گئی ہے۔

اس روایت کو، پڑھ کر:

"دادا میاں (مولانا احمد میاں، خلفِ شاہ فضلِ رحمٰن، گنج مرادآبادی) نے فرمایا:

بہاری صاحب! یہ ارشادِ رحمانی و افاداتِ محمدی کا پہلا ایڈیشن، مولانا مونگیری کے ہاتھوں پیش کردہ، محمد علی رحمانی عُفِیَ عَنہٗ مونگیر، نوشتہ، موجود ہے۔

سچے ہو، تو، دکھاؤ۔ کہاں، تصدیق، مولانا مونگیری نے کی ہے؟

مولانا ظہورُ الاسلام صاحب نے کہا:

اس روایت کو، بہاری صاحب کو، اوڑھنے بچھانے دیجیے۔

برادرم مونگیری صاحب نے کبھی، ہم سے ذکر، نہ کیا۔

نہ میں نے، نہ بھائی نور محمد، نہ شمس العلما (مولانا ابو سعید) وغیرہ نے

کبھی، حضورِ اعلیٰ کی زبان مبارک سے، ہر دو نام، سُنے تک نہیں۔

مولانا ابوالحسن، لکھنوی نے کہا کہ:

آج کے سِوا، کمالاتِ رحمانی کے اِندارج کے، ہم نے اور مولوی عظمت حسین، موتی ہاری نے خلوت وجلوت کا حاضر باش ہونے کے باوجود، کبھی نہ سنا، نہ اپنے پیر بھائیوں کو اس ملفوظ سے واقف پاسکے۔

خدا کے واسطے، بہاری صاحب! یہی بتادیں کہ:

وہ کون خلوت وجلوت ہوئی؟ کس جگہ ہوئی؟

جہاں، صرف تم ہی، سننے والے تھے؟" (ص ۲۷۱۔ رحمت ونعمت)

’’فقیر، محمد رحمتُ اللہ کہتا ہے کہ: یہ، بہاری صاحب کا دعویٰ ہے کہ:
میں نے تصدیقِ روایات، مولانا شاہ محمد رحمتُ اللہ صاحب، سجادہ نشین سے کی ہے۔‘‘
ناظرین! میرے والد ماجد، احمد میاں، گنج مرادآبادی کی بابت، بہاری صاحب کی
تصدیق روایت، پرکھ چکے۔ پھر، فقیر کا استعمال کر ڈالنا، تو، اور آسان، اُن کو ہے۔
۱۳۱۷ھ سے، وہ، آستانہ ہی، نہ آئے۔ نتیجہ، عیاں ہے۔‘‘ (ص ۲۴، ۲۷۔ رحمت ونعمت)
مولانا ابوالحسن علی، ندوی (ناظم دارُالعلوم ندوۃ العلما، لکھنو۔ متوفی دسمبر ۱۹۹۹ء) نے
’’تذکرۂ شاہ فضلِ رحمٰن، گنج مرادآبادی‘‘ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔
اس کے بارے میں مولانا شاہ محمد رحمت اللہ، سجادہ نشین آستانہ فضلِ رحمانی، گنج مرادآباد
ضلع اناؤ، یوپی، تحریر فرماتے ہیں:
’’۲۵/جون ۱۹۵۸ء میں، بنام ’’تذکرہ‘‘ مولوی ابوالحسن صاحب، ندوی نے
ایک ترتیب اور مجموعہ، شائع کیا۔ لیکن، اس کی مفروضہ روایات کی نقل نے جوابی تردید پر مجبور کیا۔
اپریل ۱۹۵۹ء میں، ’’تذکرہ‘‘ کی تردید میں ’’تبصرہ‘‘ نامی رسالہ، شائع کرنا پڑا۔
پہلی چیز تو، یہ ہے کہ جن سوانح نگاروں کو، ندوی صاحب اپنا ممدوح، ثابت کرتے ہیں
اُن کے پیش کردہ بعض نادر کوائف، غائب کر جاتے ہیں۔
جیسے مہینوں کی رُخصتی، مولانا بابا سے منقولہ بہاری صاحب۔
نیز، گردہِ فضلِ رحمانی کی نجات کا مشاہدہ، بقلم نواب نورُالحسن صاحب رحمانی، بھوپالی۔
نیز، روایت صفحہ ۲۷۔ فضلِ رحمانی۔
مولانا سید محمد علی صاحب فرماتے تھے کہ:
حضرت مولانا مُرشدنا، ایک بار، خیراتی کی مسجد میں تشریف فرما تھے کہ:
ایک شخص نے آکر کہا کہ نہر پار، ایک مولوی صاحب رہتے ہیں۔ وہ، کہتے ہیں کہ:
رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، ہمارے بڑے بھائی ہیں۔
یہ سنتے ہی حضرت، کانپ گئے۔ فرمایا کہ:
’’ایسے لوگوں کا ذکر، ہمارے سامنے، نہ کرو۔ ایسے لوگ، مسلمان نہیں۔‘‘
پھر، روایتِ فضلِ رحمانی، ص ۷۔ ملفوظِ سوم: شاہ نور محمد صاحب سے معلوم ہوا کہ:
مولوی عبدالغنی صاحب، بہاری محدِّث، بہ خیال بیعت کرنے

حضرت قبلہ کے پاس تشریف لائے تو، حضرت نے خلافِ عادت "درودِ تاج" پڑھنے کو، بتایا۔
عبدالغنی صاحب کو، اسی درود سے انکار تھا۔ عرض کیا کہ:
"اِس درود سے بوئے شرک آتی ہے۔ اس سے ہم کو، وحشت ہوتی ہے۔"
حضرت نے فرمایا کہ: اِس لفظ سے تم کو، کیوں وحشت ہے؟
اِس کے، یہ معنی ہیں کہ:
خدا نے صفتِ دفعِ بلا وغیرہ، آپ کو عنایت کی ہیں۔ کیوں کہ آپ رَحْمَةٌ لِلْعَالَمِین ہیں۔
ناظرین! انصاف کریں کہ:
یہ کوائف کیسے عقیدت کو، جلا، ایمان کو صیقل، فرضی مفہومات کی اِصلاح
خصوصاً، وہی پڑھنے کو بتانا، جس میں، وہ، مشکوک ہوا۔
اور اس کی صداقت مُنوا کر، تبلیغِ درود فرمانا، عظمتِ مصطفوی کا احترام کرانے کا درسِ مثالی ہے۔
دوسرے حضرت قبلہ، حاجی سید وارث علی شاہ
اور حضورِ اعلیٰ، مولانا بابا، قُدِّسَ سِرُّهُمَا کے نانیہالی سلسلہ کی خونی قرابت۔
پھر، بزرگانہ ملاقاتیں۔
اسی طرح، حضرت مخدوم بہاری عَلَيْهِ الرَّحْمَة سے مولانا بابا کی قرابت وغیرہ۔
نیز، حضرت فاضلِ بریلوی، الحاج، مولانا احمد رضا خاں صاحب اور مولانا بابا کی محبت بھری
ملاقاتیں ولائقِ عمل بیانات۔
کیسے عظیم، اور سوانح کے اجزاء اہم ہیں۔ قوم و مِلّت کی کتنی گراں قدر امانت ہیں کہ:
ہر سوانح نگار، کو اس کے اِندراج کے بغیر، مُجرمانہ غفلت سے، اپنے کو بچا نہیں سکتا۔
نواب بھوپالی و مولانا مونگیری و بہاری صاحب کی نقل سے یہاں، بھاگا جاتا ہے۔
تیسرے، سب پر، روشن ہے کہ:
حضرت مولانا بابا کے کیسے محبوب فرزند و صاحب کمال، مولانا احمد میاں عَلَيْهِ الرَّحْمَة تھے؟
دیگر مریدین کے لئے تعارفی نوٹ، ندوی صاحب لکھنا، فرضِ اوّلیں سمجھیں
اور یہاں، خاموشی و چشم پوشی کو، واجب گردانیں
تو، ندوی صاحب کی نقابِ عقیدت، خود، چاک ہو جاتی ہے۔
چوتھے، ندوی صاحب کا، یہ دعویٰ ہے کہ:

اس کتاب کی ترتیب میں، ان (نواب، نورُالحسن خاں، بھوپالی) کے
کتب خانہ سے سب سے زیادہ، مدد ملی۔ صفحہ ۱۴۔
تذکرہ صفحہ ۱۲ پر، جن کو، امیر الملک، والا جاہ، نواب، سید صدیق حسن خاں، رئیسِ بھوپال
بھی لکھیں، اُن کی، مولانا بابا کے دستِ حق پرست پر غیر مقلدیت سے توبہ کا
اور مولانا سید محمد علی، مونگیری کی تائید مغفرت صدیق حسن خاں صاحب
ضمیمۂ ارشادِ رحمانی، ص ۵۵، گول کر کے، مولانا بابا کا، یہ اِصلاحی کارنامہ
طالبانِ صلاح و فلاح سے چھپا رکھنا، مولانا کی سوانح نویسی میں، فریبانہ جُرم ہے۔
ظاہر ہے کہ، اِن کوائف سے سُنّیت، درخشاں اور غیر مقلّدیت، بے جان ہوتی تھی۔
ندوی صاحب ان کو، لکھتے، تو، کیسے لکھتے؟
پانچویں:۔ کمالاتِ رحمانی و بہاری صاحب کا مکمل خاکۂ غیر معتبری
آپ کے علم میں، بخوبی آچکا۔ خصوصاً، مسوّدۂ اصلی کھو جانے سے
یاد کے سہارے، اصلیت واقعات، نہ دارد، کر چکی۔
شاید ہی صاحبِ کتاب ہی کے قلم سے
خود، اس کی تردید کرنے والی ''کمالاتِ رحمانی'' جیسی غلط کتاب، کوئی ہو سکے۔
ایمان سے کہیے کہ:
ایسی غلطیوں سے بھری کتاب کے حوالے دینے والے، کس کھیت کے مولی ہیں؟
چھٹے: ''کمالاتِ رحمانی'' ۱۳۹۵ھ ''فضلِ رحمانی'' ۱۳۷۱ھ۔
''ارشادِ رحمانی'' ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء۔ شاہی پریس، لکھنؤ میں
کافی روایاتِ جوازِ فاتحہ جات و مولود وغیرہ ملتی ہیں۔
خصوصاً ۱۱۹/۹، جس کو، مولانا مونگیری کی دوہری شہادت والی روایت۔
نیز، روایت ۱۴۴ گیارہ بار قیام و سلام۔ اور خصوصی روایت ۱۴۵ کہ:
مولانا بابا کا فرمان، قیام سے، نہ روکو۔
پھر، روایت ۱۴۶، مولانا بابا کے یَانَبِیَّ اللّٰه سَلَام عَلَیْكَ پر
روایت ۱۴۷ جوازِ مولود، بہ خوش الحانی اور حضرت کا گریہ بے قرار۔
نیز، نواب نورالحسن صاحب، بھوپالی کی روایات ۱۰۲ و ۱۲۱، ندوی صاحب کو، نظر نہ آسکیں۔

فقط مستر دو ممانعتِ فاتحہ سوم و چہلم و عرس، ''تذکرہ'' صفحہ ۵۴ پر، پیش کی جاتی ہیں۔

آپ، خود سمجھ سکتے ہیں کہ:

جہاں، اتنی روایاتِ جواز ہوں، وہاں! اِنفرادی روایت، ریت ہو جاتی ہے۔

ساتویں:۔ یہ کسوٹی بتاتی ہے کہ:

ندوی صاحب کو، نہ اصلیت وصحت سے مطلب، نہ مجہول نقل ہونے سے غرض۔

بس، تردیدِ فاتحہ و عرس، خواہ گھسی ہو، خواہ سڑی ہو، مشن کا حق، ادا کرنے کو

اپنانے سے، سروکار ہے۔

کھلی بات ہے کہ ندوی صاحب کے معتدین وممدوحین کی کتب میں

اس کا اشارہ بھی نہیں ملتا، جس کی ممانعت کو، بہاری صاحب پیش کرتے ہیں

تو، روایاتِ جواز، خود، بول پڑتی ہیں کہ:

حضرت، ذرا بھی کوئی اظہارِ ممانعت فرماتے

تو، ان زائدتر حاضر باشوں اور قُربِ مقامی رکھنے والوں کو

اوّل معلوم ہو کر، بعد میں بہاری صاحب کے حصے میں پڑتی۔

آٹھویں:۔ نہ کہ ایسی شکل کہ جو نقلِ ممانعت بھی کرے، پھر، اسی ممانعت کو، کرے۔

روایاتِ جواز، اس سے زائد پیش کرے۔ اسی کا نام، گڑھنت ہے۔

علاوہ ازیں، ندوی صاحب کو، نواب بھوپالی کی جوازِ مولود و فاتحہ کی روایات

سُنّی قوم سے چُرائی جائیں۔

فیصلہ، صاف ہے کہ:

ندوی صاحب کو، اپنی کھوکھلی غیر مقلّدیت کی مقصد برآری میں

بزرگوں سے غلط روایات، وابستہ کر دینا

اور اپنے ممدوحین کی مخالفت، مول لینا، سرمایۂ حیات ہے۔

(ص ۲۷۴ تا ص ۲۷۷۔ ''رحمت ونعمت'')

''دسویں:۔ ندوی صاحب کا، یہ رُخ، قابلِ دید ہے کہ:

ہماری ''افضالِ رحمانی'' میں، ندوی صاحب کو، لائقِ نقل، کچھ نہیں ملتا۔

لیکن، اشرف علی صاحب تھانوی کے نَیلُ المراد فی السَّفرِ اِلیٰ مرادآباد کی گڑھنت کی

تحقیق حق المبین، اَلقَولُ الفَاصِل اور افضالِ رحمانی میں تردید ہوئی
تو، اختلافِ روایت کے ہر دو پہلو، غیر جانب دارانہ ظاہر کر دینا، شرمناک بن جاتا ہے۔
مگر، اشرف علی صاحب، تھانوی کی گرُھنت نباہنے کے لئے
فرضی حوالہ، تراش ڈالنا، بڑی نام آوری ہے۔ الخ۔ (ص ۲۷۷۔ رحمت ونعمت)
''جو، نواب بھوپالی کا اتنا بڑا ذخیرہ پانے کا مدّعی ہو، اُس کی جہالت، یہ ہو کہ:
اتنا بھی، نہ جان سکے کہ نواب بھوپالی، مرید کس کے تھے؟
اس سے بھی نابلد ہو کہ نواب بھوپالی، خلیفہ تھے، تو، کس کے تھے؟
گپ باز بھی، یہاں، مات کھاتے ہیں۔
ورنہ، نواب بھوپالی کے رسائل پڑھنا، صحیح ہوتا تو، نگاہِ اوّلیں، یہ بتا دیتی کہ:
نواب، نورُالحسن صاحب بھوپالی نے غیر مقلدیت پر لعنت بھیج کر
مولانا احمد میاں سے بیعت کی۔
اور ایسے عاشقِ صادق ہوئے کہ: دادا میاں نے خلافت سے نوازا۔
واقعات کی صحت کی، یہ گردن زدنی، رہ رہ کر، کہہ رہی ہے کہ:
مولانا بابا کی ذاتِ عالی سے غلط روایات، منسوب کرنا
ندوی صاحب کی عقیدت اور واحد مقصد، یہ تھا کہ:
حضورِ اعلیٰ کا نام سنتے ہی دنیا، دیوانہ وار پڑھے گی۔
اس کی آڑ میں ممانعتِ فاتحہ و عرس کی انھیں مردود روایات سے مشن کا اُلّو بھی سیدھا کرو۔
''سولہویں:۔ آخری چیز، یہ ہے کہ
آپ، ایک بزرگ کے حالات، قلم بند کر رہے ہیں۔
جہاں، وہ، منع کرتا ہے، جہاں، وہ جواز بتاتا ہے۔
آپ کی ایمان داری، ہر دو پہلو واضح کر دینے میں ہے۔
ناظرین! حق و ناحق کا خود، فیصلہ کر لیں گے۔
لیکن، یہ کیا کہ سارے لکھنے والوں میں سے کسی روایتِ جواز سے بھاگا جائے۔
بس، ممانعتِ جواز اپنائی جائے، آپ، کبھی، اسے ایماندارانہ پیش کش نہیں مان سکتے۔
رسالہ ''تذکرہ'' خود، اس سے شرمندہ ہے۔

بشرطِ فرصت، غلطیِ روایاتِ ''تذکرہ'' پیش ہوں گی۔'' (ص ۲۷۹و ص ۲۸۰۔ ''رحمت ونعمت'')

ایک فرضی روایت کا ذکر کر کے، اس کی تردید، اِس طرح کی گئی ہے:

''اشرفُ التنبیہ (مولانا تھانوی) صفحہ ۲۶۰۔ مولانا، گنج مرادآبادی نے فرمایا:

تم، گنگوہ جاؤ۔ دوبارہ عرض پر فرمایا:

ایک، مَیں ہوں۔ دوسرے رشید احمد، تیسرا کوئی مل جائے، تو ظلمتِ فلسفہ، دور ہو جائے۔''

حَاشَا لِلّٰہ! کہ کسی زائرِ حاضر سے مولانا بابا نے ایسے الفاظ، ادا کیے ہوں۔

حتی کہ مریدین کو، اپنے لئے مولانا بھی، نہیں کہنے دیتے تھے۔

مریدین، کرامتی کوائف کی جستجو میں رہتے۔ قاسم والا واقعہ بھی مشہور رہا تھا۔

تھانوی صاحب کی حاضری، ایسی نہ تھی جو، مخفی رہی ہو۔ اور اس گفتگو کا سننے والا کوئی نہ ہوتا۔

مولانا احمد حسن صاحب، کان پوری کا بیان ہے کہ:

تھانوی جی نے اپنی باتوں کا اِقرار، لوگوں کے سامنے، کان پور میں کر لیا تھا۔ (تذکرۃ الرشید صفحہ ۱۱۸)

تھانوی صاحب کا خود، بیان ہے کہ:

بہر حال! وہاں، بدونِ شرکت (محافلِ مولود وفاتحہ) کرنا، قریب بہ محال دیکھا۔

اور منظور تھا، وہاں (کان پور) رہنا۔ کیوں کہ دنیاوی منفعت بھی ہے کہ:

مدرسہ سے تنخواہ ملتی ہے۔'' (تذکرۃ الرشید)

وجہِ حاضریِ گنگوہ، عیاں ہے۔ آپ، بھولے نہ ہوں گے۔ (براہینِ قاطعہ)

فرمایا کہ: جب سے عُلمائے دیوبند سے ہمارا معاملہ ہوا، ہم کو، یہ زبان آ گئی۔''

جب، آنحضور (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کو، اِس طرح استعمال کیا جا سکتا ہے

تو، مولانا بابا کو استعمال کرنا، کیا بڑی بات ہے؟ الخ (ص ۲۸۳۔ ''رحمت ونعمت'')

اویسِ زمان، حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمٰن قُدِّسَ سِرُّہٗ اپنے عہد کے مشہور عالم ومحدّث اور صاحبِ عظمت وکرامت بزرگ تھے۔ آپ سے درسِ حدیث لینے والے تلامذہ میں مولانا احمد حسن، کان پوری ومولانا وصی احمد، محدّث سورتی وسید شاہ علی، محدّث اَلْوَرِی، لاہوری وسید جماعت علی شاہ، محدّث علی پوری، سیالکوٹی کے نام نمایاں ہیں۔

حضرت مولانا احمد رضا، قادری، برکاتی، بریلوی کے جدِّ اُمجد، مولانا مفتی رضا علی، بریلوی آپ ہی کے فیض یافتہ مرید ہیں۔ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعالیٰ عَلَیْہِم اَجمعین۔

مولانا وکیل احمد، سکندر پوری

حضرت مولانا وکیل احمد، سکندر پوری، فرزندِ قلندر حسین (ولادت ۹ رذی الحجہ ۱۲۵۸ھ / سکندر پور ضلع بلیا۔ یوپی۔ وصال ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء۔ مدفون حیدر آباد، دکن۔ آندھرا پردیش)

مشہور عالم وصوفی، وشاعرِ عرفان، حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم آسی، غازی پوری بن قمر حسین (ولادت ۱۹ رشعبان ۱۲۵۰ھ سکندر پور ضلع بلیا۔ یوپی۔ وصال ۳ رجمادی الآخرہ ۱۳۳۵ھ / ۲ رفروری ۱۹۱۷ء۔ مدفون محلہ نورُالدین پورہ۔ غازی پور۔ یوپی) کے برادرِ عم زاد تھے۔

مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری، آپ کے تعارف وتذکرہ میں لکھتے ہیں:

''ابتدائی تعلیم، وطن میں پائی۔ حضرت مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی کا شہرہ سُن کر جون پور پہنچے "نورُالانوار" کا حاشیہ "قمرُ الاقمار" مولانا فرنگی محلی نے آپ ہی کے لئے لکھا۔

۱۲۷۶ھ میں درسیات، تمام کی۔

لکھنؤ میں حکیم، نور کریم، لکھنوی سے طِبّ پڑھی۔ کچھ عرصہ، مطب بھی کیا۔

۱۲۸۳ھ میں حیدر آباد، دکن گئے۔ سرکار آصفیہ کے صوبہ شرقی کے نائب، مقرر ہوئے۔

مولانا عبدالحیٔ، لکھنوی (آپ کے استاذ زادہ) اور نواب صدیق حسن، قنوجی، بھوپالی کے درمیان، جب، مشہور تحریری مناظرہ، دربارۂ تقلید ومَطاعنِ ائمہ ہوا

تو آپ اپنے استاذ زادہ (مولانا عبدالحیٔ، فرنگی محلی) کے دوش بہ دوش تھے۔

اور نواب بھوپالی کے رسالہ نظم کا جواب، نظم میں بہ عنوان "دیوانِ حنفی"

اور نثر کا جواب، نثر میں دیا۔

اپنے زمانہ کے صاحبِ تصنیف اور اکابر عُلمائے اہلِ سُنّت میں تھے۔

حضرت مولانا شاہ احمد رضا، فاضل بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ سے خاص تعلقات تھے۔

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت مولانا شاہ میر اشرف علی بن مولانا میر سلطان علی قُدِّسَ سِرُّھُمَا کے مُرید تھے۔

آپ کا ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء میں، بہ مقام، حیدر آباد، دکن، انتقال ہوا۔'' (ص ۵۶ "نذرِ مقبول" وص ۲۵۷۔ "تذکرہ عُلمائے اہلِ سُنّت"۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی۔ مطبوعہ کان پور)

مولانا سید احمد علی شاہ، نقشبندی، بٹالوی (متوفی ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء) کی مشہور کتاب

دررَدِّ غیر مقلدیت، مسمّٰی بہ "نصر المُقلّدین فی جوابِ "الظَّفر المُبین" " کی تصدیق کرتے ہوئے مولانا وکیل احمد، سکندر پوری تحریر فرماتے ہیں:

خدا کی حمد اور رسول (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کی ثنا کے بعد

بندہ، وکیل احمد، سکندر پوری اَعَانَہُ اللّٰہُ بِالْعُدَّۃِ وَالْعَدَدِ

خدمتِ اِخوانِ دین و برادرانِ تقلیدِ اِمام المجتہدین میں، یوں، مژدہ رساں ہے کہ:

یہ کتاب، کاشِفِ حجاب (جس کو، ایک ماہر ذی اِستعداد، مُطفیِ نائرۂ شر و فساد

حامیِ خدود و دینِ نبوی، حافظ مولوی احمد علی صاحب، بٹالوی نے تصنیف فرمایا ہے۔

اور جو، وَاقعۂ اپنی متانتِ عبارت و رَزانتِ اِشارت و اِصابتِ دلائلِ مسائل و اِزاحۂ غوائلِ فرقۂ سابُّ الاوائل میں ایک بے نظیر اور قابلِ قدر، ہر ناقدِ بصیر تصنیف، خیال کی جاسکتی ہے)

اکثر مقامات سے میرے مطالعہ میں آئی۔

چوں کہ، یہ کتاب، خود، فوائدِ حَسَنہ سے مالا مال اور عوائدِ مُستحسنہ کے لحاظ سے بے مثل و بے مثال اور اپنی گراں مائگی اور وَالاقدری کے شواہدِ صادقہ کَدَعْوَی الشَّئی بِالْبَیِّنَاتِ وَالْبَرَاهِیْنِ النَّاطِقَۃِ، اپنے ساتھ لیے ہوئے ہے

اِس لئے میں، اِس کی توصیف میں زیادہ خامہ فرسائی، ضروری نہیں سمجھتا۔

ناظرین، خود دیکھ لیں کہ مؤلّف، علّامہ نے اپنے خامۂ خارا شگاف کی نیزہ بازی

اور اپنے مخالفینِ مذہب کی زہرہ گذاری میں کس قدر اندازی سے کام لیا ہے کہ:

اہلِ وفاق کیا، اہلِ خلاف میں بھی، اپنا نام کر دیا ہے۔

نہیں نہیں، بلکہ مُفسِدِ مِن یاوہ گو کا، دراصل، کام، تمام کر دیا ہے۔

اب، اس کتاب سے پوری امید کی جاسکتی ہے کہ:

یہ اُن خود سرانِ شرور ہوا کے تعصبات کو، جن کے دماغ میں عُجب و کِبر کی فاسد ہوا ابھری ہوئی ہے، دُھویں کی طرح، اُڑا دے۔

اور جن کی آنکھیں، لَمعانِ تقلید سے خیرہ، اور جن کے قلوب، زنگِ رَیب سے، تیرہ ہو رہے ہیں، اُن کے دلوں کو، اپنی صیقلِ تعلیم سے، جلا دے کر، کَالنُّوْرِ عَلٰی شَاهِقِ الطُّوْرِ چمکا دے۔

حق، یہ ہے کہ ایسے زمانۂ شرُّ القرون میں (کہ ہر طرف، دیگِ جہالت، جوش میں ہے اور سگانِ رُوباہ مَنش، شیرِ نَر کی طرح، خروش میں، اگر، ایک طرف کوئی بدلگام کرۂ خام کی طرح

شوخیاں کرتا اور تقلید کی رسّیاں تڑواتا اور رہنماتا ہے

تو، دوسری طرف، دوسرا بدنفس، کم تر از خس، طنین مگس کی طرح، بھنبھناتا ہے)

جن مساعیِ بلیغہ کی ضرورت تھی، ان کی بجا آوری میں، مؤلّفِ ممدوح کو، ایک حد تک کامیابی، ضرور ہوئی۔ جس سے فتنہ کی آگ فرو، اور اِلزامِ مخالفتِ حدیث کی بَلا، دور ہوئی۔

اگر، اب بھی، یہ لوگ، حق، ظاہر ہو جانے کے بعد، باطل پر، اَڑے رہیں گے

تو، چاہِ ضلالت میں، پڑے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ، مؤلّف کو، اس کی جزائے خیر، عنایت کرے اور مخالفین کو ہدایت۔ آمین۔

(ص ۳۹۴۔ "نصرُ المُقلّدِین فی جوابِ الظّفر المُبین" مؤلّفہ مولانا شاہ احمد علی، نقشبندی، بٹالوی مطبوعہ از طلبۂ جماعتِ سابعہ ۳۳۔۱۴۳۲ھ/۱۲۔۲۰۱۱ء۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڈھ۔ یو پی۔

اشاعت:۔ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ/اپریل ۲۰۱۲ء)

حکیم عبدالحیٔ، رائے بریلوی (متوفی ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء) لکھتے ہیں:

اَلشیخ الفاضل، وکیل احمد بن قلندر حسین بن محمد وسیم بن محمد عطا اَلْعُمری اَلْحُنفی السّکندربوری اَحَدُ العلماءِ المشهورین۔

.....قَرَأَ الْمُختصرات عَلیٰ الشیخ عبدالعلیم، السّکندربوری و عَلی غیرِهٖ مِنَ الْعُلَماء۔

ثُمَّ لازَمَ الْعَلّامة عبدالحلیم بن امین اللّٰه انصاری اللّکنوی۔

وَقرأ عَلَیهِ اکثر الکتب الدّرسیة۔

وَقَرأ "الشّمس البازِغه" عَلیٰ الْمُفتی محمد یوسف بن محمد اصغر اَللّکنوی۔

وَالتّوضیح مع التّلویح عَلیٰ السّیّد معین الدّین الکاظمی الکروی۔

وَقانون الشیخ عَلیٰ السّیّد انور علی اللّکنوی۔

وَسَائِرَ الکتب الطّبّیّة عَلیٰ الشیخ نور کریم الدّریابادی۔

وَتطبّبَ عَلیٰ الحکیم یعقوب الحنفی اللّکنوی۔

وَکانَ مُفرطَ الذّکاءِ، سریعَ الإدراکِ، قَوِیَّ الحفظ، شدیدَ الرّغبةِ اِلیٰ المباحثةِ۔ کثیرَ النّکیرِ عَلیٰ اَهلِ الحدیث و عَلیٰ الْفِئةِ الصّالحةِ مِنْ اصحابِ سیدنا الامام الشّهیدِ السّیّدِ احمد بن عرفان الحسنی۔ صاحبَ التصانیف، وَخَدَمَ الدّولةَ الآصِفیة مُدّةَ حیاتهٖ۔

امّا مصنّفاتهٗ فَهِیَ کثیرة ۔اِلیٰ آخِرِهٖ۔

(ص ۴۰۰ــ نُزْهَةُ الْخَوَاطِر ــ جلد ۸ مِن ــ دار ابن حزم، بیروت)

مولانا وکیل احمد، سکندر پوری کی تقریباً ایک سو تصانیف میں سے چند کے نام، درج ذیل ہیں:

(۱) اَلْاَنْوَارُ الْاَحْمَدِيَّه (۲) اَلْكَلَامُ الْمَقبول فِي اِثْبَاتِ اِسلامِ آباءِ الرَّسول (۳) اِرشَادُ الْعَنُوْدِ اِلیٰ طَرِیْقِ عَمَالِ الْمَوْلُوْد (٤) صِيَانَةُ الْاِيمَان عَنْ قَلْبِ الْاِطْمِیْنَان (٥) نُوْرُ الْعَيْنَيْنِ فِي تَفْسِيرِ ذِي الْقَرْنَيْن (٦) اَلْهَدِيَّةُ الْمُحَدِّدِيَّة (٧) اَلْاِعْتِمَاد بِخَطاءِ الْاِجْتِهاد (٨) نُصْرَةُ الْمُجْتَهِدِين بِرَدِّ هَفَوَاتِ غَيْرِ الْمُقَلِّدِيْن (٩) اِبْطَالُ الْاَبَاطِيْل بِرَدِّ التَّاوِيلِ الْعَلِيْل (١٠) اَلتَّحْقِيْقُ الْمَزِيْدُ فِي لَعْنِ يَزِيد (١١) اِزَالَةُ الْمِحْن عَنْ اِكْسِيْر الْبَدَن (١٢) تَذْكِرَةُ الطَّيِّب فِي مَايَتَعَلَّقُ بِالطِّبِّ وَالطَّبِيب (١٣) اَلْيَاقُوْتُ الرُّمَّانِي فِي شَرْحِ الْمَقَامَاتِ لِلْبَدِيع الْهَمْدَانِي (١٤) اَخْبَارُ النُّحَاة (١٥) مِعْيَارُ الصَّرف ـ (١٦) اَلْيَاقُوت الْاَحْمَر شَرْحُ الْفقهِ الاكبر (١٧) اَلْبَصَائِر تَرجمةُ الْاَشْبَاهِ وَالنَّظائِر (١٨) تَشْيِيد الْمَبَانِي فِي النِّكَاحِ الثَّانِي (١٩) تَنْقِيحُ الْبَيَان بِجَوَازِ تعليم كتابَةِ النِّسْوَان (٢٠) تَنْبِيهُ الْمُخَالفين بِجَوابِ تفضيح المخالفين (٢١) دَافِعُ النِّفَاقِ عن اِعجازِ الْاِنْشقاق (٢٢) دستورُ الْعَمل بتَدْبِيرِ الْمَنزل (٢٣) اَلْاِفادة عَلَى العبادةِ (٢٤) اَلْوَسِيلةُ الْجَليلة ـ وغیرہ۔

مندرجہ بالا کتب ورسائل کے علاوہ، ایک فارسی دیوان بھی ہے۔

۱۳۲۲ھ میں مولانا وکیل احمد، سکندر پوری کا حیدر آباد، دکن میں انتقال ہوا۔

حیدر آباد ہی میں مدفون ہوئے۔

مولانا محمد فاروق، چِرَیّا کوٹی

مولانا محمد فاروق، چِرَیّا کوٹی (متوفی شوالُ المکرم ۱۳۲۷ھ/اکتوبر ۱۹۰۹ء)
بن قاضی علی اکبر بن قاضی عطا رسول، عباسی، چِرَیّا کوٹی۔
شیرازِ ہند، خطۂ جون پور کی ایک مردم خیز آبادی "چِرَیّا کوٹ"، ضلع اعظم گڑھ (موجودہ ضلع مئو۔ اتر پردیش) کی خاک سے اُبھرنے والی ایک معروف شخصیت کا نام ہے۔

مولانا محمد فاروق، چِریا کوٹی نے اپنے بڑے بھائی، مولانا قاضی عنایت رسول، عباسی چِریا کوٹی (متوفی ۱۳۲۰ھ) تلمیذ سَیفُ اللہِ المَسلول، علّامہ فضلِ رسول، عثمانی، بدایونی (متوفی ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) سے منقولات و معقولات کی کتابیں پڑھیں۔

چشمۂ رحمت، غازی پور میں اُس کے بانی و مؤسّس مولانا رحمت اللہ، فرنگی محلی (متوفی جمادی الاولیٰ ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء) بن مولانا نورُاللہ فرنگی محلی بن مُلّا محمد ولی، فرنگی محلی، بن قاضی غلام مصطفیٰ، فرنگی محلی، بن محمد اسعد، سہالوی، بن مُلّا قطبُ الدین شہید، سہالوی سے علم ہیئت میں اور مدرسہ حنفیہ، جون پور میں مفتی محمد یوسف، فرنگی محلی (متوفی ۱۲۸۲ھ) بن محمد اصغر، فرنگی محلی سے علمِ فقہ و اصولِ فقہ کی تعلیم، حاصل کی۔

مولانا ابوالحسن، منطقی سے، حاشیۂ زاہدیہ بر مُلّا جلال پڑھا۔

حج و زیارتِ حرمین شریفین کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔

اور مختلف مقامات کی درس گاہوں میں، درس و افادہ کا فریضہ، انجام دیا۔

مولانا محمد فاروق، چِریا کوٹی کے مختلف رسائل، متعدد علوم و فنون میں ہیں۔

عربی اشعار اور خطبہ بھی ہیں۔ آپ، عربی و فارسی، دونوں زبانوں کے ماہر ادیب و شاعر تھے۔

فارسی کلام اور عربی نثر کے کچھ نمونے "تذکرۂ علماے ہند"، مؤلّفہ مولانا رحمٰن علی میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ شوال ۱۳۲۷ھ/۲۸/اکتوبر ۱۹۰۹ء کو مولانا محمد فاروق، چِریا کوٹی کا انتقال ہوا۔

انوارِ ساطعہ، مؤلّفہ مولانا عبدالسمیع، بیدلؔ، رام پوری، سہارن پوری (متوفی ۱۳۱۸ھ) پر مولانا محمد فاروق، چِریا کوٹی کی شاندار تصدیق و تقریظ ہے۔

جس کے آخر میں آپ، مؤلّف کی تحسین و آفرین میں تحریر فرماتے ہیں کہ انھوں نے:

(عربی سے ترجمہ) ایک رسالہ تصنیف کیا میلاد شریف کی خوبیوں میں

اور اس میں کمالِ سعی اور کوشش کی ہے۔

پس، اسے خوب اچھا بنایا ہے۔

اور لوگوں کو سیدھا راستہ چلنے کا رستہ دکھایا ہے اور ہدایت بخشا ہے۔

پس، جہاں کے لوگوں پر فائق ہو گیا اور گمراہی اور فساد کے گھاٹوں کو بند کر دیا ہے۔

اے اللہ! اس کی روزی اور نیکیوں میں برکت دے۔

اور لوگوں کے واسطے، ان کی خوبیوں اور نیکیوں کی چادروں کو پھیلا دے۔ آمین۔"

(ص ۴۰۸۔ انوار ساطعہ۔ مؤلفہ مولانا عبد السمیع، بیدلؔ، رام پوری، سہارن پوری۔

مطبوعہ طلبۂ دورۂ حدیث ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء۔ الجامعۃ الاشرفیہ۔ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ۔ یوپی)

مولانا محمد انوار اللہ، حیدر آبادی

شیخ الاسلام، مولانا حافظ، محمد انوار اللہ، فاروقی، حیدر آبادی (ولادت ۴؍ربیع الآخر ۱۲۶۴ھ۔
بہ مقام قندھار ضلع ناندیڑ۔ موجودہ صوبہ مہاراشٹر۔ وصال ۲۹؍جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء۔
مدفون جامعہ نظامیہ۔ حیدر آباد، دکن۔ موجودہ صوبہ آندھرا پردیش)

جنوبی ہند کے بلند پایہ عالم دین و شیخ طریقت تھے۔

آپ کی دینی و علمی شخصیت ریاستِ حیدر آباد، دکن میں مرجع و مآب کی حیثیت رکھتی تھی۔

شیخ الاسلام، حضرت مولانا فاروقی کے جدِّ اعلیٰ، شہاب الدین علی، مُلقّب، بہ فرخ شاہ کابلی کی ذُرِّیّت و اَحفاد میں حضرت فریدالدین مسعود گنج شکر، اور مجدِّدِ الفِ ثانی، شیخ احمد، فاروقی سرہندی جیسی عظیم شخصیتیں ہیں۔

آپ کے والدِ ماجد، قاضی ابو محمد شجاع الدین، فاروقی (ولادت ۱۲۲۵ھ۔ وصال ۱۲۸۸ھ) سراج الہند، شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی (وصال ۱۲۳۹ھ) کے پوتا شاگرد تھے۔

حضرت شاہ محمد رفیع الدین، فاروقی، قندھاری (وصال ۱۲۴۱ھ) سے سلسلۂ قادریہ ونقشبندیہ اور حضرت حافظ سید محمد علی، چشتی، خیر آبادی (ولادت ۱۱۹۲ھ۔ وصال ذوالقعدہ ۱۲۶۶ھ) خلیفۂ حضرت شاہ محمد سلیمان، چشتی، تونسوی (وصال صفر ۱۲۶۷ھ/دسمبر ۱۸۵۰ء) سے سلسلۂ چشتیہ میں، بیعت و اجازت و خلافت رکھتے تھے۔

مولانا انوار اللہ، فاروقی، حیدر آبادی کی ابتدائی تعلیم و تربیت

آپ کے والدِ ماجد، قاضی شجاع الدین، فاروقی کے زیرِ تربیت ہوئی۔

گیارہ سال کی عمر میں، حفظِ قرآن، مکمل کیا۔

پھر تفسیر و حدیث، شیخ عبداللہ، یمنی (نزیل حیدر آباد) سے پڑھ کر، ان کی سند پائی۔

فقہ و معقول کی تعلیم، حیدر آباد ہی میں مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی (ولادت شعبان ۱۲۳۹ھ۔ لکھنو۔ وصال ۱۲۸۵ھ۔ مدفون متصل مزارِ حضرت شاہ یوسف قادری، حیدر آبادی) اور آپ کے صاحبزادے، مولانا عبدالحیٔ، فرنگی محلی (ولادت ۱۲۶۵ھ۔ وصال ۱۳۰۴ھ) سے حاصل کی۔

فقہ کی بعض کتابیں، مولانا فیاض الدین، اورنگ آبادی سے بھی پڑھیں۔

حضرت مولانا فاروقی نے ایک طویل مدت تک، مولانا عبدالحیٔ، فرنگی محلی سے علوم وفنون کی
تحصیل و استفادہ کا سلسلہ، جاری رکھا۔
اِسی لئے حضرت مولانا فاروقی کا، مولانا عبدالحیٔ، فرنگی محلی کے ممتاز تلامذہ میں شمار ہوتا ہے۔
تحصیل و تکمیلِ علومِ دینیہ کے بعد، شیخ الاسلام، مولانا انوارُاللہ، فاروقی، حیدرآبادی کی زندگی
درس وتدریس، وتصنیف وتالیف اور ارشاد وہدایت میں گذری۔
آپ کی درس گاہ سے فیض یافتہ سیکڑوں باصلاحیت علما، تفسیر وحدیث وفقہ میں ممتاز اہلِ علم
وفضل ہوئے، جنھوں نے جنوبی ہند کے مختلف علاقوں میں نمایاں دینی وعلمی خدمات، انجام دیں۔
آپ کے تلامذہ میں آصفِ سادس، نواب میر محبوب علی خاں
اور آصفِ سابع، نواب میر عثمان علی خاں بھی، شامل ہیں۔
حضرت مولانا فاروقی، حج وزیارتِ حرمین شریفین کی سعادت سے ۱۲۹۴ھ و ۱۳۰۱ھ
اور ۱۳۰۵ھ میں، بہرہ ور ہوئے۔ آخری سفرِ حج وزیارت کے موقع پر، مدینہ منورہ میں طویل مدت
تک آپ نے قیام کیا۔ اِس مبارک قیام کے دوران آپ نے مکتبہ شیخ الاسلام، عارف حکمت
اور مکتبہ محمودیہ مدینہ منورہ سے کافی اِستفادہ کیا اور، زرِ کثیر، صَرف کر کے
متعدد نادر کتابیں، نقل کرا کے، اپنے ساتھ، حیدرآباد دکن لائے۔
مدینہ منورہ ہی میں آپ نے اپنی مشہور کتاب ''انوارِ احمدی'' تالیف فرمائی
جو، آپ کے جذباتِ محبت وعشقِ رسول عَلَیْہِ التَّحِیَّۃُ وَالثَّناء سے لبریز
ایک روح پرور کتاب ہے۔ اور اس پر، آپ کے شیخِ طریقت
حاجی امدادُاللہ، چشتی، صابری مہاجرِ مکی (وصال ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) کی تقریظ بھی ہے۔
آپ، جو، نادر کتابیں، نقل فرما کر، ہندوستان لائے، اُن کے نام، یہ ہیں:
(۱) ''کنزُالعُمَّال فِی سُنَنِ الْاَقوال وَالْاَفعال'' لِلشَّیخ عَلِی الْمتقی (۲)
جامِعُ مَسَانِیدِ الْاِمَام ابی حنیفة النُّعمان (۳) اَلْجوهَرُ النَّقِی عَلٰی سُنَنِ الْبیهقی۔
ان قیمتی نوادر کی طباعت واشاعت کے لئے آپ نے حیدرآباد، دکن میں
''دَائِرَۃُ الْمَعارفِ النِّظامیة (معروف، بہ دَائِرَۃُ الْمَعارِفِ الْعُثْمَانیة) قائم، فرمایا۔
اور بڑے اہتمام کے ساتھ، ان کی طباعت واِشاعت، اسی دَائِرَۃُ الْمَعارِف سے ہوئی۔
دَائِرَۃُ الْمَعارِف کا قیام آپ کی تحریک سے ہوا، جسے مولانا محمد عبدالقیوم اور عمادُالملک کی

تائید، حاصل تھی۔ اس کی جانب سے اب تک کئی سو، نادِر
اور اہم کتب ورسائل کی طباعت واِشاعت ہوچکی ہے۔
عوام کے اندر، ذوقِ مطالعہ پیدا کرنے اور انھیں، صحیح اسلامی معلومات، فراہم کرنے کے لئے
۱۳۰۸ھ میں، مولانا فاروقی نے ہر دو مذکور حضرات کی تائید کے ساتھ "کتب خانہ آصفیہ"
قائم کرنے کی تحریک کی، جو، کامیابی سے ہم کنار ہوئی، اور اس کتب خانہ کا فیض، اب تک جاری ہے۔
اس سے بہت پہلے ۱۲۹۲ھ میں، شیخ الاسلام، مولانا فاروقی نے حیدر آباد میں
ایک بڑا دارُالعلوم، قائم کیا تھا، جو، آج تک "جامعہ نظامیہ" کے نام سے درس وتدریس کے
فرائض، انجام دے رہا ہے۔ ۱۲۹۲ھ سے ۱۳۳۶ھ تک، اِس جامعہ میں حضرت مولانا فاروقی
بڑے قلبی اِنہماک ودلچسپی کے ساتھ، طلبہ کی تعلیم وتربیت میں مصروف رہے۔
جامعہ نظامیہ کے اِس وقت، متعدد شعبے ہیں۔ اِن کا کتب خانہ، مخطوطات ونوادِر کا، مخزن ہے۔
آپ کی قائم کردہ "مجلسِ اِشاعتُ العلوم" (در جامعہ نظامیہ) سے
تقریباً، سو (۱۰۰) کتب ورسائل کی طباعت واشاعت ہوچکی ہے۔
جن میں، آپ کی تصنیف کردہ، مندرجہ ذیل کتابیں بھی، شامل ہیں:
(۱) اَنوارِ احمدی (۲) مقاصِدُ الاسلام۔ گیارہ حصے (۳) حقیقۃُ الفِقہ۔ اول دوم
(۴) کتابُ العقل (۵) اِفادۃُ الافہام۔ اول دوم (۶) انوارُ الحق۔
علمِ حدیث کے موضوع پر آپ کی ایک اہم کتاب
"اَلْکَلامُ الْمَرْفُوع فِی مایتعلّق بِالْحَدیثِ الْمَوْضُوع" (مطبوعہ)
اور محفلِ میلاد مع قیام کے جواز واِستحباب پر، ایک عالمانہ وعارِفانہ کتاب
بُشریٰ الْکِرَام فِی عَمَلِ الْمَولدِ وَالْقِیام (مطبوعہ) ہے۔
"انوارِ احمدی" مؤلّفہ: شیخ الاسلام، مولانا انوارُ اللہ، فاروقی، حیدر آبادی پر
اپنے تأثرات وخیالات کا اظہار کرتے ہوئے آپ کے پیر ومُرشد، حاجی اِمدادُ اللہ، چشتی
صابری مہاجر مکی (متوفی ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) تحریر فرماتے ہیں:
"اِن دِنوں، ایک عجیب وغریب کتاب بِلا جواب، مسمّٰی بہ "انوارِ احمدی"
مصنّفہ، حضرت علّامۂ زماں وفریدِ دَوراں، عالمِ باعمل وفاضلِ بے بدل، جامعِ علومِ ظاہری
وباطنی، عارف باللہ، مولوی محمد انوارُ اللہ، حنفی، چشتی، سَلَّمَہُ اللّٰہُ تعَالیٰ، فقیر کی نظر سے گذری۔

اور، بہ لسانِ حق ترجمانِ مصنّف علاّمہ، اول سے آخر تک سنی

تو، اِس کتاب کے ہر ہر مسئلے کی تحقیقِ محققانہ میں، تائیدِ ربّانی پائی گئی کہ:

اس کا ایک ایک جُملہ اور فقرہ، اِمداد، مذہب اور مشربِ اہلِ حق کی، کر رہا ہے

اور حق کی طرف بلاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ، اس کے مصنّف کے علم اور عمل اور عمر میں برکت دے۔

اور نعماءِ عرفانی اور دولت وقربتِ ربّانی سے مشرّف فرما کر، مَراتبِ عُلیا کو پہنچاوے۔

اور اس کتاب کو مقبول کرے، تا کہ طالبانِ حق، اس سے مستفید ہوتے رہیں۔

آمِین۔یَارَبَّ الْعَالَمِین۔ صَلَّی اللّٰہُ تعالیٰ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمولانا محمدٍ

وَآلِہٖ وَاَصحابِہٖ اجمعین۔

کاتبُ الحروف — فقیر امداد اللہ، عفا اللّٰہُ عَنہُ — (مہر)

(انوارِ احمدی۔ بارِ پنجم مجلسِ اشاعت العلوم۔ جامعہ نظامیہ۔ حیدر آباد۔ اگست ۲۰۰۲ء)

حضرت علاّمہ ارشد القادری (متوفی ۲۰۰۲ء) نے، اِس ''انوارِ احمدی'' کی تلخیص وتسہیل

کر کے، اسے مکتبہ جامِ نور، مٹیا محل، دہلی سے شائع کرایا۔

اور شیخ الاسلام کے علم وفضل اور آپ کے اسلوبِ تحریر کو، اِس طرح، خراجِ تحسین پیش کیا:

''انوارِ احمدی'' کا مطالعہ کر کے، مَیں، حضرت فاضل مصنّف کے تبحرِ علمی، وُسعتِ مطالعہ

ذہنی اِستحضار، قوتِ تحقیق، ذہانت ونکتہ رسی، اور بالخصوص آپ کے جذبۂ حُبِ رسول

اور حمایتِ مذہبِ اہلِ سُنّت کی قابلِ قدر خصوصیات سے، بہت زیادہ، متاثر ہوا۔

جی چاہتا ہے کہ نوکِ قلم کو آنکھوں سے لگالیں، ہونٹوں سے چُومیں، دل میں اُتار لیں۔

حضرت مصنّف کے قلم کی، روانی، چشمۂ کوثر کی لہراتی ہوئی موج، بن گئی ہے۔

علم وحکمت، عشق وعرفان کے ایسے قیمتی جواہر بکھرے ہیں کہ:

ان کی جگمگاہٹ سے آنکھیں، خیرہ ہونے لگتی ہیں۔'' الخ

(درآغازِ ''انوارِ احمدی'' تلخیص وتسہیل بقلم علاّمہ ارشد القادری۔ مکتبہ جامِ نور، دہلی۔ ۱۹۸۹ء)

حضرت مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری لکھتے ہیں:

''درگاہِ معلّی، اجمیر شریف میں، مدرسہ فخریہ معینیہ چشتیہ، قائم تھا۔

لیکن، یہاں، اِس امر کا اظہار، ضروری ہے کہ:

مدرسہ فخریہ کو مکتب اور ابتدائی درجاتِ عربی و فارسی کا مدرسہ کہنا، زیادہ سزاوار ہے۔
اس کی علمی و تدریسی خدمت، مولانا عبدالمجید صاحب دہلوی کے ذمہ تھی۔
شیخ الاسلام، امامِ اہلِ سنّت، عارف باللہ، حضرت مولانا حافظ شاہ محمد انوارُ اللہ قُدِّسَ سِرُّہٗ کی جد و جہد سے صاحبزادگانِ درگاہِ معلّٰی اور استاذ العصر، مولانا محمد معین الدین اجمیری مدرسہ فخریہ اور مدرسہ معینُ الحق کے اِنضمام پر، شہریارِ دکن کی حاضریِ درگاہِ معلّٰی کی یادگار اور ذخیرۂ آخرت کے پیشِ نظر، دارالعلوم معینیہ عثمانیہ کے قیام پر، راضی ہو گئے۔'' الخ۔
(ص ۷۶۔ ''سوانحِ رفاقتی''۔ مؤلّفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری۔
کاروانِ رفاقت۔ اسلام آباد، مظفر پور، بہار۔ ۱۴۳۱ھ/نومبر ۲۰۱۰ء)

حضرت مولانا رفاقتی نے دارالعلوم معینیہ، عثمانیہ، اجمیر شریف کی روداد ۱۳۳۱ھ کے حوالے سے کچھ معلومات، درج کی ہیں۔
اِفتتاحی اجلاسِ دارالعلوم معینیہ، عثمانیہ کی، یہ خبر، تاریخی اہمیت کی حامل ہے:
''آج، بتاریخ ۱۰/ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ/نومبر ۱۹۱۳ء، روز سہ شنبہ، بعد عصر
اعلان از جانب متوسّلینِ درگاہ شریف، جلسۂ مسلمانان، روبروے بیگمی دالان آستانۂ غریب نواز قَدَّسَ اللہ سِرَّہٗ۔
اِفتتاحِ مدرسہ معینیہ، عثمانیہ، بیادگارِ تشریف آوریِ اعلیٰ حضرت، نظامُ الملک آصفی میر عثمان علی خاں صاحب۔ خَلَّدَ اللہُ مُلْکَہٗ وَ سَلْطَنَتَہٗ، ہوا۔
حاضرینِ جلسہ: مولانا مولوی حاجی محمد انوارُ اللہ صاحب مُدَّ فُیُوضُہُم۔
دیوان سید شرف الدین علی صاحب۔ میر نثار احمد صاحب، متولیِ درگاہِ معلّٰی۔ وغیرھُم۔
...... مولانا معین الدین، اجمیری صاحب کے بڑے قدرداں، شاہِ دکن کے استاذ شیخ الاسلام، حضرت مولانا شاہ، محمد انوارُ اللہ صاحب تھے۔
مولانا اجمیری کی محنت اور طلبہ کی افزونی کے پیشِ نظر، حضرت شیخ الاسلام نے ماہانہ وظیفہ، پانچ سو سے بڑھا کر، ہزار روپے کر دیے۔ مولانا اجمیری کا مشاہرہ، دونا کر دیا۔'' الخ
(ص ۷۷ و ص ۷۸۔ ''سوانحِ رفاقتی'' مؤلّفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی۔ مطبوعہ ۱۴۳۱ھ/نومبر ۲۰۱۰ء)

اِس وقت، میرے پیشِ نظر، گیارہ سو چورانوے (۱۱۹۴) صفحات پر مشتمل ایک ضخیم مجموعۂ مضامین و مقالات ''مُرَقَّعِ انوار'' ہے۔

یہ ''مرقّعِ انوار'' مطبوعہ مجلسِ اشاعتُ العلوم، جامعہ نظامیہ، حیدرآباد۔ طبع اول، ربیع الاول ۱۴۲۹ھ/اپریل ۲۰۰۸ء، جناب شاہ محمد فصیح الدین نظامی، مہتمِ کتب خانہ جامعہ نظامیہ، حیدرآباد کی کدوکاوش اور تدوین وترتیب کا ایک خوب صورت گلدستہ اور گراں قدر مرقع ہے۔

اپنے ایک مضمون میں، مرتّبِ مُرقّع، شاہ فصیح الدین نظامی نے، شیخ الاسلام، مولانا انوارُاللہ فاروقی، حیدرآبادی کا مسلک و منہاجِ عقیدہ، مختصر طور پر تحریر فرمایا ہے۔

جس کے چند اِقتباسات، ذیل میں، درج کیے جاتے ہیں:

''پھر، جس طرح، ہمارا دین، متوسّط ہے، اُسی طرح، اہلِ سُنّت کا مذہب بھی متوسّط اور اِفراط و تفریط سے دور ہے۔

.... مواقف میں لکھا ہے کہ شیعہ میں ایک فرقہ ہے جس کو ''مُفوّضہ'' کہتے ہیں۔

اس کا اِعتقاد ہے کہ، حق تعالیٰ نے حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو پیدا کر کے تمام دنیا کا پیدا کرنا، آپ سے متعلق کر دیا۔

وہابیہ کہتے ہیں کہ: محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بھی، ہم، جیسے ایک معمولی آدمی تھے۔

اہلِ سُنّت و جماعت کہتے ہیں کہ:

بے شک، آدمی ہیں۔ مگر، آدمیوں سے، بلکہ تمام عالَم سے افضل ہیں۔

خدائے تعالیٰ نے آپ کو ''رَحْمَةً لِّلْعَالَمِین'' بنایا اور ''علمِ اولین و آخرین'' آپ کو عطا ہوا۔ اس کے سِوا، اور بہت ساری خصوصیتیں ہیں، جن کو، حقانی عُلما، خوب جانتے ہیں۔''

(ص ۲۴۸۔ حصہ ششم، مقاصِدُ الاسلام۔ مؤلّفہ مولانا انوارُاللہ، فاروقی۔ مجلسِ اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ، حیدرآباد)

''اسلام میں قدیم سے، جو مذہب، قرناً بعد قرنٍ، چلا آرہا ہے

وہ ''مذہبِ اہلِ سنّت و جماعت'' ہے۔

اور اس کے سِوا، جتنے مذاہب ہیں، سب، حادث (جدید) ہیں۔

جن کا موجد (کوئی) ایک شخص ہوا۔ مثلاً:

''مذہبِ قدریہ'' کا موجد ''مَعبد جہنی'' ہے، جو، صحابہ کے زمانہ میں تھا۔

اور جس صحابی نے اس کی، یہ بدعت سُنی، اس سے اِبرائے ذِمّہ کر کے

اس کی مخالفت کا اعلان کیا۔

اسی طرح ''مذہبِ اعتزال'' کا موجِد ''واصِل بن عطا'' ہے، جو، تابعین کے زمانہ میں تھا۔
اِسی طرح، کل مذاہبِ باطلہ کا حال ہے۔ جو ''مذہبِ اہلِ سُنّت و جماعت'' سے
علیٰحدہ ہوکر، قرآن میں، ایسی بدنما تاویلیں کرتے، جو، صَراحۃً، تحریف ہیں۔
اور اپنی مرضی کے مطابق، حسبِ ضرورت، حدیثیں بنا لیتے۔
اور جو حدیثیں، ان کے اپنے مقصود کے مخالف تھیں، اُن کو موضوع قرار دیتے، یا۔ تاویلیں کرتے۔
کیوں کہ نئی بات کا موجِد، تمام اُمّتِ موجودہ سے علیٰحدگی اختیار کرتا ہے۔
وہ، جب تک، ایسی کارسازیاں نہ کرے، کوئی شخص، اس کا ہم خیال نہیں بن سکتا۔
بخلاف اس کے ''اہلِ سُنّت و جماعت'' کو
جو، ہر ایک موجِد کے زمانے میں موجود تھے، ایسی کارروائیوں کی ضرورت، نہ تھی۔
اِس سے ظاہر ہے کہ:
صرف ''اہلِ سُنّت و جماعت'' کا مذہب، ایسا ہے جس میں کسی کی ایجاد کو، دخل نہیں۔
اور یہ مسلّم ہے کہ، ہمارا آسمانی دین، کسی ایجاد اور اِختراع کو، جائز نہیں رکھتا۔
چنانچہ، نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صاف فرمادیا کہ:
اِس دین میں، تہتر (۷۳) مذہب بن جائیں گے۔ مگر، وہ کل مذاہب، ناری ہیں۔
اور ناجی، ایک ہی، مذہب ہے۔
کسی نے پوچھا: وہ کون سا مذہب ہے؟ ارشاد فرمایا: جس پر مَیں، اور میرے صحابہ ہیں۔''
کَمَافِي مِشْکوٰۃِ الْمَصَابِیح۔ اِلیٰ آخِرِہٖ۔ وَفِي مَعْنَاہُ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَابو داؤد۔
(ص ۴۴ و ص ۴۵۔ حصہ دوم، حقیقۃُ الفقہ۔ مؤلّفہ مولانا انوار اللہ، فاروقی۔ مطبوعہ مجلسِ اشاعت العلوم۔
جامعہ نظامیہ۔ حیدر آباد)
''شاید بعض لوگ، یہ سمجھتے ہوں گے کہ:
قرآن شریف، صرف توحید اور احکام معلوم کرانے کے لئے نازل ہوا ہے۔ مگر، یقین ہے کہ
جب، ان آیات میں غور کیا جائے گا، تو، ضرور، یہ بات، معلوم ہو جائے گی کہ:
قرآن شریف، علاوہ، ان احکام کے، آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی عظمت
اور آداب سے بھی، روشناس کراتا ہے۔''
(ص ۲۱۶۔ انوارِ احمدی۔ مؤلّفہ مولانا انوار اللہ فاروقی۔ مطبوعہ مجلسِ اشاعت العلوم۔ جامعہ نظامیہ۔ حیدر آباد)

"آخری زمانہ کے بعض لوگ "رسول" کا معنی "ہرکارہ" لے کر، توہین کرتے ہیں۔
کس قدر، خدائے تعالیٰ کی مخالفت کی جارہی ہے؟
مسلمانوں کا فرض ہے کہ:
اس کے جوابات دے کر، حضرت (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کی فضیلت، ثابت کریں۔"

(ص ۲۱۶۔ حصہ گیارہ۔ "مقاصِدُ الاسلام"۔ مولّفہ مولانا انوار اللہ، فاروقی۔ مطبوعہ مجلسِ اشاعت العلوم۔ جامعہ نظامیہ۔ حیدر آباد، دَکن)

"وصفِ "خَاتَمُ النَّبِیِّیْن" خاصہ، آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا، ہے۔
جو، دوسرے پر، صادق نہیں آ سکتا۔ اور مَوضُوع لَہٗ، اِس لقب کا
ذاتِ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہے کہ عندالاطلاق، کوئی دوسرا، اِس مفہوم میں
شریک، نہیں ہوسکتا۔
پس، یہ مفہوم مجوزی حقیقی ہے۔"

(ص ۱۵۔ "انوارِ احمدی"۔ مولّفہ مولانا انوار اللہ، فاروقی۔ مطبوعہ مجلسِ اشاعت العلوم، حیدر آباد)

"اِس میں شک نہیں کہ، آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، اللہ تعالیٰ کے مثل
نہیں ہوسکتے۔ کیوں کہ وہ، خالق ہے اور آپ مخلوق۔ مگر، یہ کہنا بھی بے موقع، نہ ہوگا کہ:
جس طرح، حق تعالیٰ کا کوئی مثل نہیں، آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا بھی، مثل نہیں۔"

(ص ۵۷۔ حصہ گیارہ۔ "مقاصِدُ الاسلام"۔ مولّفہ مولانا انوار اللہ، فاروقی۔ مطبوعہ مجلسِ اِشاعت العلوم۔ جامعہ نظامیہ، حیدر آباد، دَکن)

"حضرت (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کا جسم ہی، نرالا تھا۔
دیکھنے کو، تو، پورا جسم۔ مگر، اس کا سایہ ندارد۔"

(ص ۶۵۔ حصہ گیارہ۔ مقاصِدُ الاسلام۔ مولّفہ مولانا انوار اللہ، فاروقی)

"جب، کسی خاص وقت میں کھڑا ہو، تو، چاہیے کہ:
کمالِ ادب کے ساتھ، کھڑا ہو۔ اور دست بستہ ہوکر، سلام، عرض کرے:
اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاسَیِّدَنَا رَسُولَ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاسَیِّدَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْن
اِس طرح کے الفاظ کے ساتھ، سلام عرض کرے، جن سے حضرت کی عظمت، معلوم ہو۔"

(ص ۲۶۔ انوارِ احمدی۔ مولّفہ مولانا انوار اللہ، فاروقی۔ مطبوعہ مجلسِ اشاعت العلوم۔ جامعہ نظامیہ۔ حیدر آباد)

''اب، شاید، یہاں کوئی، یہ اعتراض کرے کہ:
قیام، عبادت کے مشابہ ہے، اِس لئے جائز نہیں۔
تو، اس کا جواب، یہ ہے کہ:
جب، عین عبادت میں، یہ سلام، جائز ہوا
تو، مشابہ بالعبادہ میں کیوں کر، جائز نہیں ہوگا؟
(ص ۱۷۵۔ ''انوار احمدی''۔ مولّفہ مولانا انوار اللہ، فاروقی)

''ہر شخص میں صلاحیت نہیں کہ، خود، قرآن وحدیث سے وہ (مسائل) نکال سکے۔
اِس لئے عُلما، شَکَرَ اللّٰہُ سَعْیَھُم، نے، یہ کام، اپنے ذِمّہ لیا کہ:
مختلف آیات واحادیث واقوالِ صحابہ سے تحقیق کر کے، ہر ایک مسئلہ
مختصر الفاظ میں بیان کر دیا کہ ان میں، یہ کرنا چاہیے۔
چنانچہ، ایک مدت کی کوشش میں، انھوں نے، ہر ایک جُزئی مسئلہ کا حکم
قرآن وحدیث سے نکال کر، ایک علم ہی مستقل مدوّن کر دیا
جس کا نام ''فِقہ'' ہے۔ یہ ہے ''حقیقتِ فِقہ''۔
(ص ۲ و ص ۳۔ انوار احمدی۔ مولّفہ مولانا انوار اللہ، فاروقی۔ مطبوعہ مجلسِ اشاعت العلوم۔ جامعہ نظامیہ۔ حیدر آباد)

''غیر مذہب والوں کی مصاحبَت (دوستی کرنا۔ ساتھ رہنا) اور مکالَمت (بات چیت کرنا)
اور اَدیانِ باطلہ کی کتابوں کے مطالعہ سے اِعتقاد پر، بُرا، اثر پڑتا ہے۔ گو، آدمی، دین دار اور فاضل ہو۔''
(ص ۳۸۔ حقیقۃ الفقہ۔ مولّفہ مولانا انوار اللہ، فاروقی)

''احادیث سے، یہ بھی ثابت ہے کہ:
فرقۂ وہابیہ، خوارج کی ایک شاخ ہے۔ مگر، اِس وجہ سے کہ:
نئے طور پر، اس کا خروج ہوا، اِس لئے اس کا نام (وہابیہ) جُداگانہ قرار پایا۔
اور وہ فرقہ، اپنے بانی (شیخ محمد بن عبد الوھاب نجدی) کی طرف، منسوب ہوا۔
اِسی وجہ سے، یہ لوگ اپنے آپ کو ''محمدی'' کہتے ہیں۔
مگر محتاط عُلما نے جب، یہ دیکھا کہ:
عوامُ النّاس، ضرور، بُرا بھلا کہیں گے۔ اور اس میں حضور صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم
کے نامِ مبارک کی توہین ہوگی، اِس لئے وہ ''وہابی'' کے نام سے، موسوم کیے گئے''۔

(ص ۳۱۴۔ انوارِ احمدی۔ مؤلّفہ مولانا انوار اللہ، فاروقی)

امام بخاری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے، ہر ایک حدیث اور ترجمۃ الباب کے لکھنے کے قبل
غسل کر کے، مقامِ مقدس (قبر النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور منبر شریف کے درمیان)
میں، دو رکعت نماز پڑھنے کا جو اِلتزام کیا تھا، وہ، نہایت خوش اعتقادی پر، مبنی ہے۔
چند اُمورِ خیر کا کسی خاص امر میں اِلتزام کرنا، کوئی قباحت نہیں، بلکہ مستحسن ہے۔''
(ص ۵۳۔ اَلْکَلَامُ الْمَرْفُوع۔ مؤلّفہ مولانا انوار اللہ، فاروقی۔ مطبوعہ مجلسِ اشاعت العلوم۔
جامعہ نظامیہ۔ حیدر آباد، دَکن)

''اپنی حاجت روائیوں کے واسطے، شفاعت طلب کرنا، تو، کسی طرح، شرک، نہیں ہو سکتا۔
اب رہا، یہ کہ وہ، سنتے ہیں، یا نہیں؟ یہ مسئلہ، دوسرا ہے۔
اس کے دلائل، کتبِ کلامیہ میں، مذکور ہیں۔
اتنا، تو قرآن شریف سے بھی، ثابت ہے کہ:
خدا تعالیٰ، ان کو، لوگوں کی باتیں سنا سکتا ہے۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ:
اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ۔
جب، یہ ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ، ان کو، زائرین کی باتیں، سناتا ہے۔
جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے۔
تو، دور رہنے والوں کے دل کی باتیں بھی، ان کو سنا دے، تو، کیا تعجب ہے؟
(ص ۸۵ و ۸۶۔ حصہ چار۔ مقاصدُ الاسلام۔ مؤلّفہ مولانا انوارُ اللہ فاروقی۔ مطبوعہ مجلسِ اشاعت العلوم۔
جامعہ نظامیہ۔ حیدر آباد۔ دَکن)

''اب، بہت غور و فکر کے بعد، مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے
اس (شیطان) نے بے ادبی کا دروازہ کھولا اور بے ادبی کو، راست گوئی کا نام دیا۔
اب، کیسی ہی، ناشائستہ بات، کیوں نہ ہو
اس لباس میں آراستہ کر کے، احمقوں کے دماغ میں اُتار دیتا ہے۔
اور کچھ ایسا بے وقوف، بنا دیتا ہے کہ:
راست گوئی کی دُھن میں، نہ ان کو کسی بزرگ کی حُرمت و توقیر کا خیال رہتا ہے
اور، نہ اپنے انجام کا''۔

(ص ۲۷۵۔انوارِ احمدی۔ مؤلفہ مولانا انوار اللہ، فاروقی مجلسِ اشاعت العلوم۔ جامعہ نظامیہ۔ حیدر آباد)

''ختمِ نبوت'' اہلِ اسلام کا، اِجماعی عقیدہ ہے۔

خاتَمُ النَّبِیّن، جناب محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد

اب، کسی نئے نبی و رسول کی بعثت، واقع، یا۔ ممکن ماننا

اہلِ اسلام کے اِجماعی عقیدہ کے صریحاً خلاف ہے۔

اور آپ کے بعد، کسی عہد و عصر میں، ظلّی و بُروزی، کسی تاویل کے ساتھ، کسی کو بھی

نبی و رسول ماننا، یقیناً اِجماعاً، کفر و اِرتداد ہے۔

شیخ الاسلام، مولانا انوارُ اللہ، فاروقی، حیدر آبادی نے، مرزا غلام احمد، قادیانی کے دعوائے نبوت اور اس کے عقائدِ باطلہ وفتنۂ مرزائیت و قادیانیت کے خلاف

جنوبی ہند میں نمایاں ترین خدمات، انجام دے کر، لاکھوں مسلمانوں کو، مرزائی و قادیانی دامِ فریب میں گرفتار ہونے سے بچایا اور ان کے ایمان و اسلام کی حفاظت فرمائی۔

''اِفادۃُ الافہام۔ ایک مطالعہ'' کے عنوان سے، فتنۂ قادیانیت و مرزائیت پر تبصرہ کرتے ہوئے، قاضی، سید شاہ اعظم علی، صوفی، قادری لکھتے ہیں:

............''ایک طرف کلمہ گو، نام نہاد مسلمانوں کی جانب سے دعوائے نبوت اور دوسری طرف عیسائیوں کی ظاہری مخالفت۔ دونوں کے ذریعہ، انگریزی استعمار کی خدمت، پوری دل جمعی سے ہوتی رہی۔ اور مرزا غلام احمد ''قادیانی'' اور ''احمدی'' کے نام سے اسلام کے خلاف علانیہ نہیں، تو، پوشیدہ طور پر، برابر، سرگرمِ عمل رہا۔

یہاں، اِس بات کا تذکرہ، بے محل، نہ ہوگا کہ:

دارُالعلوم، دیوبند کے بانی مبانی، مولوی قاسم، نانوتوی صاحب نے اپنی ایک تصنیف ''تَحذِیرُ النَّاس'' میں، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے شرف ''خَاتَمُ النَّبِیّن'' کی عجیب و غریب تاویل کی۔ جس کے باعث، تحریکِ قادیانیت کو، نیا حوصلہ ملا۔

اور مرزائی عقیدہ کو فروغ، بلکہ استحکام، حاصل ہو گیا۔

مولوی نانوتوی صاحب رقم طراز ہیں:

''عوام کے خیال میں تو، رسول صلعم کا خاتم ہونا، بایں معنی ہے کہ:

آپ، سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر، اہلِ فہم پر روشن ہوگا کہ:

تقدم، یا۔ تأخرِ زمانی میں بِالذّات، کوئی فضیلت نہیں۔
پھر، مقامِ مدح میں وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ فرمانا، کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے؟
بلکہ، موصوف بِالْعَرض کا قصہ، موصوف بِالذّات پر، ختم ہوجاتا ہے۔
اسی طور پر، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خاتمیت کا تصور فرمایئے۔
آپ، موصوف بوصفِ نبوت بِالذّات ہیں۔ اور نبی موصوف بوصفِ نبوت بِالْعَرض۔
بایں معنی، جو، میں نے عرض کیا، آپ کا خاتم ہونا، انبیائے گذشتہ ہی کی نسبت، خاص نہ ہوگا۔
بلکہ، بِالْفرض، آپ کے زمانہ میں بھی، کہیں اور کوئی نبی ہو
جب بھی، آپ کا خاتم ہونا، بدستور، باقی رہتا ہے۔
بلکہ، اگر بِالْفَرض، بعد زمانہ نبوی بھی، کوئی نبی، پیدا ہو
تو بھی، خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق، نہ آئے گا۔
چہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور زمین، یا۔ اسی زمین میں کوئی اور نبی، تجویز کیا جائے۔"
(تَحْذِیْرُ النَّاس۔ مؤلفہ مولوی محمد قاسم، نانوتوی۔ مطبوعہ دیو بند ضلع سہارن پور۔ یوپی)
بظاہر، اِس نا قابلِ فہم تاویل، یا۔ تشریح سے ختمِ نبوت کی جڑ، ہی کٹ جاتی ہے۔
اور حضور (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کی خاتمیت، خود ہی، ختم ہوجاتی ہے (معاذَاللہ)
.... آج سے ٹھیک ایک سو (۱۰۰) سال قبل، مرزا غلام احمد قادیانی کی لکھی ہوئی
ہزاروں صفحات پر مشتمل کتاب، موسومہ بہ "اِزالۃُ الْاَوْھَام"
جب، بانیِ جامعہ نظامیہ، شیخ الاسلام، حضرت حافظ انوار اللہ، فاروقی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کی
نظر سے گذری، تو، آپ نے بخوبی اندازہ فرمالیا کہ:
بہت جلد ایک "نبیِ کاذب" کا "نیا فتنہ" سر اُٹھانے والا ہے۔
جس کے باعث، مِلّتِ اسلامیہ، شدید انتشار وافتراق اور فساد واختلاف کا
شکار ہوجائے گی۔ اور دین میں موجود سارا امن وسکون، درہم برہم ہوجائے گا۔
لِھٰـــذا، دکن سے، سب سے پہلے، حضرت شیخ الاسلام، بانیِ جامعہ نظامیہ نے اس فتنہ کی
سرکوبی کی جانب، اوّلین توجہ دی۔
اور "اِزالۃُ الْاَوْھَام" کے رَد میں "اِفادۃُ الافھام" نامی کتاب لکھنے کا، بیڑہ اُٹھایا۔
اور اُس وقت، دست یاب، مرزا غلام احمد قادیانی کی لکھی ہوئی

ایک دوسری کتاب "براہینِ احمدیہ" کے علاوہ "عصاے موسیٰ" مولفہ، منشی، الٰہی بخش
اور ڈاکٹر عبدالحلیم کی تالیف کردہ کتب "اَلذِّکْرُ الْحَکِیم" اور "مسیح الدّجّال" وغیرہ میں موجود
کفریات کی واضح، نشان دہی کرتے ہوئے شیخ الاسلام نے کئی آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ شریفہ کے
حوالوں سے صراحۃً، کنایۃً اور دَلالۃً، ہر انداز میں اس کا
دنداں شکن جواب دے کر، انھیں خاموش ولاجواب کر دیا۔
علمی دلائل، اِس قدر، وسیع ووَقیع تھے کہ "اِفادۃُ الافہام" کو، دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑا۔
حصہ اول، سات سو چھبیس (۷۲۶) صفحات پر۔
اور حصہ دوم، تین سو ساٹھ (۳۶۰) صفحات پر۔
اِس طرح، پوری کتاب کی ضخامت ایک ہزار چھیانوے (۱۰۹۶) صفحات پر، مشتمل ہے۔
جس کا سب سے پہلا ایڈیشن ۱۳۲۵ھ (یعنی ایک سو تین (۱۰۳) سال قبل) شمس الاسلام پریس
واقع چھتہ بازار (حیدرآباد) میں، زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔
..........کچھ دنوں بعد، حضرت شیخ الاسلام نے رَدِّ قادیانیت ہی پر
ایک اور کتاب "اَنْوَارُ الْحَق" کے نام سے لکھ کر، شائع فرمائی۔" الخ
(ص ۴۴۳ و ۴۴۴۔ "مرقّع انوار" مجلس اشاعت العلوم۔ جامعہ نظامیہ، حیدرآباد ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء)
رَدِّ قادیانیت پر مشتمل کتاب "اِفادۃُ الافہام" کی تالیف وطباعت ۱۹۰۵ء میں ہوگئی تھی۔
اسی طرح، شیخ الاسلام، مولانا فاروقی نے "اَنْوَارُ الْحَق" نامی کتاب، حَسَن علی، قادیانی کی
ایک کتاب "تائِیدُ الْحَق" کے جواب میں، تالیف فرمائی، جو ۱۳۲۲ھ میں طبع ہوئی۔
شیخ الاسلام، حضرت مولانا انوار اللہ، فاروقی، حیدرآبادی نے اپنے عہد وعصر میں
جنوبی ہند کے اندر، اسلام وسُنّیت کے فروغ واستحکام اور رَدِّ فِرَقِ باطلہ
بالخصوص فرقۂ وہابیت وقادیانیت کے خلاف، مجاہدانہ علمی وفکری کردار ادا کیا۔
آپ کی خدمات کا دائرہ، بہت وسیع ہے۔
اور آپ کی شخصیت وخدمت کے اثرات، جنوبی ہند میں، اب بھی، نمایاں ہیں۔
(مزید تفصیل وتحقیق کے لئے ملاحظہ فرمائیں "مرقّعِ انوار" مطبوعہ مجلسِ اشاعۃ العلوم۔
جامعہ نظامیہ، حیدرآباد۔ صوبہ آندھرا پردیش۔ ۲۰۰۸ء)

مولانا عینُ القُضاۃ، لکھنوی

مولانا عینُ القضاۃ (متولد ۱۲۷۴ھ، حیدر آباد، دکن، متوفی رجب ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۵ء لکھنؤ)

بن محمد وزیر بن محمد جعفر، نقشبندی، حیدر آبادی ثم لکھنوی (متوفی ۱۳۳۱ھ)

سلسلۂ فرنگی محل کے معروف صوفی عالم اور تجوید و قرأتِ قرآن کے مشہور مدرسہ فرقانیہ، لکھنؤ

کے بانی ہیں۔

آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے وطن، حیدر آباد، دکن میں ہوئی۔

اس کے بعد، لکھنؤ آکر مولانا عبدالحئی، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۰۴ھ) کے بعض تلامذہ سے

کچھ درسی کتابیں پڑھیں۔ پھر، آپ کی درس گاہ سے وابستہ ہوئے اور درسیات کی تکمیل کی۔

مولانا عینُ القضاۃ، حیدر آبادی ثم لکھنوی، معقولات میں، کامل دست گاہ رکھتے تھے۔

شرحِ ہدایۃ الحکمۃ کا آپ نے ایک وقیع و مبسوط حاشیہ لکھا۔

لکھنؤ ہی میں، درس و تدریس میں مصروف ہوئے۔ کچھ دنوں بعد آپ پر، جذب کی کیفیت

طاری ہوئی۔ آتشِ شوق بھڑکی تو، سورت (گجرات) پہنچ گئے۔

اور شیخ موسیٰ جی، ترکیسری کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلۂ نقشبندیہ میں

ان سے وابستہ ہو گئے۔ اور طلبِ فیض کرتے رہے۔

کچھ دنوں بعد، لکھنؤ واپس آئے اور اپنے استاذ، مولانا عبدالحئی، فرنگی محلی کے دولت کدہ

پر، رہنے لگے۔ یہاں، آپ کے والد محمد وزیر بن محمد جعفر، نقشبندی، حیدر آبادی بھی

آپ کے ساتھ رہے۔

درس و تدریس سے ہی، مولانا سید عینُ القضاۃ، لکھنوی، وابستہ رہے۔

اپنے گھر، یا۔ مسجد کے علاوہ، کہیں اور آمد و رفت سے آپ کو، سروکار نہیں تھا۔

ایک مدت بعد، عازمِ حرمین طیبین ہوئے اور وہاں، دو سال تک، قیام پذیر رہے۔

حرمین طیبین سے واپس لکھنؤ آئے، تو، پھر، وہی سلسلہ، شروع کیا۔

آپ نے، نہ شادی کی اور نہ مال و متاع سے آپ کو کسی طرح کی رغبت تھی۔

قانع اور صابر و شاکر زندگی گذراتے رہے۔

آپ کی ضروریات کے کفیل، آپ کے والدِ محترم ہی رہے۔ انھوں نے ہی، لکھنؤ میں آپ کے لئے ایک مکان بھی تعمیر کیا۔ گھر کے علاوہ، مولانا عینُ القضاۃ کا جو بھی، واسطہ تھا، وہ، مسجد سے تھا۔

مسجد میں باجماعت نماز پڑھتے تھے، مگر، خود، کبھی، امامت نہیں کرتے تھے۔

اپنے والد کے ساتھ ۱۳۲۷ھ میں آپ نے دوسرا سفرِ حج وزیارت کیا۔

پھر، لکھنؤ واپس آئے اور اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

آپ کا شوق ولگن دیکھ کر، قرآن حکیم کے درس وتجوید وقرأت کے لئے آپ کے والد نے ایک مدرسہ، قائم کیا، جو، مدرسہ فرقانیہ کے نام سے مشہور ہے۔

اس کے اِخراجات کے لئے آپ کے والد نے، زمین وجائداد بھی، وقف کی۔

والدِ ماجد، محمد، وزیر، حیدر آبادی کے وصال (۱۳۳۱ھ) کے بعد، مدرسہ فرقانیہ کا بار مولانا عینُ القضاۃ نے سنبھالا اور اسے فروغ واِستحکام بخشا۔

مدرسہ کی تعمیرات کے ساتھ، اس کے مدرسین کے مشاہرے اور طلبہ کے وظائف میں اِضافہ کیا۔

مولانا عینُ القضاۃ کے پاس، نہ ظاہری اسباب، نہ مادی وسائل تھے، نہ آپ، کسی سے مالی تعاون کے خواستگار ہوتے۔ مصارفِ مدرسہ اور مہمانوں کی ضیافت، نیز، دیگر اِخراجات کے لئے خدا جانے کہاں سے اور کس طرح سے آپ کا انتظام ہوتا تھا۔

سال میں، دوبار آپ بےشمار لوگوں کے اِجتماعی کھانے کا اِہتمام کیا کرتے تھے۔

عیدِ میلادُالنبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے موقع پر اتنی فراخ دِلانہ دعوتِ طعام کرتے کہ شہر اور اَطراف وجوانب کے ہزاروں مسلمان، اس میں شریک ہوتے۔

اس دعوت کے لئے، دوسو بھیڑ بکرے ذبح کیے جاتے۔ اس دعوت میں جشن کا سماں ہوا کرتا تھا۔

متواتر روایات میں ہے کہ:

ایک ایرانی شخص آپ کی خدمت میں آیا اور اس نے حضرت علی مرتضیٰ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْھَہُ الْکَرِیم کی شان میں، چند اشعار پڑھے۔ جس کا اثر، یہ ہوا کہ:

آپ پر، بےخودی کی ایک کیفیت، طاری ہو گئی اور اسی حالت میں آپ، سجدہ میں چلے گئے۔

اسی سجدہ میں آپ کی روح، پرواز کر گئی۔

اور آپ (رجب ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۵ء۔ لکھنؤ) وَاصِل بحق ہو گئے۔

مولانا سید محمد محدّث، اشرفی، کچھوچھوی

سرزمینِ کچھوچھۂ مقدسہ، شیرازِ ہند، جون پور کا وہ عظیم روحانی مرکز ہے
جو، سلطانُ التّارکین، مخدوم سید اشرف جہانگیر، سمنانی رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ (وصال ۸۰۸ھ)
کی نسبت سے مشہورِ اَنام اور مرجعِ خاص و عام ہے۔
چودھویں صدی ہجری کی معروف و مقبول دینی و روحانی شخصیت
شیخ المشائخ، حضرت سید شاہ، علی حسین، اشرفی، کچھوچھوی (ولادت: ۲۳ / ربیع الآخر ۱۲۶۶ھ / دسمبر ۱۸۴۹ء۔ وصال: رجب المرجب ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء)
خانوادۂ اشرفیہ، کچھوچھہ مقدسہ کے گُلِ سرسبد اور مجدّدِ سلسلۂ اشرفیہ ہیں۔
آپ کے مریدین کی تعداد، شمار سے باہر ہے۔ متعدد جلیل القدر علمائے اہلِ سنّت بھی
آپ کے حلقۂ بیعت و ارادت میں شامل اور آپ کے دامنِ کرم سے وابستہ ہوئے۔
محدّثِ اعظم، مولانا سید محمد محدّث، اشرفی، کچھوچھوی (متوفی رجب ۱۳۸۱ھ / دسمبر ۱۹۶۱ء)
آپ کے نواسہ اور ساختہ و پرداختہ ہیں۔
مولانا محمد یعقوب حسین، ضیاءُ القادری، بدایونی (متولد ۲۶ / رجب ۱۳۰۰ھ / ۲ / جون ۱۸۸۳ء۔ بدایوں۔ متوفی ۱۲ / جمادی الاخریٰ ۱۳۹۰ھ / ۱۵ / اگست ۱۹۷۰ء۔ کراچی)
آپ کی صورت و شخصیت و خطابت کی منظر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
"کتابی چہرہ، آیاتِ جلالی کا ترجمان۔ بڑی بڑی کشادہ آنکھیں، گنبدِ خضرا کی تجلیات سے معمور۔ آواز میں ہیبت اور جبروت کے ساتھ، حلاوت کا انداز بھی۔
مقفع و مسجع، فصیح و بلیغ ترجمہ پڑھ کر، مجمع کو مخاطب کر رہا ہے۔
اگر، آیاتِ قرآنی کی تفسیر کی طرف، متوجہ ہوتا ہے
تو، حقائق و معارف کا قلزمِ زخّار، دل نشیں فقرات اور ایمان افروز الفاظ میں طوفان خیز، معلوم ہوتا ہے۔
اور اَحادیث کی شرح و وضاحت پر، مائل ہوتا ہے
تو، رُشد و ہدایت کی سنہری بدلیاں، بارانِ رحمت میں مصروف، نظر آتی ہیں۔

مجمع ہے کہ وجد آفریں انداز میں جھوم رہا ہے۔ سُبْحٰنَ اللّٰہ۔ وصَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے نعروں سے فضا گونج رہی ہے۔ حاضرین پر کیف، طاری ہے۔ ایمان، تازہ ہو رہا ہے۔
اور دلوں سے سیاہی، خو بخود، دور ہوتی چلی جا رہی ہے۔"

(ابتدائیہ، بقلم ضیاء القادری، بدایونی۔ در مجموعۂ نعت "فرش پر عرش" از محدّث اعظم ہند۔ مطبوعہ بمبئی)

محدّثِ اعظم کی تسمیہ خوانی، چار سال، چار ماہ، دس دن کی عمر میں ہوئی۔ والدہ ماجدہ سے قرآن شریف پڑھا۔ والد، مولانا حکیم سید نذر اشرف، اشرفی، جائسی نے مروّجہ فارسی کی تعلیم دی۔

مدرسہ نظامیہ، فرنگی محل، لکھنؤ میں، درس نظامی کی تحصیل و تکمیل کی۔

حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی، لکھنوی (وصال رجب ۱۳۴۴ھ / جنوری ۱۹۲۶ء)
اور دیگر اساتذہ سے تعلیم پائی۔ یہیں، آپ، سندِ فضیلت سے سرفراز ہوئے۔

مدرسہ، جامع مسجد، علی گڑھ میں مفتی لطف اللہ، علی گڑھی، تلمیذِ مفتی عنایت احمد، کاکوروی سے منطق و فلسفہ پڑھا۔ حضرت مولانا وصی احمد، محدّث سورتی سے پیلی بھیت میں علمِ حدیث پڑھا۔
صحاحِ ستّہ، موطّا، شرح معانی الآثار اور دیگر کتبِ احادیث پڑھ کر، یہاں سے علمِ حدیث کی سند پائی۔

بریلی شریف میں فقیہِ اسلام، امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی کی خدمت میں فتویٰ نویسی سیکھی۔ بدایوں جا کر، مدرسہ قادریہ میں داخل ہوئے۔ وہاں سے بھی علمِ حدیث کی سند پائی۔
حضرت مولانا عبدالمقتدر، عثمانی، قادری، بدایونی سے شرفِ تلمذ پایا۔

سترہ (۱۷) سال کی عمر میں، فارغ التحصیل ہو گئے۔

حضرت مولانا سید احمد اشرف، کچھوچھوی، فرزندِ شیخ المشائخ، سید علی حسین، اشرفی، کچھوچھوی کے دستِ حق پرست پر، بیعت ہوئے۔

۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء میں دہلی کے اندر "مدرسۃ الحدیث" قائم فرمایا۔

۱۳۴۱ھ / جنوری ۱۹۲۳ء میں کچھوچھہ شریف سے ماہنامہ "اشرفی" جاری فرمایا۔

دارُالعلوم اشرفیہ، مبارک پور ضلع اعظم گڑھ (یوپی، انڈیا) کے تاحیات، سرپرست رہے۔
مختلف سُنّی تنظیموں، آل انڈیا سُنّی کانفرنس، جماعتِ رضائے مصطفیٰ، آل انڈیا سُنّی جمعیۃ العلماء وغیرہ کی سرگرمیوں میں، کلیدی کردار ادا کیا۔

ہزاروں بندگانِ خدا کو مختلف سلاسل طریقت میں داخل فرما کر، ان کی روحانی تربیت کی۔

حجازِ مقدس، عراق، فلسطین، دمشق، مصر، یمن، برما، پاکستان وغیرہ کے تبلیغی دَورے کیے۔

تصنیف وتالیف سے بھی دل چسپی رکھی۔ چھوٹی بڑی، دو درجن سے زائد کتابیں لکھیں۔
قرآنِ پاک کا سلیس ترجمہ "معارف القرآن" کے نام سے لکھا۔
نعتیہ مجموعۂ کلام "فرش پر عرش" کے نام سے مشہور ہے۔
(ملخصاً۔ از ص ۲۶ و ص ۲۷۔ محدّثِ اعظم نمبر۔ ماہنامہ، جامِ نور۔ دہلی۔ شمارہ ربیع الآخر و جمادیٰ الاولی ۱۴۳۲ھ/اپریل ۲۰۱۱ء)

محدّثِ اعظم کے اساتذہ، اَجِلّۂ عُلماے اہلِ سنّت ہیں۔
جن میں آپ کے والدِ محترم، مولانا سید نذر اشرف، جائسی اور حقیقی ماموں، حضرت مولانا سید احمد اشرف، اشرفی، کچھوچھوی کے علاوہ، مندرجہ ذیل حضرات، شامل ہیں:
(۱) حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی، لکھنوی (متوفی ۱۳۴۴ھ/جنوری ۱۹۲۶ء) (۲) حضرت مولانا مفتی محمد لطف اللہ، علی گڑھی (متوفی ذوالحجہ ۱۳۳۴ھ/اکتوبر ۱۹۱۶ء۔ تلمیذِ رشید، مفتی عنایت احمد، کاکوروی (متوفی ۱۲۷۹ھ) (۳) حضرت مولانا وصی احمد، محدّث سورتی (متوفی چہار شنبہ، بوقتِ تہجد، بتاریخ ۸/جمادیٰ الاولی ۱۳۳۴ھ/۱۶/اپریل ۱۹۱۶ء)
(۴) امام احمد رضا قادری برکاتی، بریلوی (متوفی ۲۵/صفر المظفر ۱۳۴۰ھ/۲۸/اکتوبر ۱۹۲۱ء)
(۵) حضرت مولانا مطیع الرسول عبدالمقتدر، عثمانی، قادری، بدایونی۔
متوفی ۲۵/محرمُ الحرام ۱۳۳۴ھ/۴/دسمبر ۱۹۱۵ء۔ بحالتِ سجدہ، در نمازِ فجر)
مدرسہ نظامیہ، فرنگی محل۔ لکھنؤ میں، آپ کی مدتِ تعلیم، آٹھ (۸) سال ہے۔
عُلماے فرنگی محل، بالخصوص حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی سے آپ نے خصوصی اِستفادہ کیا۔ اور فیضانِ فرنگی محل سے، دل کھول کر، مستفیض ہوئے۔
فراغتِ تعلیم کے بعد، آپ نے دہلی میں، مدرسۃ الحدیث قائم کر کے اس میں بارہ (۱۲) سال تک درسِ حدیث کا فریضہ، انجام دیا۔
دہلی کے بعد آپ نے اپنے نانا جان، حضرت سید علی حسین، اشرفی، کچھوچھوی قُدِّسَ سِرُّہٗ کے قائم کردہ ادارہ "جامعہ اشرفیہ" کچھوچھہ شریف میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہو کر ایک عرصے تک تعلیم دی اور تشنگانِ علوم وفنون کو سیراب فرمایا۔
آپ سے شرفِ تلمذ رکھنے والے چند حضرات کے اسماے گرامی، درج ذیل ہیں:
حضرت مولانا محمد سلیمان، اشرفی، بھاگل پوری و حضرت مولانا سید محمد فاخر، الہ آبادی

وحضرت مولانا مفتی افضل الدین اشرفی وحضرت مولانا سید نعیم اشرف، جائسی وحضرت مولانا سید محمد مدنی، اشرفی، کچھوچھوی۔

محدّثِ اعظم کو آپ کے ماموں اور پیرومُرشد، حضرت سید احمد اشرف، کچھوچھوی نے ۱۳۴۰ھ میں مواجہہ اقدس، مدینہ طیبہ میں اپنی اجازت وخلافت سے نوازا۔

شیخ المشائخ، سید شاہ علی حسین، اشرفی، کچھوچھوی کو آپ کے صاحب زادے سید احمد اشرف اشرفی اور نواسے، سید محمد محدّث، اشرفی کتنے عزیز تھے؟

اس کا اندازہ، آپ کے اُس تاریخی خطاب سے ہوتا ہے، جس سے آپ نے سنّی کانفرنس مرادآباد کی تاریخ کانفرنس، منعقدہ مرادآباد، ۱۹۲۵ء کو، اِس طرح نوازا:

"مجھے، جو غم کھائے جارہا ہے، وہ، یہ کہ میری عمر کا بڑا حصہ، گذر چکا ہے۔
اور ضعیفی وناتوانی نے مجھے اِس طرح گھیر لیا ہے کہ میں آپ کا ایک عضوِ معطّل ہوکر رہ گیا ہوں۔
ہاں! میری اسّی (۸۰) برس کی کمائی میں، صرف دو چیزیں ہیں
جن کی قیمت کا اندازہ، اگر آپ، میری نگاہ سے کریں گے
تو، ہفت اقلیم کی تاج داری، ہیچ نظر آئے گی۔
میری بڑی قیمتی کمائی ہے جس پر مجھ کو، دنیا میں ناز ہے اور آخرت میں بھی فخر ہوگا۔
جس کو میں، کبھی بھی، جدا نہیں کرسکتا تھا لیکن، آج، اعلانِ حق کے لئے
میں، اپنی ساری کمائی، نذر کررہا ہوں۔ میرا اِشارہ:
پہلے، اپنے لختِ جگر اور نورِ نظر، مولانا ابوالمحمود، سید احمد اشرف، اشرفی جیلانی۔
پھر، اپنے نواسہ وجگرپارہ، مولانا الحاج، ابوالمحامد، سید محمد محدّث، اشرفی، جیلانی کی طرف ہے۔
ان دونوں کی ذات، میری ضعیفی کا سرمایہ ہے۔
آج، ان جگر کے ٹکڑوں کو، نذر پیش کرتا ہوں کہ:
اعلانِ حق میں، آخری ساعت تک، سنّت واہلِ سنّت کی خدمت
جو، سپرد کی جائے، اُس میں میری تربیت وحقوق کا حق، ادا کریں۔"

(ماہنامہ، اشرفی، کچھوچھہ مقدسہ ضلع فیض آباد۔ شمارہ مئی ۱۹۲۵ء)

حضرت مولانا، ابوالمحمود، سید احمد اشرف، کچھوچھوی (متوفی ۱۳۴۷ھ)

ومحدّثِ اعظم، سید محمد محدّث، اشرفی، کچھوچھوی (متوفی ۱۳۸۱ھ)

یہ دونوں "ماموں بھانجے" امام احمد رضا، قادری، برکاتی، بریلوی سے رشتۂ تلمذ و اِستفادہ رکھنے کے ساتھ، ممتاز تلامذہ و خلفا، آپ کے بھی ہیں۔

ماموں جان نے اپنے عزیز بھانجے کو، بارگاہِ رضوی، بریلی شریف تک پہنچا کر اپنے ساتھ اپنے بھانجے کا رشتہ بھی، اُس امامِ عشق و محبت سے اُستوار کر دیا

جو، تعظیمِ رسول و تکریمِ سادات کا، اپنے عہد و عصر میں، سب سے بڑا علم بَردار تھا۔

"ایک روز، حضرت مولانا شاہ سید احمد اشرف صاحب، کچھوچھوی

(بریلی) تشریف لائے ہوئے تھے۔ رخصت کے وقت، انھوں نے عرض کی کہ:

مولوی سید محمد صاحب اشرفی، اپنے بھانجے کو، میں چاہتا ہوں کہ:

حضور کی خدمت میں حاضر کروں۔ حضور، جو مناسب خیال فرمائیں، اُن سے کام لیں۔"

ارشاد ہوا: ضرور، تشریف لائیں۔ یہاں، فتویٰ لکھیں اور مدرسہ میں، درس دیں۔"

سید محمد اشرفی صاحب تو میرے شہزادے ہیں۔ میرے پاس جو کچھ ہے

وہ، انھیں کے جدِّ اَمجد کا صدقہ و عطیہ ہے۔"

(ص ۷۵۔ الملفوظ، حصہ اول، مرتّبہ مفتیِ اعظم، مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا، نوری، بریلوی)

حضرت مولانا محمد ظفر الدین، قادری، رضوی، عظیم آبادی تحریر فرماتے ہیں:

مولانا سید محمد صاحب، کچھوچھوی کا بیان ہے کہ:

جب، دارُالافتا میں، کام کرنے کے سلسلے میں، میرا، بریلی شریف میں قیام تھا

تو، رات دن، ایسے واقعات، سامنے آتے تھے کہ:

اعلیٰ حضرت کی حاضر جوابی سے لوگ، حیران ہو جاتے۔

ان حاضر جوابیوں میں حیرت میں ڈال دینے والے واقعات، وہ علمی حاضر جوابی تھی

جس کی مثال، سنی بھی نہیں گئی۔ مثلاً:

اِستفتا آیا۔ دارُالافتا میں کام کرنے والوں نے پڑھا اور ایسا معلوم ہوتا کہ:

نئے قسم کا حادثہ، دریافت کیا گیا۔ اور جواب، جُزئیہ کی شکل میں نہ مل سکے گا۔

فُقہا کے اصولِ عامّہ سے اِستنباط کرنا پڑے گا۔

اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

عرض کیا: عجیب، نئے نئے قسم کے سوالات آرہے ہیں۔ اب، ہم لوگ، کیا طریقہ اختیار کریں؟

فرمایا: یہ تو، بڑا پرانا سوال ہے۔ ابنُ الھُمام نے فتح القدیر کے فلاں صفحہ میں۔

ابنِ عابدین شامی نے رَدُّ المحتار کی فلاں جلد اور فلاں صفحہ پر۔ فتاویٰ ہندیہ میں، خیریہ میں۔

یہ عبارت، صاف طور پر موجود ہے۔

اب جو کتابوں کو کھولا تو صفحہ، سطر، اور بتائی ہوئی عبارت میں، ایک نقطہ کا فرق نہیں۔

اِس خداداد فضل و کمال نے عُلما کو، ہمیشہ، حیرت میں رکھا۔

ایک مرتبہ، پندرہ بطن کا مناسخہ آیا۔

......یہ مناسخہ، انھیں کے سپرد کیا گیا۔

مولانا سید محمد صاحب کا بیان ہے کہ:

ان کا سارا دن، اسی مناسخہ کے حل کرنے میں لگ گیا۔ شام کو، اعلیٰ حضرت کی عادتِ کریمہ کے مطابق، جب بعد نمازِ عصر، پھاٹک میں نشست ہوئی اور فتاویٰ، پیش کیے جانے لگے

تو، میں نے بھی، اپنا قلمبند کیا ہوا جواب، اِس امید کے ساتھ، پیش کیا کہ:

آج، اعلیٰ حضرت کی داد لوں گا۔"

پہلے، اِستفتا سنایا۔ فلاں، مَرا، اور اتنے وارث چھوڑے۔ اور پھر فلاں، مَرا، اور اتنے چھوڑے۔

غرض، پندرہ (۱۵) موت، واقع ہونے کے بعد، زندوں پر، ان کے حقِ شرعی کے مطابق

تَرکہ، تقسیم کرنا تھا۔ مرنے والے تو، پندرہ تھے۔

مگر، زندہ وارث کی تعداد، پچاس (۵۰) سے، اوپر تھی۔

اِستفتا، ختم ہوا کہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

آپ نے فلاں کو اتنا، فلاں کو، اتنا دیا

اُس وقت کا میرا حال، دنیا کی کوئی لُغت، ظاہر نہیں کرسکتی۔

علوم اور معارف کی، یہ غیر معمولی حاضر جوابیاں ہیں، جن کی کوئی مثال، سننے میں نہیں آئی۔"

(ص ۲۵۴ تا ص ۲۵۶۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، حصہ اول۔ رضا اکیڈمی، بمبئی)

یومِ ولادتِ امام احمد رضا کے ایک اجلاسِ ناگ پور، مہاراشٹر، منعقدہ شوال ۱۳۷۹ھ میں خطاب کرتے ہوئے، محدّثِ اعظمِ ہند فرماتے ہیں:

"تیرھویں صدی ہجری کی، یہ واحد شخصیت تھی

جو، ختمِ صدی سے پہلے، علم و فضل کا آفتابِ فضل و کمال ہو کر

اسلامیات کی تبلیغ میں، عرب وعجم پر چھا گئی۔

اور چودھویں ہجری کے شروع، میں پورے عالَمِ اسلام میں اسے حق وصداقت کا منارۂ نور سمجھا جانے لگا۔" (ص ۳۵۔ مقالاتِ یومِ رضا، جلدِ اول۔ طبعِ لاہور۔ مرتّبہ قاضی عبدالنبی کوکب)

"آج، مَیں، آپ کو جگ بیتی نہیں، بلکہ آپ بیتی، سنا رہا ہوں کہ:

جب، تکمیلِ درسِ نظامی و درسِ حدیث کے بعد، میرے مربیوں نے کارِ افتا کے لئے مجھے، اعلیٰ حضرت کے حوالے کیا، زندگی کی یہی گھڑیاں، میرے لئے سرمایۂ حیات ہوگئیں۔

اور میں، محسوس کرنے لگا کہ:

آج تک جو کچھ پڑھا تھا، وہ، کچھ، نہ تھا۔ اور اب ایک دریائے علم کے ساحل کو پالیا ہے۔

علم کو، راسخ فرمانا، اور ایمان کو، رگ وپے میں اُتار دینا، اور صحیح علم دے کر، نفس کا تزکیہ فرما دینا، یہ وہ کرامت تھی، جو، ہر ہر منٹ پر صادر ہوتی رہتی تھی۔"

(ص ۳۸۔ مقالاتِ یومِ رضا۔ ج: ۱۔ مطبوعہ لاہور)

محدّثِ اعظم کے خلفِ اکبر، شیخ الاسلام، مولانا سید محمد مدنی، اشرفی، کچھوچھوی شہزادۂ امام احمد رضا، مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا، نوری، بریلوی اور محدّثِ اعظمِ ہند کی بصیرتِ دینی وعلمی اور روابطِ باہمی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"ہمارا ممدوح (مفتیِ اعظمِ ہند، بریلوی) خلقاً وخلقاً ومنطقاً، اپنے باپ، احمد رضا، کی سچی تصویر تھا۔ اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ کی ایسی بے داغ تصویر، آسانی سے دیکھنے کو نہیں ملتی۔

.........ہمارے ممدوح (مفتیِ اعظمِ ہند) کی سب سے بڑی کرامت ہر حال میں شریعت پر، اس کی اِستقامت ہے۔ وہ، اسلام کا بطلِ جلیل اور استقامت کا ایسا جبلِ عظیم تھا کہ نازک سے نازک وقت میں بھی، اُس کے پیروں میں لغزش، نہ آسکی۔

حضور مفتیِ اعظمِ ہند کے ایک فتویٰ کی تصدیق فرماتے ہوئے ایک مرتبہ، مخدومُ الملّت، حضور محدّثِ اعظمِ ہند نے صرف ایک جُملہ تحریر فرمایا تھا:

هٰذَا حُكْمُ الْعَالِمِ الْمُطَاعِ وَمَاعَلَيْنَا اِلَّا الْاِتِّبَاعِ۔

یہ ایک عالمِ مطاع کا حکم ہے، اور ہمارے لئے اِتباع کے سوا، کوئی چارۂ کار نہیں۔"

کلام کی عظمت، متکلّم کی عظمت سے پہچانی جاتی ہے۔ اگر، یہ کسی ایسے ویسے کا کلام ہوتا تو، اس لائق نہ ہوتا کہ اس پر کسی کلام کی بنیاد رکھی جائے۔ مگر، یہ اُس کا کلام ہے

جو، صرف، یہی نہیں کہ سیدالمتکلمین، سندالمحققین، سرآمدِ علما و صوفیہ، سراجِ خانوادۂ اشرفیہ تھا، بلکہ خود، حضور مفتیِ اعظمِ ہند کی بے پناہ عقیدت و محبت اور لازوال نیاز مندیوں کا قبلہ و کعبہ تھا۔

میرا خیال ہے کہ آج تک، مفتیِ اعظمِ ہند کا تعارف کراتے ہوئے

جو، کچھ لکھا گیا ہے اور آئندہ جو کچھ لکھا جائے گا، اُن سب کو ایک پلڑے پر، اور حضور محدّثِ اعظم کے قلم سے نکلے ہوئے اِس فقرے کو، دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو، اس کا وزن، زیادہ ہو گا۔

ہم، اُس عظیم فرزند کے فضل و کمال کا کیا تعارف کرا سکیں گے

جسے، حضور محدّثِ اعظم جیسی شخصیت بھی ''عالمِ مطاع واجبُ الاتّباع۔'' قرار دے۔''

(ص ۲۳۱۔ ''جہانِ مفتیِ اعظم''، رضا اکیڈمی۔ بمبئی۔ و مفتیِ اعظم نمبر۔ ماہنامہ استقامت، کان پور۔ شمارہ مئی ۱۹۸۳ء)

اِسی طرح، حضرت محدّثِ اعظم و صدرُ الشریعہ مولانا محمد امجد علی، اعظمی، رضوی کے مخلصانہ رَوابط و تعلقاتِ باہمی کے بارے میں، شارحِ بخاری، مفتی محمد شریف الحق امجدی (سابق صدر شعبۂ اِفتا الجامعۃ الاشرفیہ۔ مبارک پور) بطورِ عینی مشاہدہ، تحریر فرماتے ہیں:

''اشرفیہ، مبارک پور کے سالانہ جلسے میں ابتدا ہی سے حضرت صدرُ الشریعہ اور حضرت محدّثِ اعظم، ضرور شریک ہوتے تھے، اِس لئے کہ، یہ دونوں حضرات، اشرفیہ کے سرپرست تھے۔

ایک دفعہ، ایسا ہوا کہ حضرت محدّثِ اعظمِ ہند شام کو ساڑھے پانچ بجے، تشریف لائے۔ اور کہیں، بہت دور سے آرہے تھے، اِس لئے تھکے ہوئے تھے۔

بعد نمازِ عشا، کھانے کے دسترخوان پر، حضرت صدرُ الشریعہ سے فرمایا:

حضرت! مَیں، بہت، تھکا ماندہ ہوں۔ تقریر نہیں کر سکتا۔ آج، آپ بھرپور تقریر فرمائیں۔''

حضرت صدرُ الشریعہ نے فرمایا کہ:

مجھے، تقریر کرنی نہیں آتی۔ یہاں کے لوگ آپ کی تقریر سننے کے مشتاق ہیں۔

آپ، خطیب ہیں۔ مَیں، تھوڑی دیر، بیان کر دوں گا۔ پھر، آپ کو تقریر کرنی ہو گی۔''

حضرت محدّثِ اعظم نے اپنی تھکن کا عُذر، دُہرایا۔ اور ارشاد فرمایا:

حضرت! دل کھول کر، تقریر فرمادیں۔ پھر، کسی کو ہوش ہی نہیں رہے گا کہ میرا نام لے۔''

حضرت صدرُ الشریعہ نے فرمایا کہ: دیکھا جائے گا۔''

جلسہ کے وقت، حضرت محدّثِ اعظم نے فرمایا کہ:

مَیں، اگرچہ، بہت تھکا ہوا ہوں۔ سونے کے لئے مضطرب ہوں۔
مگر، جلسے میں ضرور چلوں گا۔ آج، صدرُ الشریعہ کی تقریر سُنی ہے۔"
دونوں اَکابر، ساتھ ساتھ، جلسہ گاہ میں تشریف لائے۔ اور دو کرسیاں، رکھ دی گئیں۔
اور پھر، صدرُ الشریعہ نے تقریر، شروع فرمائی۔
صدرُ الشریعہ نے خطبہ و تمہید کے بعد فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:
قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ
وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۔
حضرت شیخ عبدالحق، محدّث دہلوی، عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ وَالرِّضْوَان نے فرمایا کہ:
"کَلِمٰتُ رَبِّیْ" سے مراد، حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی مدح و ثنا ہے۔
(صدرُ الشریعہ نمبر۔ ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور۔ ص ۹۳۔ مقالاتِ شارحِ بخاری)
واقعہ کا تسلسل، برقرار رکھتے ہوئے شارحِ بخاری، عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ، فرماتے ہیں:
" مجھے، وہ منظر، اچھی طرح، ذہن نشین ہے۔
اِس کے بعد، حضرت صدرُ الشریعہ نے دو گھنٹے تقریر فرمائی۔
اور خود، حضرت محدّثِ اعظم اِس محویت سے سُن رہے تھے کہ:
کرسی پر پہلو بھی، نہ بدلا اور ٹکٹکی باندھے، حضرت صدرُ الشریعہ کو دیکھتے رہے۔"
اُس وقت، نہ واہ واہ کا، رواج تھا، نہ سُبْحٰنَ اللہ، سُبْحٰنَ اللہ کہنے کا۔
اور نہ، نعرۂ تکبیر و رسالت کا۔
وقار و اطمینان کے ساتھ، لوگ، عُلما کی تقریر سُنتے تھے۔
پھر بھی، محدّثِ اعظمِ ہند، بار بار، ہلکی آواز میں سُبْحٰنَ اللہ، سُبْحٰنَ اللہ کہتے جاتے تھے۔
اگرچہ، ان کی ہلکی آواز، پورے مجمع میں گونج جاتی تھی۔
..... دوسرے دن، حضرت محدّثِ اعظمِ ہند نے، اسی آیتِ کریمہ:
قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ کو، اپنی تقریر کا عنوان بنایا۔
اِس نکتہ کو لے کر کہ، حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی مدح و ثنا
"کَلِمٰتُ رَبِّیْ" کیسے ہے؟
دو گھنٹے، انتہائی پُر مغز، دل آویز، ایمان افروز اور پورے خطیبانہ آن بان کے ساتھ

تقریر فرمائی۔ جس کی لذت سے آج بھی، روح، سرشار ہے۔

حضرت محدّثِ اعظم نے اس شرابِ علم کو، دو آتشہ بنا کر پورے مجمع کو، مست و بے خود بنا دیا۔

(صدرُ الشریعہ نمبر۔ ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور۔ ص ۹۴۔ مقالاتِ شارحِ بخاری)

علاّمہ عبدالمصطفیٰ، اعظمی، نقشبندی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ نے اپنی چند یادداشتیں، قلمبند کی ہیں۔

جن میں آپ لکھتے ہیں:

''ایک بار، دارُالعلوم اشرفیہ کے نظامِ تعلیم و تعلُّم کے بارے میں (حضرت محدّثِ اعظمِ ہند) مجھ سے، اِستفسار فرما رہے تھے۔ اِسی ضمن میں، دریافت فرمایا کہ:

دیوانِ متنبّی کا سبق، کس مدرس کے پاس ہے؟

میں نے عرض کیا: خادم ہی کے پاس ہے۔

فرمایا: کہاں تک ہو چکی ہے؟

میں نے عرض کیا: ردیف با، قریبُ الختم ہے۔

فرمایا: واہ! ابھی تک، گویا، آپ، متنبّی کے الف ب تک پہنچے ہیں۔

اچھا، یہ تو بتایئے کہ دیوانِ متنبّی میں، نعت کا کون سا شعر، آپ کو پسند آیا؟

میں نے عرض کیا: حضور! دیوانِ متنبّی میں نعت کے شعر تو نہیں ہیں۔

گرج دار آواز میں فرمایا: کیوں نہیں ہیں؟

متنبّی نے تو، حضور عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلام کا نام لے لے کر نعت کہی ہے۔

اور ایک شعر تو، ایسا کہہ گیا ہے کہ عربی، فارسی، اردو کسی زبان میں بھی اس مضمون پر اتنا بلند پایہ شعر، آج تک، میری نظر سے، نہیں گذرا ہے۔

میں، سراپا اِستعجاب بن کر، حضرت عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کا، مُنہ تک رہا تھا کہ:

بھلا، دیوانِ متنبّی میں، نعت کا کون سا شعر ہے۔ اور وہ بھی، عدیم المثال؟

پھر، ایک دم آپ نے فرمایا: اچھا بتایئے؟ یہ شعر کس کا ہے؟

اَلا اِنَّمَا کَانَتْ وَفَاۃُ مُحَمَّدٍ

دَلِیْلاً عَلٰی اَنْ لَیْسَ لِلّٰہِ غَالِب

ترجمہ: خبردار! محمد کی وفات، اِس بات پر دلیل ہو گئی کہ خدا کے لئے کوئی غالب نہیں ہے۔''

میں نے عرض کیا: حضور! یہ متنبّی کا شعر ہے، جو، اس نے محمد بن التنوخی کی مدح میں کہا ہے۔

تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:
متنبی نے اس کو، محمد تنوخی کے لئے کہا ہوگا
مگر، ہم تو، اس شعر کو، محمد عربی کے لئے پڑھتے ہیں۔
(صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم)
کہیے۔نعت کا کتنا بلند پایہ شعر ہے؟
واہ واہ! درحقیقت، اِس شعر کو نعت میں پڑھنے کے بعد
مجھ پر بھی، ایسی کیفیت، طاری ہوئی کہ میں، سر دُھننے لگا۔
عرسِ مسعودی، بہرائچ شریف کے جلسوں میں
حضرت محدّثِ اعظم عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ وراقم الحروف (عبدالمصطفیٰ، اعظمی) اور مولانا عبدالحامد
بدایونی ومولوی شاہد، فاخری (الٰہ آبادی) چند عُلما، مدعو تھے۔
آخرالذکر دونوں صاحبان نے مہمان خانہ مسعودیہ میں قیام کیا۔
مگر، حضرت عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ اپنے مُرید، سیٹھ ننھے میاں تاجر کی کوٹھی پر تشریف فرما تھے۔
مجھے، حضرت عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کی فرقت، گوارا نہیں تھی۔
اِس لئے میں درگاہ شریف سے ننھے میاں کی کوٹھی پر پہنچا۔کوٹھی، مہمانوں سے پُر تھی۔
حضرت عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ نے فرمایا کہ: آپ، مہمان خانہ مسعودیہ میں کیوں، نہیں ٹھہرے؟
میں نے عرض کیا کہ بھلا، مَیں، حضور والا کو چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہوں؟
پھر، میں نے عرض کیا کہ: حضورِ والا نے مہمان خانہ مسعودیہ میں کیوں نہیں قیام فرمایا؟
وہاں سے شرکتِ اجلاس میں بڑی سہولت رہتی۔
مولانا عبدالحامد صاحب (بدایونی) اور مولوی شاہد فاخری صاحب (الٰہ آبادی) وہیں مقیم ہیں۔
ارشاد فرمایا کہ: سُبْحٰنَ اللّٰہ! آپ، خود، تو، وہاں، ٹھہرے نہیں۔
مگر، بنی امیہ اور بنی ہاشم کو ایک ہی منزل میں، دیکھنا چاہتے ہیں؟
وہاں، کانگریس اور مسلم لیگ کا ملاپ تو، ہو ہی چکا ہے۔
کیا، آپ، چاہتے ہیں کہ سُنّی کانفرنس بھی، ان دونوں کے ساتھ، مدغم ہو جائے؟
(مولانا عبدالحامد بدایونی، نسباً عثمانی اموی اور کٹر مسلم لیگی اور مولوی شاہد فاخری
پکے کانگریسی ہیں۔اور حضرت محدّث اعظم عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ ہاشمی اور سُنّی کانفرنس کے صدر۔

اِن حقائق کی طرف کتنے لطیف انداز میں اشارہ فرمایا ہے)

میرے قیامِ احمد آباد (گجرات) کے زمانے میں، میرے بعض حاسد مولویوں کی دَسیسہ کاریوں کی وجہ سے میرے اور حضرت محدّثِ اعظم عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کے درمیان قدرے شکر رنجی پیدا ہوگئی تھی۔ چنانچہ، میں، حج کی روانگی کے وقت ایک معافی نامہ تحریر کر کے حضرت عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ سے دعاؤں کا خواستگار ہوا۔

اس کے جواب میں، مندرجہ ذیل مضمون کا گرامی نامہ، میرے نام، عزت بخش ہوا۔

مولانا الْاَعزّا سَلَّمَکُمُ اللّٰہُ تعالیٰ

محبت نامہ نظر نواز ہوا۔ حج وزیارت کی خبر نے مَسرورُ الوقت کیا۔

میرا، ہر بُنِ مو، آپ کے لئے مصروفِ دعا ہے۔

اِس موقع پر، یہاں تو، آپ نے مجھے یاد رکھا

کاش! حرمین طیبین میں بھی آپ، یاد رکھ کر مجھے اور زیادہ مسرور کرتے۔

جس وقت، میرا دعا نامہ آپ کو ملے گا، میں، اُس وقت بنگال کی سرحد میں داخل ہو چکا ہوں گا۔

اِس لئے ملاقات نہیں ہو سکتی۔

فقط وَالدُّعا۔ دعا گو۔ فقیر، ابو المحامد سید محمد اشرفی جیلانی غُفِرَلَہٗ۔

حرمین طیبین سے واپسی پر پہلی ملاقات، مدرسہ احسن المدارس، کان پور کے اجلاس میں ہوئی۔ حضرت محدّثِ اعظم عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ نے جس اِلتفات اور گرم جوشی کے ساتھ معانقہ فرمایا، اُس کی لذت، آج تک، فراموش نہیں کر سکا ہوں۔"

(ص ۴۷ تا ص ۴۹۔ محدّثِ اعظمِ ہند: کچھ یادیں کچھ باتیں۔ بقلم علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی۔

محدّث اعظم نمبر۔ ماہنامہ جامِ نور۔ دہلی۔ شمارہ ربیع الآخر و جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ / اپریل ۲۰۱۱ء)

سوامی شردھانند، وغیرہ کی شدھی تحریک (تحریکِ اِرتدادِ مسلمین) ۱۹۲۳ء کے جواب و دفاع میں جاری کوششوں اور اہلِ اسلام کی قربانیوں کو محدّثِ اعظم نے صرف قریب سے دیکھا نہیں بلکہ عملی طور پر بھی، آگرہ کے مرکزی محاذ تک پہنچے۔ چنانچہ، اِس سلسلے میں آپ لکھتے ہیں:

"مؤرخہ ۲۳ ذو الحجہ ۱۳۴۱ھ مطابق اگست ۱۹۲۳ء کو، میں، طلبیدہ، فرنگی محل، لکھنؤ گیا اور وہاں سے آگرہ، روانہ ہوا۔ تا کہ مُبلّغینِ اسلام کی مساعیِ جمیلہ کا مشاہدہ کروں۔"

(ماہنامہ اشرفی، کچھوچھہ ضلع فیض آباد۔ ذو الحجہ ۱۳۴۱ھ / اگست ۱۹۲۳ء)

عیدگاہ بھڑوچ، گجرات کی ایک کانفرنس منعقدہ ۱۸رتا ۲۰رنومبر ۱۹۵۷ء کے

خطبۂ صدارت میں آپ، فرماتے ہیں:

''مگر، ملکانہ کا، ذرہ ذرہ گواہ ہے۔ اور اُس وقت کے حکومتی دفاتر، گواہ ہیں کہ:

''جماعتِ رضائے مصطفیٰ (بریلی) نے تحریک (شدھی) کو، ایسی فاش شکست دی کہ

جو، بچھڑ چکے تھے، آ کے گلے ملے اور جو، بچھڑنے کے قریب تھے وہ بچے رہے۔

اور اس سَعی کے نتیجے میں جو، قطعی بیگانے تھے، ان کی بڑی تعداد کے افراد، اپنے یگانے ہو گئے۔

(ماہنامہ ''سُنی'' لکھنؤ۔ شمارہ ماہ جمادی الآخرہ ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء)

اپنے ایک گراں قدر مضمون میں، محدِّثِ اعظمِ ہند، تحریر فرماتے ہیں:

مجھے، ان ایامِ جنگ میں، جماعت (رضائے مصطفیٰ بریلی) کے جنگی دفتر (محلہ رکاب گنج۔

آگرہ) میں حاضری کا شرف، حاصل ہو چکا ہے۔

.........ہم، ممبرانِ جماعت (رضائے مصطفیٰ) سے واقفیت رکھتے ہیں۔

اور ان کے عیش و آرام کا، بار بار مشاہدہ کیا ہے۔

اب، ان کو، ملکانہ میں وسیع دسترخوان کی جگہ۔ کسی درخت کے نیچے۔ فرشِ زمین پر بیٹھا

کئی وقتوں کے بعد، چنے چباتے بھی دیکھتے ہیں تو، ہماری آنکھوں سے آنسو کی جگہ، خون ٹپک پڑتا ہے۔

مسلمانو! صرف، دو دن بھوکے پیاسے رہو۔ اور پھر، سوچو کہ اسلامی فوج، تقریباً دو برس

تک، بھوکی پیاسی، لڑی۔ اور بتاؤ کہ تم، لشکرِ اسلام کا، اِس سے زیادہ، کیا امتحان لینا چاہتے ہو؟

(ص ۲۲ تا ۳۴۔ روداد ''جماعتِ رضائے مصطفیٰ''، بریلی، ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء، ۱۹۲۴ء)

اپنی آواز، اپنا پیغام، اپنا خیال، اپنی فکر، اپنی تحقیق، دوسروں تک پہنچانے کے لئے

محدِّثِ اعظم نے زبان کے ساتھ، قلم کا بھی سہارا لیا اور ہمہ جہت و ہمہ وقت مصروف رہنے کے

باوجود آپ کی متعدد تحریری خدمات، آپ کی دینی و علمی یادگار ہیں۔

جن میں، سرِ فہرست آپ کا ترجمۂ قرآن، بنام ''معارفُ القرآن'' ہے

جس کے اردو ہندی و گجراتی ایڈیشن ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء میں ایک ساتھ، منظرِ عام پر آئے۔

معارف القرآن کی تکمیل ۱۳۶۶ھ میں ہوگئی تھی جس کے بعد تفسیرِ قرآن کا بھی کام، شروع

ہو گیا تھا۔ مگر، اس کا سلسلہ، تین پاروں سے آگے نہ بڑھ سکا۔

ترجمہ و تفسیر کے علاوہ، آپ کی کتب و رسائل کے نام، یہ ہیں:

(۱) خدا کی رحمت: مجموعۂ عقائدِ اہلِ سنّت۔ مطبوعہ ۱۹۲۴ء۔

(۲) فرش پر عرش:۔ مجموعۂ نعت ومنقبت۔ طبعِ اول ۱۹۵۵ء۔

(۳) تحقیقُ البارع فی حقوقِ الشّارع: مطبوعہ ۱۳۵۷ھ انجمن اہلِ سنّت، جون پور۔

(۴) تقویٰ القلوب: جوابِ اِستفتا، سید غلام بھیک نیرنگ۔ مطبوعہ ۱۹۲۵ء۔

تقویٰ القلوب کی زیروکس کاپی، حضرت مولانا سید محمد جیلانی اشرفی، کچھوچھوی جب ماہنامہ اَلمیز ان، دہلی سے نکال رہے تھے، اُس وقت، انھوں نے اِس حکم کے ساتھ مجھے عنایت فرمایا کہ اس پر آپ، علمی وتحقیقی مضمون تحریر کریں۔

چنانچہ، تعمیلِ حکم میں ایک تفصیلی وتحقیقی مضمون میں نے سپردِ قلم کیا جسے آپ نے اپنے ماہنامہ اَلمیز ان میں 'محدّثِ اعظم! محققِ اعظم'' کے عنوان سے شائع کیا۔

(۵) بَصَارَۃُ العَین فِی اَنَّ وَقتَ العَصرِ بَعدَ المِثلَین۔ مطبوعہ کلکتہ۔ ۱۳۲۶ھ۔

(۶) اَلاِجَازَۃ بِالدُّعَاءِ بَعدصلوٰۃِ الجَنازَۃ:۔ مطبوعہ ۱۹۳۶ء۔

(۷) اَحسَنُ التَّحقِیقات فی جوازِ الدُّعاءِ لِلاموات۔ مطبوعہ کلکتہ ۱۳۳۷ھ۔

(۸) تحقیقُ التقلید:۔ مطبوعہ ۱۳۴۴ھ۔

(۹) اِتمامِ حجت، بر جَدِ منکرِ نبوت:۔ مطبوعہ کلکتہ ۱۹۲۵ء۔

(۱۰) مرقاتِ بے مثال:۔ مطبوعہ ۱۳۳۶ھ۔

(۱۱) قہرِ قہّار، بر روئے ناہنجار:۔ مولوی غنیمت حسین، مونگیری کے دس سوالوں کے جوابات۔ مطبوعہ ۱۳۳۹ھ۔

(۱۲) قَال اَقُول فِی رَدِّ اَھلِ الضَّلال وَالمَجھُول:۔ مطبوعہ کلکتہ ۱۹۴۶ء۔

(۱۳) نوکِ تیر:۔ ایک گمراہ کن اِشتہار کا دنداں شکن جواب:۔ مطبوعہ ۱۳۴۴ھ۔

(۱۴) روداد مناظرۂ کچھوچھہ شریف:۔ مکمل روداد۔ مطبوعہ

(۱۵) حیاتِ غوثُ العالَم:۔ حضرت مخدوم سمنانی (وصال ۸۰۸ھ) کی سیرت وسوانح۔ مطبوعہ کچھوچھہ مقدسہ ۱۹۲۴ء۔

آخری ایامِ حیات میں، جب کہ آپ لکھنؤ میں زیرِ علاج تھے ۱۶ رجب ۱۳۸۱ھ/۲۵ دسمبر ۱۹۶۱ء بروز دوشنبہ بوقت ساڑھے بارہ بجے دن آپ نے، اللہ اللہ کی تسبیح کے ساتھ، زندگی کی آخری سانس لی۔

اور موٹر لاری کے ذریعہ، آپ کو لکھنؤ سے کچھوچھہ شریف لے جایا گیا اور ۲۶ / دسمبر کو چار بجے شام کو، سرکارِ کلاں، حضرت مولانا سید مختار اشرف، کچھوچھوی (وصال ۱۹۹۶ء) نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور کچھوچھہ شریف میں آپ کی تدفین ہوئی۔

معارف القرآن، از محدّثِ اعظمِ ہند کے تعارف پر مشتمل، ایک مضمون میں

حضرت پروفیسر، محمد مسعود احمد، مجدّدی، مظہری، دہلوی (کراچی) تحریر فرماتے ہیں:

"راقم نے ۱۹۴۸ء اور ۱۹۵۳ء کے درمیان، حضرت مولانا سید محمد محدّثِ کچھوچھوی کی

کئی بار، زیارت کی ہے۔ عوامی جلسوں میں، نجی محفلوں اور دعوتوں میں

دہلی اور بہاول پور (پنجاب) میں، کئی بار، زیارت ہوئی ہے۔

حضرت سید محمد محدّث، کچھوچھوی عَلَیْهِ الرَّحْمَة کو، راقم (محمد مسعود احمد) کے والد ماجد، مفتیِ اعظم شاہ محمد مظہر اللہ، دہلوی عَلَیْهِ الرَّحْمَة (وصال ۱۹۶۶ء) اور راقم کے بہنوئی، پیرِ طریقت، عاشقِ رسول حضرت قاری سید محمد حفیظ الرحمٰن عَلَیْهِ الرَّحْمَة سے خاص محبت تھی۔

اِس وقت، حضرت محدّثِ اعظم، کچھوچھوی کا سراپا سامنے ہے۔

آیئے! ماضی کے جھروکے سے، ان کی زیارت کریں:

خاندانی جاہ و جلال، بادشاہوں کی اولاد، مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی (وصال ۸۰۸ھ) کے چشم و چراغ، بلند و بالا قامت، گندمی رنگ، کشادہ پیشانی، بڑی بڑی آنکھیں، بھرواں داڑھی

سر پر تاج نُما کلاہِ سمنانی، تن بدن پر عبا اور قبا، ہاتھ میں عصائے دراز زرنگار

مستانہ چال، جھوم کر چلتے ہوئے، جب جلسہ گاہ میں تشریف لاتے

تو ایسا معلوم ہوتا کہ شیر، کچھار سے نکل رہا ہو۔ بھیڑ چھٹتی چلی جاتی اور وہ آگے بڑھتے چلے جاتے۔

آواز، ایسی جیسے ہاتفِ غیبی، عالمِ بالا سے بول رہا ہو۔ گفتگو کا ٹھہراؤ، تقریر کا رَچاؤ

باتوں کی گھن گرج اور گونج، جیسے بادل، گرج رہا ہو۔ جیسے بجلی، کڑک رہی ہو۔ جیسے مینہ، برس رہا ہو۔

دور سے دیکھیے تو، رعب و دبدبہ سے دیکھا نہ جائے۔ پاس بیٹھیے تو، باتوں سے پھول جھڑیں

محبانِ رسول کے لئے شبنم کی ٹھنڈک، گستاخانِ رسول کے لئے نشتر کی چبھن۔

تقریر میں قرآنی اَسرار و معارف کا دریا بہاتے۔ لوگ، سن سن کر، حیران و ششدر رہ جاتے۔

تقریر سے پہلے، اپنے خاص انداز میں عربی خطبہ، ارشاد فرماتے۔ ٹھہر ٹھہر کر، آہستہ آہستہ

نعتِ منثور کا سماں، بندھ جاتا۔ دل، کھنچنے لگتے۔ روح پر، کیف و سرور کا عالَم، طاری ہو جاتا۔

پھر، تلاوت فرماتے۔ تقریر فرماتے۔ دھیرے دھیرے، آگے بڑھتے۔
یہاں تک کہ تقریر سے علم ودانش کے فوارے پھوٹنے لگتے۔
جب وہ، تقریر کرتے، محفل پر سناٹا چھاجاتا۔ کوئی باتیں کرتا، نظر نہیں آتا۔
سبھی، ان کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہتے۔ گستاخانِ رسول پر، ہیبت، طاری ہوجاتی۔
بلاشبہ، حضرت سید محمد محدّث، کچھوچھوی عَلَیْہِ الرَّحْمَة، صوری ومعنوی جمال وجلال کا حسین پیکر تھے۔ پھر، ان جیسا، نہ پایا۔ پھر، ان جیسا، نہ دیکھا۔

سب کہاں، کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

(محدّثِ اعظم نمبر۔ ماہنامہ جامِ نور۔ نئی دہلی۔ اپریل ۲۰۱۱ء)

شیخ الاسلام، سید محمد مدنی میاں، اشرفی، کچھوچھوی، سَوَادِ اعظم اہلِ سنّت وجماعت کے جلیل القدر عالمِ دین اور اپنے والدِ ماجد، حضرت محدّثِ اعظمِ ہند کے جانشین ہیں۔
اِس وقت، حضرت شیخ الاسلام، تفسیرِ قرآن لکھنے میں، ہمہ وقت وہمہ تن مصروف ہیں۔
اللہ تبارک وتعالیٰ، انھیں، صحت وسلامتی کے ساتھ، اِس عظیم خدمت کی تکمیل کی توفیق، عطا فرمائے۔ آمِین بِجَاہِ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِالْمُرْسَلِین عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیم۔

علمائے ''سلسلۂ خیرآباد

شاخ فرنگی محل

ص ۳۵۰ تا ص ۳۹۱

علّامہ فضلِ امام، خیرآبادی

مُلّا، محمد ولی، فرنگی محلی (برادرِ مُلّا محمد حسن، فرنگی محلی) تلمیذِ مُلّا، نظام الدین، سہالوی، فرنگی محلی
و مُلّا محمد اعلم، سندیلوی، تلمیذِ مُلّا، کمال الدین محمد، سہالوی کے نامور شاگرد
مولانا سید عبدالواحد، کرمانی، خیرآبادی (وصال ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء) تھے۔
مولانا سید عبدالواحد، کرمانی، خیرآبادی کے قابلِ افتخار شاگرد
علّامہ فضلِ امام، فاروقی، خیرآبادی (وصال ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء) ہیں۔
مُلّا، نعمت اللہ، فرنگی محلی، نبیرۂ مُلّا، محمد ولی، فرنگی محلی، تلمیذِ مُلّا، نظام الدین محلی کے ایک
مخطوطہ (مملوکہ، فرنگی محل، لکھنؤ) کے مطابق:
علّامہ فضلِ امام، خیرآبادی، مُلّا، محمد ولی، فرنگی محلی کے معروف تلامذہ میں ہیں۔
ص ۱۹۶۔ تذکرہ حکماے فرنگی محل۔ ص ۸۰۔ احوالِ علماے فرنگی محل
(حاشیہ ص ۳۸۲۔ بقلم پروفیسر محمد ایوب قادری۔ مترجم تذکرۂ علماے ہند)
علامہ فضلِ امام کے فرزند، علّامہ فضلِ حق، فاروقی، خیرآبادی (وصال ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء
امامُ الحکمۃِ والکلام، اور قائدِ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کی حیثیت سے عظیم دینی وعلمی
ادبی وتاریخی حیثیت کے حامل، شہرۂ آفاق، ہندوستانی عالم ہیں۔
کسی خطۂ ایران سے ہندوستان آنے والے، شیر ملک بن عطا ملک، فاروقی کی اولاد میں
مفتی بہاؤالدین، فاروقی، مفتیِ بدایوں ہوئے جن کی اولاد میں شیخ ارزانی، بدایونی تھے۔
انھیں کے صاحب زادے، قاضی عمادُالدین، بدایونی اپنے دَور میں، قاضیِ ہرگام (موجودہ
سیتاپور اتر پردیش۔ انڈیا کا ایک قصبہ) ہوئے۔ اور ان کی اولاد میں، قاضی ارشد، ہرگامی ہوئے۔
یہی قاضی ارشد ہرگامی، ہرگام سے خیرآباد (ضلع سیتاپور۔ یوپی) منتقل ہوئے۔
قاضی ارشد ہرگامی، علّامہ فضلِ امام، فاروقی، خیرآبادی کے والدِ محترم ہیں۔
مولانا عبدالشاہد، شیروانی، علی گڑھی، سابق لائبریرین، شعبۂ مخطوطات، مولانا آزاد لائبریری
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (متوفی جمادیٰ الاولیٰ ۱۴۰۴ھ/۱۸ فروری ۱۹۸۴ء) علّامہ فضلِ امام
فاروقی، خیرآبادی کے خاندانی احوال

اِس طرح، بیان کرتے ہیں:

''شیر الملک کے دو صاحبزادے، بہاءُ الدین اور شمس الدین، اہلِ علم بزرگ تھے۔

اُس وقت، ہندوستان، قدر دانیِ علما و مشاہیر میں خاص شہرت رکھتا تھا۔

اہلِ کمال، اِدھر کھنچ رہے تھے۔ یہ دونوں بھائی، ایران سے وارِدِ ہندوستان ہوئے۔

شمس الدین نے مَسندِ اِفتائے ''رُہتک'' (پنجاب۔ موجودہ صوبہ ہریانہ) سنبھالی۔

شاہ ولی اللہ، محدّث دہلوی، انھیں کی اولاد سے تھے۔

بہاءُ الدین، قُبَّۃُ الاسلام، بدایوں (روہیل کھنڈ) کے مفتی ہوئے۔

جن کی اولاد میں شیخ ارزانی، بدایونی، نامور بزرگ اعلیٰ درجہ کے مفتی ہوئے۔

(علّامہ فضلِ امام فاروقی، خیر آبادی، انھیں کی اولاد سے ہیں)

شیخ عمادُ الدین بن شیخ ارزانی (بدایونی) تحصیلِ علم کی خاطر، قاضیِ ہرگام (موجودہ ضلع سیتاپور۔ اتر پردیش) کی خدمتِ بابرکت میں پہنچے۔ قاضی صاحب نے تحقیقِ شرافت و نجابت کے بعد، انھیں اپنا داماد بنالیا۔ جو، قاضی صاحب کے انتقال کے بعد، قاضیِ ہرگام بن گئے۔

وہیں، شیخ اسمٰعیل پیدا ہوئے۔ جو، اپنے نانا کے بعد قاضی بنے۔ شیخ سعدی، کاکوروی کی دختر سے شادی ہوئی۔ جن سے قاضی صدرُ الدین پیدا ہوئے۔ جن کا شمار، مشاہیرِ وقت میں ہوتا تھا۔

قاضی صدرُ الدین کے، دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہوئیں۔

ایک صاحبزادے، مُلّا ابو الواعظ، اورنگ زیب عالم گیر عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کے اَتالیق رہے۔ اور فتاویٰ عالمگیری کے مؤلّفین میں سے ہیں۔ ہدایہ و مُطوّل و مُلّا جلال پر حواشی لکھے۔

ان کی شخصیت کا اندازہ، اِس سے ہوسکتا ہے کہ:

مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی (متوفی ۱۱۰۳ھ۔ والدِ استاذُ الکل، مُلّا، نظام الدین محمد سہالوی، فرنگی محلی لکھنوی) ان سے ملاقات کے لئے ہرگام پہنچے۔

علّامہ، محبُّ اللہ، بہاری، صاحبِ سُلَّم و مُسَلَّم، آپ کے شریکِ درس ہونا چاہتے تھے۔

آپ کے پاس وقت، نہ تھا اِس لئے سہالی جا کر، مُلّا، قطب الدین شہید کے شاگرد ہوئے۔

دوسرے صاحبزادے، مُلّا، عبد الماجد کے خلفُ الصِّدق، علّامہ عبد الواجد، فاضلِ جلیل تھے۔

کافیہ کی مبسوط شرح اور حاشیۂ اقلیدس لکھا۔

علّامہ عبد الوجد، کرمانی، خیر آبادی (استاذِ علّامہ فضلِ امام، خیر آبادی) نے کتب خانۂ مُلّا

قطب الدین بن قاضی شہاب الدین، گوپاموی المتوفی ۱۱۶۰ھ میں، یہ حاشیۂ اقلیدس دیکھ کر فرمایا کہ:

مَنْ حواشیِ مُلّا کہ، بر تحریرِ اقلیدس نوشتہ، دیدہ اَم۔ بغایت خوب نوشتہ۔"

دخترِ قاضی صدرُ الدین سے نسلِ مفتیانِ گوپامَو ہے۔ اسی خاندان کے ایک علمی فرد

مفتی انعام اللہ، خان بہادر، گوپاموی، مفتیِ محکمۂ قضا، دہلی، و معاصرِ علاّمہ تھے۔

یہ خاتون، مفتی عبداللہ شہابی، برادرِ کلاں، مُلّا وجیہُ الدین گوپاموی، مؤلّفِ فتاویٰ عالم گیری

کو، بیاہی گئی تھیں۔" (ص ۱۳۱، ۱۳۲۔ باغی ہندوستان۔ مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور۔ ۱۹۸۵ء)

سلسلۂ خیر آباد کے یہی عالم و مؤرخ، مولانا عبدالشاہد، شیروانی، علی گڑھی

علاّمہ فضلِ امام خیر آبادی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"مولانا فضلِ امام، خیر آبادی، بڑے طبّاع و ذہین تھے۔ سید عبدالواجد، کرمانی، خیر آبادی

کے ارشدِ تلامذہ سے تھے۔ علومِ نقلیہ و عقلیہ، انھیں سے حاصل کیے۔

اس کے بعد، صدرُ الصّدور کے عہدۂ جلیلہ پر، دہلی جا کر، فائز ہوئے۔

تذکرۂ علماے ہند (مؤلّفہ مولانا رحمٰن علی) میں ہے:

شاگردِ رشید، مولوی سید عبدالواجد خیر آبادی، بمنصبِ صدرُ الصّدوریِ شاہجہاں آباد

از سرکارِ انگریزی، عزت و امتیاز داشت۔ بر میر زاہد رسالہ و میر زاہد مُلّا جلال، حواشی نوشتہ۔

در علومِ عقلیہ گوئے سبقت ربودہ۔ آمد نامہ کہ دراں قواعدِ فارسی بیان کردہ

ترجمۂ علماے جوارِ لکھنؤ تحریر فرمودہ، بس مُفیدِ مبتدیان است۔"

مولانا صلاح الدین، صفوی، گوپاموی (تلمیذِ رشید، مولانا محمد اعظم، سندیلوی

و مُرید و خلیفۂ مولانا شاہ قدرتُ اللہ، صفی پوری) کے مُرید تھے۔

(ص ۲۲۔ سِیَرُ العلماء۔ حکیم بہاءُ الدین صدیقی، گوپاموی)

مولانا فضلِ امام نے بیسیوں مفید و معرکۃُ الآرا کتابیں لکھیں۔

جن مُصنّفات کا نام اور پتہ معلوم ہو سکا، وہ، درج کی جاتی ہیں۔

دو ایک کے سِوا، سب غیر مطبوعہ ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور تصنیف

منطق میں "مرقاۃ" ہے، جو، تمام مدارسِ عربیہ میں، داخلِ نصاب ہے۔

میر زاہد رسالہ، میر زاہد مُلّا جلال اور الاُفُق المُبِین پر حواشی لکھے۔ تلخیص الشفا

نخبۃُ السِّیَر، آمد نامہ اور تشحیذُ الاذہان شرح میزان المنطق اور خلاصۃُ التواریخ فارسی، تصنیف کیا۔

(حاشیہ:۔حاشیۂ مرزا زاہد رسالہ، امانت علی، خورجوی کے ہاتھ کا ۱۲۳۳ھ کا لکھا ہوا بخطِ پختہ مَا یُقْرَأ۔اور تلخیص الشفا، خود مصنّف کے دستِ مبارک کا مُبیّضہ۔ لٹن لائبریری (مولانا آزاد لائبریری) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نوادرِ قلمی میں محفوظ ہے۔

نخبۃُ البَر، کتب خانہ، صاحبزادہ عبید اللہ خاں، رئیسِ ٹونک میں۔ حاشیۂ الافق المبین کتب خانہ مولوی انتظام اللہ، شہابی، اکبرآبادی میں۔اور آمد نامہ، کتب خانہ سید ولایت احمد سجادہ نشین آستانہ قلندریہ، لاہرپور میں موجود ہیں۔ تشحیذُ الاذھان، مطبوعہ ہے۔ خلاصۃُ التّوارِیخ غیر مطبوعہ۔ رضا لائبریری رام پور میں ہے)

(مولانا فضلِ امام خیرآبادی نے) فرائضِ ملازمت کے ساتھ، مشغلۂ تدریس و تصنیف ہمیشہ، جاری رکھا۔ مادۂ اِفہام و تفہیم، خدا نے ایسا بخشا تھا کہ:

ایک بار، شریکِ درس ہونے کے بعد، طالب علم، دوسری طرف کا رُخ بھی، نہ کرتا تھا۔

غوث علی شاہ، جو، موصوف (مولانا فضلِ امام) کے شاگرد اور صوفی منش بزرگ گذرے ہیں، جنھوں نے تمام عمر، سیاحت میں بسر کی

اُن کا بیان "تذکرہ غوثیہ" میں، نظر سے گذرا۔ فرماتے ہیں:

شاہ عبدالعزیز صاحب، شاہ عبدالقادر صاحب اور مولانا فضلِ امام کی شاگردی کا مجھے، فخر حاصل ہے۔ آخر الذّکر اُستاد کی جو شفقت، میرے حال پر تھی، وہ، بیان سے باہر ہے۔

مولانا (فضلِ امام) کے ساتھ، دہلی سے پٹیالہ، تعلیم کی غرض سے، مَیں بھی گیا۔

میری عمر، اٹھارہ (۱۸) سال کی تھی کہ استاذ، عالَمِ جاوِدانی کو رخصت ہوئے۔

میں نے بھی، تعلیم کو خیر باد کہہ دیا کہ، نہ ایسا شفیق و قابل استاذ ملے گا، نہ پڑھوں گا۔"

(ص ۱۸۔ تذکرہ غوثیہ۔ از غوث علی شاہ، پانی پتی)

ایک بار، جب، یہی شاہ صاحب، علّامہ فضلِ حق سے ملے

اور موصوف نے تعلیم کے نامکمل رہ جانے پر اظہارِ افسوس کیا تو، کہنے لگے کہ:

"پورے عالم ہو جاتے، تو، کیا ہوتا؟ زیادہ سے زیادہ، آپ، جیسے ہوتے۔"

(مولانا فضلِ حق، خیرآبادی) کی علمی قابلیت کا اندازہ، تو، اِسی سے کیا جا سکتا ہے کہ:

ایک جانب، شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر کا ڈنکا، منقولات میں بج رہا تھا۔

اور دوسری طرف، اسی دہلی میں، مولانا فضلِ امام کے معقولات کا، سِکّہ چل رہا تھا۔

طلبہ، دونوں دریاؤں سے سیراب ہو رہے تھے۔

مفتی صدر الدین خاں آزردہ دہلوی و علاّمہ فضلِ حق خیرآبادی وغیرھُما بھی

دوسرے طلبہ کی طرح، حدیث، ایک جگہ پڑھتے تھے اور منطق وفلسفہ، دوسری جگہ۔

خود، علاّمہ (فضلِ حق، خیرآبادی) کی ذاتِ گرامی، مولانا (فضلِ امام) کی مُسلَّم الثُّبوت

قابلیت کی شاہدِ عادل ہے۔''

.......مولانا (فضلِ امام) روحانیت میں بھی، بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ آپ کے والد، شیخ محمد ارشد

(ہرگامی ثُم خیرآبادی) فرشتہ صفت انسان تھے۔ مولانا احمدُ اللہ بن حاجی صفت اللہ، خیرآبادی سے

بیعت تھے۔

آپ کے ایک صاحبزادے، عالَمِ جوانی میں فوت ہو گئے۔

یہ حالتِ نَوعمری میں احکامِ شرعیہ کے پابند، نہ تھے۔ اِس لئے مولوی ارشد صاحب کو تشویش

رہتی تھی۔ پیرومُرشد کی خدمت میں قلبی بے چینی، ظاہر کی۔ پیر نے دعا کی۔

شب میں، سرکارِ دوعالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زیارت ہوئی کہ:

سرورِ رسالت، عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالتَّسلِیم، پکے باغ میں (جہاں، مرحوم کی قبر تھی)

تشریف لائے اور بیل کے درخت کے نیچے، وضو فرمایا۔

بعد نمازِ فجر، پیرومُرید، دونوں، ایک دوسرے کو، مبارک باد دینے، روانہ ہوئے۔

راستہ میں دونوں مُلاقی ہوئے، تو، ایک دوسرے کو بشارت کا حال بتایا۔ وہیں سے دونوں

پکے باغ میں پہنچے، تو، دیکھا کہ مقامِ معہود پر، وضو کا اثر، یعنی پانی کی تَری، موجود تھی۔

ایک عرصے تک لوگ، اس کی زیارت کرتے رہے۔

مولانا عبدالقادر، بدایونی اور مولانا احمد رضا، بریلوی، ۱۳۰۹ھ میں اس مقام کی زیارت

کے لئے بریلی سے خیرآباد پہنچے۔ اور مولانا حَسَن بخش کے مہمان ہوئے۔

مفتی فخر الحسن، خیرآبادی، جو، اِن معزّز مہمانوں کی زیارت میں شریک رہے تھے

حظیرہ کے اندر، اس بیل کی جگہ بتاتے ہیں۔''

(ص ۱۳۴ تا ۱۳۹۔ سوانحِ علاّمہ فضلِ حق، درُ باغی ہندوستان (اَلثَّوْرَۃُ الْھِندِیۃ لِلْعلاّمہ

فَضلِ حق) مولانا عبدالشاہد، شیروانی علی گڑھی۔ مطبوعہ المجمع الاسلامی۔ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ)

''ظاہر ہے کہ ایسے شفیق باپ (قاضی ارشد، ہرگامی) نے فضلِ امام کی تربیت میں کیا کچھ

اُٹھا رکھی ہوگی؟

مولانا (فضلِ امام) نے دہلی میں، خواب دیکھا کہ:

رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مکان میں، فروکش ہوئے ہیں۔

اور فلاں کمرے میں اقامت پذیر ہیں۔

تعبیر، دریافت کرنے کے لئے علاّمہ (فضلِ حق) کو

حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں بھیجا۔

شاہ صاحب نے فرمایا کہ:

''جاکر، فوراً، سامان، کمرے سے باہر نکالو اور اس کو، بالکل خالی کردو۔''

چنانچہ، ایسا ہی کیا گیا۔ خالی ہوتے ہی، وہ کمرہ، فوراً گر گیا۔

یہ چیز سمجھ میں، نہ آئی۔ شاہ صاحب سے دریافت کیا گیا کہ: یہ تعبیر کیوں کر ہوئی؟

فرمایا کہ: اُس وقت بے اختیار، یہ آیت، ذہن میں آ گئی تھی:

اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَۃً اَفْسَدُوْھَا۔

ہزاروں تلامذہ میں، سب سے زیادہ نمایاں

علاّمہ فضلِ حق اور مفتی صدرالدین خاں آزردہ صدرُ الصُّدور دہلی ہوئے۔ (مفتی آزردہ سے پہلے، آپ کے استاذ، علاّمہ فضلِ امام، خیرآبادی بھی، دہلی کے صدرُ الصُّدور تھے)

..........مولانا فضلِ امام خیرآبادی، اِحاطۂ درگاہ مخدوم شیخ سعدالدین خیرآبادی میں اپنے استاذ، مُلاّ، عبدالواحد، کرمانی، خیرآبادی سے کچھ فاصلے پر شمالی حصے کی جانب آخر میں مدفون ہوئے۔ اس حصے کے آغاز میں، مولانا عبدالحق، خیرآبادی (فرزندِ علاّمہ فضلِ حق، خیرآبادی) کی قبر ہے۔''

(ص ۱۳۹ تا ۱۴۱۔ ''باغی ہندوستان''۔ مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور ضلع اعظم گڑھ یوپی۔ انڈیا۔ ۱۹۸۵ء)

سرسید احمد خاں (متوفی مارچ ۱۸۹۸ء) نے علاّمہ فضلِ امام خیرآبادی کا نام اس طرح، زیبِ قرطاس کیا ہے:

''اَکملِ اَفرادِ نوعِ اِنسی، مَہبِطِ اَنوارِ فیوضِ قُدسی، سَرابِ سرچشمۂ عینُ الیقین، مؤسِّسِ اَساسِ مِلّت و دین، ماحیِ آثارِ جَہل، ھادِمِ بِناءِ اِعتساف، مُحیِ مَراسِمِ علم، بانیِ مبانیِ انصاف، قُدوۂ عُلمائے فُحول، حاوِیِ معقول و منقول، سندِ اکابِرِ روزگار، مَرجعِ اَعالی و اَدانیِ ہر دیار، مزاج دانِ شخصِ کمال، جامعِ صفاتِ جلال و جمال، مَورِدِ فیضِ اَزل و اَبد، مَطرحِ انظارِ سعادت سرمد

مصداقِ مفہوم تمام اَجزاے واسطۃُ العِقد، سلسلۂ حکمتِ اِشراقی و مشائی۔

زُبدۂ کرام، اُسوۂ عِظام، مقتداے اَنام، **مولانا و مخدومنا مولوی فضلِ امام**

اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْمِنْعَام فِي جَنَّةِ النَّعِيم بِلُطْفِهِ الْعَمِيم۔

(ص ۵۶۰۔ آثارُالصّنادید۔ مؤلّفہ سر سید احمد خاں۔ مطبوعہ اردو اکاڈمی، دہلی۔ ۲۰۰۰ء)

اور علّامہ فضلِ امام خیرآبادی کا تعارف، سر سید نے، اِس طرح تحریر کیا ہے:

''مجال نہیں کہ آپ کے اوصافِ حمیدہ اور محامدِ پسندیدہ، تقریر کر سکے

اگر، ہزار برس، مشقِ سخن کرے اور اسی ذکر میں، زبان، سخن سنجی سے معاف نہ رکھے۔

یقین ہے کہ ہزار سے ایک، نہ ادا ہو سکے۔

علومِ عقلیہ اور فنونِ حکمیہ کو، ان کے طبعِ وَقّاد سے اعتبار تھا اور علومِ ادبیہ کو ان کی زبان دانی سے اِفتخار۔ اگر، ان کا فکرِ صائب، براہینِ ساطعہ قایم، نہ کرتا

اشکالِ ہندسہ، تارِ عنکبوت سے سست تر، نظر آتیں۔

اِس نُواح میں ترویجِ علم و حکمت و معقول کی، اِسی خاندان سے ہوئی۔

گویا، اس دودۂ والا تبار سے اس علم نے یک جہتی، بہم پہنچائی ہے۔

باوجود، اِن کمالات کے، خُلق اور حلم کا کچھ حساب، نہ تھا۔

ہمیشہ، سرکارِ حُکّامِ وقت میں مناصبِ بلند سے سرفراز، اَبناے عہد سے ممتاز رہے۔

پایۂ ہمت آپ کا، بلند تھا اور سلوک آپ کا، حق پسند۔

بہ سبب کثرتِ ایثار کے، تنگیِ دستِ خلائق دیکھ نہ سکتے تھے۔

اور ہمیشہ، بہ سبب خُلقِ وسیع کے، ہر عاجز و زبوں حال کو، عرض و نیاز سے منع، نہ کرتے۔

اگرچہ، وطنِ اصلی آپ کا، خیرآباد ہے، لیکن، چند در چند اسباب سے حضرت نے شاہجہان آباد (دہلی) میں، اِس طرح، توطّن اختیار کیا کہ گویا، یہیں کے رؤسا میں سے محسوب ہونے لگے۔

ایک مدتِ مدید ہوئی کہ ترکِ روزگار کر کے، بذاتِ خود، وطنِ مالوف (خیرآباد) کی طرف تشریف لے گئے۔ اگرچہ، اہل و عیال کی، یہاں، بدستور بود و باش رہی۔

اور جب سے گئے پھر، معاوَدت، نہ فرمائی۔

عرصہ، انیس بیس برس کا ہوتا ہے کہ عالَمِ فانی سے ملکِ باقی کی طرف سفرِ ناگزیر، اختیار کیا۔

اور یہ واقعۂ جاں کاہ، پانچویں ذوالقعدہ ۱۲۴۴ھ میں، سانح ہوا۔''

(ص ۵۶۱ ـ ''آثارُ الصّنادید''۔ مؤلّفہ سر سید احمد خاں۔ مطبوعہ اردو اکاڈمی، دہلی ۲۰۰۰ء)

علاّمہ فضلِ امام، خیر آبادی (وصال ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء)

اور شاہ عبد العزیز محدِّث دہلوی (وصال ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) دونوں، نامور معاصر عُلَما تھے۔

علاوہ ازیں، دونوں، فاروقی النَّسب اور عربی النَّسل بھی تھے۔ اوپر جا کر، دونوں کا شجرۂ نسب ایک ہو جاتا ہے، جو، حضرت سیدنا عمر بن خطاب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ تک، متصل ہے۔

علاّمہ فضلِ حق، خیرآبادی

علاّمہ فضلِ حق، خیرآبادی (ولادت ۱۲۱۲ھ/۱۷۹۷ء۔ وصال ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء)

فرزندِ علاّمہ فضلِ امام، فاروقی، خیرآبادی (وصال ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء)

اپنے عہد وعصر کے شہرۂ آفاق صاحبِ فضل وکمال اور متبحّر عالم ومصنّف ومفکّر وقائد اور مرجعِ علما وطلبہ تھے۔

مولانا فقیر محمد، جہلمی (متوفی ذوالحجہ ۱۳۳۴ھ/اکتوبر ۱۹۱۶ء) آپ کے مختصر تعارف وتذکرہ میں، رقم طراز ہیں:

''مولانا فضلِ حق بن فضلِ امام، عُمری، خیرآبادی: بڑے عالم فاضل، فقیہ، محدّث خصوصاً علمِ ادب ولُغت وحکمت وفلسفہ میں، گویا، امام وشیخ رئیس تھے۔

۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نسب، عمر بن خطاب پر، منتہی ہوتا ہے۔

علومِ معقول ومنقول، اپنے والدِ ماجد (مولانا فضلِ امام، خیرآبادی) سے حاصل کیے اور حدیث کو، شاہ عبدالقادر، دہلوی سے سنا۔

قرآن شریف کو چار ماہ میں حفظ کیا۔ تیرہ سال کی عمر میں تمام علوم کی تحصیل سے فراغت پائی۔ دور دور سے لوگ آپ کے درس میں آتے تھے۔ چنانچہ، ایک جماعتِ کثیرہ نے آپ سے علم، اَخذ کیا۔

معقولات میں تصانیفِ معتبرہ کیں اور دہلی وغیرہ میں مناصبِ جلیلہ پر مقرر، رہے۔

عربی وفارسی میں نظمِ رائق اور نثرِ فائق لکھتے تھے۔

چار ہزار اشعار آپ کے شمار کیے گئے ہیں۔

اور اکثر قصائد آپ کے، مدحِ آنحضرت (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) اور ہجوِ کفار میں ہیں۔

آپ کے اور استاذی، مفتی صدرُ الدین خاں، صدرُ الصُّدور دہلی کے درمیان بڑی دوستی تھی۔'' اِلیٰ آخِرِہٖ۔

(ص ۴۹۷۔ ''حدائق الحنفیہ''۔ مؤلّفہ: مولانا فقیر محمد، جہلمی۔ مطبوعہ ادبی دنیا۔ ٹیامحل، دہلی)

علاّمہ فضلِ حق، خیرآبادی نے اپنے والد ماجد، علاّمہ فضلِ امام، خیرآبادی

(متوفی ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء) اور حضرت شاہ عبدالقادر محدِّث دہلوی (وصال ۱۲۳۰ھ/ ۱۸۱۵ء) وحضرت شاہ عبدالعزیز محدِّث دہلوی (وصال ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) سے تعلیم وتربیت حاصل کر کے ۱۲۲۵ھ/۱۸۰۹ء میں، تمام علوم نقلیہ وعقلیہ کی تکمیل کر لی تھی۔

زندگی کے مختلف مراحل میں درس وتدریس اور تصنیف و تالیف سے آپ نے ہمیشہ خصوصی رابطہ، قائم رکھا اور غیر علمی مشاغل سے اِجتناب واِحتراز کرتے رہے۔

آپ کے تلامذہ، بڑے صاحبِ کمال اور نامور ہوئے اور علم وادب ودرس وتدریس میں انھوں نے مثالی خدمات، انجام دیں۔

بعض تلامذہ، بڑے ہی ممتاز و یگانہ روز ہوئے اور علم وفضل کا وقار، ان کے دَم سے قائم تھا۔

مولانا ضیاءالقادری، بدایونی لکھتے ہیں:

> **"مولانا فضلِ حق عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کے صدہا شاگردوں میں چار بزرگ، عناصرِ اَربعہ سمجھے جاتے ہیں:**
>
> ایک، مولانا کے صاحبزادے، مولانا عبدالحق صاحب (خیرآبادی)
>
> دوسرے، مولانا فیض الحسن صاحب، سہارن پوری
>
> تیسرے، مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب، رام پوری (ثُمّ جون پوری)
>
> چوتھے، حضرت تاج الفحول (مولانا عبدالقادر، عثمانی، بدایونی)۔ رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی۔
>
> لیکن، بقول حضرت مولانا عبدالحق صاحب، خیرآبادی:
>
> ہر سہ اصحاب، کسی خاص فن میں یکتائے عصر اور وحیدِ روزگار تھے۔
>
> مگر، حضرت تاج الفحول کا تبحُّر اور جامعیت، جُملہ علوم وفنون میں ہے۔"
>
> (ص ۲۰۷۔ اکمل التاریخ۔ مؤلفہ مولانا ضیاءالقادری، بدایونی۔ مطبوعہ بدایوں)

علاَّمہ فضلِ حق، خیرآبادی کے تلامذہ میں آپ کے صاحبزادے، علاَّمہ عبدالحق، خیرآبادی کے علاوہ، تاج الفحول علاَّمہ شاہ عبدالقادر، عثمانی، بدایونی وعلاَّمہ ہدایت اللہ، جون پوری وعلاَّمہ فیض الحسن، سہارن پوری کو، نمایاں مقام، حاصل ہے۔

علاَّمہ فضلِ حق، خیرآبادی کی تصانیف کے بارے میں مولانا عبدالشاہد، شیروانی، علی گڑھی (متوفی ۱۴ر جمادیٰ الاولیٰ ۱۴۰۴ھ/ ۱۸ر فروری ۱۹۸۴ء) سابق لائبریرین، مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) لکھتے ہیں:

''علاّمہ فضلِ حق نے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ، ہمیشہ، جاری رکھا۔
خاص اور اہم مجبوریوں کے سِوا، کبھی، اس سے تساہل نہ برتا۔
علاّمہ خیر آبادی کی تصانیف، درجنوں ہیں۔ جن میں مشہور، حسبِ ذیل ہیں:
(۱) اَلجنس الغالی شرح الجوھرِ العالی (۲) حاشیۂ الافق المبین (۳) حاشیۂ تلخیص الشفا (۴) حاشیۂ شرح سُلَّم قاضی مبارک (۵) ہدیہ سعیدیہ (۶) رسالہ تشکیکِ ماہیات (۷) رسالہ طبعی کلّی (۸) رسالۂ علم ومعلوم (۹) الرَّوضِ المجود فی تحقیقِ وحدۃِ الوجود (۱۰) رسالہ قاطیغورس (۱۱) رسالہ تحقیقِ مایعُمّ الاجسام (۱۲) الثّورۃُ الھندیۃ (۱۳) قصائد فتنۃ الھند (۱۴) مجموعۂ القصائد (۱۵) شرح تھذیب الکلام (۱۶) تحقیقُ الفتویٰ فی اِبطالِ الطَّغویٰ (۱۷) اِمتناعُ النّظیر۔
چار پانچ مصنّفات کے سِوا، سب غیر مطبوعہ ہیں۔ ہدیہ سعیدیہ اور حاشیۂ شرح سُلَّم از قاضی مبارک کی، جو، شان ہے، اُس سے علماوطلبہ، سبھی، واقف ہیں۔
ہدیہ سعیدیہ، آج تک، مدارسِ ہند وبیرونِ ہند میں داخلِ نصاب ہے۔
ہندوستان میں متعدد ایڈیشن، شائع ہو چکے ہیں۔ مصر میں بھی، چھپ چکی ہے۔''

(ص ۱۸۱ و ۱۸۲۔ ''باغی ہندوستان''۔ مطبوعہ المجمع الاسلامی۔ مبارک پور۔ ۱۹۸۵ء)

ہدیہ سعیدیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے رئیس احمد، جعفری، ندوی لکھتے ہیں:

''ہدیہ سعیدیہ، محض ایک فنّی کتاب ہے۔
لیکن، اس کی سطر سطر، مولانا خیر آبادی کے ذوقِ ادب کی تصویر ہے۔
فقرے سانچے میں ڈھلے ہوئے نکلتے ہیں۔ الفاظ، موتی کی طرح اپنی چمک دمک دکھاتے ہیں۔
اندازِ بیان کی فصاحت وبلاغت، یہ محسوس، بھی نہیں ہونے دیتی کہ:
ہم، فلسفہ کے خارستان میں، بادیہ پیمائی کر رہے ہیں۔
بلکہ، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ:
چمنستانِ ادب اور حدیقۂ معنی کے گل گشت میں، مصروف ہیں۔''

(ص ۸۷۔ ''بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد''۔ مؤلفہ رئیس احمد، جعفری، ندوی۔ مطبوعہ کتاب منزل۔ لاہور)

علاّمہ فضلِ حق، خیر آبادی کے مذہبی ذوق ورُجحان، عبادت وخشیّت اور بیعت وارادت ودرس وتدریس اور حُسنِ سلوک کے سلسلے میں سلسلۂ خیر آباد کے عالم ومؤرخ مولانا عبد الشاہد، شیروانی، علی گڑھی لکھتے ہیں کہ:

''علاّمہ، جب لکھنؤ میں صدرُ الصُّدور کے فرائض، انجام دے رہے تھے

تو، منشی نولکشور (لکھنؤ) نے بکمالِ ادب، عرض کیا کہ:

اوقاتِ فرصت میں عربی کتب کی کاپی، ملاحظہ فرما کر مطبع کی عزت، دوبالا فرمائیں

تو، عین بندہ نوازی ہوگی۔''

جسے، از راہِ اخلاق، آپ کو منظور کرنا پڑا۔

کسی مجتہدُ العصر کی ایک کتابِ مناظرہ، مطبع میں طبع ہونے آئی۔

اس کی کاپیاں، ملاحظہ کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں بھیجی گئیں۔

آپ، تصحیحِ عبارت کے ساتھ، حاشیہ پر، اعتراضات کے جوابات بھی لکھتے جاتے تھے۔

جب، کتاب چھپ کر، ان مجتہد صاحب کے پاس بھیجی گئی

تو، اسے دیکھ کر، سر پیٹ لیا کہ تمام عمر کی محنت، برباد گئی۔

دریافت پر، منشی نولکشور (لکھنؤ) نے اصل حقیقت، ظاہر کردی۔

آخرش، کتابوں کے انبار میں آگ لگوادی گئی۔ ''تذکرۂ فضلاے ہند''۔

نیز، روایتِ مولوی حکیم ظفر الحق، خیر آبادی بن مولانا اسدالحق خیر آبادی بن مولانا عبدالحق خیر آبادی بن علاّمہ فضلِ حق، خیر آبادی۔

علاّمہ خیر آبادی، عقیدۃً سُنّی، حنفی، ماتُریدی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ:

مولانا شاہ اسمٰعیل، دہلوی سے ''رَفعِ یَدَین'' اور ''آمین بِالْجَهر'' اور اِمکانِ نظیر واِمتناعِ نظیر پر، مناظرہ چھڑ گیا تھا، جو، عرصہ تک جاری رہا۔ دونوں طرف سے تحریروں کا سلسلہ، چلتا رہا۔

تَحقِیقُ الفَتوىٰ فِي اِبْطالِ الطُّغوىٰ کتب خانہ مولوی سید نجم الحسن رضوی، خیر آبادی میں، موجود ہے۔ اس میں شفاعت واِمتناعِ نظیر پر، بحث ہے۔

یہ پہلی تحریر ہے۔ اور، رسالہ ''اِمْتِناعُ النظیر'' جوابُ الجواب ہے۔

سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں حضرت شاہ، دھومن، دہلوی سے بیعت ہوئے۔

مُرید شاہ دھومن، دہلوی بود۔'' (تذکرۂ علماے ہند۔ مؤلفہ مولانا رحمٰن علی)

.........علامہ خیر آبادی، بایں ہمہ علم وفضل وریاست وامارت، شریعت وطریقت پر کس درجہ عمل پیرا تھے۔ مولانا سید عبداللہ بلگرامی (تلمیذِ علاّمہ فضلِ حق خیر آبادی) کے الفاظ میں سنیئے:

(عربی سے ترجمہ) اللہ کے دیے ہوئے ہاتھی، اونٹ، اور عمدہ قسم کے گھوڑے

اَوَامر وَنَواھی میں، اِطاعتِ خداوندی سے، نہ روکتے تھے۔
آپ، ان میں سے تھے کہ تجارت اور خرید وفروخت، اللہ کے ذِکر میں حارج نہیں ہوسکتی تھی۔
ہر ہفتہ، ختمِ قرآنِ پاک کرتے۔ تہجد کی نماز کی پابندی کرتے۔
جو، نوافل پر، اِس درجہ، مواظبت کرتا ہو، اُس کے فرائض کا حال، خود سمجھ میں آتا ہے۔
طلبہ پر شفیق، اور ذہین تلامذہ کے پڑھانے پر، حریص تھے۔
آسان اور سہل الفاظ میں سمجھاتے۔ کسی کے سمجھانے سے بات، نہ سمجھتے بلکہ خود، تہ تک پہنچتے۔
تعلیم وتدریس میں اپنے جگر گوشے اور عام طلبہ میں، ذرہ برابر فرق نہ کرتے۔"

(مقدمۂ ہدیہ سعیدیہ)

عَلاَّمہ، بڑے فیاض اور رحم دل، واقع ہوئے تھے۔ دوسروں کی تکلیف، دیکھ، نہ سکتے تھے۔
داد ودہش کا سلسلہ، ہمیشہ، جاری رہتا۔
دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ، حُسنِ سلوک، آپ کا طرّۂ اِمتیاز تھا۔"

(ص ۲۰۱ تا ۲۰۳۔ سوانحِ علاَّمہ فضلِ حق خیرآبادی۔ در "باغی ہندوستان" مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور ضلع اعظم گڑھ۔ یوپی، انڈیا)

مذکورہ چار ممتاز تلامذہ کے علاوہ، مولانا جمیل احمد، بلگرامی، مولانا سلطان حَسَن، بریلوی، مولانا سید عبداللہ، بلگرامی، مولانا عبدالحق بن شاہ غلام رسول، کان پوری، مولانا ہدایت علی، بریلوی، مولانا غلام قادر، گوپامئوی، مولانا خیرالدین، دہلوی (مولانا ابوالکلام آزاد کے والد) مولانا عبدالعلی ریاضی داں، رام پوری، مولانا قلندر علی، زبیری، مولانا قلندر بخش، پانی پتی، حکیم سید محمد حَسَن، امروہوی مولانا محمد اَحسن، گیلانی (مولانا مناظر حسن گیلانی کے دادا) مولانا نور احمد، بدایونی، مولانا نورُالحسن کاندھلوی، علاَّمہ فضلِ حق، خیرآبادی کے نامور تلامذہ ہیں۔

علاَّمہ فضلِ حق، خیرآبادی نے کئی سال تک، حکومتِ وقت (ایسٹ انڈیا کمپنی) کی ملازمت کی مگر، جب، اس سے اِستعفا دے دیا، تو، پھر، اس کی ملازمت سے، تا حیات، دور رہے۔
جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں آپ کا قائدانہ کردار، تاریخ کی ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔
اور اسی "جُرم" کی پاداش میں انگریزی کورٹ، لکھنؤ نے "حَبسِ دوام بعُبور دریائے شور" کی سزا سنائی اور آپ، جزیرۂ انڈمان ونکوبار/کالا پانی بھیج دیے گئے۔
جہاں ۱۲/صفر ۱۲۷۸ھ/۲۰/اگست ۱۸۶۱ء کو، کس مپرسی وغریبُ الوطنی میں آپ کا وصال ہوا۔

سر سید احمد خاں (متوفی مارچ ۱۸۹۸ء) نے علاَّمہ فضلِ حق، خیرآبادی کا تعارف و تذکرہ اس طرح، تحریر کیا ہے:

"مستجمع کمالاتِ صوری و معنوی، جامعِ فضائلِ ظاہری و باطنی، بنَاءِ بنائے فضل و افضال بہار آرائے چمنستانِ کمال، مُتَّکی ارائکِ اِصابتِ رائے، مسند نشینِ افکارِ رَسا صاحب خُلق محمدی، مَوردِ سَعادتِ ازلی و اَبدی، حاکمِ محاکماتِ مناظرات، فرماں رَوائے کشورِ محاکمالات، عکسِ آئینۂ صافی ضمیری، ثالثِ اِثنینِ بدیعی و حریری، اَلمَعیِ وقت ولَوذَعیِ زمان فرزدقِ عہد ولبیدِ زمان، مُبطلِ باطل ومُحِقِّ حق، مولانا محمد فضلِ حق۔

یہ حضرت، خلفُ الرَّشید ہیں، جناب مُستطاب، مولانا فضلِ امام، غَفَرَلَهُ اللّٰهُ المنعَام کے۔ اور تحصیل، علوم عقلیہ و نقلیہ کی اپنے والد ماجد کی خدمتِ بابرکت سے کی ہے۔

زبانِ قلم نے ان کے کمالات پر نظر کر کے، فخرِ خاندان لکھا ہے۔

اور فکرِ دَقیق نے، جب، بزرگ کار کو، دریافت کیا، فخرِ جہاں پایا۔

جمیع علوم و فنون میں یکتائے روزگار ہیں۔

اور منطق و حکمت کی تو، گویا، انھیں کی فکرِ عالی نے، بنا ڈالی ہے۔

علمائے عصر، بل فُضلائے دَہر کو، کیا طاقت ہے کہ:

اِس سرگروہِ اہلِ کمال کے حضور، بساطِ مناظرہ، آراستہ کر سکیں۔

بار ہا، دیکھا گیا ہے کہ، جب ان کی زبان سے ایک حرف سنا

دعوائے فضل و کمال کو فراموش کر کے نسبتِ شاگردی کو، اپنا فخر سمجھے۔"

(ص ۵۶۲۔ آثارُ الصَّنادید۔ مؤلّفہ سر سید احمد خاں۔ مطبوعہ اردو اکاڈمی، دہلی۔ ۲۰۰۰ء)

مرزا، اسد اللہ خاں، غالب اپنے محسن، علاَّمہ خیرآبادی کے سانحۂ اِرتحال پر شیخ لطیف احمد، بلگرامی کے نام، ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"کیا لکھوں اور کہوں؟ نور، آنکھوں سے جاتا رہا اور دل سے سرور۔

ہاتھ میں رعشہ، طاری ہے۔ کان، سماعت سے عاری ہے۔

عتابِ عروساں، دُرآمد بجوش
صُراحی، تہی گشت و ساقی، خموش

فخرِ ایجاد و تکوین، مولانا فضلِ حق ایسا دوست، مر جائے، غالب نیم مُردہ، نیم جاں رہ جائے۔

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی
موت آتی ہے، پر نہیں آتی
آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب، کسی بات پر، نہیں آتی

(مجلہ "اردوئے معلّٰی" علی گڑھ۔ شمارہ دسمبر ۱۹۰۷ء)

استاذ الشعرا، منشی امیر احمد، مینائی لکھتے ہیں:

"اَفْضَلُ الْفُضَلَاء، اَکْمَلُ الْکُمَلَاء، فضائل دستگاہ، فواضل پناہ
جناب مولانا محمد فضلِ حق صاحب، فاروقی، بَرَّدَ اللّٰہُ مَضْجَعَہٗ۔
وطنِ اصلی، آپ کا، خیر آباد۔ فنونِ حکمیہ میں مرتبۂ اِجتہاد۔
بڑے ادیب، بڑے منطقی، نہایت ذہین، نہایت ذکی، طلیق و ذلیق
انتہائی صاحب تدقیق و تحقیق۔" الخ۔ (انتخابِ یادگار، مینائی)

سید سلیمان، ندوی لکھتے ہیں:

"مرحوم (علّامہ فضلِ اِمام، خیر آبادی) کے جانشین، صاحب زادہ اور شاگرد
مولانا فضلِ حق، خیر آبادی تھے۔
جن کے دَمِ عیسوی نے معقولات میں روح پھونکی کہ، ابن سینائے وقت، مشہور ہوئے۔
دیار و اَطراف سے طلبہ نے ان کی طرف، رُجوع کیا۔
اور منطق و فلسفہ کو، نئے طور سے ملک میں رواج دیا۔
غدر (۱۸۵۷ء) کے ہنگامے میں گرفتار ہو کر، جزیرۂ انڈمان بھیجے گئے۔
اور وہیں ۱۲۷۸ھ میں وفات پائی۔"
مولانا فضلِ حق کے تلامذہ، اور تلامذہ در تلامذہ نے سارے ملک میں پھیل کر
علومِ معقول کو، بڑی رونق دی اور بڑے باکمال مدرس، ثابت ہوئے۔"

(ص ۲۳۔ حیاتِ شبلی۔ مؤلفہ سید سلیمان ندوی۔ مطبوعہ دار المصنفین، اعظم گڑھ۔ صوبہ اتر پردیش، انڈیا)

مفتی صدرُ الدین آزردہ، دہلوی

مفتی صدرُ الدین آزردہ، صدرُ الصُّدور دہلی (متولد ۱۲۰۴ھ/۱۷۸۹ء۔ متوفی ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء) فرزندِ مولوی لطف اللہ، کشمیری، دہلی کے شہرۂ آفاق اور معزّز و محترم عالمِ دین تھے۔

آپ کے اساتذہ میں علاّمہ فضلِ امام، خیر آبادی و شاہ رفیع الدین، دہلوی و شاہ عبدالقادر دہلوی و شاہ عبدالعزیز، محدّث دہلوی جیسے جلیلُ القدر اور نامور علمائے ہند ہیں۔

مولانا عبدالشاہد، شیروانی، علی گڑھی (متوفی ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء)

تلمیذِ مولانا معین الدین، اجمیری، تلمیذِ مولانا حکیم سید برکات احمد، ٹونکی، تلمیذِ مولانا عبدالحق خیر آبادی، فرزند و تلمیذِ علاّمہ فضلِ حق، خیر آبادی لکھتے ہیں کہ:

علمی قابلیت کا اندازہ تو، اِسی سے کیا جاسکتا ہے کہ:

ایک جانب، شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر کا ڈنکا، منقولات میں بج رہا تھا۔

اور دوسری دوسری طرف، اسی دہلی میں مولانا فضلِ امام (خیر آبادی) کے معقولات کا سِکّہ چل رہا تھا۔ طلبہ، دونوں دریاؤں سے سیراب ہو رہے تھے۔

مفتی صدرُ الدین خاں آزردہ و علاّمہ فضلِ حق، خیر آبادی وغیرہما بھی دوسرے طلبہ کی طرح، حدیث، ایک جگہ پڑھتے تھے اور منطق و فلسفہ، دوسری جگہ۔" الخ

(ص ۱۳۸۔ "باغی ہندوستان" (اردو ترجمہ "الثورۃ الھندیہ" للعلاّمہ فضلِ حق الخیر آبادی")

سر سید احمد خاں (متوفی ذوالقعدہ ۱۳۱۵ھ/مارچ ۱۸۹۸ء) نے مفتی آزردہ کا بڑے والہانہ انداز میں، اپنی کتاب، آثارُ الصّنادید میں اِس طرح، ذکر کیا ہے:

"قلم کو کیا طاقت کہ ان کے اوصافِ حمیدہ سے ایک حرف لکھے۔

اور زبان کو کیا یارا کہ ان کے محامدِ پسندیدہ سے ایک لفظ کہے۔

قطعِ نظر اس سے کہ اس زُبدۂ جہان و جہانیاں کی صفات کا اِحصا، محالات سے۔ اور کمالات کا حصر، مرتبۂ متعذرات سے ہے، جس وقت، قلم چاہتا ہے کہ کوئی صفت، صفات میں سے لکھے۔ یا۔ زبان ارادہ کرتی ہے کہ کوئی مدح، مدائح میں سے کہے، جو کہ ہر صفت، قابلیت اول لکھنے کی اور مدح، لیاقت پہلے، بیان کرنے کی رکھتی ہے۔

مدت تک یہی عقدہ، بندِ زبانِ تحریر اور گرہ لسان رکھتا ہے کہ کون سی صفت سے آغاز

اور کون سی مدح سے ابتدا کرے؟

مجلس، تمام گشت و بپایاں رسید عمر

ما، ہم چناں، در اولِ وصفِ تو، ماندہ ایم

بے شائبۂ تکلّف و بے آمیزشِ مبالغہ، ایسا فاضل اور ایسا کامل کہ جامعِ فنونِ شتّی اور مستجمعِ علومِ بے منتہٰی ہو، سوا، اِس سرگروہِ عُلماے روزگار کے، بساطِ عالَم پر، جلوہ گر نہیں۔" الخ

(ص ۵۲۴۔ آثار الصّنادید۔ مؤلّفہ سر سید احمد خاں۔ (مطبوعہ اردو اکادمی، دہلی۔ ۲۰۰۰ء)

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، دہلوی لکھتے ہیں:

"راقم کے ساتھ، نہایت الفت رکھتے ہیں۔

کوئی دن، ایسا نہیں جاتا کہ ان کی صحبت سے باریاب، نہیں ہوتا ہوں۔

اور اس قندِ مکرّر کے باوجود بھی، روح کا تالو، حلاوت اندوز، نہیں ہوتا۔

میرے نزدیک، ان کی مجالست کے بغیر، جو، دن گذر جائے وہ، داخلِ ایامِ عمر نہیں۔

خلقِ مجسم ہیں.......... جھگڑوں کے فیصلے کرنے پر، مامور ہیں۔ جو منصب اعلیٰ ہے۔

جس کو، اہلِ فرنگ کی اصطلاح میں "صدرُ الصّدور" کہتے ہیں۔

فی زمانہ، ان کی سلطنت میں اہلِ ہند کے لائق، اِس سے بڑا، کوئی عہدہ، نہیں ہے۔

مولانا نے اِس دنیوی کسب معاش کے ذریعہ کو، دینی ثواب، حاصل کرنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ کیوں کہ ان کی تمام تر کوشش مخلوق کی حاجت رَوائی میں، صَرف ہوتی ہے۔

ان کے انصاف کی برکت، ہر خاص و عام کو، مُحیط ہے۔"

(ص ۱۲۔ گلشن بے خار۔ از نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، دہلوی)

حکیم عبدالحیٔ، رائے بریلوی مؤلّفِ نُزھۃُ الخواطر (متوفی ۱۳۴۱ھ رفروری ۱۹۲۳ء۔ مولانا ابوالحسن علی، ندوی کے والد) لکھتے ہیں:

"علما کی مجلس ہو تو، صدر نشین، مشاعرہ ہو تو، میرِ مجلس، حُکّام کے جلسوں میں ممتاز و موقّر

بے کسوں اور محتاجوں کے ملجا و ماویٰ، منصبِ اعلیٰ پر، فائز و حُکام رَس ہونے کے باوجود

آپ کی طبیعت، ظاہری نمائش سے، کوسوں، دور تھی۔

دنیاوی آسائش کے تمام سامان، بہم ہوتے ہوئے بھی، سیدھی سادھی وضع سے زندگی، بسر کرتے تھے۔ (گُلِ رعنا۔ از حکیم عبدالحیٔ، رائے بریلوی۔ مطبوعہ دارُالمصنفین۔ اعظم گڑھ)

مفتی صدرُ الدین آزردہ، دہلوی کے آخری دَور کے شاگرد، مولانا فقیر محمد، جہلمی
مؤلّفِ ''حدائقُ الحنفیہ'' (متوفی ذوالحجہ ۱۳۳۴ھ/اکتوبر ۱۹۱۶ء) لکھتے ہیں:

مفتی صدرُ الدین خاں صدرُ الصّدور، تمام علومِ نحو وصَرف، منطق، حکمت، ریاضی، معانی
بیان، اِنشا، فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ میں، یدِ طولیٰ رکھتے ہیں اور درس دیتے ہیں۔
آباواَجداد آپ کے، کشمیر کے اہلِ بیتِ علم وصلاح تھے۔ مگر، ولادت آپ کی، دہلی میں ہوئی۔
علومِ نقلیہ، فقہ، حدیث وغیرہ، شاہ عبدالعزیز، محدّث دہلوی اور ان کے بھائیوں سے حاصل
کیے۔ اور ان سے سند لی۔ اور فنونِ عقلیہ کو مولوی فضلِ امام، خیرآبادی، والدِ مولوی فضلِ حق
خیرآبادی سے اَخذ کیا۔ اور شیخ محمد اسحٰق، دہلوی نے بھی، آپ کو حدیث کی اجازت لکھ کر دی۔
آپ، بڑے صاحبِ وجاہت وریاست اور اپنے زمانہ میں یکتاے روزگار
اور نادرۂ عصر تھے۔ ریاستِ درس وتدریس، خصوصاً اِفتاے ممالکِ محروسہ مغربیہ
بلکہ شرقیہ وشمالیہ ودہلی اور امتحانِ مدارس وصدارتِ حکومتِ دیوانی، آپ پر، منتہی ہوئی۔
بجز شاہ دہلی کے، تمام اَعیان واَکابر، عُلما وفُضلا، خاص دہلی اور اس کے نواح کے
آپ کے مکان پر آتے تھے۔ طلبہ، واسطے تحصیلِ علم کے، اور اہلِ دنیا، واسطے مشورۂ معاملات
اور منشی لوگ، بغرضِ اصلاحِ اِنشا، اور شُعَرا، واسطے مشاعرہ کے، آتے تھے۔
اس آخر وقت میں، ایسا فاضل، بایں جامعیت اور قوتِ حافظہ وحُسنِ تحریر ومتانتِ تقریر
وفصاحتِ بیان اور بلاغتِ معانی کے، صاحبِ مروّت واخلاق اور احسان، دیکھا نہیں گیا۔''

(ص ۴۸۱۔ حدائق الحنفیہ۔ مؤلّفہ فقیر محمد جہلمی۔ ادبی دنیا، مٹیا محل، دہلی)

مولانا عبدالرحمٰن، پرواز اصلاحی، آپ کے علم وفضل اور ادب وشاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

مفتی صدرُ الدین آزردہ، نہ صرف علومِ اسلامیہ میں، کامل دست گاہ رکھتے تھے، بلکہ شعر وسخن
کے میدان میں بھی، اپنے معاصرین میں ممتاز تھے۔ عربی وفارسی اور اردو، تینوں زبانوں
میں شعر کہتے تھے اور اپنی قادرُ الکلامی کا لوہا، بڑے بڑے شاعرانِ گفتار سے منوالیا۔
یہی وجہ ہے کہ ان کے فضل وکمال کا جہاں، تذکرہ کیا جاتا ہے
وہاں، اردو کے بلند پایہ شاعروں میں، اُن کا شمار ہوتا ہے۔''

(ص ۱۸۵۔ ''مفتی صدرُ الدین آزردہ''۔ مؤلّفہ عبدالرحمٰن پرواز، اصلاحی۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر، نئی دہلی۔
طبعِ اول ۱۹۷۷ء)

پرواز اصلاحی صاحب، مزید لکھتے ہیں:

عہدِ مغلیہ کے آخری دَور میں، ہندوستان کے اندر، فارسی کے چمنستانِ شعر میں
ویسی ہی بہار آ گئی تھی، جیسی کہ عہدِ شاہجہانی و عہدِ جہاں گیری میں تھی۔
مرزا، اسد اللہ خاں غالب، حکیم مومن خاں مومن، نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ وحسرتی
عبد اللہ خاں علوی، امام بخش صہبائی اور مفتی صدرُ الدین آزردہ
اس عہد میں، نہ صرف فارسی ادب کا، سُتھرا ذوق رکھتے تھے، بلکہ اعلیٰ درجہ کے سخنور بھی تھے۔
آزردہ، فارسی زبان کے کس درجہ کے شاعر تھے؟
اِس کے متعلق، صہبائی جیسے نکتہ سنج اور نکتہ رَس کہتے ہیں:

چوں دیدم غالب و آزردہ را از ہند صہبائی
بخاطر ہیچ یاد، از خاکِ ایرانم، نمی آید

اس دَور کے لوگوں میں (نواب مصطفیٰ خاں) شیفتہ کا مذاقِ شعر وسخن، بڑا مستند اور معیاری
سمجھا جاتا تھا۔ وہ بھی، جہاں، آزردہ کے فضل وکمال کا "گلشنِ بے خار" میں
تذکرہ کرتے ہیں، تو، کہتے ہیں:

"خیّاطِ اَزَل نے قابلیت کی قبا، اس خوبی سے ان کے زیب تن کی ہے۔
اور روشن گرِ قضاوقدر نے، اس روشن دلی اور آگاہی سے، ان کا ضمیر، منور کیا ہے کہ:
ایسی فضیلت والا کوئی شاعر، ایران سے پیدا، نہیں ہوا۔" (گلشنِ بے خار)
ممکن ہے، شیفتہ کی رائے میں مبالغہ ہو اور اس میں کچھ دوستی کا پاس ولحاظ ہو۔
لیکن، جہاں تک، آزردہ کی فارسی شاعری کا تعلق ہے
وہ، ضرور، شُعرائے ایران کے مقابل میں رکھی جاسکتی ہے۔"

(ص ۱۹۸۔ "مفتی صدرُ الدین آزردہ"۔ مؤلفہ عبد الرحمٰن پرواز اصلاحی۔ طبعِ دوم ۱۹۷۷ء)

نمونۂ کلام فارسی:

آزردہ! زِ من حالِ شبِ وصل، چہ پُرسی ۔۔۔ نَے دل خبرم داشت، نہ از دل خبرم بود

☆☆☆

بایں تقویٰ، درونِ میکدہ، آزردہ را دیدم ۔۔۔ صُراحی در بغل، ساغر بکف، پیمانہ در پہلو

☆☆☆

زاہد بیا! وموتِ شہیدانِ عشق، بیں — کیں موت را، نہ زندگیِ جاوداں رَسد

☆☆☆

در باغ، جورِ تازہ کہ از باغبان رَسد — اوّل، بہ بلبلانِ کہن آشیان رَسد

نمونۂ کلام اردو:۔

مختصر حالِ چشم و دل یہ ہے — اس کو آرام، اس کو خواب نہیں

☆☆☆

اے دل! تمام نفع ہے، سَودائے عشق میں — اک جان کا زیاں ہے، سو، ایسا زیاں نہیں

☆☆☆

نہ اٹھی بیٹھ کے خاک اپنی، ترے کوچے سے — ہم، نہ یاں دوشِ ہوا کے بھی، کبھی بار ہوئے

☆☆☆

اُس شوخ سے مربوط، بہت سہل سے ہوتے — گر، ہم بھی سُبک حرکت و نا اہل سے ہوتے

☆☆☆

کٹتی کس طرح سے نہیں، یہ شبِ فراق — شاید کہ گردش آج، تجھے آسماں نہیں

☆☆☆

آزردہؔ مَر کے کوچۂ جاناں میں رہ گئے — دی تھی، دعا یہ کس نے؟ کہ جنت میں گھر ملے

☆☆☆

فلک نے بھی سیکھے ہیں، تیرے سے طَور — کہ اپنے کیے پر، پشیماں نہیں

☆☆☆

یہ عمر اور عشق؟ ہے آزردہ! جائے شرم — حضرت! یہ باتیں، پھبتی ہیں، عہدِ شباب میں

☆☆☆

کامل اِس فرقۂ زُھّاد سے، اٹھا، نہ کوئی — کچھ ہوئے تو، یہی، رِندانِ قدح خوار ہوئے

☆☆☆

کچھ تعجب نہیں گر، اَب کے، فلک ٹوٹ پڑے — آج، نالے جو کوئی اور بھی، دو چار ہوئے

☆☆☆

عالَم، خراب ہے، نہ نکلنے سے آپ کے — نکلو تو، خاک میں، کیا، گھر کے گھر کے ہوئے

ذکرِ وفا، وہ، سنتے ہی، محفل سے اُٹھ گئے
پُچھ گفتگو ہی ٹھیک نہ تھی، ایسے باب میں

☆☆☆

مر کر بھی ہمار، ادلِ بے تاب، نہ ٹھہرا
کُشتہ بھی ہوا ہے تو، یہ سیماب، نہ ٹھہرا

☆☆☆

نہ دیکھا ہو جو کسی نے، حُباب میں، دریا
وہ، دیکھ لے، مری چشمِ پُر آب میں، دریا

☆☆☆

محتسب آئے تو، نقشہ تری آنکھوں کا دکھائے
منہ میں ٹپکاؤں، دَمِ غش، مئے گلنار کی بوند

☆☆☆

اس درِ دجدائی سے کہیں، جاں، نہ نکل جائے
آزردہ، مرے حق میں، ذرا تو بھی، دعا کر

☆☆☆

ہو، نہ دامن گیر کوئی، جان کر، قاتل تجھے
تو بھی روتا چل، جنازے کو، ہمارے دیکھ کر

☆☆☆

آمد آمد ہوئی پھر، موسمِ گل کی شاید
ان دنوں چاک کو، پاتے ہیں، گریبان سے قریب

☆☆☆

عکس، دنداں کا پڑے، تیرے، اگر پانی میں
آب ہو جائے، خجالت سے گہر، پانی میں

☆☆☆

ناصح! یہاں، یہ فکر ہے، دامن بھی چاک ہو
ہے فکرِ بخیہ تجھ کو، گریباں کے چاک میں

☆☆☆

گیا کون ہے، صیدِ اَفگن، اِدھر سے
کہ خالی پڑے، آشیانے، بہت ہیں

☆☆☆

وہ، اور وعدہ وصل کا، قاصد، نہیں نہیں
سچ سچ بتا! یہ لفظ، انھیں کی، زباں کے ہیں؟

☆☆☆

کیا عقلِ مُحتسب کی، کہ، لایا ہے کھینچ کر
سَودا زَدوں کو محکمۂ اِحتساب میں

انقلابِ ۱۸۵۷ء کے اَلم ناک حالات سے متأثر ہو کر آزردہ نے، یہ غزل کہی ہے جو، بڑی ہی پُر سوز اور درد انگیز ہے:

اگر، ہم نہ تھے، غم اٹھانے کے قابل
تو، کیوں ہوتے، دنیا میں آنے کے قابل

کروں چاک سینہ کو، سو بار لیکن
نہیں، داغِ دل یہ، دکھانے کے قابل

چھُٹے بھی قفس سے، تو، کس کام کے ہیں؟
نہیں، جب چمن تک بھی، جانے کے قابل

بجز اس کے تھے خاک، پہلے بھی، اے چرخ
نہ تھے خاک میں، پھر، ملانے کے قابل

کیا ترک دنیا میں، جب تو، یہ سمجھے
کہ دنیا نہیں، دل لگانے کے قابل

وہ آئے دَمِ نزع، کیا کہہ سکیں گے؟
نہیں، ہونٹ تک بھی، ہلانے کے قابل

خدایا! یہ رنج، اور یہ ناصبوری؟
نہ تھے ہم تو، اس، آزمانے کے قابل

رہے ہم نہ کچھ ''مصطفیٰ خاں'' کے غم میں
نہ فکرِ سخن، نے، پڑھانے کے قابل

نہ چھوڑیں گے ''محبوب الٰہی'' کے در کو
نہیں، گو، ہم، اس آستانے کے قابل

ہمیں، قید کرنے سے، کیا نفع، صیّاد
نہ تھے دام میں، ہم، تو، لانے کے قابل

نہ بالِ منقّش، نہ پَرہائے رنگیں
نہ، آوازِ خوش کے، سنانے کے قابل

ہوئے ہیں وہ، ناقابلوں میں شمار، اب
جنھیں مانتے تھے، زمانے کے قابل

وہ آزردہ جو، خوش بیاں تھے، نہیں، اب
اشارے سے بھی، کچھ، بتانے کے قابل

مفتی صدرالدین آزردہ نے انقلابِ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ خیز ایام میں خاموشی اور حکمتِ عملی کے ساتھ، مغل حکومت کی تائید اور انقلابیوں کے پشت پناہی کی تھی۔ اور انگریزوں کے خلاف جہاد کے فتویٰ پر دستخط کیے تھے۔ تفصیل کے لئے دیکھیں راقم سطور کی کتاب ''ممتاز علماے انقلابِ ۱۸۵۷ء'' مطبوعہ دارالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی۔

مفتی صدرُالدین آزردہ کا ایک بڑا کارنامہ، یہ ہے کہ:

تقریباً ۱۸۴۶ء میں آپ نے مولانا احمد اللہ شاہ، مدراسی کو مشورہ دیا کہ:

آپ، آگرہ جاکر، وہاں کے علما و فضلا سے مل کر، ان کے درمیان، آزادی و حریت کی روح پھونکیں۔ اور اس کے لئے حضرت آزردہ نے اپنی طرف سے ایک مکتوب بھی مولانا مدراسی کے حوالہ کیا، جسے لیکر وہ، آگرہ پہنچے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔

مفتی انتظام اللہ شہابی، اکبر آبادی لکھتے ہیں:

''مفتی انعام اللہ خان بہادر، جو، محکمۂ شریعت کے مفتی رہ چکے تھے، اب، سرکاری وکیل

تھے۔ حضرت آزردہ کے خط کے ذریعہ، شاہ (احمد اللہ، مدراسی) صاحب
ان کے یہاں، آ کر مقیم ہوئے۔ ان کا گھر، علما کا مرکز بنا ہوا تھا۔
مفتی صاحب کے صاحب زادے، مولوی اکرام اللہ خاں
صاحبِ ''تصویرُ الشُّعرا'' مرید ہوئے۔''
(''مولوی احمد اللہ شاہ، مدراسی اور جنگِ آزادی'' ۔ مؤلّفہ: مفتی انتظام اللہ شہابی، اکبر آبادی)
میاں جی، نذیر حسین، دہلوی (متوفی ۱۰؍رجب ۱۳۲۰ھ/۱۳؍اکتوبر ۱۹۰۲ء) کے شاگرد
اور سوانح نگار، مولانا فضل حسین، بہاری (متوفی ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء) لکھتے ہیں:
زمانۂ غدر ۱۸۵۷ء میں، جب، دہلی کے بعض مقتدر اور بیشتر معمولی مولویوں نے
انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ دیا، تو، میاں صاحب نے، نہ اس پر دستخط کیا، نہ مہر۔
وہ، خود فرماتے تھے کہ: میاں! وہ ہلّڑ تھا، بہادر شاہی نہ تھی۔ وہ بے چارہ بوڑھا بادشاہ، کیا کرتا؟
حشرات الارض خانہ بر اندازوں نے تمام دہلی کو خراب، ویران، تباہ اور برباد کر دیا۔
شرائط امارت و جہاد، بالکل مفقود تھے۔ ہم نے تو، اس پر دستخط، نہیں کیا۔ مہر کیا کرتے؟
اور کیا لکھتے؟ مفتی صدرُ الدین خاں صاحب چکّر میں آ گئے۔
بہادر شاہ کو بھی، بہت سمجھایا کہ انگریزوں سے لڑنا، مناسب نہیں ہے۔
مگر، وہ، باغیوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہو گئے۔ کرتے تو کیا کرتے؟''
(ص ۹۳ ''الحیاۃ بعد المماۃ'' ۔ مؤلّفہ مولانا فضلِ حسین، بہاری۔ مطبوعہ الکتاب انٹرنیشنل
بٹلہ ہاؤس جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵)

آزردہ، ۱۸۲۷ء میں دہلی کے صدر امین اور جون ۱۸۴۴ء میں، دہلی کے صدرُ الصُّدور ہوئے
تھے۔ یہ جگہ، آپ کے استاذ، علّامہ فضلِ امام خیر آبادی کے وصال (۱۲۴۴ء/۱۸۲۹ء)
کی وجہ سے خالی ہوئی تھی۔
آپ نے اپنی ہمہ جہت مصروفیات کے باوجود، سلسلۂ درس و تدریس بھی جاری رکھا۔
آپ کے چند معروف تلامذہ کے نام، یہ ہیں:
(۱) مفتی سعد اللہ، مراد آبادی (۲) مولانا فیض الحسن، سہارن پوری (۳) مولانا خیر الدین
دہلوی (۴) شیخ محمد بادیؒ، دہلویؒ (۵) مولانا نورُ الحسن، کاندھلوی (۶) نواب محمد یوسف خاں
والیِ رام پور (۷) مولانا کریم الدین، پانی پتی، مؤلّفِ کریم اللُّغات (۸) نواب ضیاء الدین

احمد، نیّر، رخشاں، دہلوی (۹) مولانا عبدالسمیع، بیدلؔ رام پوری، سہارن پوری ..

(۱۰) مولانا فقیر محمد، جہلمی، مؤلف حدائق الحنفیہ۔

مفتی صدرالدین آزردہ کی تصانیف میں، حاشیۂ قاضی مبارک و حاشیۂ میر زاہد

وشرحِ دیوان متنبّی کا ذکر، بعض تذکروں میں ملتا ہے۔

اَلدُّرُّ الْمَنضُود فِی حُکْمِ امْرأۃِ الْمَفْقُود آپ کا ایک رسالہ ہے۔

ایک رسالہ ''اِمتناع النظیر'' کے نام سے ہے۔

ایک کتاب ''تذکرۂ شُعراے ریختہ'' ہے۔ جس کا قلمی نسخہ، پروفیسر مختار الدین احمد (علی گڑھی)

نے ڈھونڈھ نکالا جو کوریس کرسٹی کالج، کیمبرج یونیورسٹی، لندن سے ملا۔

اور پروفیسر موصوف کے تعارف وتحشیہ کے ساتھ، علمی مجلس، دہلی نے شائع ہوا۔

مفتی صدرالدین، آزردہ کی ایک مشہور کتاب ''مُنتھی المقال فی شرحِ حدیثِ لَا

تَشدُّ الرِّحال ''، مطبع علویہ ۱۲۶۴ھ۔ مخزونہ کتب خانہ جامع مسجد، ممبئی ہے۔

جس پر علّامہ فضل حق، خیرآبادی اور مفتی سعداللہ، مرادآبادی تلامذۂ شاہ عبدالعزیز، محدّث

دہلوی کی تقریظات ہیں۔ اس کی وجہ تالیف، بیان کرتے ہوئے

مولانا عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی لکھتے ہیں:

''حضرت شاہ عبدالعزیز، محدّث دہلوی کے تلامذہ اوران سے اِنتساب رکھنے والوں میں

ایک گروہ تو، شاہ صاحب کے مسلک پر گامزن تھا۔

اور مسایلِ دینی میں، ان سے سرِ مُو، اِنحراف، نہیں کرتا تھا۔

مگر، دوسرا گروہ، اِجتہاد اور عدمِ تقلید کا رُجحان رکھتا تھا۔

چنانچہ، رفتہ رفتہ، ان دونوں گروہوں میں مختلف مسائل میں اختلاف، رونما ہوا۔

نوبت، بحث ومناظرہ تک پہنچی۔ دونوں جانب سے متعدد کتابیں اور رسائل لکھے گئے۔

انھیں میں سے ایک مسئلہ ''زیارتِ قبور'' کا بھی تھا۔

چوں کہ اُس زمانے میں علّامہ ابنِ حزم کی کتابیں، ہندوستان پہنچ چکی تھیں۔

اہلِ علم کا اچھا خاصا گروہ، ان کے خیالات سے متاثر ہوا، اور مسائل میں، ان کی پیروی

کرنے لگا۔

اِس لئے مفتی صاحب نے ابنِ تیمیہ کی کتاب ''اِقْتِضَاءُ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیم''

اور ابنِ حزم کی کتاب ''المُحلّیٰ''، کو، اپنی تنقید کا موضوع بنایا ہے۔
ان کتابوں میں انبیاے کرام اور اولیاے عظام کی قبروں کی زیارت کو، حرام قرار دیا گیا ہے۔
ابنِ تیمیہ کے معاصرین میں، تقی الدین سبکی کی کتاب ''شِفَاءُ السَّقَامِ فِی زِیَارَۃِ خَیرِ الاَنَام'' اس موضوع پر، بڑی اہم کتاب ہے۔ لیکن، مفتی صاحب نے بھی، اِس موضوع پر بعض نادر تحقیقات، پیش کی ہیں۔ خصوصاً، انھوں نے عربی زبان دانی کے قواعد اور اصولِ فقہ کی روشنی میں، جو نکتے پیدا کیے ہیں
اُن سے اُن کی ذہانت، فقیہانہ بصیرت اور محدّثانہ تبحرِ علمی کا اظہار ہوتا ہے۔''
(ص ۱۳۸ و ص ۱۳۹۔ مفتی صدر الدین آزردہ۔ مؤلفہ عبد الرحمٰن پرواز اصلاحی۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵۔ طبعِ اول ۱۹۷۷ء)

اس دَور کے اختلافِ مذہب و مسلک کو، مزید واضح کرتے ہوئے
مولانا عبد الرحمٰن، پرواز اصلاحی صاحب لکھتے ہیں کہ:
''قرآن و حدیث کے فہم اور فقہی مسائل کی تحقیق و تنقید میں اختلاف، کوئی نئی بات نہیں ہے۔
صدرِ اول سے مختلف مکاتبِ فکر اور فقہی مسالک رہے ہیں۔
دہلی کے عوام و خواص بھی اس زمانے میں دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان میں کبھی بحث و مناظرہ بھی ہو جاتے تھے۔ ایک گروہ، کٹر حنفی مسلک کا پیرو تھا۔ دوسرا، عاملین بالحدیث کا۔
حضرت شاہ عبد العزیز، محدّث دہلوی اور ان کے بھائیوں کا مسلک تو، حنفی تھا۔
مگر، اسی خاندان کے شاہ اسمٰعیل شہید اور مولانا عبد الحیٔ اور حضرت سید احمد شہید کے بعض خُلفا، اور ان کے ماننے والوں کا مسلک، اہلِ حدیث تھا۔
مفتی صدر الدین خاں آزردہ اور مولانا فضل حق، خیر آبادی، ان سے اختلاف رکھتے تھے۔''
(ص ۴۹۔ مفتی صدر الدین آزردہ۔ مؤلفہ: مولانا عبد الرحمٰن پرواز اصلاحی۔ طبعِ اول دہلی ۱۹۷۷ء)
سفرِ زیارتِ قبرِ نبوی عَلیٰ صَاحِبِہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَام کے جواز و استحباب پر، مشتمل
رسالہ مفتی آزردہ، موسوم بہ ''مُنْتَھَی الْمَقَال فِی شَرحِ حَدِیثِ لَاتُشَدُّ الرِّحَال (بزبان فارسی) کی ایک طباعت و اشاعت ۱۲۶۸ھ میں، شرف المطابع، دہلی سے ہوئی تھی۔
رسالہ مُنتَھَی الْمَقَال کا اردو ترجمہ، از شاہ حسین گردیزی، شعبان ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء میں مصلح الدین پبلی کیشنز، کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔

مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی کا انتقال، بمرضِ فالج، بعمر اکیاسی (۸۱) سال بروز پنج شنبہ ۲۴ربیع الاول ۱۲۸۵ھ/۱۶ جولائی ۱۸۶۸ء ہوا۔

چراغ دہلی میں احاطۂ حضرت نصیرالدین محمود، چراغ دہلی میں آپ کی تدفین ہوئی۔

مفتی آزردہ دہلوی کے آخری دَور کے شاگرد، مولانا فقیر محمد، جہلمی مؤلفِ حدائق الحنفیہ لکھتے ہیں:

آخر عمر میں، ایک دو سال، مرضِ فالج میں مبتلا رہ کر، اکاسی (۸۱) سال کی عمر میں یومِ پنج شنبہ ۲۴ربیع الاول ۱۲۸۵ھ میں فوت ہوئے۔'' (حدائق الحنفیہ، ادبی دنیا، مٹیا محل، دہلی)

مولانا نور احمد، بدایونی

حضرت مولانا نور احمد، عثمانی، بدایونی (ولادت ۱۳؍ جمادی الآخرہ ۱۲۳۰ھ/ مئی ۱۸۱۵ء۔ وصال ۱۳۰۱ھ/ ۸۴۔۱۸۸۳ء) فرزندِ مولانا محمد شفیع، عثمانی، بدایونی (وصال ۲۴؍ ذی الحجہ ۱۲۵۸ھ/ جنوری ۱۸۴۳ء) فرزندِ سرمستِ بادۂ توحید، حضرت مولانا عبدالحمید، عثمانی، قادری، بدایونی (وصال ۱۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۳ھ/ مارچ ۱۸۱۸ء۔ مُرید وخلیفۂ شمسِ مارہرہ، حضرت سید شاہ آلِ احمد، اچھے میاں، مارہروی) فرزندِ واقفِ حقائقِ توحید، مولانا شاہ محمد سعید، عثمانی، چشتی بدایونی (وصال ۴؍ ذی قعدہ ۱۱۵۷ھ/ دسمبر ۱۷۴۴ء۔ مرید وخلیفۂ حضرت شاہ کلیم اللہ، چشتی، جہان آبادی)

نہایت جیّد و متبحر اور جلیل القدر عالمِ دین تھے۔

مولانا فیض احمد، بدایونی اور مولانا فضلِ حق خیر آبادی کے شاگردِ رشید تھے۔

مولانا رحمٰن علی، مؤلِّفِ ''تذکرۂ عُلماے ہند''، آپ کو، اکابر علما وصُلحا میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''علومِ عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل، مولوی فیض احمد، بدایونی سے کی۔

شاہ عبدالحمید، بدایونی کے مرید تھے۔ طلبہ کی تدریس کے سوا، کوئی مشغلہ، نہ تھا۔

ان کے شاگردوں کی تعداد، ہزاروں تک پہنچتی ہے۔

وہ، صاحبِ برکت تھے۔ جس نے اُن سے سبق پڑھا، وہ، علم سے بے بہرہ، نہ رہا۔

آج، بدایوں اور اس کے اطراف میں، شاید ہی کوئی ہوگا کہ:

اس کی شاگردی کا سلسلہ، ان سے جدا ہو۔'' الخ۔

(ص ۵۴۴۔ تذکرۂ عُلماے ہند۔ مؤلفہ مولانا رحمٰن علی۔ اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب قادری)

حکیم عبدالحیٔ، رائے بریلوی (متوفی ۱۳۴۱ھ/ فروری ۱۹۲۳ء) آپ کے تعارف میں لکھتے ہیں:

اَلشَّیخُ الفَاضِل نوراحمد........ اَحَدُ العُلماء المَشهورین ...... وَقرأَالعِلم عَلیَ المَولوی فیض احمد العُثمانی اَلبَدایونی۔ و تفنَّنَ فِی الفَضائِلِ عَلَیہ۔ ثُمَّ تصدرلِلتدریس۔

وَکانَ صالحاً عفیفاً، دیناً متوَکلاً، لایلتفتُ اِلیٰ اَسبَابِ الدُّنیا وَزخارِفِهَا۔

ولایتصنّع بِالزّیّ وَاللِّبَاسِ، وَلَمْ یَزَلْ مُشْتَغِلاً بِالتَّدرِیس مع الزُّهدِ وَالْعِبَادة۔

(ص ۵۰۴۔ نزہۃ الخواطر۔ جلدِ ثامن۔ مؤلّفہ حکیم عبدالحیٔ، رائے بریلوی)

مولانا محمد یعقوب حسین، ضیاءالقادری، بدایونی آپ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

استاذِ اَنام، حضرت مولانا نوراحمد صاحب قُدِّسَ سِرُّہٗ:

آپ، چھوٹے صاحب زادے، مولانا محمد شفیع صاحب کے ہیں۔

آپ کے فضائل ومناقب اور آپ کے کمالاتِ ظاہری وباطنی، احاطۂ تحریر میں آنا، محال ہے۔

ہزاروں صورتیں، صدہا نفوس، آپ کے وجود کی عکسی شبیہ کو، اپنے سینوں سے لگائے ہوئے ابھی، بدایوں کی گلیوں میں، چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔

آپ کی عظمت کا سُراغ، اُن کے دلوں سے لگایئے۔

ایک زمانے کو، آپ نے اپنے فیض سے سیراب کیا۔ خدائی، آپ کے فیض سے مستفیض ہوئی۔

خدا نے آپ کی ذاتِ سراپا برکات کو، قلزمِ علم وفضل بنایا تھا۔

۱۳ر جمادی الآخرہ ۱۲۳۰ھ (مئی ۱۸۱۵ء) ولادتِ باسعادت کی تاریخ ہے۔

تکمیلِ علوم نقلیہ اور فنونِ عقلیہ، حضرت مولانا فیض احمد (بدایونی) قُدِّسَ سِرُّہٗ سے فرمائی۔

بعض کتبِ معقول، مثلِ اُفق المبین اور شفا وغیرہ

حضرت استاذِ مطلق، مولانا فضل حق، خیرآبادی قُدِّسَ سِرُّہٗ سے اَخذ فرمائیں۔

تحفۂ (فیض) میں، حضرت تاج الفحول (بدایونی) قُدِّسَ سِرُّہٗ آپ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں:

"دریں بلاد، نظیرِ حضرت عمّی واستاذی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ، بہ مشاھدہ، نہ آمدہ۔

لاریب، وَحیدِ عصر، فریدِ دَہر بودند۔

غیر از تعلیم وتدریسِ طلبہ و اِعانتِ فُقرا وغُربا، شب وروز، شغلِ دیگر، مرغوبِ طبعِ مبارک، نہ بود۔

عددِ تلامذۂ جناب، بہ اُلوف رسیدہ۔ امّا، زہے برکت وفیض کہ ہرکسے ہرقدرے کہ خواندہ دریک سبق، برکتِ سالہا، یافتہ۔ وبہ فضلِ اِلٰہی وفیض وبرکتِ حضرت عالی استاذی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کہ از تلامذہ، محروم از دولتِ علوم نہ ماندہ۔

اِمروز، درتمام بدایوں، اَحدے از تلمیذِ جنابِ شاں، خالی نیست۔

(ترجمہ: اِن بلاد میں عمّی واستاذی (مولانا نوراحمد، بدایونی) عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کی نظیر دیکھنے میں نہ آئی۔ آپ، وحیدِ عصر ویکتائے زمانہ تھے۔

طلبہ کی تعلیم وتدریس اور غُرَبا وفُقرا کی اِعانت کے علاوہ، شب وروز میں آپ کو، کوئی اور کام مرغوب نہ تھا۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد، ہزاروں تک پہنچتی ہے۔

آپ کی برکت وفیض کا عالَم، یہ تھا کہ:

جس نے جس قدر بھی، آپ سے ایک سبق پڑھ لیا، برسوں کی برکت اس نے حاصل کر لی۔

اللہ کے فضل اور حضرت استاذ کی عَلَیْہِ الرَّحْمَة کے فیض سے، تلامذہ، دولتِ علم سے محروم نہیں رہے تھے۔ آج، تمام بدایوں میں کوئی شخص ایسا، نہ ہوگا، جو، آپ سے نسبتِ تلمذ، نہ رکھتا ہو۔)

آپ کے تلامذہ کی تعداد، پنجاب، کابل، فارس وعراق تک، وسعت پذیر ہے۔

تلامذہ کے ساتھ، از حد شفقت فرماتے تھے۔

شادی کے تھوڑے دنوں بعد، آپ کی اہلیہ محترمہ نے وفات پائی۔

ہر چند اَعِزّہ نے دوسری شادی کا اِصرار کیا، مگر، آپ نے اِس خیال سے کہ:

سلسلۂ درس وتدریس میں، حرج، واقع ہوگا۔ شادی، دوبارہ، نہ فرمائی۔

آپ کے اخلاقِ کریمہ، غُرَبا واہلِ محلّہ کے ساتھ، نہایت، محبت آمیز تھے۔

شرفِ بیعت، حضرت سیدی مولانا شاہ عینُ الحق عبدالمجید قُدِّسَ سِرُّہٗ سے حاصل تھا۔

شعر، خود، نہ فرماتے تھے۔ لیکن، پاکیزہ کلام کی نہایت قدر دانی کیا کرتے تھے۔

تالیف وتصنیف کی طرف، عدیم الفرصتی کے باعث، زیادہ اِلتفات، نہ تھا۔

۱۳۰۱ھ (۸۴۔۱۸۸۳ء) میں، راہیِ خلدِ بریں ہوئے۔

آستانۂ قادریہ (بدایوں) میں، حضرت سَیفُ اللہِ المَسلُول قُدِّسَ سِرُّہٗ کی آغوشِ رحمت میں جگہ پائی۔ ''شیخ العصر'' مادّۂ تاریخِ وصال ہے۔

حضرت تاجُ الفحول (بدایونی) آپ کے افضلُ التّلامذہ ہیں۔'' الخ۔

(ص ۸۹ وص ۹۰۔ اَکملُ التاریخ، حصہ اول۔ مؤلّفہ مولانا ضیاء القادری، بدایونی۔ طبعِ جدید، تاجُ الفحول اکیڈمی، بدایوں۔ ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء۔ طبعِ اول ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء)

نورُ العارفین، سید شاہ ابوالحسین احمد، نوری، مارہروی (وصال ۱۱ر رجب ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) کے اساتذہ کی فہرست میں مولانا غلام شبر، صدیقی، قادری، بدایونی آپ کا نام، درج کر کے آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مرید وبرادر زادۂ حضرت مولانا مولوی عبدالمجید صاحب، عثمانی، بدایونی، آلِ احمدی

رَحمَۃُ اللّٰہِ عَلَیہِ۔

مولانا رَحمَۃُ اللّٰہِ عَلَیہ، بہ قائم مقامیِ مولوی محمد سعید صاحب مرحوم مدرّسِ مدرسہ درگاہِ معلّیٰ (مارہرہ شریف) اپنے برادرزادے کے، چند روز، مدرّسِ درگاہِ معلّیٰ رہے۔

یہ تحقیق نہیں کہ حضورِ اَقدس (حضرت نوری میاں مارہروی) قُدِّسَ سِرُّہٗ نے مولانا مرحوم سے کیا پڑھا؟

حضورِ اَقدس کو، مولانا مرحوم سے خاص ادب ومحبت اور مولانا مرحوم کو، خاص ارادت تھی۔

مدرسہ عالیہ قادریہ (بدایوں) میں، روزانہ اِستفتا آتے اور جواب لکھے جاتے۔

لیکن، مولانا مرحوم نے باوجود اِصرار، کبھی، کسی تحریر پر، دستخط نہیں فرمائے۔ اِلّا ماشَاءَ اللّٰہ۔

جس وقت، حضورِ اقدس (حضرت نوری میاں، مارہروی) قُدِّسَ سِرُّہٗ کے رسائل اور اکابرِ مارہرہ قُدِّسَتْ اَسرارُھُم کے اِعتقاد سے متعلق، سوال ہوا محضر، طلب فرما کر اپنے قلم سے عبارت لکھی اور دستخط کیے۔

مولانا (نور احمد بدایونی) مرحوم کا ۱۳۰۱ھ/(۸۴۔۱۸۸۳ء) بہ مقام بدایوں، انتقال ہوا"

(ص ۱۹۵۔ مدائحِ حضورِ نور (۱۳۳۳ھ) معروف بہ "تذکرۂ نوری" مؤلفہ مولانا قاضی غلام شبّر، صدیقی قادری، بدایونی۔ مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں۔ رجب ۱۴۳۴ھ/مئی ۲۰۱۳ء)

مفتی ارشاد حسین، رام پوری

حضرت مولانا مفتی ارشاد حسین، فاروقی مجدّدی، رام پوری (متولد ۱۴ رصفر ۱۲۴۸ھ۔ متوفی بروز دوشنبہ ۱۵ رجمادیٰ الآخرہ ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء) خلفِ حکیم احمد حسین بن غلام محی الدین بن فیض احمد بن شاہ کمال الدین بن شیخ درویش احمد بن شیخ زین العابدین، معروف بہ شاہ فقیر اللہ بن شیخ فیاض الدین یوسف بن شاہ محمد یحیٰی بن امام ربّانی، مجدّدِ الفِ ثانی، شیخ احمد، فاروقی، سرہندی۔

رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالیٰ۔

مفتی ارشاد حسین، فاروقی، مجدّدی، رام پوری، اپنے عہد وعصر میں مرجعِ عُلما وخواص وعوام تھے۔ مُلّا محمد نواب، رام پوری، مہاجرِ مکی تلمیذِ علّامہ فضلِ حق، خیر آبادی کے خصوصی شاگرد اور حضرت شاہ احمد سعید، مجدّدی، دہلوی، مہاجرِ مدنی خلیفۂ حضرت شاہ غلام علی، مجدّدی، دہلوی کے اَجِلّۂ خلفا میں تھے۔

مجدِّث ومفسّر، فقیہ ومفتی، مدبّر وصوفی، غرض، جامعِ کمالاتِ ظاہری وباطنی تھے۔

مفتی ارشاد حسین، رام پوری کے مرشدِ طریقت، شاہ احمد سعید، دہلوی نے اپنے عہد وعصر کے نامور اساتذہ سے تعلیم پائی۔ مثلاً: مولانا فضلِ امام، خیر آبادی ومولانا نور الحق، فرنگی محلی ومفتی ظہور اللہ، فرنگی محلی وشاہ عبد القادر، دہلوی وشاہ عبد العزیز محدّث دہلوی وغیرھُم۔

شاہ احمد سعید، دہلوی، سلسلۂ مجدّدیہ کے جلیل القدر مرشد وشیخ طریقت حضرت شاہ غلام علی، نقشبندی، مجدّدی، دہلوی کے خلیفہ وجانشین ہوئے۔

حافظ احمد علی خاں، شوق، رام پوری، آپ کے مختصر احوال وآثار، اِس طرح، بیان فرماتے ہیں:

"آپ کے بزرگ، سرہند (پنجاب) پر، سکھوں کی تعدّی کے بعد، بریلی آئے۔ اور آپ کے دادا، غلام محی الدین، بریلی سے رام پور تشریف لائے۔

مفتی ارشاد حسین، مجدّدی کی ولادت، رام پور میں، چودھویں صفر ۱۲۴۸ھ کو ہوئی۔ کتب فارسی اپنے والد اور شیخ احمد علی اور اپنے بھائی، مولوی امداد حسین سے پڑھیں۔ حافظ غلام نبی ومولوی جلال الدین ومولوی نصیر الدین خاں سے صَرف ونحو، وغیرہ، حاصل کی۔

لکھنؤ جاکر، کتب منقول پڑھیں۔ رام پور، واپس آکر مُلّا، نواب سے باقی ماندہ کتبِ معقول وغیرہ کا درس لیا۔

مُلّا، نواب صاحب، نواب خلد آشیاں کو بھی پڑھاتے تھے۔

نواب صاحب کو، مذہبِ امامیہ کی تعلیم دینے کے لئے، دو علیحدہ آدمی، مقرر تھے۔

جس قدر عقائدِ امامیہ کی تعلیم ہوتی تھی، مولانا نواب، اس کو

نواب خلد آشیاں کے صفحۂ خاطر سے محو کرادیتے تھے۔

نواب جنت آگاہ کو، یہ حال معلوم ہوا، تو، مُلّا، نواب صاحب کی صحبت سے منع کردیا۔

پھر، آپ (مولانا ارشاد حسین، رام پوری) یہاں سے، دہلی گئے۔

مُلّا نواب صاحب بھی رام پور سے ترکِ تعلق کرکے دہلی چلے گئے۔

مُلّا، نواب کی ہدایت سے آپ

حضرت شاہ احمد سعید سے بیعت ہوئے۔ اور کمالاتِ باطنی حاصل کیے۔

اپنے پیر ومرشد کے صاحب زادوں سے کچھ شکر رنجی بھی پیدا ہوگئی تھی

مگر، حضرت شاہ احمد سعید نے اس کو، رفع دفع فرمادیا۔

آپ، حضرت شاہ احمد سعید کے اَجلّۂ خُلفا میں سے تھے۔

شاہ احمد سعید صاحب، غدر (۱۸۵۷ء) میں ہجرت فرماکر مکہ معظّمہ کو روانہ ہوئے

آپ کو، پانی پت (پنجاب) سے رام پور، رخصت کیا۔

کچھ دنوں کے بعد (مولانا ارشاد حسین) محمد موسیٰ بخاری، ایک خادم کو ساتھ لے کر زیارتِ حرمین شریفین کو گئے۔ یہ سفر، پیدل، آٹھ ماہ میں ختم کیا۔

ایک سال تک، وہاں، حاضر رہ کر، رام پور آئے

تو، مُلّا فقیر اخوند قُدِّسَ سِرُّہٗ کی مسجد کے حجرہ میں، نو (۹) مہینے میں قرآن، حفظ کرلیا۔

اور ایک بیوہ سے عقد کرلیا۔ توکل پر گذر تھی۔

.... پالکی میں آتے جاتے تھے۔ کہار، نوکر تھے۔ خوش لباسی، خوش اوقاتی اور خوش اخلاقی سے زندگی، بسر کرتے۔ نواب، خلد آشیان کو، نہایت محبت تھی۔ اور بہت ادب و تعظیم کرتے تھے۔

اَوراد، وظائف، حلقۂ مراقبہ، ذکر وغیرہ سے کوئی وقت، خالی نہ تھا۔

سلسلۂ درس، علیحدہ، جاری تھا۔ ہر جمعہ کو بعد نماز اپنی مسجد میں وعظ فرماتے تھے۔

مجلسِ وعظ میں خوب ذوق وشوق اور گریہ وبُکا ہوتا تھا۔

اپنے احباب کا بہت خیال تھا۔عیادت اور ماتم پُرسی فرماتے۔

شہر اور اہلِ شہر پر، خاص اثر تھا۔اپنے ہم قوم مجدّ دیوں کے معاملات میں ہمیشہ، ساعی رہتے تھے۔شہر اور بیرون جات کے بہت سے لوگ، بیعت ہوئے۔بہت سے خُلفا ہیں۔

نواب خلد آشیاں نے حالتِ مرض میں وصیت کی تھی کہ

بعد انتقال، مجھے، حافظ جمال اللہ صاحب کے مزار میں اُسی جگہ، دفن کیا جائے، جو، آراضی بقدر ایک قبر کے، شاہ محمد عمر اور حافظ صاحب کے گنبد کے درمیان میں چھوٹی ہوئی ہے۔

دوم:۔سوا، آپ کے، اور مولوی امداد حسین آپ کے بھائی کے، اور کوئی، نہ نہلائے۔

سوم:۔ریاست کے صَرف سے تجہیز و تکفین، نہ ہو۔

تین سو کی ایک رقم، میاں رحیم شاہ کے پاس ہے، اُس کو، صَرف کیا جائے۔''

چنانچہ، ایسا ہی ہوا۔

پانچ لاکھ روپیہ، زکوٰۃ کے، خزانہ میں جمع تھے۔حالتِ مرض میں، نواب خلد آشیاں نے ایک دستاویز، لکھ کر آپ کے حوالہ کی کہ اس روپیہ سے جائداد، خرید کو غُربا کی پرورش کریں۔

یہ دستاویز، بریلی میں رجسٹری ہوئی۔اور خزانہ کو حکم، عطاے روپیہ کا گیا۔مگر، اس کے بعد ہی نواب صاحب پر بے ہوشی، طاری ہوگئی اور حُکّامِ ریاست نے اس کی تعمیل نہیں کی۔

نواب عرش آشیاں کے زمانہ میں آپ کی خانقاہ کا وظیفہ، بند ہوگیا۔

قتلِ جنرل اعظم الدین خاں کے معاملے میں، بعض نام کے مسلمانوں نے مولانا کو بھی مُتّہم کیا۔اخیر میں تنخواہ میں اضافہ ہوا۔اور دشمن، سب شرمندہ ہوئے۔

آپ کے پاس اکثر لوگ، امانتیں رکھ دیتے تھے۔آپ، ان سے شرط فرمالیتے تھے کہ:

اگر، مجھے ضرورت ہوئی، یا۔کسی اور کو، تو، بشرطِ ادا، صَرف کروں گا۔یا۔دے دوں گا۔''

کوئی عذر، نہ کرتا۔

ان امانت کی رقموں سے سیکڑوں لوگوں کو مدد پہنچتی تھی۔اور سود کی آفت سے بچالیتے تھے۔

بعض رقمیں، ضائع بھی ہوئیں، وہ، بہ خوشیِ خاطر، اپنے پاس سے پوری کردیتے۔

اس کا نام ہے فیض رسانی اور دستگیریِ ظاہری و باطنی۔جَزَاہُ اللّٰہُ خَیرَ الجَزاء،

آٹھویں جمادی الآخرہ ۱۳۱۱ھ میں، تپ محرقہ، شروع ہوئی

اسی حالتِ مرض میں، تمام امانتیں، واپس کیں۔

باوجود، شدتِ مرض کے، اوقاتِ نماز میں فرق نہیں ہوا۔ اور، نہ اَوراد و وظائف میں کمی ہوئی۔

دوشنبہ کے دن، پندرہویں جمادی الآخرہ کو ۱۳۱۱ھ میں انتقال ہوا۔

تمام شہر، نمازِ جنازہ کے لئے اُمنڈ آیا۔ عیدگاہ کے میدان میں، نمازِ جنازہ ہوئی۔

اور اپنی مسجد کے متصل، جانبِ شرق اپنی ملکیت کی زمین میں، دفن ہوئے۔

اب، اولاد میں مولوی محمد احسان حسین، مولوی معوان حسین صاحب اور مولوی محمد ریحان حسین، موجود ہیں۔

تصانیف میں ایک ضخیم کتاب ''اِنتصارُ الحق'' بزبانِ اردو، بجوابِ ''مِعیارُ الحق'' مولانا نذیر حسین، محدّث دہلوی، تصنیف کی ہے۔ اور مطبوعہ ہے۔ یہ کتاب، دوبار طبع ہوچکی ہے۔

ترجمۂ کتاب الحِیَل، عالم گیری۔ اردو قلمی۔ ۱۳۶ صفحہ کی کتاب کتب خانۂ ریاست (رام پور) میں ہے۔''

(ص ۳۰ تا ص ۳۲۔ ''تذکرہ کاملانِ رام پور''۔ مؤلفہ حافظ احمد علی خاں شوق، رام پوری۔ مطبوعہ ہمدرد پریس کوچہ چیلان۔ دہلی۔ ۱۹۲۹ء)

''اِنتصارُ الحق'' عرصۂ دراز سے نایاب تھی۔ جسے جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے باذوق اور باحوصلہ طلبہ نے تعارف و تقدیم کے ساتھ کمپوزنگ کرا کے بہت اچھے انداز میں چندسال پہلے، شائع کردیا ہے۔

مفتی ارشاد حسین، مجدّدی، رام پوری نے سفرِ حج و زیارتِ حرمین شریفین کے دَوران کامل ایک سال تک، مدینہ طیبہ میں قیام کیا اور وہاں کی برکتوں سے فیض یاب ہوئے۔

اپنے شیخ و مُرشد، حضرت شاہ احمد سعید، مجدّدی، مہاجرِ مدنی کی خدمت میں رہ کر تکمیلِ سلوک کیا اور آپ ہی کے حکم سے اپنے وطن، رام پور، واپس آئے۔

یہاں، درس و تدریس، ذِکر و مراقبہ اور وعظ و بیان میں، ہمہ وقت، مصروف رہے۔

نواب، کلب علی خاں، خلد آشیاں، والیِ رام پور کو آپ سے بے حد تعلقِ خاطر تھا۔

وہ، آپ کا اِعزاز و اکرام کرنے کے ساتھ، بعض اہم اُمورِ سلطنت میں آپ سے مشورہ و تبادلۂ خیالات بھی کیا کرتے تھے۔

مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری آپ کے تعارف و تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ:

................ہم عقیدہ مسلمانوں پر نہایت شفقت فرماتے اور باطل پرستوں سے شدید نفرت رکھتے تھے۔

نواب، قطب الدین خاں، دہلوی کے رسالہ، مناقبِ امامِ اعظم کے رَد میں
غیر مقلّدیت کے پیشوا، میاں نذیر حسین، دہلوی نے "مِعیار الحق" کے نام سے
ایک کتاب لکھ کر، امامُ الائمہ پر، زبانِ طَعن وسَب وشتم، دراز کی
تو، آپ نے حمایتِ حق کے لئے "اِنتصارُ الحق" لکھا۔
جس کو مولوی محمد احسن، نانوتوی، مقیم بریلی نے اپنے مطبع صدیقی، بریلی سے چھاپ کر شائع کیا۔
حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ، الوَری، حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ، رام پوری
حضرت شمس العلما، علاّمہ ظہورُ الحسین، رام پوری، مولانا عبدالغفار خاں، رام پوری، مولانا شاہ عنایت اللہ خاں، رام پوری، وغیرہ، آپ کے نامور تلامذہ وکبار عُلماے اہلِ سنّت میں سے تھے۔
اوّلُ الذکر کے علاوہ، سب کو، طریقۂ نقشبندیہ میں آپ سے بیعت کا شرف، حاصل تھا۔
مشہور معتزلی عالم، شبلی نعمانی نے رام پور میں آپ سے فقہ کا درس لیا۔
اعلیٰ حضرت، امام اہلِ سنّت، مولانا شاہ احمد رضا، مجدّدِ مأۃ حاضرہ
آپ کے علم وفضل، زُہد وتقویٰ کے بڑے مدّاح تھے۔"

(ص ۲۴ و ص ۲۵۔ "تذکرہ عُلماے اہلِ سنّت"۔ مؤلّفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی۔ مطبوعہ کان پور ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء)

مولانا عبدالحق، خیرآبادی

مولانا عبدالحق، خیرآبادی (ولادت ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء۔ وفات شوال ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء)

فرزند و تلمیذِ علاّمہ فضلِ حق خیرآبادی، اپنے عہد و عصر میں

متحدہ ہندوستان کے معروف عالم اور معقولی مدرس تھے۔ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف

آپ کی زندگی بھر کا، مشغلہ رہا۔ آپ کے تلامذہ میں سے چند حضرات کے اَسما، اِس طرح ہیں:

مولانا سید عبدالعزیز، سہارن پوری، مولانا حکیم سید برکات احمد، ٹونکی، مولانا اسدُ الحق

خیرآبادی، مولانا عبدالغنی خاں، رام پوری (مؤرخ، نجم الغنی خاں، رام پوری کے والد)

مولانا فضلِ حق، رام پوری۔ مولانا شاہ اعظم حسین، رام پوری، مہاجرِ مدنی۔

مولانا عبدالحق خیرآبادی کی تصنیفات کے نام، مندرجہ ذیل ہیں:

تسہیلُ الکافیہ، شرحِ ہدایۃ الحکمۃ، اَلجواھرُ الغالیہ فی الحکمۃِ المتعالیہ، شرحِ مُسلَّم الثُّبوت مع

شرحِ مَنھیات، حاشیۂ قاضی مبارک بر شرحِ سُلَّم، حاشیۂ غلام یحییٰ متعلقہ میر زاھد، حاشیۂ حمداللہ

شرحُ الحواشی الزاھدیہ علیٰ مُلّا جلال، شرحُ الحاشیہ الزاھدیۃ علی الامور العامّۃ مِن شرحِ المواقف

شرحِ تھذیبُ الکلام، زُبدۃُ الکلام، زُبدۃُ الحکمۃ، شرحِ مرقات، حاشیۂ عقائد عضدی

اَلتُّحفۃُ الوزیریۃ فی المسائلِ النحویۃ، حاشیۂ جدیدہ بر شرحِ تجرید۔

مولانا عبدالشاہد، شیروانی، علی گڑھی (متوفی ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء) تلمیذِ مولانا معین الدین

اجمیری (متوفی محرم ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء) تلمیذِ حکیم سید برکات احمد، ٹونکی (متوفی ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء)

تلمیذِ مولانا عبدالحق خیرآبادی (متوفی ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء) آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

مولانا عبدالحق، خیرآبادی نے آخر وقت، یہ وصیت فرمائی کہ:

"جب انگریز، ہندوستان سے چلے جائیں تو، میری قبر پر خبر کر دی جائے۔"

چنانچہ ۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء کو رفیقِ محترم، مولانا مفتی سید نجم الحسن، رضوی، خیرآبادی نے

مولانا کے مدفن (درگاہِ مخدومیہ، خیرآباد) پر، ایک جمِ غفیر کے ساتھ، حاضر کر

میلاد شریف کے بعد، فاتحہ خوانی کی۔

اور، اِس طرح، پورے پچاس (۵۰) سال کے بعد، انگریزی سلطنت کے خاتمہ کی

خبر سنا کر وصیت پوری کی۔ "جَزَاہُ اللّٰہُ خَیْرَ الْجَزَاءِ"

(۳۲۲۔ بعنوان "سلسلۂ تلامذہ۔" **باغی ہندوستان**۔ مطبوعہ المجمع الاسلامی، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ)

مولانا عبدالحق، خیرآبادی کی حقیقی بہن، بی بی سعیدُ النساء، حرماںؔ خیرآبادی بنتِ علاّمہ فضلِ حق خیرآبادی، بڑی عالمہ فاضلہ شاعرہ تھیں۔

آپ کے بارے میں، مولانا شیروانی علی گڑھی لکھتے ہیں کہ:

"مولانا عبدالحق کی حقیقی ہمشیرہ، بی بی سعیدُ النساء حرماںؔ (والدۂ ماجدۂ اِعتبارُ الملک، مضطر خیرآبادی) بڑی عالمہ فاضلہ تھیں۔ خود، والدِ ماجد (علاّمہ فضلِ حق خیرآبادی) نے اُن کی تعلیم و تربیت کا پورا حق ادا کیا تھا۔

اُن کی علمی لیاقت کا حال، مولانا عبدالحق خیرآبادی کے اِن جُملوں سے ظاہر ہوتا ہے:

"اچھا ہوا کہ سعیدُ النساء بہن ہوئیں، بھائی نہ ہوئیں۔

ورنہ، ان کے سامنے، ہمیں، کون پوچھتا؟"

(ص ۳۴۳۔ **باغی ہندوستان**۔ مطبوعہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ، یوپی)

حرماںؔ، خیرآبادی کے شاعرانہ ذوق کا اندازہ اِن اشعار کی سلاست و برجستگی اور اثر انگیزی سے بخوبی ہوتا ہے:

خانۂ یار کا، کیا، تم کو پتہ بتلاؤں؟ جیسا مُشتاق ہو، نزدیک بھی ہے، دور بھی ہے

☆☆☆☆

دردِ دل، دردِ جگر، کاوِشِ جاں، کاہشِ جاں اتنے آزار ہیں، اور ایک کلیجا میرا

☆☆☆☆

اب لذّتِ دردِ جگری، پوچھتے کیا ہو؟ جب تم ہو نمک پاش، تو، پھر کیوں نہ مزا ہو؟

حکیم سید محمود احمد، برکاتی، ٹونکی (کراچی۔ شہادت ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء) کے والدِ ماجد حکیم سید محمد احمد، ٹونکی (متوفی ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۲ء) بی بی سعید النساء، حرماںؔ خیرآبادی بنتِ علاّمہ فضلِ حق خیرآبادی و ہمشیرۂ مولانا عبدالحق خیرآبادی کے ایک سفرِ ٹونک، (راج پوتانہ، موجودہ صوبہ راجستھان) کا حال، جس طرح، تحریر فرماتے ہیں، اُس سے تلامذۂ خیرآباد کی قلبی عقیدت کا آبشار پھوٹنے لگتا ہے۔ وہ، لکھتے ہیں کہ:

"مجھے، یہ عزت حاصل ہے کہ میں نے

مُجَدِّدُ الْحِکْمَۃِ الْیُوْنَانِیَہ، حضرت علاّمہ فضلِ حق، خیرآبادی، بَرَّدَ اللّٰہُ مَضْجَعَہٗ کی

صاحبزادی، اَنَارَ اللّٰہُ بُرْھَانَھَا کی زیارت کی ہے۔

اِس عزت کو، میں، سرمایۂ سعادت سمجھتا ہوں۔

ہماری انتہائی خوش قسمتی تھی اور سرزمینِ ٹونک کو، انتہائی فخر کا موقع ملا تھا کہ:

وہ، ٹونک تشریف لائی تھیں۔ نواب، وزیرُ الدولہ بہادر جنت آرام گاہ (دوسرے والیِ ٹونک)

کی علم دوستی نے جہاں، ہزاروں اہلِ کمال کو اَطرافِ ہند سے کھینچا، تھا

وہاں، خیرآباد شریف کے بھی، چند خاندانوں کو، ٹونک بلا لیا گیا تھا۔

اس کی برکت سے اُخیر اُخیر میں مجھے اور میرے خاندان کو، یہ عزت، حاصل ہوئی۔

مجھے، اچھی طرح، یاد ہے اور آج بھی وہ تصویر، آنکھوں میں، پھر رہی ہے کہ:

استاذُ الھند، مولانا برکات احمد صاحب قبلہ (ٹونکی)

بی بی صاحبہ کے سامنے، گردن جھکائے، مؤدّب، ایک بے علم انسان کی طرح، بیٹھے ہیں۔

اور اُن (بی بی سعیدُ النساء حرماں) کے جوشِ تقریر کا، یہ عالَم ہے کہ:

کسی بھی موضوع پر، نہیں رُکتیں۔ ضعیفُ القُویٰ تھیں، کبیرسِن تھیں، اَعضا میں رَعشہ تھا۔

مگر، معلوم ہوتا تھا کہ تمام قوتیں، قوتِ ناطقہ میں منجذب ہوگئی ہیں۔

کیا تقریر تھی، کیا اُتار چڑھاؤ تھا، کیا شُستگی تھی، کیا برجستگی تھی، کیسی پُررعب آواز

تھی۔" (ص ۱۰۳۔ و ص ۱۰۴۔ "مولانا حکیم سید برکات احمد، سیرت اور علوم"۔ مؤلفہ حکیم سید محمود احمد، برکاتی، ٹونکی۔

برکات اکیڈمی، کراچی۔ ۱۹۹۳ء)

مولانا عبدالحق خیرآبادی کی زوجۂ محترمہ، ہاجرہ بی خیرآبادی کا بھی، کچھ یہی عالَم تھا۔

علاّمہ فضلِ حق، خیرآبادی کی بھتیجی، ہاجرہ بی بی بنتِ مولانا فضل الرحمٰن بن علاّمہ فضلِ امام

خیرآبادی کے علم وفضل کا اندازہ، اُس واقعہ سے ہوتا ہے جس کا ذکر کرتے ہوئے

حکیم سید برکات احمد، برکاتی، ٹونکی تلمیذِ مولانا عبدالحق، خیرآبادی فرماتے ہیں کہ:

"میں نے، مروّجہ درسِ نظامی کی تکمیل کر لی تھی۔ متقدمین حکما کی کتابیں پڑھ رہا تھا۔

مگر، ناغوں کی کثرت کی وجہ سے ایک بار، یاس کا سا عالَم، طاری ہو گیا اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ:

اب، اصلِ نصاب کی تکمیل ہو چکی ہے۔ غیرنصابی کتابیں بھی نکل جاتیں، تو، خوب تھا۔

مگر، ناغوں کی اِس کثرت کے ساتھ، تو، کئی برس، درکار ہیں۔

اُدھر، والد ماجد، تقاضا فرما رہے تھے کہ جلد آؤ۔ اِس لئے اب، رَختِ سفر باندھنا چاہیے۔
مگر، علّامہ (عبدالحق) سے یہ توقع نہیں تھی کہ،

وہ، اِس منزل کو تکمیل، تصور فرما کر، اجازت (مرحمت) فرمائیں۔ اِس لئے بیوی صاحبہ (علّامہ عبدالحق کی حَرَمِ محترم) رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهَا سے رخصت (کی اجازت) حاصل کرنے کے لئے ڈیوڑھی (زنان خانہ) حاضر ہوا، اور کہلوایا کہ:

برکات احمد، واپس جا رہا ہے۔ رخصت، طلب کرنے اور سلام (عرض) کرنے، حاضر ہوا ہے۔"
بیوی (ہاجرہ) صاحبہ نے، جب، یہ پیغام سنا، تو، علّامہ (عبدالحق) کی شفقت کے واسطے سے وہ بھی، شفقت فرماتی تھیں، یہ اطلاع پا کر، اِتنی مضطرب ہوئیں کہ:
پردہ کرا کر، خود ہی، ڈیوڑھی پر چلی آئیں اور فرمایا:

"بیٹا مُلّا برکت! ہم نے سنا ہے، تم جاتے ہو۔ اور ماشاءَ اللهُ، تکمیلِ درس کر لی ہے۔
اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔ مگر، بیٹا! مولانا نے ہم سے ذِکر نہیں کیا کہ تم، فارغ ہو گئے؟
کیوں بیٹا! کہاں تک پڑھ لیا؟"

مولانا نے ادب سے عرض کی:

"تمام نصابِ درس کی تکمیل کر لی ہے اور میر زاہد اُمورِ عامّہ تک پڑھ لیا ہے۔"

اُمورِ عامّہ کا نام سن کر، ہنستے ہوئے فرمایا:

"بھئی، اُمورِ عامّہ تک پڑھ کر خود کو فارغ اور فاضل سمجھ رہے ہو؟
کیا، میں، اُمورِ عامّہ سے متعلق، کوئی سوال کر سکتی ہوں؟
بیٹے! اُمورِ عامّہ تک، تو، اِس خاندان کی مَستورات بھی، مشد بُد رکھتی ہیں۔"

مولانا (حکیم سید برکات احمد، ٹونکی) فرماتے تھے کہ:

"بیوی صاحبہ کی، یہ تقریر سن کر، اِنفعال سے حالت، غیر ہو گئی۔
اور میں نے بمشکل، یہ الفاظ، ادا کیے کہ:
"میں، اپنے فیصلے پر، نادِم ہوں۔ اپنا فیصلہ، فَسخ کرتا ہوں
اور آپ سے اِستقلال کی دُعا کی درخواست ہے۔"

(ص ۱۵۴ و ۱۵۵۔ "حکیم سید برکات احمد! سیرت اور علوم"۔ مؤلّفہ حکیم سید محمد احمد، برکاتی، ٹونکی)

حکیم عبدالحئی، رائے بریلوی (متوفی ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء) نے مدح و مذمّت پر مشتمل

تعارفِ مولانا عبدالحق، خیرآبادی میں لکھا ہے کہ:

اَحَدُ الْعُلَماءِ الْمبرزِين فِي الْمَنطق وَالْحِكمة۔ لَمْ يَكن مِثلهُ فِي زَمانِهِ۔ تَخَرَّجَ عَلىٰ وَالِدِهِ وَلازمَهُ مُدَّةً طويلةً۔ ثُمَّ قرَّبهُ نواب كلب عَلى خان الرَّام فورى اِلىٰ نفسِهِ۔ وَكانَ إماماً جَوَّالاً في الْمَنطقِ وَالْحِكمة، عارِفاً بِالنَّحوِ وَاللُّغة، ذَاسكينةٍ وَ وَقارٍ وَ وَفورِ ذكاءٍ وَحُسنِ تعبيرٍ، وَ خبرةٍ بِمسالكِ الْإستدلال، وَ لُطفِ الطَّبع وَ حُسْنِ الْمُحاضرةِ، وَمَلاحةِ النَّادرةِ اِلىٰ حَدٍّ لَا يُمكن الْإحاطة بِوَصْفِهِ۔

وَ مُجَالَستُهُ هِيَ نُزهةُ الْاَذْهَان وَ الْعُقول ،بِمَا لَدَيْهِ مِنَ الْاَخبار الَّتي تشنفُ الْاَسْمَاع، وَالْاَشْعَار الْمُهذَّبة لِلطِّبَاع۔

......وَكانَ يَقولُ اِنَّ قطعةً مِن اَقْطاعِ الهند نهضَ مِنْهَا رِجالُ الْعِلم فِي كُلِّ قَرنٍ۔

وهِيَ تَبتدِئ مِنْ "دهلى" وَ تنتهِي اِلىٰ "بِهَار"۔

......وَلَهُ مُؤلَّفاتٌ مَقبولةٌ عِنْد الْعُلماء، وَ فِي عباراتِهِ قوةٌ وَ فَصاحة ، وَسَلاسةٌ تَعشقها الْاَسْمَاعُ وَ تلتذُّبِهَا الْقُلوب، وَ لِكلامِهِ وَقعٌ فِي الْاَذهان۔ اِلىٰ آخِرِهِ۔

(ص ۲۶۳ھ ۔نُزهةُ الْخواطِر۔جلدِ ثامن۔ دارابن حزم،بیروت)

مولانا عبدالقادر، بدایونی

مُحبّ الرّسول، تاج الفحول، حضرت مولانا عبدالقادر، عثمانی، قادری، بدایونی (ولادت ۱۷ر رجب ۱۲۵۳ھ/۱۷را کتوبر ۱۸۳۷ء۔ وصال ۱۷ر جمادیٰ الاولیٰ ۱۳۱۹ھ/ریکم ستمبر ۱۹۰۰ء)

فرزند وخلیفۂ سَیفُ اللهِ الْمَسْلُول، علاّمہ فضلِ رسول، عثمانی، قادری، بدایونی (ولادت صفر المظفر ۱۲۱۳ھ/۹۹۔۱۷۹۸ء۔ وصال جمادیٰ الاُخریٰ ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء۔ فرزند وخلیفۂ حضرت مولانا شاہ، عینُ الحق عبدالمجید، عثمانی، قادری، بدایونی۔ ولادت ۲۹ر رمضان ۱۱۷۷ھ وصال ۱۷ر محرمُ الحرام ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۶ء۔ خلیفۂ ارشد، حضرت شمسِ مارہرہ، سید شاہ آلِ احمد، اچھے میاں قادری، برکاتی، مارہروی۔ وصال ۱۲۳۵ھ۔ جنوری ۱۸۲۰ء)

اپنے عہد وعصر کے مَرجعِ علماء وفضلا اور "مِعیارِ سُنّیت" تھے۔

اِمَامُ الْحِکْمۃِ وَالْکَلام، علاّمہ فضلِ حق، خیرآبادی کے اَجِلّہٗ تلامذہ میں تھے۔

علاّمہ فضلِ رسول، بدایونی نے اپنے فرزندِ سعید، مولانا عبدالقادر، بدایونی کی تعلیم وتربیت میں، خود بھی، دل چسپی لی اور معیاری تعلیم کے لئے آپ کو علاّمہ فضلِ حق، خیرآبادی کے حوالے کردیا۔ جن کی خدمت میں رہ کر، برسوں، آپ، فیضانِ فضلِ حق سے سیراب اور مالا مال ہوتے رہے۔

علاّمہ فضلِ رسول، بدایونی نے اپنے بلند اقبال فرزندِ سعید کی تربیت، جس طرح فرمائی اُس کا عکس، اِس مکتوب میں ملاحظہ فرمائیں:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

برخوردار، سعادت آثار، لختِ جگر، مولوی عبدالقادر، سَلَّمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ۔

بعدِ دُعا، واضح ہو، اگر، دنیاوی جاہ وحشمت پر نظر ہے

تو، اس کا اِہتمام، زمانے کی اِقتضا کے مطابق ہوگا۔ دین وایمان کو چھوڑنا ہوگا اور فاسقوں اور کافروں (کی) متابعت وہم نشینی، اختیار کرنی ہوگی۔ حَفِظَنَا اللّٰہُ وَاِیَّاکُم وَجَمِیْعَ الْمُؤمِنِین۔

(اللہ، ہماری اور تمہاری اور تمام مسلمانوں کی حفاظت، فرمائے)

اگر، تمہارا مقصود، پاسِ شریعت واتباعِ سُنّت اور رضائے الٰہی ہے

تو، فقر وفاقہ، صبر، توکل اور قناعت کو، بطیبِ خاطر، کشادہ پیشانی کے ساتھ، قبول کرکے

یادِ الٰہی اور درس وتدریس میں مشغول ہونا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر، صلاحیت کا، جو جَوہر پیدا کیا ہے

اگر، اس کی صحیح نشوونما ہو جائے، تو، یہ تمہارے سراپا کے نکھار کا، باعث ہوگا۔

لیکن، یہ شدائد ومصائب کو بطیبِ خاطر، بغیر خوف ودہشت اور جزع وفزع کے

برداشت کرنے پر، موقوف ہے۔

اِس لئے کہ، یہ خوف ودہشت اور تنگ دلی، اس جَوہر کو ختم کرنے کا، باعث ہوتی ہے۔

یَحفِظُکُمُ اللّٰہُ تعالیٰ۔ وَالدُّعاء۔ فقط فضلِ رسول۔

(ص ۵۷۔ "تذکرہ فضلِ رسول"۔ مؤلّفہ مولانا انوار الحق، عثمانی، قادری، بدایونی۔ طبعِ جدید، محرم ۱۴۲۹ھ/ جنوری ۲۰۰۸ء۔ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں۔ طبعِ اول صفر ۱۲۹۷ھ/ جنوری ۱۸۸۰ء۔ قدیم نام "طَـوَالِـعُ الْاَنْوَار فِی مَحَامِدِ اکملِ الْکَامِلِیْنَ الْاَبْرَار (۱۲۹۶ھ) مطبوعہ مطبع صبح صادق، سیتاپور۔ اَوَدھ)

لکھنؤ اور ریاستِ الور (راجپوتانہ) میں جس زمانے میں علّامہ فضلِ حق خیرآبادی، قیام پذیر تھے، اُسی زمانے میں حضرت مولانا عبدالقادر، عثمانی، قادری، بدایونی نے آپ سے تعلیم، حاصل کی اور خیرآبادی فیض سے آپ، بھرپور فیض یاب وسیراب ہوئے۔

اس سے پہلے آپ، اپنے وطن بدایوں ہی میں، مولانا نور احمد، بدایونی، تلمیذِ علّامہ فضلِ حق خیرآبادی سے بھی، درس، حاصل کر چکے تھے۔

بدایونی عُلَما میں، حضرت مولانا شاہ، عینُ الحق عبدالمجید، عثمانی، قادری، بدایونی (وصال محرم الحرام ۱۲۶۳ھ) کے بھتیجے اور حضرت مولانا شاہ فضلِ رسول، عثمانی، بدایونی کے چچازاد بھائی مولانا ثناءُ الدین، عثمانی، بدایونی (ولادت ۲۵/ ذوالحجہ ۱۲۱۹ھ/ ۱۸۰۵ء۔ وصال ۵/ محرم ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۰ء) اور مولانا نور احمد، عثمانی، بدایونی (ولادت ۱۳/ رجب جمادیُ الآخرہ ۱۲۳۰ھ/ ۱۸۱۵ء۔ وصال ۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸۴ء) بھی، علّامہ فضلِ حق، خیرآبادی کے شاگرد تھے۔

آپ کے تعارف وتذکرہ میں، مولانا رحمان علی (متوفی ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء) لکھتے ہیں:

"مولوی شاہ عبدالقادر، بدایونی بن مولوی معینُ الحق، فضلِ رسول، بدایونی۔

ان کی پیدائش ۱۷/ رجب ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء میں ہوئی۔ تاریخی نام "مظہرِ حق" ہے۔

اکثر کتبِ درسیہ، مولوی نور احمد، بدایونی اور بعض کتب، مثلاً: شرحُ العلوم، شرحِ اِشارات اور محاکمات، وغیرہ، مولانا فضلِ حق خیرآبادی سے پڑھیں۔

اپنے ہم عصروں میں ممتاز ہوئے۔ بیعت و خلافت اپنے والدِ ماجد سے حاصل کی۔
والد ماجد کے ایما سے حرمین شریفین کی زیارت کے موقع پر
شَیخُ الْفُقَھَاءِ وَالْمُحَدِّثِین، مولانا شیخ جمال عمر مکی سے حدیث پڑھی۔
علومِ دینی کے اِفادے اور کتبِ دینی کی تالیف میں مصروف ہیں۔
رسالہ "اَحسَنُ الْکلامِ فِی تحقیقِ عقائِدِ الاسلام
(عربی) رسالہ سَیفُ الاسلام الْمَسلُولِ عَلیٰ الْمَنَّاعِ بِعَملِ الْمولدِ وَالْقِیام (فارسی)
رسالہ حقیقۃُ الشَّفاعۃ عَلیٰ اَھلِ السُّنَّۃِ وَالْجماعَۃِ۔
رسالہ شِفَاءُ السَّائِلِ بِتَحقیقِ الْمَسائل (یہ کتاب، دوسو (۲۰۰) سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔ جو، فقہ و عقائد سے متعلق ہیں)
دیوانِ عربی اور نعت شریف نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم
جو، انھوں نے مدینہ طیبہ کے سفر کے راستے میں لکھی ہیں
ان کی تصنیفات میں، یہ کتابیں، اہلِ علم میں مقبول ہیں۔
ان کے علاوہ، دوسری کتابیں بھی، زیرِ تالیف ہیں۔
غرض، مولانا (عبدالقادر) کی ذات کو، مغتنمات میں شمار کرنا چاہیے۔
خاص طور سے جو اِمداد، اِس کتاب (تذکرۂ علماے ہند) کی تالیف میں
مجھ ہیچ مداں (رحمان علی) کو پہنچائی ہے، اُس کا شکریہ، ادا کرنا، ناممکن ہے۔ بقول:

اگر، ہر مُوے تن، گردد زبانم
اَدائے شکرِ اَو، یکے می توانم

(ص ۳۱۱ و ص ۳۱۲۔ "تذکرۂ علماے ہند" مؤلفہ مولانا رحمٰن علی۔ اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب، قادری)

مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری، آپ کے تعارف و تذکرہ میں لکھتے ہیں:
.........."علاّمہ فضلِ حق، خیر آبادی سے علوم عقلیہ کی بکمال و تمام، تحصیل کی۔
حضرت علاّمہ خیر آبادی، آپ کے بڑے مَدّاح تھے۔ آپ پر، ناز فرماتے تھے۔
علاّمہ خیر آبادی، اکثر فرماتے کہ:
"صاحبِ قوتِ قدسیہ، ہر زمانے میں ظاہر نہیں ہوتے۔ وَقتاً بعد وقتٍ، اور عصراً بعد عصرٍ پیدا ہوتے ہیں۔ اگر، اِس زمانے میں، کسی کا وجود مانا جائے گا

''تو، (آپ کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ) یہ ہیں۔''
علاّمہ، یہ بھی فرماتے کہ:
''ان کے ذہن کی جَودت وسلامت، ابوالفضل وفیضی کے اَذہانِ ثاقِبہ کی جَودت کو
مات کرتی ہے۔''
آپ کے والد ماجد، حضرت سَیفُ اللہِ الْمَسْلُول فرماتے کہ:
''مجھ سے مولانا فیض احمد کی ذہانت، زیادہ ہے۔
مگر، برخوردار عبدالقادر کی ذہانت وذکاوت، ہم دونوں سے، زیادہ ہے۔''
علاّمہ خیرآبادی کے شاگردوں میں، حضرت استاذُ العلما، ہدایت اللہ خاں، رام پوری، مولانا
فیض الحسن، سہارن پوری، شمس العلما، علاّمہ عبدالحق، خیرآبادی، فرزند وجانشین
اور اعلیٰ حضرت، تاجُ الفحول، عناصرِ اربعہ سمجھے جاتے ہیں۔
علاّمہ عبدالحق، خیرآبادی، آپ کے بارے میں فرماتے تھے کہ:
''ہر سہ تلامذہ، کسی خاص فن میں یکتائے عصر اور وحیدِ روزگار ہیں۔
مگر، مولانا عبدالقادر، بدایونی کا تبحُّر اور جامعیت، تمام علوم وفنون میں ہے۔''
آپ نے تکمیلِ علوم کے بعد، والدِ ماجد سے سندِ حدیث، حاصل کی۔
اور انھیں کے دستِ شریف پر، بیعت سے مشرَّف ہوئے۔
۱۲۷۹ھ میں پہلی بار، حج وزیارت کی حاضری کے وقت، خلافت واجازت سے سرفراز کیے گئے۔
مکہ مکرَّمہ میں حضرت شیخ عمر جمال، مکی سے سندِ حدیث، حاصل کی۔
۱۲۹۰ھ میں بغدادِ مقدس کا سفر کیا۔ دوبار غوثِ اعظم سے سرفراز وشادکام ہوئے۔
حضرت نقیبُ الاشراف، شیخ سلیمان بن علی نے بڑی پذیرائی کی۔
متعدد بار، حرمین شریفین، حاضر ہوئے۔
ننانوے (۹۹) بار، بے پردا، آپ کو، تجلیاتِ ربّانی کا دیدار ہوا۔
اعلیٰ حضرت، مولانا شاہ احمد رضا، بریلوی نے قصیدہ ''چراغِ اُنس'' میں اس واقعہ کو بیان کیا ہے

میں بھی دیکھوں جو تو نے دیکھا ہے
روزِ سَعیِ صفا محبِّ رسول
صفا مروہ پہ تو نے جو دیکھا

وہ، مجھے بھی دِکھا محبّ رسول

ہاں! یہ سچ ہے کہ یاں، وہ آنکھ، کہاں

آنکھ، پہلے دِلا محبّ رسول

۱۳۱۱ھ میں مجلس ،نَـدِیَۃُ الْعُلَمَاء'' کان پور میں قائم کی گئی۔اور بانیوں نے اہلِ سنّت کے ساتھ، شیعوں اور غیر مقلّد مولویوں کو شامل کیا، تو، آپ نے سخت اختلاف فرمایا۔

فاضلِ بریلوی نے آپ کی ذات سے محبت کو ''علامتِ اسلام'' قرار دیا ہے۔

سُنّیت سے پِھرا، ہُدیٰ سے پِھرا

اب جو تجھ سے پِھرا محبّ رسول

آج، قائم ہے دَم قدم سے ترے

دینِ حق کی بِنا محبّ رسول

(''تذکرۂ علمائے اہلِ سنّت'' مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری)

محبُّ الرَّسول، تاج الفحول، مولانا عبدالقادر، عثمانی، قادری، بدایونی کے تلامذہ میں کچھ نمایاں حضرات، یہ ہیں:

سید شاہ ابوالقاسم اسمٰعیل حَسَن، عُرف شاہ جی میاں، قادری، برکاتی، مارَہروی، مولانا محمد عبدالمقتدر، عثمانی، قادری، بدایونی، حافظِ بخاری، سید شاہ عبدالصَّمد، چشتی، سَہسوانی، مولانا حکیم عبدالقیوم، شہید، قادری، بدایونی، مولانا مُحبّ احمد، قادری، بدایونی، مولانا فضلِ احمد، قادری بدایونی، مولانا فضلِ مجید، فاروقی، بدایونی، مولانا فصیح الدین، عباسی، بدایونی، مولانا غلام شبّر صدیقی، نوری، بدایونی، مولانا محمد حَسَن، اسرائیلی، سنبھلی، مولانا حافظ بخش، قادری، آنولوی۔

حضرت مولانا عبدالقادر، بدایونی کے دونوں صاحبزادگان

حضرت مولانا عبدالمقتدر، بدایونی و حضرت مولانا عبدالقدیر، بدایونی

آپ کے شاگرد اور سلسلۂ خیر آباد کے معروف علما ہیں۔

حضرت مولانا عبدالمقتدر، عثمانی، بدایونی (ولادت ۱۱رجمادیٰ الآخرہ ۱۲۸۳ھ/ ۱۰ اکتوبر ۱۸۶۶ء۔ وصال محرم ۱۳۳۴ھ/ دسمبر ۱۹۱۵ء) نے

اپنے والدِ محترم، حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی، تلمیذِ علّامہ فضلِ حق خیر آبادی اور مولانا نور احمد، بدایونی، تلمیذِ علّامہ فضلِ حق، خیر آبادی سے، درسیات کی تکمیل کی۔

حضرت مولانا عبدالمقتدر، بدایونی کے تلامذہ میں، چند حضرات کے نام، درج ذیل ہیں:
مولانا عبدالماجد، قادری، بدایونی، مولانا عبدالقدیر، عثمانی، بدایونی محدِّثِ اعظم، مولانا سید محمد، محدّث اشرفی، کچھوچھوی، مولانا عبدالمجید، قادری، آنولوی، مفتی حبیب الرحمٰن، قادری بدایونی، تاج العلما، مولانا سید اَولادِ رسول محمد میاں، قادری، برکاتی، مارہروی، مفتی عزیز احمد بدایونی ثم لاہوری، پروفیسر، ضیا احمد، بدایونی، سابق صدر شعبۂ فارسی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

دوسرے صاحب زادے، حضرت مولانا عبدالقدیر، عثمانی، قادری، بدایونی (ولادت ۱۱رشوال ۱۳۱۱ھ/ ۱۷راپریل ۱۸۹۴ء۔ وصال ۳رشوال ۱۳۷۹ھ/ ۳۱رمارچ ۱۹۶۰ء) نے مدرسہ قادریہ، بدایوں کے اساتذۂ کرام، بالخصوص، برادرِ کبیر، مولانا عبدالمقتدر، عثمانی قادری، بدایونی اور مولانا مُحبّ احمد، قادری، بدایونی تلمیذِ تاج الفحول، بدایونی سے تعلیم پائی۔
اس کے بعد، مولانا سید عبدالعزیز، انبیٹھوی، سہارن پوری و مولانا حکیم سید برکات احمد، ٹونکی تلامذۂ مولانا عبدالحق، خیرآبادی، فرزندِ علامہ فضل حق، خیرآبادی سے اِکتسابِ علم کیا۔
مولانا عبدالحامد، قادری، بدایونی (وصال ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء) صدر جمعیۃ العلماء پاکستان اور خواجہ نظام الدین، بدایونی (وصال ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء) آپ کے تلامذہ ہیں۔
حضرت تاج الفحول، بدایونی کے خلفِ اصغر، حضرت مولانا عبدالقدیر، بدایونی، ایک طویل زمانے تک، مفتیِ اعظم، ریاستِ حیدرآباد، دَکن کی حیثیت سے جنوبی ہند میں سرگرمِ عمل رہے۔
محبّ رسول، تاج الفحول، بدایونی اور فقیہِ اسلام، امام احمد رضا، قادری، برکاتی، بریلوی رَحِمَھُمَا اللّٰہ تعَالیٰ کے درمیان، نہایت مخلصانہ رَوابطِ اُخوّت ومودّت تھے۔
حضرت تاج الفحول آپ کو، اپنا عزیز برادرِ صغیر اور امام احمد رضا، آپ کو، اپنا محترم برادرِ کبیر اور اپنا بزرگ سمجھتے تھے۔

آپ کی شان میں، امام احمد رضا، عرض کرتے ہیں:

وَقُدْوَۃُ جَمْعِھِم تاجُ الفُحُول وَمَا اَدْرَاكَ مَا تَاجُ الفُحول

☆☆☆☆

تحریک "معیارِ سنّیت" ہے آج تیری حُب و ولاء، محبّ رسول

خواجہ سید عبدالصمد، چشتی، سہسوانی

حافظِ بخاری، خواجہ سید عبدالصمد، چشتی، مودودی، سہسوانی (ولادت ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۳ء۔
وصال ۱۷ر جمادیٰ الاخریٰ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء)

تاجُ الفحول، مولانا عبدالقادر، عثمانی، قادری، بدایونی کے ارشدِ تلامذہ میں تھے۔
بریلی میں ایک بار، اکابر علماے اہلِ سُنّت کی ایک خصوصی نشست ہوئی تھی
جس میں، سوادِ اعظم اہل سُنّت و جماعت کے اُہم امور و مسائل، زیرِ بحث آئے۔
تنظیمی اُمور پر تبادلۂ خیال ہوا، اِصلاحِ ندوہ پر خصوصی گفتگو ہوئی۔
غور و خوض کے بعد "مجلسِ علماے اہلِ سُنّت" کی تشکیل ہوئی۔
حضرت مولانا عبدالقادر، بدایونی و حضرت مولانا احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی
اور اس نشست میں موجود دیگر مشاہیر عُلماے اہلِ سُنّت نے متفقہ طور پر
حضرت حافظِ بخاری کو "مجلسِ علماے اہلِ سُنّت" کا صدر، منتخب کیا۔

استاذِ گرامی، حافظِ مِلّت، مولانا الشاہ عبدالعزیز، مرادآبادی، محدّث مبارک پوری (وصال ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) بانیِ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور کی زبانی، بارہا، یہ سنا گیا کہ:

"حافظِ بخاری، سید شاہ عبدالصمد صحیح بخاری کے ایسے حافظ تھے کہ:
وہ، چاہتے تو، شینہ کی طرح، پوری صحیح بخاری، سنا سکتے تھے"

آپ کے فرزند و تلمیذ، مولانا سید مصباح الحسن، چشتی، مودودی (ولادت ۱۳۰۴ھ۔ وصال ۱۳۸۴ھ) پھپھوند شریف (ضلع اٹاوہ۔ یوپی) بھی، بڑے عالم و فاضل اور مرجعِ آگاہ تھے۔
اور عُلما و مشائخِ اہلِ سُنّت کے درمیان، محبوب و معزز و مکرّم تھے۔

حافظِ بخاری نے مدرسہ قادریہ، بدایوں میں سیف اللہ المسلول، علّامہ فضلِ رسول، بدایونی و تاجُ الفحول، مولانا عبدالقادر، بدایونی کے علاوہ، مولانا نور احمد، بدایونی تلمیذِ علّامہ فضلِ حق خیرآبادی سے بھی تحصیلِ علم کی۔ آپ نے متعدد کتابیں لکھیں۔
بیعت و اِرادت، شیخ المشائخ، حافظ سید محمد اسلم، چشتی، خیرآبادی سے تھی۔
مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفرپوری آپ کے تعارف و تذکرہ میں لکھتے ہیں:

''۱۴ رشعبان المعظم، بروز جمعہ ۱۲۶۹ھ موافق جنوری ۱۸۵۳ء اپنے آبائی مکان
محلہ محی الدین پور، سَہسوان (موجودہ ضلع بدایوں کا تاریخی مقام) میں پیدا ہوئے۔
نسبی علاقہ، قطب المشائخ، حضرت خواجہ ابو یوسف مودود چشتی سے ہے۔
اپنے خالہ زاد بھائی، حضرت مولانا حکیم سخاوت حُسین سے تعلیم، شروع کی۔
سات (۷) برس کی عمر میں، حفظِ قرآن سے فراغت پائی۔
گیارہ (۱۱) برس کی عمر میں، صَرف ونحو اور علومِ شرعیہ کی تعلیم، متوسّطات تک پانے کے بعد
تاج الفحول، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر (بدایونی) قُدِّسَ سِرُّہٗ کے حلقہ درس میں شریک ہوئے۔
اور علوم وفنون کی تکمیل کی۔
حضرت سَیفُ اللہِ المَسلول (علاّمہ فضلِ رسول، بدایونی) اور حضرت مولانا شاہ، نور احمد
(بدایونی۔ تلمیذِ علاّمہ فضلِ حق، خیر آبادی) قُدِّسَ سِرُّھُمَا سے بھی، اِستفادہ کیا۔
فراغت کے بعد، تدریس کا آغاز بھی، مدرسہ قادریہ (بدایوں) میں کیا۔
اِسی دَوران، بغیر کسی علم واطلاع کے، حَرمین طیّبین، حاضر ہوئے۔ اور مدینہ طیبہ میں حضرت شیخ
سید مبارک کی خدمت میں، نَو (۹) ماہ، قیام کر کے، بخاری و مسلم سنائی اور کتبِ احادیث کا درس لیا۔
حضرت سید مبارک نے سلسلہ عالیہ قادریہ، چشتیہ کی ۷ رشوال ۱۲۸۴ھ کو سندِ اجازت، عطا فرمائی۔
مدینہ طیبہ سے واپسی کے بعد، مدرسہ قادریہ (بدایوں) میں قیام کر کے، درس و تدریس میں
مصروف رہے۔ اسی زمانہ میں مشہور غیر مقلِّد عالم، مولوی امیر حَسَن، سَہسوانی نے طبقہ اَرض کے
ہر حصے میں، سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کے مثیل کا فتنہ، پیدا کیا۔
اور امکانِ نظیرِ محمدی کے ساتھ، اِمکانِ کذبِ باری تعالیٰ کے قائل ہو گئے۔
اور اپنے شاگرد مولوی تراب علی کے نام سے اِمکانِ نظیر اور اِمکانِ کذب کی صحت
وجواز میں ''اِفاداتِ تُرابیہ'' لکھ کر شائع کی۔
آپ نے اس کے جواب ورَد میں مدلّل کتاب ''اِفاداتِ صمدیہ'' لکھی، جو ۱۲۸۵ھ میں
چھپ کر شائع ہوئی۔ اور ۱۲۸۶ھ میں عید کے دن، مولوی امیر حَسَن، سَہسوانی سے
اسی موضوع پر مباحثہ کیا اور ہزار ہا افراد کے مجمع میں، مولوی امیر حَسَن کو، لاجواب کیا۔
اُس وقت، آپ کی عمر، سترہ (۱۷) برس کی تھی۔
مسئلہ مذکورہ پر ۱۲۸۸ھ میں شیخو پور ضلع بدایوں میں، تاج الفحول، مولانا شاہ عبدالقادر، بدایونی

اور مولوی امیر حَسَن، سَہسوانی کے درمیان، مناظرہ ہوا۔ اور مؤخر الذکر کو شکستِ فاش ہوئی۔
حضرت مولانا سید عبدالصَّمد، چشتی، مَودودی، سَہسوانی، ایک بار علاقۂ گونڈہ (اتر پردیش)
میں تشریف لے گئے۔ جہاں، میر فاروق علی، پھپھوندوی سے آپ کی ملاقات ہوئی۔
جو، آپ کے وَرع و تقویٰ سے متاثر ہو کر مُرید ہو گئے۔
اور انھیں کی درخواست پر آپ، پھپھوند (ضلع اٹاوہ، اتر پردیش) تشریف لائے۔
پھپھوند کے زمانۂ قیام میں آپ نے رَدِّ شیعیت پر، خاص توجہ فرمائی۔ کیوں کہ:
یہاں کی آبادی کا بڑا حصہ، نوابینِ اودھ کے زیر اثر، شیعہ ہو چکا تھا۔
آپ کی مساعیٔ جمیلہ سے شیعیت کا زور، ٹوٹ گیا۔
ندوۃ العلما کی اصلاح کے لئے قائم "مجلسِ علمائے اہلِ سنت" کے آپ مستقل صدر تھے۔
اس موضوع پر، مولانا محمد علی، مونگیری سے آپ کی طویل مُراسلت رہی۔
گیارہ (۱۱) برس کی عمر میں، اپنے خالہ زاد بھائی، حکیم سخاوت حسین، انصاری کی رہنمائی میں
حضرت مولانا شاہ محمد اسلم، خیر آبادی سے سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں، مُرید ہوئے۔
اور اُنیس (۱۹) برس کی عمر میں، آپ کو، اجازت و خلافت، حاصل ہوئی۔
جمادیُ الاخریٰ ۱۳۲۳ھ میں، آپ نے جامع مسجد شمسی، بدایوں میں، وعظ فرمایا
جو، آپ کا آخری وعظ تھا۔ وعظ میں اندازِ بیان و استدلال، حضرت تاج الفحول کی طرح تھا۔
کبھی کبھی، آپ کا وعظ سن کر، لوگوں کو اِس کا دھوکہ ہو جاتا کہ حضرت تاج الفحول، وعظ و بیان
فرما رہے ہیں۔ مذکورہ وعظ، جمادیُ الاخریٰ (۱۳۲۳ھ) کے پہلے ہفتہ میں ہوا تھا۔
ایک محفلِ میلاد میں شرکت کے لئے بدایوں سے پھپھوند آئے۔ ۱۸؍ جمادیُ الاخریٰ
۱۳۲۳ھ کو، اٹاوہ میں محفلِ میلاد شریف ہونے والی تھی۔ آپ کے ساتھ، حکیم مومن سجاد بھی تھے۔
پھپھوند اسٹیشن پر، اچانک حالت، غیر ہوئی۔ کسی طرح، آپ کو قصبہ پھپھوند لایا گیا۔
۱۷؍ جمادیُ الاخریٰ کا، دن گذار کر، گیارہ بجے شب، آپ، واصل بحق ہو گئے۔
۱۸؍ جمادیُ الاخریٰ ۱۳۲۳ھ کو تجہیز و تکفین ہوئی۔
آپ کی تصانیف، یہ ہیں: حَقُّ الْیَقِیْن فِی مَبْحثِ اَعْلَی النَّبِیّن۔ نَصْرُ السُّنِّیّن عَلٰی
اَحْزَابِ الْمُبْتَدِعِیْن۔ اِفاداتِ صَمدیہ۔ طَوَارِقِ صَمدیہ۔ اِرغامُ الشَّیٰطِیْن۔ وغیرہ۔
یہاں، یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ صحیح بخاری مکمل مع رُواۃ، زبانی یاد تھی۔ اور حصن حصین بھی

زبانی، یاد تھی۔ (ملخصاً۔ ص ۱۲۸ تا ص ۱۳۰۔ "تذکرۂ علماے اہلِ سنّت"۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی)

حضرت مولانا سید مصباح الحسن، چشتی، پھپھوندوی (ولادت ۷؍ رجمادی الاولیٰ ۱۳۰۴ھ پھپھوند شریف۔ وصال ۱۱؍ رمضان ۱۳۸۴ھ) حضرت حافظِ بخاری کے فرزندِ ارجمند تھے۔

مولانا حافظ، اخلاق حسین سے آپ نے قرآن شریف پڑھا۔ یہ حافظ، اخلاق حسین حضرت حافظِ بخاری کے جاں نثار مُرید، اور خواجہ الطاف حسین حالی (متوفی ۱۹۱۴ھ) کے بیٹے تھے۔ حافظ اخلاق حسین، قصبہ پھپھوند شریف کی خانقاہِ صمدیہ کے اندر

اپنے مُرشدِ طریقت، حضرت حافظِ بخاری د کے مزار شریف کے قریب، مدفون ہیں۔

حضرت مولانا سید شاہ، مصباح الحسن، چشتی، پھپھوندوی کے تعارف و تذکرہ میں

مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری تحریر کرتے ہیں کہ:

"شرحِ وقایہ، مُلّا حسن، نور الانوار، والد ماجد سے پڑھیں۔

صفر ۱۳۲۳ھ میں جون پور جا کر، استاذ العلما، حضرت علّامہ ہدایت اللہ خاں، قادری، رام پوری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ (تلمیذِ علّامہ فضلِ حق، خیر آبادی) سے کامل تین سال، اِکتسابِ فیض کیا۔

۱۳۲۶ھ میں، حضرت مولانا شاہ وصی احمد، محدِّث سورتی قُدِّسَ سِرُّہ سے حدیث کا دَور کیا اور صحاحِ ستّہ کی سند، حاصل کی۔

والد ماجد کے شاگرد و مُرید، مولانا حکیم مومن سجاد سے "عوارِفُ المَعارِف" کا درس لیا۔

۱۳۲۸ھ میں علومِ ظاہری سے فراغ پایا۔ والدِ ماجد (حضرت حافظِ بخاری) سے مُرید ہوئے۔

۱۳۴۳ھ میں، والد ماجد کے انتقال کے بعد، آپ کے ارشاد کے بموجب آپ کے جانشیں ہوئے۔

حضرت شاہ، یار محمد صاحب بختیاری (از اَولادِ اَمجادِ قطبُ الاقطاب، حضرت خواجہ قطب الدین بختیاری کا کی، دہلوی۔ و مُرید و خلیفۂ حضرت شاہ الٰہ بخش، تونسوی)

اور حضرت شاہ امتیاز احمد، خیر آبادی، سجادہ نشین درگاہ حافظیہ خیر آباد شریف نے اجازتیں اور خلافتیں دیں۔

۱۳۶۸ھ میں، رمضان المبارک، شوال، ذوالقعدہ تین ماہ، مدینہ منورہ میں حاضر و مقیم رہے۔

حضرت مولانا شاہ علی حسین، خیر آبادی قُدِّسَ سِرُّہٗ سے سندِ حدیث، حاصل کی۔

مطالعہ کا خاص ذوق تھا۔ والد ماجد کے فراہم کردہ کتب خانہ میں اضافہ، اسی ذوق کا نتیجہ تھا۔ ہر کتاب پر صحتِ اَغلاط، ضروری حواشی، اور تشریح و توضیح اور یادداشت، موجود ہے۔

.......آپ کو، فرقۂ ضالّہ دیوبندی، وہابی، شیعہ، قادیانی سے سخت نفرت تھی۔
تصلّب فی الدین میں، بزرگ اور نامور والدِ محترم کے قدم بہ قدم تھے۔
قومی وملکی خدمات میں آپ نے عظیم کارنامے انجام دیے۔
کاکوری کیس کے امیر آپ ہی تھے۔ حضرت مولانا حسرتؔ موہانی، حضرت مولانا شاہ عبد القدیر، بدایونی سے خصوصی تعلقات وروابط تھے۔
مصباحؔ، تخلّص فرماتے تھے۔ کلام، عربی، فارسی، اردو، تینوں زبانوں میں ہے۔ سوز وگداز بلندی، رَوانی، خصوصیتِ کلام ہے۔
راقمِ سطور نے اپنی کتاب، بنام "فریدِ عصر، مولانا سید مصباح الحسن، رَحْمَةُ اللّٰه" میں (نمونۂ کلام) درج کر دیا ہے۔" (ص ۲۲۷ تا ص ۲۲۹۔ تذکرۂ علماے اہلِ سنّت۔ مؤلّفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مطبوعہ کان پور۔ ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء)

علاّمہ ہدایت اللہ، جون پوری

استاذ الاساتذہ، علاّمہ ہدایت اللہ خاں، رام پوری ثُمّ جون پوری (وصال رمضان ۱۳۲۶ھ/ ستمبر ۱۹۰۸ء) تلمیذِ علاّمہ فضلِ حق، خیر آبادی کی درس گاہ سے بڑے بڑے اصحابِ علم و فضل پیدا ہوئے، جن کے تلامذہ، متحدہ ہندوستان کے وسیع خِطّے میں پھیل گئے۔

اور آج، ہند و پاک کی درس گاہوں اور ان کے اساتذہ کی اکثریت انھیں کے تلامذہ کی، سلسلہ بہ سلسلہ، خوشہ چیں ہے۔

علاّمہ ہدایت اللہ خاں بن مولانا رفیع اللہ خاں قُدِّسَ سِرُّہُمَا، رام پور (روہیل کھنڈ۔ موجودہ صوبہ اتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق، رُوہیلہ خاندان سے ہے۔

ابتدائی تعلیم، والدِ ماجد، مولانا رفیع اللہ سے حاصل کر کے، صَرف و نحو کی تحصیل مولانا حافظ غلام علی سے کی۔ معقولات کی تعلیم، مولانا جلال الدین (متوفی ۱۳۱۳ھ/ ۹۶-۱۸۹۵ء) سے حاصل کی۔

خاتم الحکما، علاّمہ فضلِ حق، خیر آبادی، جب، رام پور تشریف لائے تو، ان کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر کسبِ کمال کیا۔

یہاں ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۴۰ء تا ۱۸۴۸ء، آٹھ برس تک، علاّمہ ہدایت اللہ نے علاّمہ خیر آبادی سے تحصیلِ علوم و فنون کیا اور اس کے بعد دیگر مقامات پر بھی آپ سے اِکتسابِ علوم و فنون کرتے رہے۔

مولانا سید عالم، نگینوی (وصال ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء) سے درسِ حدیث لیا۔

اِس طرح، آپ، جامع منقول و معقول اور حاوِیِ فروع و اصول ہوئے۔

علاّمہ، جون پوری، اپنے استاذ، علاّمہ، خیر آبادی کے شیدائی تھے۔

جب، آپ (علاّمہ خیر آبادی) جزیرۂ انڈمان چلے گئے تو، مغموم و محزون ہو کر، رام پور واپس آئے اور مدرسہ عالیہ، رام پور میں، درس دینا، شروع کیا۔

شیرازِ ہند، جون پور کا مدرسہ حنفیہ، دیارِ پورب ہی نہیں، بلکہ متحدہ ہند کا مرکزی دار العلوم تھا۔ جس کے بانی و مؤسّس، حاجی منشی، امام بخش، جون پوری (متوفی ۱۲۷۹ھ۔ مکہ مکرمہ) تھے۔

مدرسہ حنفیہ، جون پور ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۲ء میں حاجی امام بخش، جون پوری نے قائم کیا۔
اور انھوں نے حضرت مولانا محمد عبدالحلیم، فرنگی محلی (متوفی ۱۲۸۵ھ) کو مدرسہ حنفیہ کا
پہلا صدر مدرس اور مہتمم، مقرر کیا۔ اسی مدرسہ حنفیہ میں آپ کے فرزند و تلمیذ، مولانا محمد عبدالحیٔ، فرنگی محلی
(متوفی ۱۳۰۴ھ) نے تعلیم، حاصل کی۔
مفتی محمد عبدالحلیم، فرنگی محلی کے بعد، مفتی محمد یوسف، فرنگی محلی نے منصب صدارت و اہتمام
کو، رونق بخشی۔
عہدِ عبدالحلیم، فرنگی محلی میں ہی، حاجی امام بخش نے اپنے فرزند، مولوی حیدر حسن، بیرسٹر کو
اپنے سفرِ حج و زیارت سے پہلے، مدرسہ حنفیہ کا انتظام، سپرد کر دیا تھا۔
اور اسی مبارک سفر میں ۱۲۷۹ھ میں مکہ مکرمہ میں آپ کا انتقال ہوا۔
حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم، آسی، رشیدی و مولانا وکیل احمد، سکندر پوری و علامہ محمد فاروق
چریا کوٹی، وغیرہ، اِسی عہدِ حلیمی و یوسفی کی علمی بہاریں ہیں۔
مفتی محمد یوسف، فرنگی محلی (متوفی ۱۲۸۶ھ) سفرِ حج و زیارت کے لئے گئے۔
اور مدینہ طیبہ میں آپ کا وصال ہو گیا۔
حاجی امام بخش، جون پوری، بانیِ مدرسہ حنفیہ کے پوتے اور مولوی حیدر حسین، بیرسٹر کے
صاحبزادے، نواب عبدالمجید، بیرسٹر، متولیِ مدرسہ حنفیہ، جون پور نے
استاذ الاساتذہ، علامہ ہدایت اللہ خاں کو دعوتِ صدارت پیش کی۔
اور آپ، مفتی محمد یوسف، فرنگی محلی کی جگہ، مدرسہ حنفیہ، جون پور کے صدر مدرس، مقرر ہوئے۔
اور تا حیات (۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) اِسی مدرسۂ حنفیہ، جون پور میں علم و فضل کے خزانے، تقسیم کرتے رہے۔
اپنے استاذِ محترم، مولانا جلال الدین کے چھوٹے بھائی
حضرت شاہ چھوٹے میاں قُدِّسَ سِرُّہٗ سے سلسلۂ عالیہ قادریہ میں مُرید ہوئے۔
وسیع الاخلاق، کریم النفس، طلبہ پر شفیق اور مذہبِ اہلِ سُنّت کے اَکابر عُلما میں تھے۔
۱۳۰۰ھ/ ۸۳-۱۸۸۲ء میں، مُرشد آباد (بنگال) میں مشہور غیر مقلِّد عالم
عبدالعزیز، رحیم آبادی، بہاری کے مقابلے میں **حنفی مذہب کی تائید و حمایت فرمائی۔**
۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں، پٹنہ (بہار) کی "اِصلاحِ ندوہ کانفرنس" میں خصوصی طور پر شریک ہوئے۔
علم و فضل میں، فقیدُ المثال شخصیت تھے۔ بِالخصوص معقولات و حکمت میں اپنی مثال آپ تھے۔

چند مشاہیر تلامذہ کے نام، یہ ہیں:

صدرُ الشریعہ، مولانا حکیم محمد امجد علی، اعظمی، علاّمہ سید سلیمان اشرف، علی گڑھی، مولانا یار محمد بندیالوی، مولانا عبدالسلام، نیازی، دہلوی، مولانا حکیم سید برکات احمد، ٹونکی، مولانا شیر علی صدر شعبۂ دینیات، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن، مولانا عبدالاوّل، جون پوری، مولانا سید شاہ ہادی حسین، علیمی، رشیدی، مولانا عبدالقادر، سرحدی۔ وَغیرھُم۔

استاذُالاساتذہ، علاّمہ ہدایت اللہ، جون پوری قُدِّسَ سِرُّہٗ بروز اتوار، یکم رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ/۲۷ ستمبر ۱۹۰۸ء، دارِفانی سے کوچ کر کے، دیوان جی، محمد رشید، جون پوری (وصال ۱۰۸۳ھ/۱۶۷۲ء) کی درگاہ، واقع رشید آباد، جون پور میں مدفون ہوئے۔ رَحِمَۃُ اللّٰہِ رَحْمَۃً وَاسِعَۃً۔

مولانا غلام قادر، ہاشمی

مولانا عبدالقادر، معروف بہ غلام قادر، ہاشمی (ولادت ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء۔ بھیرہ ضلع سرگودھا، پنجاب۔ وصال ۱۹ربیع الاول ۱۳۲۷ھ/۱۰/اپریل ۱۹۰۹ء۔ مدفون لاہور)

بن مولانا غلام حید، رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالیٰ۔

مولانا غلام محی الدین، بگوی (جو، اُن دنوں مسجد حکیماں، بھاٹی دروازہ، لاہور میں درسِ حدیث دیا کرتے تھے)

اورآپ کے چھوٹے بھائی، مولانا احمد الدین، بگوی سے ابتدائی تعلیم، حاصل کی۔

اس کے بعد، اعلیٰ تعلیم کے لئے دہلی کا سفر کیا۔

اورحضرت مولانا مفتی صدرُالدین، آزردہ، صدرُالصّدور دہلی، تلمیذِ علّامہ فضلِ امام خیرآبادی وشاہ عبدالعزیز، محدّث دہلوی کی درس گاہ سے وابستہ ہوکرتکمیلِ علوم کیا اورلاہور، واپس تشریف لے گئے۔

اونچی مسجد، اندرونِ بھاٹی دروازہ، لاہور کے خطیب وامام، مقرر ہوئے۔

آپ کی عالمانہ خطابت کاشُہرہ ہوا، اوردوردور سے لوگ

آپ کی خطابت وتقریر سننے کے لئے آنے لگے۔

بیگم شاہی مسجد، لاہورکی متولی ''مائی جیواں''

آپ کےارشادات سے اِس قدرمتاثر ہوئیں کہ آپ کو، اپنی مسجد کا خطیب، مقرّر کردیا۔

بعدازاں، اس مسجد کی تولیت بھی آپ ہی کے سپرد کردی۔

(ص ۲۳۲۔ ''تاریخِ اولیاےچشت، لاہور''۔ مؤلّفہ محمد دین کلیم، مؤرخ لاہور)

شمس العارفین، خواجہ شمس الدین، چشتی، سیالوی (ولادت ۱۲۱۴ھ/۱۷۹۹ء۔ سیال شریف ضلع سرگودھا۔ پنجاب۔ وصال بروز جمعہ ۲۴ رصفرالمظفر ۱۳۰۰ھ/جنوری ۱۸۸۳ء۔ سیال شریف)

خلیفۂ سلیمانِ زماں، خواجہ محمد سلیمان، تونسوی (ولادت ۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء کوہِ سلیمان، متصل تونسہ شریف، پنجاب۔ وصال ۷رصفرالمظفر ۱۲۶۷ھ/۱۳/دسمبر ۱۸۵۰ء)

خلیفۂ خواجہ نورمحمد، مہاروی (ولادت ۱۴رمضان ۱۱۴۲ھ/۴/اپریل ۱۷۳۰ء۔ موضع چوٹالہ۔ بھاول پور، پنجاب۔ وصال ۳رذوالحجہ ۱۲۰۵ھ/۲۴/جولائی ۱۷۹۲ء)

خلیفۂ فخرِ دین وملّت، خواجہ فخر الدین، دہلوی (وصال ۱۱۹۹ھ/۱۷۸۵ء)

جیسے بزرگ شیخ طریقت سے شرفِ بیعت پایا۔

آپ، سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں بیعت اور اِجازت وخلافت سے، بہرہ ور ہوئے۔

آپ کے اَوراد واَشغال میں، سیدنا غوثِ اعظم، شیخ عبدالقادر، جیلانی بغدادی رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ سے، اُویسی نسبت کی بنا پر، قادریت کا غلبہ ہوا۔

مؤرخِ اہلِ سنّت، مولانا غلام دستگیر، نامی (وصال ۷ رجب المرجب ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء۔ لاہور۔ مدفون دَتّہ پیراں ضلع شیخوپورہ، پنجاب) تلمیذِ حضرت مولانا غلام دستگیر، قصوری (وصال ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء۔ قصور، پنجاب) آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"آپ کو، لاہور کا قطب سمجھا جاتا تھا۔"

(ص ۱۸۱۔ "بزرگانِ لاہور"۔ مؤلفہ مولانا، غلام دستگیر نامی۔ نوری کتب خانہ لاہور۔ ۱۹۴۴ء)

۱۸۷۹ء میں، اورینٹل کالج، لاہور میں عربی کے نائب استاد، مقرّر ہوئے۔

اور دو سال تک طلبہ کو اپنے علم وفضل سے فیض یاب کرتے رہے۔

انھیں ایام میں انگریزوں نے ایک فتویٰ پر دستخط کرنے کے لئے کالج انتظامیہ کے ذریعہ آپ سے فرمائش کی۔

آپ نے دستخط سے صاف انکار کردیا۔ اور، اپنا اِستعفا، پیش کرتے ہوئے فرمایا:

"میں، ملازمت سے دست بردار ہوسکتا ہوں۔ لیکن، غلط فتویٰ کی تائید نہیں کرسکتا۔"

چنانچہ، آپ نے جامعہ نعمانیہ، لاہور میں تدریس کا کام، شروع کردیا۔

اور تمام توجہ، قرآن وحدیث کی تعلیم پر، صَرف کردی۔"

(ص ۲۸۸۔ "تذکرہ علماے اہلِ سنّت و جماعت، لاہور"۔ مؤلفہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی۔ مکتبہ نبویہ، لاہور۔ ۱۹۷۵ء)

لاہور کے سادہ لوح مسلمانوں کو، وَرغلانے کے لئے عیسائیوں، قادیانیوں، وہابیوں شیعوں نے سازشوں کے جال بچھانے، شروع کیے

تو، مولانا غلام قادر، ہاشمی نے تحریر وتقریر اور وعظ ومناظرہ کے ذریعہ

سب کے دانت، کھٹے کردیے۔

آپ نے بیگم شاہی مسجد، لاہور میں مُفسِدین اور گمراہوں کا داخلہ، بند کر رکھا تھا۔

حقیقت، یہ ہے کہ اگر علماے اہلِ سنّت، اِس تصلّب کا مظاہرہ، نہ کرتے تو، آج، دین کا حلیہ، بگڑ چکا ہوتا۔

پنجاب کے علما میں سب سے پہلے، مولانا غلام قادر، ہاشمی نے مرزا قادیانی کے خلاف فتویٰ دیا۔

اور اُس وقت، مرزا غلام احمد قادیانی کی تردید کی جب کہ:

اس نے ابھی تک، نبوت کا دعویٰ، نہیں کیا تھا۔

پنجاب کے علما کی غالب اکثریت، آپ کے رشتۂ تلمذ میں منسلک تھی۔

چند تلامذہ کے نام، یہ ہیں:

سید جماعت علی شاہ، محدّث علی پوری، سیالکوٹی۔ مولانا محمد عالم، آسی، امرتسری (مصنّف اَلْکَاوِیَة عَلَی الْغَاوِیَة) مولانا نبی بخش، حلوائی (مؤلّفِ تفسیرِ نبوی، وغیرہ) مولانا غلام احمد، حافظ آبادی (سابق صدر مدرس جامعہ نعمانیہ، لاہور) مولانا غلام حیدر، قریشی (پونچھ، جموں)

مولانا غلام قادر، چشتی، سیالوی۔ مولانا ضیاء الدین احمد، قادری، مہاجر، مدنی۔ وغیرھم۔

حکیم عبدالحیٔ، رائے بریلوی آپ کے تعارف میں لکھتے ہیں:

"اَلشَّیْخُ الْعَالِمُ الْفَقِیهُ غلام قادر اَلْحَنَفی الْبِهیروی۔ اَحَدُ الْعُلَمَاءِ الْمَشهورین۔ **لَمْ یَکُنْ لَهٗ نَظِیْرٌ فِی بنجاب فِی کثرةِ الدَّرسِ وَالْاِفَادَة۔**

قَرَأَ الْعِلْم عَلیٰ الْمفتی صدر الدِّین اَلْحَنفی الدِّهلوی وَعَلیٰ غیره مِنَ الْعُلَمَاء۔ ثُمَّ وُلِّی خِطَابَةَ الْمَسجد بیگم شاهی، بِبَلدةِ لاهور۔ فَدَرَّسَ وَاَفَاد بِهَامُدَّةَ عُمرِه۔ الخ

(ص ۳۴۹۔ نُزْهَةُ الْخَوَاطِر۔ جلدِ ثامن۔ مؤلّفہ حکیم عبدالحیٔ، رائے بریلوی)

حضرت مولانا غلام قادر، ہاشمی نے درس وتدریس اور ارشاد وہدایت کی بے پایاں مصروفیات کے باوجود، تصانیف کا گراں قدر ذخیرہ، یادگار چھوڑا۔ تصانیف کے نام، یہ ہیں:

(۱) اسلام کی گیارہ کتابیں (دینی تعلیم کا بہترین نصاب) (۲) اَلشَّوَارِقُ الصَّمَدِیة۔ ترجمہ وتلخیص "اَلْبَوَارِقُ الْمُحَمَّدِیة" مؤلّفہ حضرت مولانا شاہ فضلِ رسول، عثمانی، بدایونی (۳) نمازِ حضوری (۴) ختماتِ خواجگاں (۵) شمس الحنفیة، بجواب نور الحنفیة (مسئلۂ وحدۃ الوجود) (۶) اَلنُّوْرُ الرَّبَّانی فی مَدْحِ الْمَحْبُوبِ السُّبْحانی (۷) شمس الضحیٰ فی مدحِ خیر الوریٰ (۸) نمازِ ضروری (۹) حقیقتِ انوارِ محمدیہ (۱۰) جوہرِ ایمانی (۱۱) عکازہ در صلوٰۃِ جنازہ (۱۲) فاتحہ خوانی۔

شیرِ ربّانی، حضرت میاں، شیر محمد، شرق پوری، نقشبندی، مجدّدی (ولادت ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء
وصال ۳ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ/۲ اگست ۱۹۲۸ء۔ شرق پور، پنجاب) قُدِّس سِرُّہٗ
انگریزی طبقے کو "تواریخِ حبیبِ اِلٰہ" (مؤلّفہ مفتی عنایت احمد، کاکوروی)
اور "اسلام کی گیارہ کتابیں" (مؤلّفہ مولانا غلام قادر، ہاشمی، بھیروی) پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔
حضرت مولانا غلام قادر، ہاشمی، بھیروی ۱۹ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ/۱۰ اپریل ۱۹۰۹ء کو
واصل بحق ہوئے۔ بیگم شاہی مسجد، لاہور میں، محوِ اِستراحتِ اَبدی ہوئے۔"

(ملخصاً از ص ۳۲۶ تا ص ۳۲۹۔ "تذکرۂ اکابرِ اہلِ سنّت"۔ مؤلّفہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری۔

مکتبہ قادریہ۔ جامعہ نظامیہ، لوہاری دروازہ، لاہور۔ طبعِ دوم ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء)

مولانا شاہ عبدالمقتدر، عثمانی، بدایونی

حضرت مولانا شاہ عبدالمقتدر، عثمانی، قادری، بدایونی (ولادت دوشنبہ، ۱۱؍جمادی الآخرہ ۱۲۸۳ھ؍اکتوبر ۱۸۶۶ء وصال محرم الحرام ۱۳۳۴ھ؍دسمبر ۱۹۱۵ء)

بنِ محبِ رسول، تاج الفحول مولانا عبدالقادر، بدایونی (وصال ۱۳۱۹ھ؍۱۹۰۰ء)

تاریخی نام ''غلام پیر'' (۱۲۸۳ھ) جدِّ امجد، سیف اللہ المسلول، مولانا فضل رسول، عثمانی، قادری بدایونی (وصال ۱۲۸۹ھ) نے ''مطیع الرسول محمد'' نام، تجویز فرمایا۔

مولانا حکیم سراج الحق، بدایونی بن مولانا فیض احمد، بدایونی نے رسمِ تسمیہ خوانی، ادا کرائی۔ اورنذر، پیش کی۔ والدِ مکرّم، تاج الفحول، بدایونی نے حکیم سراج الحق کو، بسلسلۂ تعلیم، اِکیاون (۵۱) روپیہ، نذر کیا۔ جُملہ علوم وفنون کی تحصیل وتکمیل، مولانا نور احمد، عثمانی، بدایونی اور اپنے والدِ مکرّم سے کی۔ یہ دونوں حضرات، علاّمہ فضلِ حق، خیر آبادی کے معروف تلامذہ ہیں۔

حضرت مولانا عبدالمقتدر، بدایونی ''سرکار صاحبُ الاقتدار'' اور ''بڑے مولانا صاحب'' کی حیثیت سے، عوام وخواص میں مقبول ومشہور ہوئے۔

مولانا سید محمد حسین، سید پوری، اپنی ایک کتاب ''مظہر العُلماء وتراجم الکُملاء (نسخۂ قلمی مخزونہ کتب خانہ قادریہ، بدایوں) میں لکھتے ہیں:

''استاذُ الاساتذہ، مولانا نور احمد صاحب اور تاج الفحول سے جُملہ علوم ظاہری وباطنی کی تکمیل کی۔ حق تو، یہ ہے کہ منکسرُ المزاج، ایسا کہ دیکھنے میں نہ آیا۔ عالمِ درویش صفت، ہردل عزیز، عابد، زاہد متقی، سِوا، فتاویٰ نویسی کے، وہ بھی، گاہے بگاہے ضرورۃً، کچھ نہ لکھا۔

.......چند عرصہ سے تحریر فتاویٰ کا کام بھی چھوڑ دیا۔ درس سے کام ہے۔

مدرسہ قادریہ (بدایوں) ومدرسہ شمس العلوم (بدایوں) کے منتظم ہیں۔

ایک رسالہ، عقائد میں بزبانِ عربی اور قرآن شریف کی تفسیر کا ترجمہ کیا۔

جمادیٰ الثانیہ ۱۳۱۹ھ، بہ ایامِ عرسِ تاج الفحول کے، بہ موجودگیِ علمائے کرام ومشائخِ عظام رسمِ سجادہ نشینی، ادا کی گئی۔ (مظہر العلما۔ بحوالہ ص ۴۴۔ تذکرۂ خانوادۂ قادریہ۔ مرتّبہ مولانا عبدالعلیم قادری مجیدی۔ تاج الفحول اکیڈمی۔ بدایوں۔ شوال ۱۴۳۳ھ؍ستمبر ۲۰۱۲ء)

مولانا ضیاعلی خاں، اشرفی (متوفی ۲۰۰۲ء) آپ کے اوصاف وعادات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''بچپن ہی سے طبیعت، زُہد و اِتّقا کی طرف، مائل تھی۔ عبادت وریاضت میں زیادہ وقت صَرف کرتے تھے۔ مردِ بزرگ اور درویشِ کامل تھے۔ روحانی قوت، بہت تھی۔

پوشاک، بہت معمولی پہنتے تھے اور غذا، نہایت سادہ، استعمال کرتے تھے۔

اپنے بزرگوار کا بے حد ادب کرتے تھے۔ کبھی، نظر ملا کر گفتگو، نہ کی۔

وعظ، بہت فرماتے تھے۔ اَوَائلِ عمر میں، آپ کے مواعظِ حسنہ، رنگینیِ الفاظ اور فراوانیِ جذبات سے مَملو ہوتے تھے۔ بعد میں سلاست اور سادگی، اختیار کر لی تھی۔

بزرگانِ طریقت کے نقشِ قدم پر چلتے تھے۔

دو مرتبہ، حرمین شریفین کی زیارت سے مشرّف ہوئے تھے۔ ایک بار، اَماکنِ متبرکہ کی زیارت کے سلسلے میں بغداد، نجفِ اشرف اور کربلائے معلّٰی، تشریف لے گئے تھے۔

نہایت، نیک طبیعت، خداترس بزرگ تھے۔ بے شمار اشخاص، آپ کے مرید ہوئے۔ بیسیوں کو، دولتِ فقر سے نوازا۔

حضرت مولانا عبدالماجد، بدایونی اور حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر، بدایونی آپ کے خُلفائے گرامی تھے۔

متعدد اَشخاص کو، درس دے کر، سندُ الفراغ، عطا کی۔ محدِّث اعظم، حضرت مولانا شاہ محمد اشرفی کچھوچھوی نے بھی، آپ کے روبرو، حدیث شریف کا دَور کر کے سند، حاصل کی۔''

(ص ۳۵۱ و ص ۳۵۲۔ ''مردانِ خدا''۔ مؤلّفہ مولانا ضیاعلی خاں، اشرفی۔ طبع چہارم۔ شوقین بک ڈپو۔ بدایوں ۱۹۹۸ء۔ بحوالہ ''تذکرۂ خانوادۂ قادریہ'')

مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری آپ کے تعارف وتذکرہ میں لکھتے ہیں:

''تکمیلِ علوم، حضرت مولانا شاہ، نور احمد (عثمانی، بدایونی) اور والد ماجد (تاج الفحول، بدایونی) سے کی۔ درس، پوری قوت سے دیتے تھے۔

والد ماجد کی حیات میں، درس کی طرف، کامل اِنہماک تھا۔ والد صاحب (تاج الفحول بدایونی) کی وفات کے بعد، تمام علائق سے بے تعلق ہو کر، یادِ الٰہی میں مصروف ہو گئے۔

بیعت و اِجازت، والد ماجد (تاج الفحول) سے تھی۔

آپ کے سب سے پہلے مرید، مولانا شاہ عبدالماجد، بدایونی تھے۔
دوبار، حرمین معظمین اور ایک بار عتباتِ عالیہ بغدادِ مقدس، کاظمین ونجفِ اشرف
اور کربلائے معلّٰی کی زیارت سے آنکھوں اور دل کو، روشن فرمایا۔
(ص ۱۳۰ وص ۱۳۱۔ تذکرہ علمائے اہلِ سُنّت۔ مؤلّفہ مولانا محمود احمد، قادری رفاقتی۔ مطبوعہ کان پور ۱۹۷۱ء)
مدرسہ قادریہ، بدایوں کے ایک فارغُ التحصیل عالم
اور عاشق الرسول، مولانا محمد عبدالقدیر عثمانی، قادری، بدایونی کے مُرید، مولانا احمد حسین
قادری، کنوری، بدایونی (متوفی ۲۹ راکتوبر ۱۹۹۲ء) مرضِ وصال کے بارے میں لکھتے ہیں:
''غسلِ صحت کے ساتھ، محفلِ میلادِ پاک بھی منعقد ہوئی اور رات دن کے معمولات
پھر، اپنی اصلی حالت پر آ گئے۔ غلامان وفدائیان، شمع کے گرد، پروانوں کی طرح، چکر لگانے لگے۔
حسبِ معمول ایک دن، بعد نمازِ عشا، مدرسہ قادریہ سے دولت خانہ پر تشریف لے گئے۔
عقیدت مند حضرات، پیچھے پیچھے، چل رہے تھے۔
کنویں کے پاس، اچانک، رک گئے اور پیچھے آنے والوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:
''لوگ، اچانک موت کو، نہ جانے کیوں بُرا کہتے ہیں؟ حالاں کہ وہ، تو:
ایسی موت ہے جس میں، نہ بیماری وعلالت کا کرب و بے چینی، نہ طویل سکرات کا عالَم
نہ دوسروں کی خدمت کی چنداں حاجت۔''
لوگوں نے عرض کیا: حضور! اچانک موت سے اِس لئے پناہ مانگی جاتی ہے کہ، نہ تو عبادت
وریاضت کا موقع ملتا ہے، نہ توبہ واستغفا کی گنجائش ہوتی ہے۔ آناً فاناً، سب کام ہو جاتا ہے۔''
آپ نے ارشاد فرمایا: اور جو، دن رات عبادت ہی میں لگا رہتا ہو؟''
لوگ، خاموش ہو گئے اور حضور (مولانا شاہ عبدالمقتدر، بدایونی) مسکراتے ہوئے
دولت کدہ کے اندر تشریف لے گئے۔
یہ شب، حضور کی آخری شب تھی اور فدائیوں سے وہ کلمات، آخری کلمات تھے۔
اور فدائیوں کو بھی، وہ دیدار، آخری دیدار تھا۔
گھر کے دروازے پر حضرت قبلہ مولانا شاہ عبدالقدیر، بدایونی کو قریب بلا کر
دونوں ہاتھ، اُن کے کندھے پر رکھ کر فرمایا: فلاں درود پورا ہو گیا، یا نہیں؟
عرض کیا کہ: آج، ہو جائے گا۔ فرمایا: اس کو، آج ہو جانا چاہیے۔''

اس کے بعد، چند لمحے، حضرت قبلہ کے چہرے کو دیکھتے رہے۔
پھر، فی امانِ اللہ، فرما کر اندر تشریف لے گئے۔
دوسری صبح، معمول کے خلاف، اندر ہی، اول وقت، فجر کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔
سُنّتیں، فرض، شروع کیے۔ آخری رکعت کے آخری سجدے میں جا کر پھر، سر نہ اٹھایا۔
باہر، وقتِ مقرّر پر، جب، سرکار (مولانا شاہ عبدالمقتدر) تشریف، نہ لائے
تو، حضرت (مولانا عبدالقدیر، بدایونی) قبلہ نے نماز پڑھائی۔
دَورانِ نماز، بے شمار آدمی آ کر نماز میں شریک ہوئے۔
ان میں سے ہر ایک، شب میں، خواب میں سرکار (مولانا عبدالمقتدر) کو دیکھ کر آیا۔
سلام پھیرتے ہی، سب نے، بیک آواز دریافت کیا کہ "سرکار کا مزاج کیسا ہے؟
کہا گیا کہ: ٹھیک ہے۔"
اتنے میں اندر سے اطلاع آئی کہ: کافی دیر ہوگئی۔ سرکار نے سجدے سے سر نہیں اٹھایا۔"
اس خبر کو، سنتے ہی حضرت قبلہ اور دیگر، اَعِزّہ، فوراً، اندر گئے۔ دیکھا کہ:
سجدے میں سر ہے، اور روح، اپنے مالک و مولیٰ کی بارگاہ میں، حاضر ہو چکی ہے۔
آناً فاناً، یہ خبر، پورے شہر (بدایوں) میں پھیل گئی۔
حضرت قبلہ نے آپ کو مصلّی سے اُٹھا کر پلنگ پر لٹایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

اُٹھ گئے، سارے پردہ ہائے مجاز
اللہ اللہ، مقتدر کی نماز

دولت کدہ پر جمِ غفیر، اکٹھا ہو گیا۔
۲۵ر محرمُ الحرام ۱۳۳۴ھ (دسمبر ۱۹۱۵ء) کو، وَاصِلِ اِلَی اللہ ہوئے۔
خاندانی روایات کے مطابق، عیدگاہِ شمسی (بدایوں) میں، نماز جنازہ ہوئی۔
حضرت قبلہ شاہ عبدالقدیر صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔
نماز کے بعد، درگاہِ مجیدیہ (بدایوں) میں، حضرت تاج الفحول کے برابر، آخری آرام گاہ میں، لٹا دیا گیا۔

(ص ۴۷ و ص ۴۸۔ "اکابرِ بدایوں"۔ مؤلفہ مولانا احمد حسین، قادری، گنوری، بدایونی۔ ترتیب و تصحیح۔
مولانا عاصم اقبال، قادری، مجیدی۔ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ ر مارچ ۲۰۱۲ء)

مولانا سید محمد حسین، سید پوری اپنی کتاب ''مظہر العلما و تراجم الکملا۔ محرّرہ ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء غیر مطبوعہ۔ نسخۂ قلمی، مخزونہ کتب خانہ قادریہ، بدایوں) میں لکھتے ہیں:

''اس ذات ستودہ صفات کا ایک عجیب واقعہ ہے۔

بتاریخ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ، بہ صحت و ثباتِ عقل و حواس، نمازِ تہجد پڑھ کر وظیفہ میں مشغول ہوئے۔

فجر کی سنّت پڑھ کر فرض بھی آپ نے اُس دن کی، مکان میں ہی پڑھی۔

دوسرا سجدہ کیا۔ پھر، سر نہ اٹھایا ع

سجدے میں عبد المقتدر۔ مولیٰ سے اپنے مل گئے

(حاشیہ از مؤلفِ مظہر العلما۔ بحوالہ ص ۴۵۔ تذکرۂ خانوادۂ قادریہ، مؤلفہ مولانا عبد العلیم، قادری، مجیدی۔ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں۔ شوال ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء)

حضرت مولانا شاہ عبد المقتدر، بدایونی کے چند تلامذہ کے نام، یہ ہیں:

مولانا محمد ابراہیم، بدایونی بن مولانا محبّ احمد، بدایونی۔ مولانا سید اِرتضا حسین۔ مولانا سید محمد عالم۔ مولانا حبیب اِلٰہی، مارہروی۔ مولانا حکیم عبد الشکور، عظیم آبادی۔ مولانا سید رشید احمد بہاری۔ مولانا حافظ عبد المجید، آنولوی۔ مولانا منیر الدین، حیدر آبادی۔ مولانا سید غلام عباس کاٹھیاواڑی۔ مولانا سید عبد الوہاب، حیدر آبادی۔ مولانا جمیل احمد سوختہ، قادری۔ مولانا حبیب الرحمٰن قادری۔ مولانا عبد الحمید، بریلوی۔

مولانا سید شاہ عبدالحیٔ، چاٹگامی

مولانا سید شاہ عبدالحیٔ، چاٹگامی (متولد ۱۲۷۶ھ، چاٹگام، بنگال۔ متوفی دوشنبہ۔ ۱۷ر ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء۔ چاٹگام، بنگال۔ موجودہ بنگلہ دیش)

بن حضرت مولانا سید شاہ مخلص الرحمٰن، چاٹگامی (متولد دوشنبہ ۱۲۲۹ھ۔ متوفی دوشنبہ ۱۲ر ذی قعدہ ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء)

ممتاز عُلمائے اہلِ سُنّت میں تھے۔

والدِ ماجد، حضرت مولانا شاہ مخلص الرحمٰن، چاٹگامی بن مولوی سید غلام علی، وکیل بھی عظیم المرتبت عالمِ دین وشیخِ طریقت تھے۔ جنھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں، مرزا خیل شریف ضلع چاٹگام میں حاصل کی۔ اس کے بعد:

''مروّجہ فارسی وعربی کتب کی تحصیل کے بعد، عُلمائے کلکتہ سے تکمیل کی۔ بیعت کے ارادے سے فرنگی محل، لکھنؤ کے نامور عالم، حضرت مولانا بُرہان الحق کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

لیکن، انھوں نے آپ کو بھاگل پور، بہار کے فردِ کامل، مولانا سید امداد علی، بھاگلپوری کی خدمت میں جانے کی ہدایت کی۔

اس وقت، مولانا سید امداد علی المتوفی ۱۳۰۴ھ، بہ عہدۂ صدرِ اعلیٰ ''بکسر'' میں تھے۔

آپ نے ''بکسر'' پہنچ کر بیعت، حاصل کی اور چھ ماہ تک، تکمیلِ سلوک کے لئے حاضرِ خدمت رہے۔ پیر کے ایما سے، ان کے شیخ ومرشد

حضرت شاہ محمد مہدی، قادری، فاروقی، المتوفی ۱۲۸۷ھ کی خدمت میں، چھپرہ (بہار) حاضر ہوئے۔

مولانا سید امداد علی نے واپسی میں خلافت دی اور ''جہانگیر شاہ'' کا لقب، عنایت کیا۔

یہاں سے وطن پہنچے اور خانقاہ، قائم کرکے، علمِ ظاہر وباطن کا درس دینا، شروع کیا۔

.... سلسلۂ قادریہ ابوالعلائیہ کی شاخ جہانگیریہ آپ ہی کی نسبت سے مشہور ومعروف ہے۔ آپ، عُلمائے اہلِ سُنّت میں مشہور ومعروف عالم گذرے ہیں۔

مولوی اسمٰعیل، دہلوی کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' کے رَد میں ''شرح الصُّدور'' کے نام سے آپ نے ایک کتاب، تالیف فرمائی۔

مولانا شاہ عبدالحیٔ، چاٹگامی، آپ کے فرزند و جانشین تھے۔"

(ص ۲۳۱۔ "تذکرہ علمائے اہلِ سنت"۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی۔ مطبوعہ کان پور۔ ۱۹۷۱ء)

مولانا سید عبدالحیٔ، چاٹگامی اپنے وطن سے کچھ ابتدائی تعلیم، حاصل کر کے اپنے علمی سفر پر نکل کر، سب سے پہلے "چشمۂ رحمت" غازی پور (موجودہ اتر پردیش) پہنچے

اور وہاں، کچھ تعلیم، حاصل کر کے عازم لکھنؤ ہوئے۔

یہاں، مولانا عبدالحیٔ، فرنگی محلی (متوفی ربیع الاول ۱۳۰۴ھ) کی درس گاہ میں حاضر ہوئے اور اکثر درسیات کی آپ سے تحصیل کی۔

آپ کے وصال (۱۳۰۴ھ) کے بعد، مولانا محمد نعیم، فرنگی محلی بن مولانا عبدالحکیم، فرنگی محلی کی درس گاہ سے وابستہ ہوئے۔ آپ سے ہدایہ و تفسیرِ بیضاوی اور عقائد و فرائض کی تعلیم، حاصل کی۔

اس کے بعد ایک طویل مدت تک، درس و تدریس کا فریضہ لکھنؤ میں ہی انجام دیتے رہے۔

پھر، وطن واپس ہوئے اور اپنے والدِ مکرّم کی نیابت و جانشینی کی خدمت پہ، مامور ہوئے۔

والدِ مکرّم، حضرت مولانا شاہ مخلص الرحمٰن، چاٹگامی کا سلسلۂ بیعت و اجازت، مندرجہ ذیل ہے:

از شاہ امداد علی، از شاہ مہدی حسن، از شاہ مظہر حسن، از شاہ فرحۃُ اللہ، از شاہ حسن علی از حضرت شاہ محمد منعم، قادری، رَحِمَهُمُ اللہ تعالیٰ۔

مولانا شاہ عبدالحیٔ، چاٹگامی کے تعارف و تذکرہ میں مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی لکھتے ہیں:

"والدِ ماجد، حضرت مولانا شاہ مخلص الرحمٰن قُدِّسَ سِرُّہٗ نے تسمیہ خوانی کی رسم، ادا کی۔

قرآنِ پاک ختم کرنے کے بعد، عدمِ دل بستگی کے سبب، کئی سال میں کافیہ تک پڑھا۔

ایک معتقد نے بے توجہی کا ذکر، آپ کے والد سے کیا۔

والدِ ماجد نے فرمایا: گھر میں چند افراد، جب، لائق ہوں

تو، ان کے لئے کوئی ایسا بھی ہونا چاہیے، جو، ان کی خدمت کرے۔

چھوٹے میاں، اگر، نہ پڑھیں گے تو، بڑے بھائیوں کی خدمت کریں گے۔"

مولانا عبدالحیٔ صاحب والد کی باتیں، آڑ سے سن رہے تھے۔ بڑی غیرت آئی۔

اور اُسی وقت پڑھنے کے لئے سفر کا عزم کر لیا۔

والدہ ماجدہ سے ارادہ، ظاہر کر کے روپے طلب کیے۔ انھوں نے چھ روپے دیے۔

۱۲۹۱ھ میں آپ، کلکتہ پہنچے۔ اسی درمیان میں مولانا مخلص الرحمٰن، چاٹگامی کے پیر و مرشد

حضرت سید شاہ امداد علی، بھاگل پوری، المتوفی ۱۳۰۲ھ کلکتہ آئے۔ان کی ہمراہی میں مرزاپور آ گئے۔
یہاں سے فرنگی محل لکھنؤ جا کر، حضرت مولانا ابوالحسنات، محمد عبدالحئ، فرنگی محلی کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے۔

گیارہ بجے تک، مدرسہ فرنگی محل میں عربی پڑھتے اور ایک بجے دن میں مشہور شاعر خواجہ عزیز لکھنوی سے، ان کے گھر جا کر فارسی پڑھتے۔

۱۳۰۲ء میں والدِ ماجد (مولانا مخلص الرحمٰن، چاٹگامی) کی وفات کا سانحہ، رونما ہوا۔
پردیس میں خبرِ وفات، سن کر بڑا صدمہ ہوا۔ مکان (چاٹگام) جا کر والد کی فاتحہ کیا۔ تھوڑے دنوں بعد لکھنؤ واپس آئے۔

۱۳۰۴ھ میں حضرت مولانا عبدالحئ، فرنگی محلی، نے رحلت کی۔ تکمیلِ حدیث میں، تین کتابیں باقی رہ گئی تھیں۔ دہلی میں مولوی نذیر حسین، غیر مقلّد کے مدرسہ میں پہنچے۔

مولانا سید عبدالحئ، چاٹگامی، جب مولوی نذیر حسین سے ملنے گئے
تو، ایک شخص نے مولوی نذیر حسین کے سامنے، ایک دوسرے شخص سے
حضرت امام عالی مقام شہیدِ کربلا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے بارے میں کہا:
اگر، ایک خلیفہ کے وقت میں، دوسرا، اپنے لئے بیعت لے، تو وہ، واجبُ القتل ہے۔"
اس کے علاوہ، اور بھی دوسرے کلمات، گستاخی اور بے ادبی کے کہے۔
مولوی نذیر حسین، خاموشی سے سنتے رہے، کچھ نہ بولے۔
مولانا سید عبدالحئ، چاٹگامی نے سمجھ لیا کہ: یہ بے ادبوں کی جگہ ہے۔"

اس کے بعد، گنگوہ میں مشہور دیوبندی عالم، مولوی رشید احمد، گنگوہی سے ایک سال حدیث پڑھی۔ مولانا فرماتے تھے کہ: گنگوہ میں، ناجنس اور بد عقیدوں کی مجلس میں میرا دل ہر وقت کڑھتا تھا، اِس لئے جلدی، رخصت ہو کر لکھنؤ پہنچا۔
فرنگی محل، لکھنؤ میں، صاحبزادگان کی معلمی پر مامور ہوئے۔
مولانا عبدالباقی، فرنگی محلی، مہاجرِ مدنی اور مولانا عبدالحمید، ان کے شاگرد تھے۔

۱۳۰۰ھ میں مولانا عبدالاحد، شمشاد، فرنگی محلی نے اپنے خسر (مولانا رحمت اللہ فرنگی محلی، متوفی جمادی الاولیٰ ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء) کے قائم کردہ "مدرسہ چشمۂ رحمت" غازی پور میں بلایا۔

آپ سے پہلے، مولانا محمد فاروق، چریا کوٹی، یہاں کے صدر مدرس، رہ چکے تھے۔
طلبہ، شروع میں آپ کی نوعمری کی وجہ سے نامانوس رہے۔
مگر، بعد میں طریقۂ درس کی ندرت کی وجہ سے مانوس و مطمئن ہو گئے۔
غازی پور میں، بڑا قبولِ عام، حاصل ہوا۔ حلقۂ ذِکر و فکر اور مجالسِ سماع کا اِنعقاد ہوتا۔
مولانا عبدالحیٔ، چاٹگامی، حدیث پاک پڑھا رہے تھے کہ:
کلکٹر، معائنہ کے لئے مدرسہ میں پہنچا۔
مولوی عبدالاحد، شمشاد نے آکر، چپکے سے کان میں، یہ کہا کہ: یہ حاکمِ وقت ہیں۔"
کنایہ، اِستقبال سے تھا۔ اگرچہ، اُس وقت، کھڑے ہو گئے۔
مگر، دوسرے دن، اِستعفا، داخل کر دیا۔
مولوی عبدالاحد، شمشاد اور مولانا شاہ امانتُ اللہ نے کہا سنا
تو، ان کی دلداری کے خیال سے اُس وقت، تَرکِ ارادہ فرمادیا۔
چھ ماہ بعد، رخصت لے کر وطن گئے۔
واپس آکر، چھ سال، دو ماہ کی مدرسی کے بعد ۱۳۱۲ھ میں اِستعفا دے کر
وطن، تشریف لے گئے۔ اور والدِ ماجد کے وسادۂ اِرشاد پر رونق افروز ہو کر سلسلہ کی ترویج
واشاعت میں مصروف ہوئے۔ ہزارہا مخلوق نے ان کے نفسِ زکی کی برکات سے، راہِ ہدایت پائی۔"
(ص ۱۴۴۔ تا ص ۱۴۶۔ "تذکرہ علماے اہلِ سنّت"۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی۔
مطبوعہ کان پور ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء)

مولانا ظہورُالحسین، رام پوری

مولانا ظہورُالحسین، فاروقی، مجدِّدی، رام پوری (متولد ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۷ء۔ متوفی ۲۲ر جمادیُ الآخرہ ۱۳۴۲ھ) کے اَجداد میں، مولانا رفیع الدین، فاروقی، چشتی، سرہندی
بڑے نامور بزرگ تھے۔ بہت سے مشائخِ کرام سے آپ کو، اجازت وخلافت، حاصل تھی۔
حضرت سید جلال الدین، بخاری کے خلیفۂ اعظم اور امامِ نماز تھے۔
سرہند (پنجاب) کی آبادی، مولانا رفیع الدین، فاروقی ہی نے شروع کی اور آپ کی توجہ سے شہر کی بنیاد کی تکمیل ہوئی۔ آپ کے بڑے بھائی، خواجہ فتح اللہ، فاروقی، فیروز شاہ کے وزیر تھے۔
مزار، سرہند شریف (پنجاب) میں ہے۔
مولانا رفیع الدین، فاروقی کی ہی اولاد میں، مجدِّدِ الفِ ثانی شیخ احمد، فاروقی، سرہندی (وصال ۱۰۳۴ھ) ہیں۔
جنھوں نے مغل بادشاہ، جلال الدین اکبر کے ''فتنۂ دینِ اِلٰہی'' کا مجاہدانہ مقابلہ کیا۔
مولانا ظہورُالحسین، فاروقی، مجدِّدی، رام پوری کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے ہوئی۔
علمِ نحو، مولانا اِمداد حسین سے پڑھا۔ معقولات کی ابتدائی کتابیں، مولانا عبدالعلی، ریاضی داں رام پوری (تلمیذِ علاّمہ فضلِ حق، خیرآبادی) مولانا نورُالنبی، رام پوری (تلمیذِ علاّمہ فضلِ حق خیرآبادی) سے پڑھیں۔
شمس العلما، مولانا عبدالحق، خیرآبادی (فرزندِ وتلمیذِ علاّمہ فضلِ حق، خیرآبادی) جب، رام پور تشریف لائے
تو، مولانا ظہورُالحسین نے اول سے اخیر تک معقولاتی کتابیں، ان سے پڑھیں۔
کتبِ دینیات میں مولانا ارشاد حسین (مجدِّدی، رام پوری خلیفۂ حضرت شاہ احمد سعید مجدِّدی، دہلوی) سے اِستفادہ کیا۔ بعض کتابیں، مفتی سعد اللہ سے پڑھیں۔
سندِ صحاحِ ستّہ اور احادیث، مولانا فضلِ رحمٰن، گنج مرادآبادی سے حاصل کی۔
مولانا فضلِ رحمٰن کو، حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی سے بلا واسطہ، سندِ حدیث ملی تھی۔
شمس العلما، مولانا عبدالحق، خیرآبادی کو، مولانا ظہور حسین پر، اتنا اعتماد تھا کہ:

اپنے بعض طلبہ کو، آپ کے سپرد کر دیتے تھے۔

۱۳۱۹ھ میں مولانا عبدالحق، خیرآبادی نے نواب ریاستِ رام پور، ہز ہائنس نواب، سید محمد علی خاں بہادر کے حضور میں، مدرسۂ عالیہ (رام پور) کے مدرسین کو، بغرضِ امتحان، پیش کیا۔

مولانا ظہور حسین کی باری آئی، تو، مولانا عبدالحق نے آپ سے قاضی مبارک کے مقام (اَلْکُلِّیَّۃُ وَ الْجُزْئِیَّۃُ قِیْلَ صِفَۃُ الْعِلْمِ۔ الخ) کی پوری عبارت پڑھوائی۔

انھوں نے مَالَہٗ وَمَاعَلَیْہِ کے ساتھ، ایسی تحقیق کی کہ:

مولانا عبدالحق خیرآبادی، نواب صاحب سے کہنے لگے کہ:

قاضی پڑھانا، اِس کو کہتے ہیں۔''

شمس العلما، مولانا عبدالحق خیرآبادی نے

ایسے الفاظ، غالباً، کسی کے لئے، کبھی، نہ کہے ہوں گے۔

مولانا ظہورُالحسین، فاروقی، مجدّدی نے مدرسہ عالیہ، رام پور میں، بیس (۲۰) سال تک نہایت عمدگی سے درس دیا۔ مدرسۂ عالیہ کے مدرسین کی اکثریت، آپ کی شاگرد تھی۔

۱۳۲۲ھ میں رئیسِ اعظم راندیر ضلع سورت (گجرات) نے مولانا ظہورُالحسین کو اپنے یہاں، بصد اِلتجا بلایا۔ ایک جماعتِ عُلما کے ساتھ، آپ کا استقبال کیا۔

ایک نمائندہ اِجلاس ہوا جس میں آپ کو ''شَمْسُ الْعُلَمَاء'' کا خطاب دیا گیا۔

یہ قومی خطاب، شاہی خطاب سے کہیں زیادہ، باوقعت ہے۔

آپ کو تعلیم و تدریس کا اتنا شوق تھا کہ تصنیف و تالیف کی طرف، توجہ نہ ہو سکی۔

بعض مخلص تلامذہ کے اِصرار پر، حاشیۂ اَلْاُفُقُ الْمُبِیْن۔ شرحِ قاضی مبارک حاملُ المتن مع مَنہیات۔ شرح میرزاہد رسالہ مع مُنہیات۔ وغلام یحیٰ۔ شرحِ حمدُ اللہ۔ شرحِ حکمۃُ العین۔ تقریر مشاۃ بالتکریر۔ ایک مفصل، دوسری مختصر، کتابیں لکھیں۔

حاشیۂ مرزا زاہد کے علاوہ، سبھی کتابیں، ناتمام ہیں۔ کوئی کتاب، طبع نہ ہو سکی۔

مولانا ظہورُالحسین کا ۱۲؍ جمادیٰ الآخرہ ۱۳۴۲ھ کو، رام پور میں وصال ہوا۔

(اَخذ و اِقتباس اَز ص ۱۸۴ تا ص ۱۸۶ ''تذکرۂ کاملانِ رام پور''۔ مؤلفہ حافظ احمد علی خاں شوق رام پوری۔ مطبوعہ ہمدرد پریس۔ کوچہ چیلان، دہلی۔ طبع اول ۱۹۲۹ء)

مولانا ظہورالحسین، رام پوری، تلمیذِ مولانا شاہ فضلِ رحمٰن، گنج مرادآبادی وعلاّمہ عبدالحق

خیرآبادی و مفتی ارشاد حسین، رام پوری ایک عرصے تک دارالعلوم ،منظرِ اسلام ، بریلی کے صدر مدرس بھی رہے۔

حضرت مولانا محمد حامد رضا، بریلوی اپنے ایک رسالہ (مَظَاھِرُ الْحَقِّ الْاَجْلیٰ) میں حضرت مولانا عبدالباری ،فرنگی محلی کی دعوت پر، ایک دورۂ فرنگی محل، لکھنؤ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''میرے ہمراہ، حضرت مولانا ظہور حسین ،رام پوری ،صدر مدرس دارالعلوم (منظرِ اسلام بریلی) اور مولانا رحم اِلٰہی (منگلوری، استاذِ دارالعلوم منظرِ اسلام، بریلی) اور صدرُ الشریعہ، مولانا امجد علی صاحب (رضوی اعظمی ،مؤلّفِ بہارِ شریعت) خُلفاے اعلیٰ حضرت بھی تھے۔ الخ۔

(رسالہ ''مظاھِرُ الْحَقِّ الْاَجْلیٰ''۔مشمولہ فتاویٰ حامدیہ۔مطبوعہ بریلی)

حضرت مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی ،مظفر پوری لکھتے ہیں:

''مجلسِ مؤیّد الاسلام، لکھنؤ کا اجلاس

حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے طلب کیا۔

دعوت نامہ، چھاپ کر بھیجا۔ اس دعوت نامہ میں رافضی مجتہدوں کے نام بھی، داعیوں میں تھے۔

اعلیٰ حضرت ،امامِ اہلِ سنّت (فاضل بریلوی) نے شمس العلما، مولانا ظہور الحسین نقشبندی، فاضل رام پوری، صدرُ المدرسین ، مدرسہ اہلِ سنّت ، منظرِ اسلام، بریلی کی سرپرستی و قیادت میں لکھنؤ، وفد بھیجا۔

جس میں حضرت حجۃ الاسلام اور حضرت صدرُ الشریعہ قُدِّسَ سِرُّہٗ بھی، شریک تھے۔'' الخ۔

(ص ۴۸۲۔ ''سوانحِ رفاقتی'' مؤلّفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی۔ کاروانِ رفاقت۔ اسلام آباد۔ مظفر پور، بہار۔ ۱۴۳۱ھ/نومبر ۲۰۱۰ء)

''مولانا شاہ محمد عبدالباری، فرنگی محلی نے انگریزی راج میں، قاضی جیل کا معاملہ اُٹھایا۔

.... حضرت حجۃ الاسلام نے اپنے ایک مفصّل خط میں تحریر فرمایا ہے کہ:

اُس وقت، مدرسہ اہلِ سنّت ،منظرِ اسلام کے صدر المدرسین، مولانا ظہور الحسین، فاروقی فاضلِ رام پوری اور مولانا محمد نعیم الدین (مراد آبادی) صاحب اور مولانا امجد علی صاحب اور مجھ کو لکھنؤ کے جلسے میں شرکت کے لئے اعلیٰ حضرت نے فرنگی محل بھیجا تھا۔'' الخ۔

(ص ۴۰۶۔ ''سوانحِ رفاقتی''۔ مؤلّفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری)

حکیم سید برکات احمد، ٹونکی

حکیم سید، برکات احمد، ٹونکی (متوفی ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء) تلمیذِ، مولانا عبدالحق، خیرآبادی
فرزند وتلمیذِ علاّمہ فضلِ حق، خیرآبادی، سلسلۂ خیرآباد کے جلیل القدر اور کثیر التلامذہ مدرّس تھے۔
آپ کے والد، مولانا حکیم سید دائم علی، بہاری ثم ٹونکی، تلمیذِ علاّمہ فضلِ حق، خیرآبادی
نوابِ ریاستِ ٹونک (راج پوتانہ) کے خصوصی معالج ہونے کی حیثیت سے
ریاستِ ٹونک میں، مستقل اِقامت پذیر ہو گئے۔
حکیم سید، برکات احمد، ٹونکی، تاحیات، درس وتدریس ہی سے، وابستہ رہے۔
آپ کے تلامذہ کے بارے میں مولانا عبدالشاہد، شیروانی، علی گڑھی لکھتے ہیں:
''وسطِ ایشیا، تُرکستان کے شہروں، خصوصاً بُخارا، تاشقند وغیرہ سے لے کر، بنگال کے آخری حُدود تک، تقریباً ہر بڑے شہر میں، کوئی نہ کوئی شاگرد، ضرور نظر آئے گا اور اچھی حالت میں نظر آئے گا۔
.........عُلمائے ہند میں مولانا مُعین الدین، اجمیری، مولانا خلیل الرحمٰن، ٹونکی، مولانا نصیر احمد پھلتی، مولانا عبدالرحمٰن، چشتی، حیدرآبادی، مولانا اشرف، ملتانی، مولانا عبدالسُّبحان، بہاری
مولانا مقبول احمد، دربھنگوی، مولانا محمود، سندھی، مولانا عُبید اللہ الاصم، بہاری، مولانا عبدالحمید تُرہتی، مولانا محمد شریف، مبارک پوری، مولانا عبدالقدیر، بدایونی، مولانا فضلِ کریم، بہاری، مولانا احمد کریم، بہاری، مولانا عبدالواسع، مولانا مناظر اَحسن، گیلانی وغیرھُم، خاص طور پر، قابلِ ذکر ہیں۔''
(ص ۳۵۶۔ سلسلۂ تلامذہ۔ ''باغی ہندوستان'' مطبوعہ المجمع الاسلامی۔ مبارک پور اعظم گڑھ۔ یوپی۔ انڈیا)
حکیم سید، دائم علی (میر نگر ضلع پٹنہ۔ صوبہ بہار) طبیبِ خاص، دربارِ ٹونک (راج پوتانہ موجودہ صوبہ راجستھان) کے فرزند، مولانا حکیم سید، برکات احمد، ٹونکی (ولادت ۱۲۸۰ھ وفات ربیع الاول ۱۳۴۷ھ/اگست ۱۹۲۸ء) کی ابتدائی تعلیم وتربیت، مولانا محمد اَحسن، گیلانی (مولانا مناظر اَحسن گیلانی کے جدِّ امجد) تلمیذِ علاّمہ فضلِ حق، خیرآبادی کی خدمت میں ہوئی۔
علمِ حدیث، سید عالم علی، نگینوی سے پڑھا۔ پھر، اپنے والد سے علمِ طِب کی تعلیم، حاصل کی۔
مولانا محمد حسن، ٹونکی سے ہدایہ پڑھا۔
علم کی تشنگی بجھی نہیں، اِس لئے رام پور پہنچ کر

علاّمہ عبدالحق، خیرآبادی، فرزند و تلمیذِ علاّمہ فضلِ حق، خیرآبادی کی درس گاہ سے

وابستہ ہوئے۔ اور حسبِ بیانِ مولانا عبدالشاہد، شیروانی علی گڑھی (متوفی ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء):

''حمدُ اللہ اور ہدایہ کا فارغ شدہ، یہ طالب علم، ایسا غوجی اور میزان، منطق جیسی ابتدائی

کتابوں کے درجہ میں، نئے سرے سے شریک کر دیا گیا۔

......سعادت مند شاگرد نے، پندرہ (۱۵) سال، استاذ کی خدمت میں اس طرح گذارے

کہ جس کتاب، حمدُ اللہ کو گھر سے پڑھ کر آئے تھے، جب، وہاں تک، کئی سال میں پہنچے

تو، ایک بار نہیں، کئی بار، سَمعاً و قراءۃً، اسے پڑھا اور سنا۔

نہ صرف نصابِ درسِ نظامی، بلکہ قُدَما کی کتابیں بھی پڑھیں۔

جن میں شفاء ابنِ سینا، شرحِ اشارات طُوسی، اَلْاُفُقُ الْمُبِین، میر باقر داماد، حواشیِ دَوّانی

حواشیِ مرزا جان، خوانساری، مؤلّفاتِ قوشجی، خاص طور پر، قابلِ ذکر ہیں۔

خود، مولانا عبدالحق کی تصانیفِ خارج از نصاب ''جواہرِ غالیہ'' وغیرہا، پڑھیں۔''

پھر، مولانا محمد ایوب، پھُلتی، قاضیِ ریاستِ بھوپال کی خدمت میں پہنچ کر

ان سے علمِ حدیث پڑھا۔ بھوپال میں ایک سال سے زیادہ، قیام کر کے ٹونک، واپس ہوئے۔

زمانۂ طالبِ علمی میں شادی ہو گئی تھی اور رام پور کے کسی بزرگ سے بیعت بھی ہو گئے تھے۔

والدِ ماجد، حکیم سید، دائم علی، بہاری، ٹونکی کی عمر، جب پچاس (۵۰) سے زائد ہوئی اور آپ

پر غلبۂ تصوف ہوا، جس کے بعد، ذکر و شغل اور عُزلت و گوشہ نشینی کی طرف، طبیعت، زیادہ مائل ہوئی

تو، نواب ریاستِ ٹونک سے گفتگو کر کے، اپنے بلند اقبال فرزند، حکیم سید، برکات احمد کو

اپنی جگہ، مقرّر کرا دیا۔ آپ نے معالجِ خاص، دربارِ ٹونک کے عہدہ پر، ہی، مدۃُ العمر، اِکتفا کی۔

زندگی کا پہلا حصہ، درس و اِفادہ تھا۔ دوسرے حصہ میں تصنیف و تالیف کا ذوق، غالب ہوا۔

آخر عمر میں، ہر چیز سے الگ ہو کر، صرف عبادت و ریاضت و مجاہدہ میں

اِس قدر مشغول اور محو ہو گئے کہ گویا، آپ، اِسی کے لئے بنائے گئے تھے۔

ریاستِ ٹونک میں حکیم سید، برکات احمد، ٹونکی نے جب، درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا تھا

تو، ابتدا میں، چند مقامی و بیرونی طلبہ، آپ کی خدمت میں، زیرِ تعلیم تھے۔

رفتہ رفتہ، آپ کی درسی عظمت کا اِحاطہ، وسیع ہونے لگا۔ یہاں تک کہ ایک زمانے میں

صبح پانچ بجے سے، رات کے گیارہ بجے تک، مسلسل، آپ کا درس، جاری رہتا تھا۔

طلبہ کی کثرت دیکھ کر، والیِ ٹونک، نواب، محمد ابراہیم خاں خلیل نے
ایک مدرسہ کا انتظام کردیا جس کا نام "مدرسہ خلیلیہ" رکھا گیا۔
حکیم سید، برکات احمد، ٹونکی اپنے طلبہ پر بے پناہ شفقت فرماتے تھے۔ درس و تدریس کے
وقت، پورا رُعب و جلال، غالب رہتا تھا۔ بغیر مطالعہ کے، قطبی و شرحِ جامی بھی، نہ پڑھاتے تھے۔
علاوہ درسیات کے، طلبہ کو مثنویِ مولانا روم کا بھی، درس دیا کرتے تھے۔
کسی کو فلسفہ، شروع کراتے
تو، اپنے استاذ، مولانا عبدالحق، خیرآبادی کی تصنیف "زُبدۃُ الحکمۃ" سے ابتدا کراتے۔
مولانا مناظر اَحسن، گیلانی، پروفیسر جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد، دَکن نے
مسلسل آٹھ (۸) سال تک، ٹونک میں رہ کر، حکیم سید برکات احمد، ٹونکی سے
تعلیم حاصل کی تھی۔

انھوں نے، بصدر یار جنگ، مولانا حبیب الرحمٰن خاں، شیروانی، علی گڑھی کی ہدایت پر
حکیم سید، برکات احمد، ٹونکی کے اَحوال پر مشتمل ایک تفصیلی مضمون لکھا۔
جو ۱۳۴۷ھ/۱۸۲۹ء کے ماہنامہ "معارف" اَعظم گڑھ کے، تین شماروں میں شائع ہوا۔
اس مضمون کا خلاصہ اور کچھ اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہوئے
مولانا عبدالشاہد، شیروانی، علی گڑھی نے اپنے تحقیقی سوانحی مضمون کو مکمل کیا ہے۔
جس کی روشنی میں، حکیم سید برکات احمد ٹونکی کے کچھ اَحوال، درجِ ذیل ہیں:
تقریباً بیس (۲۰) سال تک، مختلف علوم و فنون کی مسلسل تعلیم و تدریس کے بعد
اِدھر، پچھلے دس پندرہ سالوں سے حضرت مولانا حکیم سید برکات احمد نے اپنی توجہ
درس سے زیادہ، تصنیف و تالیف کی طرف، پھیردی تھی۔ آپ کی کئی کتابیں، عربی زبان میں ہیں۔
ایک ضخیم کتاب "اَلْحُجَّۃُ الْبَازِغَۃ" کے نام سے ہے۔ جس میں مابعد الطبعیات کے
چند اہم ابواب پر، مجتہدانہ انداز سے گفتگو کی گئی ہے۔ اسے مولانا انوارُاللہ، فاروقی، حیدرآبادی نے
حکومتِ آصفیہ، حیدرآباد کی جانب سے شائع کرادیا ہے۔
ایک کتاب آپ نے، فارسی سے عربی میں ترجمہ کی ہے۔
یہ بحرالعلوم، مولانا عبدالعلی، فرنگی محلی لکھنوی کی شرحِ منار (فارسی) کا عربی ترجمہ ہے۔
کاش، یہ شائع ہوجائے تو، نصاب کے لیے بہترین کتاب ہے۔

آخرعمر میں، آپ پر تصوف کا غلبہ ہوگیا تھا، اور چند اہم کتابیں، اِس موضوع پر لکھیں۔
جو، سب کی سب، غیر مطبوع ہیں۔
آپ نے "دیانند سرسوتی" کے فلسفیانہ اصول کی تردید میں، بزبانِ اردو، کچھ نوٹ کرائے تھے
جسے، باضابطہ مرتّب کر کے آپ کے خلفِ رشید، مولانا حکیم سید محمد احمد، ٹونکی نے شائع کر دیا ہے۔
بعض نزاعی مسائل میں، چھوٹے چھوٹے رسائل ہیں۔
ترمذی شریف کی ایک نامکمل شرح بھی ہے۔
حکیم سید، برکات احمد، ٹونکی کے اندر تقویٰ، اِنابت، اِخلاص اور عشقِ نبوی کے جوہر
ابتداء سے منور تھے۔ لیکن، ان میں آب وتاب اُس وقت آئی
جب، علم وعقل سے تھک کر، آپ، بیٹھ گئے۔
یہ تو، ہمیشہ سے، آپ کا معمول تھا کہ:
رات کے تین بجے، ساڑھے تین بجے، اُٹھ جاتے۔ تہجد کی نماز پڑھتے۔
پھر، صبح تک، ذِکر بالجَہر کرتے، نمازِ فجر باجماعت، مسجد میں ادا کرتے
طلوعِ آفتاب تک، مسلسل زور زور سے، اَدْعِیۂ ماثورہ پڑھتے۔
تلاوتِ قرآن کرتے اور دلائل الخیرات کے اَوراد، ختم کرتے۔
آپ پر، حج وزیارت کا شوق، غالب ہوا، تو، رَختِ سفر باندھا اور حجازِ مقدس پہنچ گئے۔
وہاں سے شام وفلسطین اور مصر ہوتے ہوئے ہندوستان واپس آئے۔
اس کے بعد، آپ کا رَنگ، بدلا ہوا تھا۔
فُقرا، اور درویشوں کے یوں تو، ہمیشہ سے عقیدت مند تھے
لیکن، اب، اس جماعت کی دامن آمیزی کا جذبہ، بہت تیز ہوگیا۔ اسی عرصہ میں ایک
ضرورت سے حیدر آباد، دکن جانا ہوا۔
وہاں، تلاشِ فُقرا میں آپ کی نگاہ، ایک ایسے فقیر پر پڑی، جو، اپنی ظاہری شکل وصورت میں
ایک معمولی سے آدمی تھے۔ اور رَسمی علوم میں بھی، ان کا پایہ، کچھ بلند نہ تھا۔
لیکن، منطق وفلسفہ کا، یہ شہسوار، جب، اس فقیر کے آستانے پر حاضر ہوا
تو، پچاس (۵۰) سال کے سارے سرمایے کو، اس فقیر کے قدموں پر نثار کر دیا۔
یہ فقیر، حضرت کمال اللہ شاہ، عُرف مچھلی شاہ تھے۔

یہ بزرگ، مدراس کی ایک جماعتِ صوفیہ کے ایک بڑے اِصلاحی گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔

حکیم سید برکات احمد، ٹونکی کا سینہ، نہایت وسیع اور چشم، کشادہ تھی۔

طلبہ کے ساتھ، اولاد جیسا برتاؤ تھا۔ غریبوں، بیواؤں، ضرورت مندوں اور اہلِ تعلق کے ساتھ، مخفی طور پر، حُسنِ سُلوک کرتے تھے۔

خصوصاً، اقرِبا کے ساتھ، آپ کا حُسنِ سلوک، غیر معمولی ہوا کرتا تھا۔

آپ کی تنخواہ کا، بڑا حصہ، ایسے ہی عزیزوں و ضرورت مندوں کے درمیان، تقسیم ہو جایا کرتا تھا۔

آخر میں عربوں کی مہمان نوازی کا جذبہ آپ پر، بہت حاوی ہو گیا تھا۔ محبتِ رسول کی شمع کی لَو، جوں جوں، تیز ہوتی جاتی تھی، دیارِ محبوب کا ہر آنے والا، آپ کو بے چین کر دیتا تھا۔

یہاں تک کہ اسی شوق کے پیشِ نظر، آپ نے چند سال پیشتر، ایک مستقل سرائے اپنے مصارِف سے ریاستِ ٹونک میں تعمیر کرائی تھی، جس کا نام آپ نے ''رباط'' رکھا ہے۔

اس، رباط میں ہر قسم کے سامانِ راحت کا انتظام، آپ کی طرف سے تھا۔

ریاستِ ٹونک میں جو عرب مہمان آتا۔ خصوصاً، اگر، مدینہ طیبہ کا ہوتا

تو، اس کے سامنے آپ معمولی خادم کی حیثیت سے اپنے کو پیش کرتے۔

ان کا مالی تعاون کرتے اور دوسروں سے کراتے۔

اِسی طرح، دیگر مسلم ریاستوں سے بھی رابطہ، قائم کر کے، ان حضرات کو، ہر طرح، مدد بہم پہنچاتے۔ آپ کی اخلاقی صفات میں، جود و سخاوت کی صفت، بہت نمایاں تھی۔

لباس اور سواری وغیرہ میں آپ، سادگی پسند تھے۔ معمولی لباس، زیبِ تن فرماتے۔ مزاج میں وَارفتگی، حد سے زیادہ، بڑھی ہوئی تھی۔ حرص و طمع کا شائبہ، مطلقاً نہ تھا۔ دیگر ریاستوں کی دعوت اور بڑی بڑی پیش کش کے مقابلے میں، آپ نے، ریاستِ ٹونک کے قیام کو، ہمیشہ، ترجیح دی۔

نوابِ رام پور کے اِصرار پر آپ کا ایک علمی مباحثہ، رام پور میں مولانا عبدالوہاب بہاری سے ہوا، جس کی تفصیل آپ کے شاگرد، مولانا معین الدین، اجمیری نے

اپنے رسالہ ''چہار تازیانۂ قہّار'' میں، لکھ دی ہے۔

بعض دیگر معاصر عُلما، مثلاً مولانا فضلِ حق، رام پوری، پرنسپل مدرسہ عالیہ، رام پور اور مولانا عبداللہ، ٹونکی سے بھی بعض مسائل میں، نوک جھونک رہی۔

نیز، بعض مسائلِ دیوبندیہ کے متعلق بھی، آپ نے کبھی کبھی، کچھ لکھا۔

مولانا حکیم سید محمد احمد، ٹونکی، عِلماً ومَنصباً، دیناً وعملاً اپنے والد ماجد، حکیم سید برکات احمد کے جانشین تھے۔ والد کے بعد، نوابِ ٹونک کے معالجِ خاص، مقرّر رہوئے۔

اور موصوف کی جگہ، درس وتدریس کی باگ، آپ نے اپنے ہاتھ میں لی۔

مگر، دوتین سال بعد ہی، آپ، اِس عالَمِ فانی سے عالَمِ جاوِدانی کے سفر پر، روانہ ہو گئے۔

ایک مکتوب میں، حکیم سید محمد احمد، ٹونکی (متوفی ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۲ء) اپنے والد ماجد، حکیم سید برکات احمد، ٹونکی کے سانحۂ اِرتحال کے بارے میں لکھتے ہیں:

''آفتابِ فضل وکمال، غرّہ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ کو، شب کے تین بجے، غروب ہو گیا۔

............وفات شریف سے پہلے، وصیت فرمائی کہ:

میرے مدرسہ اور، رباط کا، پوری طرح، خیال رکھنا۔

میرے والد ماجد (حضرت مولانا حکیم سید دائم علی، بہاری، ٹونکی)

رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کا عُرس، ضرور، جاری رکھنا۔

میرے فاتحہ کا، بہت خیال رکھنا۔''

''دورِ علالت، کامل پانچ ماہ، قائم رہا، مگر، ایک روز بھی مشغلۂ علمی، تَرک نہ ہوا۔

جمعہ کے روز، حضرت کی زندگی کا اخیر دن اور یومُ الرَّحیل تھا۔

مَیں، جمعہ کی نماز سے واپس آیا

تو، ''اَلتَّعَرُّف فِي حَقِيقَةِ التَّصَوُّف'' کے مطالعہ میں، مُستغرق تھے۔

انھیں ایامِ علالت میں، تین علمی تصانیف فرمائیں۔ جن کا اِختتام، زندگی کے لحات کے اِختتام کے ساتھ ہوا ہے۔ اور جن کو حضرت عَلَيْهِ الرَّحْمَة کے معلومات کا، نچوڑ سمجھنا چاہیے۔

اور جن میں ''اِمْتِنَاعِ نظیرِ النَّبِی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم'' اور ''اِمْتِنَاعِ كِذْبِ الْوَاجِب جَلَّ مَجْدُهٗ'' کو، ایسے قوی تر اور روشن دلائل وحُجَجِ ساطعہ اور براہینِ قاطعہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ، حضرت (سید برکات احمد، ٹونکی) رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه، جیسا امامِ وقت ہی کر سکتا ہے۔

اور تیسری کتاب، تصوف کے مسائلِ مشکلہ کے حل میں، بہترین کتاب ہے۔

ان، ہر سہ کتب کی تصانیف، شروعِ مرض میں، اس اَمر سے مطلع ہونے کے بعد کہ:

اب، اس دنیا سے کوچ ہے، شروع کی گئی۔

اور وفات حسرت آیات سے چند ساعت پیشتر، اِختتام کو پہنچائی گئیں۔'' اِلٰی آخِرِ الْمَكْتُوب۔

کمترین ابوالحسنات، محمد احمد الہاشمی، معالجِ خصوصی، فرماں رَوائے ٹونک۔
و ناظمِ اعلیٰ و صدرُ المدرسین دارُ العلوم نظامیہ خلیلیہ۔ ٹونک (راجستھان)

(تلخیص و اقتباس از "سلسلۂ تلامذہ" در "باغی ہندوستان"۔ بقلم مولانا عبدالشاہد، شیروانی، علی گڑھی۔
مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور۔ ۱۹۸۵ء)

حکیم سید برکات احمد، ٹونکی کے صاحبزادے، مولانا حکیم سید محمد احمد، ٹونکی، آپ کے جانشین ہوئے۔ حکیم سید محمود احمد، برکاتی، ٹونکی و مولانا مسعود احمد، برکاتی، ٹونکی، آپ کے صاحبزادگان ہیں۔

مولانا مُعین الدین، اَجمیری (متوفی عاشورۂ محرمُ الحرام ۱۳۵۹ھ/ اپریل ۱۹۴۰ء)
حکیم سید برکات احمد، ٹونکی کے قابلِ افتخار تلمیذ تھے۔
۔فارغُ التحصیل ہونے کے بعد آپ ڈھائی سال تک مدرسہ نعمانیہ، لاہور کے صدرُ المدرسین رہے۔
۱۳۳۷ھ میں، آپ نے مدرسہ معینیُ الحق، اجمیر شریف کی بنیاد رکھی۔ اسی مدرسہ میں تدریس کے دَوران، نظام حیدر آباد، چھ وقت، شریکِ درس ہوئے اور اتنے متأثر ہوئے کہ:
خلعتِ شاہانہ، عطا کیا۔ پھر، حضرت مولانا انوارُ اللہ، فاروقی، حیدر آبادی (وصال ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۸ء) کی تحریک پر، مدرسہ معینیُ الحق کو، مدرسہ معینیہ عثمانیہ، قرار دے کر
اس کے لئے ساڑھے بارہ سو روپے ماہانہ امدادی رقم، جاری کر دی۔

مولانا معینُ الدین، اجمیری، اِس مدرسہ کے صدر ہوئے۔ اور یہاں، پندرہ (۱۵) سال تک درس دیا۔ پھر، کچھ، داخلی اختلاف کی وجہ سے اس سے مستعفی ہو کر محرم ۱۳۴۸ھ میں دارُ العلوم حنفیہ صوفیہ، اجمیر شریف، قائم فرمایا۔ اور بارہ (۱۲) سال تک، اس میں درس و تدریس کی خدمت انجام دی۔ اس کے بعد بھی کچھ، اسی طرح کے حالات سے، آپ، دوچار ہوئے۔

مولانا معینُ الدین، اجمیری کے سانحۂ اِرتحال کے بعد اپنے ایک تعزیتی مضمون میں سید سلیمان، ندوی (متوفی ۱۹۵۳ء۔ کراچی) لکھتے ہیں:
"مولانا اجمیری کے والد، شاہ عبدالرَّزّاق، فرنگی محلی سے بیعت تھے۔
اور خود، مولانا اجمیری، شاہ صاحب کے صاحبزادے، حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب صاحب (والدِ حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی مرحوم) سے بیعت تھے۔
اِستغنا، رُجوع اِلَی اللہ، توکّل، وغیرہ، آپ کی طبیعتِ ثانیہ، بن چکے تھے۔
آخری سالوں، تو، بڑے ہی صبر و استقامت اور مُتوکّلانہ زندگی کے، تھے۔

فرائضِ تعلیم وافتا اور رُشد وہدایت کی ادائیگی کے بعد، کبھی بلا ضرورت، نہ ٹھہرتے۔

اَربابِ دولت واہلِ دنیا، خصوصاً اُمَرا وحُکّام سے ہمیشہ، بے تعلق رہے۔

لیکن، جب کوئی خدمتِ والا میں حاضر ہوتا

تو، اپنے قلب میں مولانا کے اَخلاقِ فاضلہ کا اثر لے کر، واپس آتا۔

عبادت کا، یہ حال تھا کہ فرائض کے سِوا، نوافل ومستحبات کے بھی، ہمیشہ، پابند رہے۔

تادَمِ واپسیں، اپنے اَوراد واَشغال میں فرق، نہ آنے دیا۔

حق گوئی میں، کسی بڑی سے بڑی طاقت سے بھی نہیں ڈرے۔

اَسلاف کی سُنّت کے مطابق، قید وبند کی سُنّت سے بھی، دوچار ہوئے۔

لیکن، اس کو بھی ہنسی خوشی، برداشت کیا۔ اور ہمیشہ یوں ہی کیا، جو ایک مجاہد اور عالمِ ربّانی کو کرنا چاہیے۔

ذاتِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ، محبت وشیفتگی کا، یہ عالَم تھا کہ:

صحیح بخاری وغیرہ میں، جب، یہ حدیث آتی کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مرضِ وفات کی تکلیف دیکھ کر، حضرت فاطمہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھا، بے اختیار، پکار اُٹھیں:

یااَبَتَاہ!(اے میرے باپ!)

سرکارِ دوعالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

لَاکَرْبَ عَلٰی اَبِیْکَ بَعْدَالْیَوم۔

آج کے دن کے بعد، تمہارے باپ پر، مصیبت نہیں ہے۔"

تو، اِس جملہ پر، حضرت مولانا اجمیری، بے تاب ہوجاتے، آنسو نکل آتے، چیخ نکل آتی۔

بسااوقات، غشی، طاری ہوجاتی۔ مدرسہ میں درس دیتے وقت، ہر مرتبہ، یہ واقعہ پیش آیا ہے۔"

(ص ۳۶۷، و ۳۶۸۔ سلسلۂ تلامذہ "باغی ہندوستان" ۔مطبوعہ المجمع الاسلامی۔ مبارک پور۔ ضلع اعظم گڑھ۔ یوپی۔ انڈیا۔ ۱۹۸۵ء)

مولانا سید نجم الحسن، رضوی، خیرآبادی ومولانا حکیم سید محمود احمد، برکاتی، ٹونکی (کراچی) ومولانا عبدالشاہد، شیروانی علی گڑھی۔ یہ تینوں حضرات، مولانا معین الدین اجمیری کے نامور تلامذہ ہیں۔

حکیم سید محمود احمد، برکاتی، ٹونکی اِس "سلسلۂ خیرآباد" کے آخری "تلمیذِ اصیل" تھے۔

جنھیں، ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء میں، کچھ دہشت گردوں نے کراچی میں شہید کردیا۔

رَحِمَہُ اللّٰہُ رَحْمَۃً وَاسِعَۃً۔

علاّمہ، سید سلیمان اشرف

علاّمہ، سید سلیمان اشرف بن مولانا حکیم سید عبداللہ

تقریباً ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں محلہ میرداد، پٹنہ، صوبہ بہار میں متولّد ہوئے۔

ربیع الاول ۱۳۵۸ھ/اپریل ۱۹۳۹ء میں علی گڑھ میں انتقال ہوا۔

ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد، استاذ الاساتذہ، مولانا ہدایت اللہ، جون پوری، تلمیذِ علاّمہ فضل حق، خیر آبادی سے مدرسہ حنفیہ، جون پور میں علوم وفنون کی تحصیل وتکمیل کی۔

صوبہ بہار کے ایک چشتی اصدقی بزرگ سے نسبتِ بیعت اور اجازت وخلافت تھی۔

فقیہِ اسلام، امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی (وصال ۲۵/صفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) سے بھی اِجازت وخلافت، حاصل تھی۔

نواب، صدریا جنگ، مولانا حبیب الرحمٰن خاں، شیروانی، علی گڑھی (متوفی ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۵۰ء) کی دعوت وتحریک کے نتیجے میں ۲۰۔۱۳۱۹ھ/۱۹۰۲ء میں

استاذِ دینیات، مدرسۃُ العلوم علی گڑھ کی حیثیت سے، سید سلیمان اشرف کا تقرُّر رہوا۔

حضرت مولانا مفتی اعجاز ولی، رضوی، بریلوی کی تحریری روایت کے مطابق:

علاّمہ سید سلیمان اشرف نے حضرت امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی کی اِجازت وہدایت سے علی گڑھ کالج سے وابستگی، اختیار کی۔

چنانچہ، مولانا مفتی اعجاز ولی خاں، رضوی، بریلوی (ولادت ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء۔وصال ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء) سابق شیخ الحدیث جامعہ نعمانیہ، لاہور، تحریر فرماتے ہیں:

''آپ، اعلیٰ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کے حسبِ ارشاد، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے منسلک ہوئے۔

آپ، رُشد وہدایت کے پیکر، صداقت ودیانت کے مجسّمہ تھے۔

سیاسی بصیرت میں لاثانی تھے۔'' (ص ۳۱۔ مقالاتِ یوم رضا، حصہ سوم۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء)

حافظ غلام غوث، نبیرۂ علاّمہ ہدایت اللہ خاں، جون پوری نے اپنے ایک مطبوعہ مضمون میں علی گڑھ کالج میں علاّمہ جون پوری کی تقرری کی تفصیل، کچھ اِس طرح، بیان کی ہے:

دینیات کے لئے ایک لکچرر کی ضرورت تھی۔ آپ کو مدعو کیا گیا۔

اور انٹرویو کے ضابطہ کی کارروائی مکمل کرنے کے لئے آپ سے کہا گیا کہ:

''معجزہ'' کے موضوع پر ایک مضمون لکھیں اور اِس موضوع کی کتابیں
کتب خانہ، حبیب گنج (علی گڑھ) میں مطالعہ کر کے، اُن سے اِستفادہ کر لیں۔
آپ نے فرمایا: بِحَمْدِ اللہ! مجھے، کتابوں کی ضرورت نہیں ہے۔
صرف کاغذ اور قلم دوات مہیّا کر دیا جائے۔

چنانچہ، بعد نمازِ عشا، تا نمازِ فجر، ایک ہی مجلس میں، بائیس (۲۲) فل اسکیپ صفحات پر مدلّل مضمون اور گراں قدر مقالہ تحریر کر دیا۔ جسے ذمہ دارانِ کالج نے بے حد پسند کیا۔

پھر، آپ سے کہا گیا کہ:
کالج کی جامع مسجد میں، توحید کے موضوع پر، بعد نماز جمعہ ایک خطاب فرما دیں۔
چنانچہ، آپ نے توحید کے موضوع پر تین گھنٹے تک ایسا زبردست خطاب فرمایا کہ:
اسے سُن کر، پرستارانِ توحید، جھوم اُٹھے۔

یہ خطاب، دینیات کمیٹی کے اراکین، نواب، وقارُالملک، مشتاق حسین، اور صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن، شیروانی وغیرہ نے بڑے اِنہماک اور دلچسپی کے ساتھ سنا۔

اور اُسی روز، پچاس روپے ماہانہ پر، بحیثیتِ استاذِ دینیات، علی گڑھ کالج، آپ کی تقرری ہو گئی۔

(ملخصاً۔ مضمون ''مولانا سلیمان اشرف اور مولانا حبیب الرحمٰن، شیروانی کے تعلقات'' بقلم حافظ غلام غوث، نبیرہ علّامہ، ہدایت اللہ، جون پوری۔ مطبوعہ: سہ ماہی ''العلم''۔ کراچی۔ شمارہ اپریل تا جون ۱۹۷۴ء)

علم و فضل، ذہانت و فطانت، تقریر و خطابت اور بصیرت و تدبر و جُراُتِ حق گوئی میں علّامہ سید سلیمان اشرف، یکتا و بے مثال تھے۔ عزت و وقار اور عظمت و خودداری کے ساتھ آپ نے علی گڑھ میں، ساری عمر گزار دی۔

آپ کے ایک شاگرد، پروفیسر، رشید احمد صدیقی (متوفی ۱۹۷۷ء۔ علی گڑھ۔ یو پی) لکھتے ہیں:

''مرحوم (سید سلیمان اشرف) میں، اپنے استاذ کا ہی، جبروت و طنطنہ تھا۔ ان کی شفقت میں بھی، جبروت، کارفرما تھا۔ میں نے مرحوم کو، جھنک کر، یا۔ گول مول باتیں کرتے، کبھی نہ پایا۔''

(''گنجہائے گراں مایہ''۔ از پروفیسر رشید احمد صدیقی۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی ۲۵ وآئینہ ادب، لاہور)

اِس قابلِ اِفتخار شاگرد پر، آپ کے مایۂ ناز استاذ کی شفقت و پذیرائی و حوصلہ افزائی کا ایک تاریخی واقعہ، پروفیسر رشید احمد صدیقی، اِس طرح، بیان کرتے ہیں:

''جون پور میں سیرتِ رسول کا جلسہ تھا۔ مرحوم (مولانا سید سلیمان اشرف) کی

تقریر ہو رہی تھی۔

جلسہ کیا تھا، ایک جمِ غفیر تھا۔

مرحوم (سید سلیمان اشرف) اپنے مخصوص والہانہ جوش و وارفتگی کے ساتھ، تقریر کر رہے تھے۔

حاضرین کی خاموشی کا عالم، یہ تھا کہ سارا مجمع، ایک ہی متنفّس تھا۔

اتنے میں دور سے ایک بوڑھا، پستہ قد، منحنی شخص، جُھکا ہوا، اَنبوہ کو چیرتا ہوا بڑھتا نظر آیا۔

جس شخص کے پاس سے گذرتا ہے، وہ، خوف و عقیدت سے سمٹ کر، تعظیم دیتا ہے۔

دیکھتے ہی دیکھتے، پلیٹ فارم پر پہنچ گیا۔

مرحوم کو، سینے سے لگا کر، پیشانی کا بوسہ دیا۔ اور واپس چلا گیا۔

یہ، مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب، مرحوم (سید سلیمان اشرف) کے استاذ

اور جون پور میں اُس وقت، علم و ہنر کے چشم و چراغ تھے۔"

("گنج ہائے گراں مایہ"۔ از پروفیسر، رشید احمد صدیقی۔ مطبوعہ دہلی و لاہور)

تحریکِ خلافت و تحریکِ عدمِ تعاون (۲۰۔۱۹۱۹ء) کے دَور میں ہونے والی بے اصولی اور ہندوؤں کے ہاتھوں، کھلونا بننے والے "ہندو مسلم اتحاد" کے دَور میں جرأت و بصیرت کے ساتھ آپ نے جو کچھ لکھا اور لیڈروں کی بے اِعتدالیوں کا، جو انجام سامنے آیا

اُس کے بارے میں، پروفیسر، رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

"سیلاب، گذر گیا۔ جو کچھ ہونے والا تھا، وہ، بھی ہوا۔ لیکن، مرحوم (سید سلیمان اشرف) نے اُس عہدِ سراسیمگی میں جو کچھ، لکھ دیا تھا، بعد میں معلوم ہوا کہ:

"حقیقت، وہی تھی۔ اُس کا ایک ایک حرف صحیح تھا۔ آج تک اس کی سچائی، اپنی جگہ، قائم ہے۔ سارے علما، سیلاب کی زد میں آچکے تھے۔ صرف مرحوم، اپنی جگہ، قائم تھے۔"

("گنجہائے گراں مایہ"۔ از پروفیسر رشید احمد صدیقی۔ مطبوعہ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی ۲۵۔ و آئینۂ ادب، لاہور)

عربی زبان و ادب کی جامعیت و برتری پر، علاّمہ، سید سلیمان اشرف کی نہایت وقیع کتاب "اَلْمُبِین" پڑھ کر، مشہور مستشرق، مسٹر براؤن نے کہا تھا کہ:

"مولانا نے، اِس عظیم موضوع پر، اردو زبان میں، یہ کتاب لکھ کر، ستم کیا۔

عربی، یا انگریزی میں ہوتی، تو، کتاب کا وزن اور وقار، بہت بڑھ جاتا۔"

علاّمہ فضلِ حق، خیرآبادی کی بے نظیر کتاب "اِمتِناعُ النَّظیر" (فارسی) سب سے پہلے آپ نے ہی ۱۹۰۸ء میں جون پور سے شائع کی۔

آپ کی متعدد تصانیف، اَلنُّور، اَلرَّشاد، اَلحج، اَلاَنہار، اَلمُبین، وغیرہ آپ کی علمی یادگار ہیں۔

علاّمہ سید سلیمان اشرف نے تقریباً نصف صدی تک، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تدریسی فرائض انجام دیے۔ ہزارہا طلبہ نے آپ سے اِستفادہ کیا۔ جن میں سے چند مشاہیر تلامذہ، یہ ہیں:
مبلّغِ اسلام، مولانا ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری (کراچی) پروفیسر، رشید احمد صدیقی (علی گڑھ) ڈاکٹر بُرہان احمد فاروقی (لاہور) ڈاکٹر عابد احمد علی (لاہور)

۵/ربیع الاول ۱۳۵۸ھ/۲۵/اپریل ۱۹۳۹ء کو، حضرت علاّمہ سید سلیمان اشرف کا وصال ہوا۔ علی گڑھ کے قبرستان میں آپ، مدفون ہوئے۔

آدم جی پیر بھائی منزل، علی گڑھ میں، آپ نے تیس (۳۰) سال تک قیام کیا۔

آپ کے قدر شناس، نواب، حبیب الرحمٰن خاں شیروانی (متوفی ۱۹۵۰ء) کی تحریک پر مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کی "ایگزیکٹو کونسل" نے مارچ ۱۹۴۰ء میں، یہ تجویز پاس کی کہ:
آپ کے نام کا کتبہ، آدم جی پیر بھائی منزل کے شمالی برآمدے کے وسطی کمرے کے دروازے پر، آپ کا نام ایک کتبہ، نصب کیا جائے۔

چنانچہ، اس تجویز کے مطابق، عمل کرتے ہوئے کتبہ، نصب ہوا۔ جس پر، مرقوم ہے:

"مولانا سید سلیمان اشرف صاحب، مرحوم ومغفور
صدر شعبۂ دینیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔
متوطن بہار شریف (بہار)

مولانا فضلِ حق، رام پوری

مولانا فضلِ حق، رام پوری (متولد ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء۔ متوفی ذوالقعدہ ۱۳۵۸ھ/۱۹۴۰ء)

(۱) مفتی لطف اللہ، علی گڑھی، تلمیذِ مجاہدِ حُریت، مفتی عنایت احمد، کاکوروی

(۲) مولانا ہدایت علی، بریلوی، تلمیذِ علاَّمہ فضلِ حق، خیرآبادی

(۳) مولانا عبدالحق، خیرآبادی، فرزند و تلمیذِ علاَّمہ فضلِ حق، خیرآبادی

(۴) مولانا سید عبدالعزیز، انبیٹھوی، تلمیذِ مولانا عبدالحق، خیرآبادی کے

نامور معقولی شاگرد اور مدرسہ عالیہ، رام پور کے پرنسپل تھے۔

حافظ احمد علی خاں شوق، رام پوری، اپنی معروف سوانحی و تاریخی کتاب

''تذکرۂ کاملانِ رام پور''، مطبوعہ دہلی ۱۹۲۹ء میں لکھتے ہیں کہ:

مولوی فضلِ حق، رام پوری بن مولوی قاری حافظ عبدالحق

بارہ سو اٹھہتر (۱۲۷۸ھ) میں، رام پور میں پیدا ہوئے۔

یہی سال (۱۲۷۸ھ) مولانا فضلِ حق خیرآبادی کی رحلت (در جزیرۂ انڈمان) کا ہے۔

گویا، اللہ تعالیٰ نے مرحوم کا جانشین، پیدا کیا۔

ابتداءً اپنے والد، مولوی عبدالحق سے حفظِ قرآن شروع کیا

مگر، وہ، بوجہ تعلقِ تدریس، نواکھالی، بنگالہ میں رہتے تھے اس لئے دیگر مشہور حُفَّاظِ شہر

(رام پور) سے قرآن شریف، حفظ کیا۔ اور دس (۱۰) سال کی عمر میں ختمِ حفظ کرلیا۔

کتبِ درسیہ، فارسی کی حکیم احسن، ساکن محلہ کھاری کنویں (رام پور) سے پڑھیں۔

اور عربی صَرف و نحو، مولوی عبدالرحمٰن، قندھاری جو محلّہ کی مسجد میں رہتے تھے، اُن سے

اور دیگر منتہی طلبہ سے پڑھیں۔ اِسی طرح، ابتدائی کتبِ منطق بھی، رام پور میں پڑھیں۔

تحصیلِ علم کے لئے سفر، علما کی قدیم سُنَّت ہے، اِس لئے یہاں سے بھیکم پور، علاقہ علی گڑھ

کو، مولوی حکیم عبدالکریم خاں، رام پوری سے اِستفادہ کے لئے گئے۔

وہاں، مُلاَّ حَسَن اور شرحِ وقایہ، اِس درجہ کی دیگر کتابیں پڑھیں۔

وہاں سے علی گڑھ آئے اور مولانا لطف اللہ، علی گڑھی (تلمیذِ ارشد مفتی عنایت احمد، کاکوری

مؤلّفِ تواریخ حبیب الٰہ وعلم الصیغہ)سابق مفتیِ عدالت حیدرآباد، دکن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہاں، اکثر کتبِ معقولات ومنقولات، حدیث وتفسیر کی تکمیل کی۔ مولانا لطف اللہ علی گڑھی کی توجہ اور آپ کی ذہانت کے سبب، بہت سی کتبِ درسِ نظامی کی تعلیم مکمل ہوگئی۔

قُدَمَا کی کتابوں کی تحصیل وتعلیم کا شوق پیدا ہوا

تو، علی گڑھ سے بریلی آگئے اور مولانا ہدایت علی، بریلوی، شاگردِ مولانا فضلِ حق، خیرآبادی سے کتبِ قُدَمَا، مثل شرحِ اِشارات وغیرہ کا اِستفادہ کیا۔

تکمیلِ علوم وفنونِ منقول ومعقول کے بعد، بریلی سے رام پور آگئے

اور مدرسۂ عالیہ رام پور کے مدرسِ اول، مقرّر ہوئے۔

نہایت مختصر عمر میں تحصیلِ علوم سے فراغت پاکر، درس وتدریس کا سلسلہ، شروع کردیا۔

اور صبح سے شام تک، تیئیس (۲۳) تیئیس (۲۳) اسباق پڑھایا کرتے تھے۔

حکیم نورُالحسن، افسرُ الاطبّا، ریاستِ بھوپال نے اکثر کتب درسیہ، آپ سے بریلی میں پڑھیں۔

نوابِ رام پور کے عہدِ حکومت (۱۳۰۴ھ تا ۱۳۰۶ھ) میں، مدرسۂ عالیہ رام پور کا

جب، نیا انتظام ہوا، تو، مولوی ہدایت علی، بریلوی مرحوم کو

بریلی سے بلاکر، مدرسۂ عالیہ، رام پور کا، مدرسِ اول، مقرّر کیا۔

مولانا فضلِ حق، رام پوری، اوقاتِ مدرسۂ عالیہ رام پور کے علاوہ

شب کے دس گیارہ بجے تک اپنے مکان پر طلبہ کو پڑھاتے تھے۔

اور پڑھانے میں بڑی دل چسپی کے ساتھ، سخت محنت بھی کیا کرتے تھے۔ اِس طرح

سیکڑوں طلبہ، آپ سے مستفیض ومستفید ہوئے۔

آپ کے چند تلامذہ کے نام، یہ ہیں:

مولوی محمد دین، مدرسِ ہزارہ۔ مولوی غلام جیلانی، مدرس تناول علاقۂ سرحد۔ مولوی عبدالعزیز، مدرسہ رمضانیہ، کلکتہ۔ مولوی فضلِ کریم، مدرسِ چکوال، پنجاب۔ مولوی حمیدالدین مدرس، نسہرہ۔ مولوی محمد صدیق، قندھاری۔ مولوی سیف اللہ، ہراتی۔ مولوی عبدالودود، بدخشانی۔ اخوندزادہ محمد دین، مدرسِ قندھار۔ مولوی احمد امین، مدرس مدرسہ عالیہ، رام پور۔ مولوی عبدالصّمد، مدرس مدرسۂ کلکتہ۔ مولوی عبدالحمید، مدرس مدرسۂ چاٹگام۔ مولوی مسلم، جون پوری۔ مولوی عبدالکریم۔ مولوی خلیل اللہ۔ مولانا سید یوسف، مدراسی، مدرس مدرسہ نعمانیہ، دہلی۔

مولوی غلام محمد، ملتانی، مدرسِ اول و مہتمِ مدرسہ انوار العلوم، رام پور۔

مدرسہ عالیہ، رام پور کی تدریس کے زمانہ میں وزیر ریاستِ بھوپال کی دعوت پر ایک سال کے لئے مولانا فضلِ حق، رام پوری نے مدرسہ سلیمانیہ، بھوپال میں بھی تدریسی خدمت، انجام دی تھی۔

شمس العلما، مولانا عبد الحق، خیر آبادی فرزند و تلمیذِ علاّمہ فضلِ حق، خیر آبادی

جب، مدرسۂ عالیہ، رام پور کے پرنسپل، مقرر ہوئے

تو، مولانا فضلِ حق، رام پوری نے، ان سے بھی معقول کی بعض اہم کتابیں پڑھیں۔

مولانا فضلِ حق، رام پوری، اس کے بعد، درجہ بدرجہ، ترقی کرتے ہوئے مدرسِ اول، مدرسہ عالیہ، رام پور، مقرر ہوئے۔

غالباً ۱۹۰۹ء یا ۱۹۱۰ء میں گورنمنٹ بنگال کی جانب سے مدرسۂ عالیہ، کلکتہ کی دعوت ملی اور ایک سال تک آپ نے مدرسہ عالیہ، کلکتہ میں بھی تعلیم دی۔

پھر، حصولِ رخصت کے لئے رام پور آئے، تو، نوابِ رام پور کا حکم ہوا کہ:

مولانا فضلِ حق، رام پوری کو، اب، رام پور سے کلکتہ، نہ جانے دیا جائے۔

چنانچہ، کلکتہ کی ڈیڑھ سو کی ملازمت، ترک کر کے آپ مدرسہ عالیہ، رام پور میں پرنسپل، مقرر ہوئے۔

اوقات، آپ کے نہایت عمدہ ہیں۔ فلسفہ کے درس و تدریس کے باوجود

کتاب و سُنّت سے اِعتقاداً و عملاً، سرِ مُو، تجاوز و تفاوت، نہیں ہے۔

امامِ اعظم ابو حنیفہ کے مقلِد ہیں۔ دین کی محبت، رگ و پے میں پیوست ہے۔

خوش اخلاق اور طلبہ پر مہربان و شفیق ہیں۔ طرزِ تفہیم، بے مثال ہے۔

آپ کی تصانیف میں سے حاشیۂ میر ایساغوجی، شرح ایساغوجی، حاشیۂ میر زاہد اُمورِ عامہ الظَّفر الحامدی، افضلُ التحقیقات فی مَسْئَلۃِ الصِّفات، شائع ہو چکی ہیں۔

(ملخصاً از ص ۳۱۷ تا ص ۳۲۰۔ ''تذکرۂ کاملانِ رام پور''۔ مؤلفہ حافظ احمد علی خاں شوق رام پوری۔ مطبوعہ ہمدرد پریس۔ کوچہ چیلان، دہلی۔ طبعِ اول ۱۹۲۹ء)

مولانا امجد علی، اعظمی، رضوی

صدرُالشَّریعہ، بدرُالطَّریقہ، مولانا حکیم مفتی محمد امجد علی، اعظمی، رضوی بن حکیم جمالُ الدین بن خدا بخش بن خیرالدین، ۱۲۹۶ھ/۷۹-۱۸۷۸ء میں محلہ کریم الدین پور، قصبہ گھوسی، ضلع اعظم گڑھ (موجودہ ضلع مئو۔یوپی) میں پیدا ہوئے۔

اپنے چچا زاد بھائی، مولانا محمد صدیق، اعظمی، تلمیذِ مولانا ہدایتُ اللہ، جون پوری سے مختلف علوم وفنون کی ابتدائی کتابیں پڑھ کر آپ ہی کے مشورے پر

مولانا ہدایت اللہ، جون پوری، تلمیذِ استاذِ مطلق، علاّمہ فضلِ حق، خیرآبادی سے اَخذِ علوم واِکتسابِ فیض کے لئے جون پور پہنچ کر، مدرسہ حنفیہ میں داخل ہوئے۔

یہاں، تکمیلِ علوم وفنون کرکے، شیخ المحدِّثین، مولانا شاہ وصی احمد، محدِّث سورتی (وصال ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء) کی خدمت میں حاضر ہوکر، مدرسۃُ الحدیث، پیلی بھیت (روہیل کھنڈ) میں، درسِ حدیث لیا۔اور سندِ حدیث سے سرفراز ہوئے۔

لکھنؤ پہنچ کر، حکیم عبدالوالی، جھوائی ٹولہ لکھنؤ سے علمِ طِب، حاصل کیا۔

۱۳۲۳ھ سے ۱۳۲۷ھ تک، حضرت محدِّث سورتی کے مدرسۃُ الحدیث، پیلی بھیت میں درس دیا۔اس کے بعد، ایک سال تک، پٹنہ (بہار) میں مَطب کیا۔

پٹنہ سے حضرت محدِّث سورتی کی ہدایت پر، بریلی پہنچ کر، دارالعلوم منظرِ اسلام، بریلی میں مدرس ہوئے۔تدریس، مطبع اہلِ سُنّت بریلی کا انتظام، جماعتِ رضائے مصطفیٰ، بریلی کے شعبۂ علمیہ کی صدارت، یہ ساری خدمات، آپ کے سپرد تھیں۔

یہیں، سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں، فقیہِ اسلام، امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی سے نسبتِ بیعت وارادت قائم کی اور اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔

۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء میں تکمیلِ "کَنزُ الْاِیمَان فِی تَرجَمَةِ الْقُرآن" از امام احمد رضا قادری برکاتی، بریلوی، آپ ہی کی مساعیِ جمیلہ کا نتیجہ ہے۔

دارُالعلوم، معینیہ عثمانیہ، اجمیر شریف اور مدرسہ حافظیہ سعیدیہ، ریاستِ دادوں (علی گڑھ) کے بھی، آپ سالہا سال تک، صدر مدرس رہے۔

اجمیر شریف وجے پور اور جودھ پور کے علاقے میں آپ کی دعوتی و تبلیغی مساعی، گراں قدر ہیں۔ رجب ۱۳۳۹ھ مارچ ۱۹۲۱ء کے اجلاسِ جمعیۃ العُلما، منعقدہ اسلامیہ کالج گراؤنڈ، بریلی کے موقع پر، آپ کے ستر (۷۰) سوالات پر مشتمل کتابچہ، بنام ''اِتمامِ حجتِ تامّہ'' مطبوعہ بریلی ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء۔ آپ کی دینی و علمی و فکری جامعیت و بصیرت کا شاہکار ہے۔

شعبانُ المعظم ۱۳۵۸ھ/اکتوبر ۱۹۲۵ء کی آل انڈیا سُنّی کانفرنس (مرادآباد)

زیرِ اہتمام، صدرُ الافاضل، مولانا محمد نعیم الدین، مرادآبادی (وصال ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) میں، آپ نے نمایاں طور پر شرکت کی۔

صدرُ الشریعہ کو، اللہ تعالیٰ نے جُملہ علوم و فنون میں مہارتِ تامّہ، عطا فرمائی تھی۔

لیکن، تفسیر، حدیث اور فقہ سے خصوصی لگاؤ تھا۔ فقہی جزئیات، ہمیشہ نوکِ زبان پر رہتیں، اِس لئے حضرت امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی نے آپ کو ''صدرُ الشّریعہ'' کا لقب، عطا فرمایا۔

''شرحِ معانی الآثار'' پر، آپ نے مبسوط حاشیہ (جو شائع ہو چکا ہے) دادوں، علی گڑھ کے قیام کے زمانے میں تحریر کیا۔ ''فتاویٰ امجدیہ'' آپ کا مجموعۂ فتاویٰ (چہار جلد) ہے ''بہارِ شریعت'' کے سترہ (۱۷) حصے، پاک و ہند میں مسلسل، شائع ہو رہے ہیں۔

بہارِ شریعت کے چھ حصے، فقیہِ اسلام، حضرت امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی کی اِصلاح و تصدیق سے مزیّن ہیں۔

بہارِ شریعت کی امتیازی خصوصیت، یہ ہے کہ:

پہلے، آیاتِ مبارکہ، پھر، احادیثِ مقدّسہ، اُس کے بعد، مسائلِ فقہیہ، بیان کیے گئے ہیں۔

صدرُ الشریعہ کے چند ممتاز تلامذہ کے نام، مندرجہ ذیل ہیں:

محدّثِ اعظم پاکستان، مولانا سردار احمد، لائل پوری۔ حافظِ مِلّت، مولانا شاہ عبدالعزیز مرادآبادی ثُمّ مبارک پوری۔ مجاہدِ مِلّت، مولانا محمد حبیبُ الرحمٰن، قادری، الہ آبادی، اُڑیسوی۔ صدرُ العُلما، مولانا سید غلام جیلانی، میرٹھی۔ مفتیِ اعظم کان پور، مفتی رفاقت حسین، مظفر پوری۔ شمس العلما، قاضی شمس الدین، جعفری، جون پوری۔ مولانا غلام یزدانی، اعظمی۔ مولانا غلام جیلانی اعظمی۔ مولانا تقدس علی خاں، بریلوی (سندھ) مولانا وقارُ الدین، پیلی بھیتی (کراچی) مولانا اعجاز رضوی، بریلوی (لاہور)، مولانا حشمت علی، پیلی بھیتی، مولانا محمد الیاس، سیالکوٹی وغیرھُم۔

حضرت مولانا محمود، قادری، رفاقتی، مظفر پوری لکھتے ہیں:

صدرُ الشریعہ، حضرت مولانا محمد امجد علی، اعظمی، جس وقت، مدرسہ حنفیہ، جون پور میں
داخل ہوئے، اُس وقت، استاذُ العلما، حضرت مولانا محمد ہدایت اللہ خاں، حنفی، فاضل رام پوری
ثُمَّ جون پوری کا آخری دَورِ حیات تھا۔

درازیِ عمر کی وجہ سے کتبِ عُلیا کی تدریس، ممتاز شاگردوں کے سپرد کر کے، خود ابتدائی
کتابوں کا درس دیتے تھے۔ حضرت صدر الشریعہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔

ان کے قریبی خاندانی بزرگ، حضرت مولانا محمد صدیق، اعظمی (حضرت مولانا غلام یزدانی
اعظمی و حضرت مولانا غلام جیلانی، اعظمی کے والدِ مکرّم)

اور حضرت مولانا سید ہادی حَسَن رشیدی کے ذِمّہ لگادیں۔

حضرت صدر الشریعہ کی محنتِ تحصیلِ علم کا شغف، ذکاوت اور قوتِ آخذہ، ملاحظہ فرما کر
حضرت فاضل رام پوری نے ان کے اسباق، اپنے پاس کر لیے۔

وہ روایت جو، متواتر، ہم تک پہنچی ہے، وہ، یہ ہے کہ حضرت فاضل رام پوری نے فرمایا:

پڑھنے والا بھی ملا تو، بڑھاپے میں ملا

حضرت صدر الشریعہ، قُدِّسَ سِرُّہٗ نے دَورۂ حدیث شریف، مدرسۃُ الحدیث، پیلی بھیت
میں، حضرت مولانا شاہ، وصی احمد، محدِّث سورتی سے کیا۔

مصباحُ العارفین، حضرت مولانا شاہ مصباحُ الحسن عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ
آستانۂ صَمدیہ پھپھوند شریف، ضلعِ اِٹاوہ (موجودہ ضلع اَوریا، اتر پردیش)

حضرت فاضلِ رام پوری سے تکمیلِ علوم و فنون کر کے دَورۂ حدیث کے لئے
حضرت محدِّث سورتی کے پاس، ان کے آخر عہد میں پہنچے۔

تو، حضرت محدِّث سورتی نے حضرت صدرُ الشریعہ کے بارے میں فرمایا:

یہاں، جو کچھ تھا، وہ، لے گیا۔"

حضرت صدرُ الشریعہ قُدِّسَ سِرُّہٗ نے ۱۳۲۶ھ کے اَواخرِ ماہِ شوال سے تدریس کا آغاز
پٹنہ رعظیم آباد (صوبہ بہار) کے عظیم دار العلوم حنفیہ سے کیا۔

یہاں ۱۳۲۷ھ شعبان تک، اُمّہاتِ کتبِ علوم و فنون کا درس دیا۔

۱۳۲۸ھ سے ۱۳۴۰ھ تک، امامِ اہلِ سنّت، اعلیٰ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کی سرپرستی و نگرانی
میں، آپ ہی کے مدرسہ اہلِ سنّت، منظرِ اسلام، بریلی شریف میں علوم و فنون کی تدریس

اور تفقُّہ میں امتیاز کی تحسین سے سرفراز ہوئے۔

حضرت صدرالشریعہ کی کیسی بصیرت والی آنکھ تھی؟ اور کیسی عمیق فکر تھی؟

اپنے ''اجمیری دَورِ تدریس'' کے شاگردوں کے بارے میں

آخر زمانۂ حیات تک فرماتے رہے کہ:

ساری عمر میں بس یہی ایک جماعت ملی ہے۔

جس کے تمام طلبہ، ذہین وفطین اور تعلیم سے غایت دل چسپی رکھنے والے ہیں۔''

(ملخصاً ص: ۱۱۰ وص ۱۱۱۔ سوانحِ رفاقتی''۔ مؤلّفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری۔

کاروانِ رفاقت۔ اسلام آباد۔ مظفر پور۔ بہار۔ طبع اول ۱۴۳۱ھ/نومبر ۲۰۱۰ء)

سبھی تلامذۂ صدرالشریعہ، بِفَضْلِہٖ تعالیٰ، علم وعمل کے جامع اور فضل وکمال کے حامل تھے

جن کی مایہ ناز شخصیات اور وقیع وعظیم دینی وعلمی خدمات

آج بھی، سَوادِ اعظم اہلِ سنّت وجماعت کے لئے سرمایۂ اِفتخار ہیں۔

بطورِ نمونہ، صرف ایک شخصیت کے تعلق سے بقلم مولانا موصوف، مختصر تأثر، درج ذیل ہے:

''حضرت استاذُ العلما (حافظِ مِلّت) علم وعمل کے قطب مینار تھے۔

مدرسہ اہلِ سنّت اشرفیہ مصباح العلوم، مبارک پور کی دینی وعلمی تعمیر وترقی میں زندگانی گذار دی۔ قانع وبے طمع تھے۔ اَسلافِ کِبار کی رَوِش پر، دینی علوم کی ترویج میں لگے رہے۔

خدمتِ اسلام کے لئے افراد سازی کا گراں بہا کارنامہ، انجام دیتے رہے۔

حضور قبلہ گاہی (حضرت مفتی محمد رفاقت حسین، اشرفی، مظفر پوری) قُدِّسَ سِرُّہٗ

خدمت دینی وعلمی میں اپنے دو رُفقائے درس:

ایک استاذُ العلما (حافظِ مِلّت، مولانا عبدالعزیز) دوسرے، محدّث اعظم، پاکستان (حضرت مولانا سردار احمد) صاحب کی وقیع خدمات کا ذکر فرماتے۔

بلاشبہ یہ دونوں، اپنے ملک میں شہر یارِ علم تھے۔''

(ملخصاً ۱۲۳ سوانحِ رفاقتی''۔ مؤلّفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری۔ کاروانِ رفاقت۔

اسلام آباد۔ مظفر پور۔ بہار۔ طبع اول ۱۴۳۱ھ/نومبر ۲۰۱۰ء)

حضرت صدرُ الشریعہ کے فرزند وتلمیذ، علّامہ عبدالمصطفیٰ، اعظمی، اَزہری (کراچی) پاکستان کے صفِ اول کے عالمِ دین ہونے کے ساتھ، جمعیۃُ العُلماءِ پاکستان کے اہم رہنما اور ممبرِ قومی اسمبلی تھے۔

دیگر صاحبزادگان میں قاری رضاء المصطفیٰ، اعظمی (کراچی) علامہ ضیاء المصطفیٰ، قادری ومولانا فداء المصطفیٰ، اعظمی ہیں۔

اوّل الذّکر دونوں حضرات کا انتقال ہو چکا ہے۔

صدرُ الشریعہ نے قیامِ بریلی کے، دَوران ۱۳۳۷ھ میں پہلا حج کیا تھا۔

دوسری بار، حج وزیارت کے ارادہ سے اپنے وطن، قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ (موجودہ ضلع مئو) سے روانہ ہو کر ممبئی پہنچے اور ممبئی میں ۲/ ذوالقعدہ ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء کو، آپ کا وصال ہو گیا۔

تدفین آپ کے وطن، قصبہ گھوسی، ضلع اعظم گڑھ (موجودہ ضلع مئو، اتر پردیش) میں ہوئی۔

شاعرِ مشرق، شفیق جون پوری نے صدرُ الشریعہ کے عرسِ چہلم کے موقع پر اپنی عقیدت کا خراج اور تحفہ، اس طرح، پیش کیا:

سلامی، جابجا ارض وسما، دیں — مہ وخورشید، پیشانی جھکا دیں
ترے خُدّام، اے صدرِ شریعت! — جدھر جائیں فرشتے، پَر بچھا دیں

مولانا یار محمد، بندیالوی

استاذ العلماء، مولانا یار محمد، بندیالوی (متولد ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء۔ بندیال ضلع سرگودھا صوبہ پنجاب۔ وصال ۲۲ر محرم ۱۳۶۷ھ/ ۶ر دسمبر ۱۹۴۷ء) بن میاں شاہنواز نے حفظِ قرآن کے بعد، ایک مقامی عالم سے فارسی پڑھی۔

مولانا محمد امیر دامانی (مؤلفِ قانونچہ امیریہ) سے صَرف ونحو اور بعض دینی کتابیں پڑھیں۔

مولانا ثناء اللہ سے موضع پنجائن ضلع جہلم (صوبہ پنجاب) سے اَلْفِیہ بن مَالِک پڑھا۔

مولانا غلام احمد، حافظ آبادی، صدر مدرس جامعہ نعمانیہ، لاہور سے فنونِ عالیہ کی تحصیل کی۔

مدرسہ جامع مسجد، فتح پوری، دہلی میں بھی کچھ تعلیم، حاصل کی۔

مولانا یار محمد، بندیالوی نے مدرسہ حنفیہ، پٹنہ، بہار میں مولانا سید عبدالعزیز، انبیٹھوی سہارن پوری، تلمیذِ علاّمہ عبدالحق، خیر آبادی سے اور آپ کے چلے جانے کے بعد اسی مدرسہ حنفیہ، پٹنہ میں مولانا محمد پُردل خاں، افغانی سے بھی تعلیم، حاصل کی۔

مزید تعلیم کے لئے حضرت امام احمد رضا، قادری، برکاتی، بریلوی کی خدمت میں بریلی حاضر ہوئے۔ آپ نے اپنی مصروفیاتِ تصنیف وتالیف اور علالتِ طبع کی وجہ سے ارشاد فرمایا کہ:

مولانا ہدایت اللہ، جون پوری سے مدرسہ حنفیہ جون پور میں تعلیم، حاصل کرنا آپ کے لئے بہتر ہے۔ وہاں، آپ تشریف لے جائیں۔"

حضرت مولانا یار محمد، بندیالوی نے رَختِ سفر باندھا۔ اور جون پور پہنچ کر آپ نے مدرسہ حنفیہ میں مولانا ہدایت اللہ، جون پوری تلمیذِ رشید، امامُ الحکمۃ والکلام، علاّمہ فضلِ حق، خیر آبادی سے مُنتہی کتب، مثلاً: اَلْاُفُقُ الْمُبِین، شرحِ اِشارات، حواشیِ قدیمہ وجدیدہ پڑھ کر، تکمیل کی۔ بعض اسباق میں، مولانا عبدالقادر، سرحدی آپ کے ہم سبق تھے۔

حضرت مولانا صوفی محمد حسین، چشتی، صابری، الہ آبادی (وصال ۸ر رجب ۱۳۲۲ھ/ ۱۹ر ستمبر ۱۹۰۴ء) خلیفۂ حضرت حاجی امداد اللہ، مہاجر مکی، چشتی، صابری (وصال ۱۳۱۷ھ۔ مکہ مکرمہ) سے سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں، بیعت ہوئے۔

اور ڈھائی سال تک، بارگاہِ شیخ میں حاضر، رہ کر کتبِ تصوف کا درس لیا۔

سلوک کے منازل، طے کیے۔اور اِجازت وخلافت سے مشرّف ہوئے۔

استاذ الاساتذہ، مولانا ہدایت اللہ، جون پوری کے انتقال کے بعد، مدرسہ حنفیہ، جون پور میں، مدرس، مقرّر رہوئے۔بعدازاں، الہ آباد، رام پور، بھوپال، ٹونک کے مدارس میں، بیس (۲۰) بائیس (۲۲) سال تک، تدریسی فرائض، انجام دینے کے بعد، وطن (پنجاب) واپس ہوئے۔

اور تقریباً تیس (۳۰) سال تک، یہاں، تشنگانِ علوم کی علمی پیاس بجھاتے رہے۔

آپ، نہایت قوِی الحافظہ تھے۔تمام علوم وفنون میں کامل وماہر تھے۔

اور فقہ میں یدِ طولیٰ، حاصل تھا۔فنِ مناظرہ میں، دَرک وکمال تھا۔تقریر وخطابت، بے نظیر تھی۔

قیامِ ہند کے دَوران ایک مرتبہ آپ کی ملاقات، دیوبندی عالم، مولانا اشرف علی، تھانوی سے ہوئی۔آپ نے تھانوی صاحب سے پوچھا کہ:

ارشادِ باری تعالیٰ: وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّھَا، میں، اَلْاَسْمَاء معرَّف بلامِ اِستغراق ہے اور کُلَّھَا سے مؤکّد ہے۔اس کا عموم، قطعی، نا قابلِ تخصیص ہے۔یہی علمِ کُلّی ہے۔

تو، جو علم، حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلام کے لئے ثابت ہے

اُسے، نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے لئے ماننا، کیوں کر، کفر وشرک ہے؟

تھانوی صاحب نے کہا: حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلام کو، صرف اَسماء کا علم دیا گیا تھا نہ کہ مُسَمّیات کا۔لِہٰذا، یہ علمِ کُلّی نہیں ہوا۔"

مولانا یار محمد، بندیالوی نے فرمایا: اس کے بعد، ارشاد ہوتا ہے:

ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلَی الْمَلٰئِکَۃِ فَقَالَ اَنْبِئُوْنِی بِاَسْمَاءِ ھٰؤُلَاءِ۔

پھر، آدم عَلَیہِ السَّلام سے فرمایا: اَنْبِئْھُمْ بِاَسْمَاءِ ھِمْ۔

اس سے صراحۃً، پتہ چلتا ہے کہ:

آدم عَلَیْہِ السَّلام کو، اَسما اور مُسَمّیات، دونوں کا علم، عطا کیا گیا تھا، نہ کہ صرف اَسما کا۔

تھانوی صاحب سے کوئی جواب، نہ بن پڑا۔

وطن، واپسی کے بعد، حضرت مولانا، یار محمد، بندیالوی نے دار العلوم اِمدادیہ مظہریہ (بندیال ضلع سرگودھا، پنجاب) قائم کیا اور اس میں درس وتدریس کے فرائض، انجام دے کر، باصلاحیت عُلما کی ایک فوج، تیار کی۔یہ دار العلوم آپ کی دینی وعلمی یادگار اور اہلِ سنّت کی عظیم درس گاہ ہے۔

استاذ الاساتذہ، مولانا یار محمد، بندیالوی سے تعلیم پانے والے سیکڑوں طلبہ میں سے

چند حضرات کے نام، درج ذیل ہیں:
مولانا حافظ عطا محمد، چشتی، گولڑوی، مولانا عبدالغفور، ہزاروی، مولانا فتح محمد، مولانا قادر بخش
مولانا عبدالرحیم (کاشغر) مولانا عبدالخالق (سوات) وَغیرھُم۔
آپ کے تلامذہ میں، سب سے زیادہ فیض رساں شخصیت، مولانا عطا محمد، چشتی، گولڑوی
استاذِ دارُ العلوم امدادیہ مظہریہ، بندیال ضلع سرگودھا، پنجاب کی ہے۔
آپ کے بالواسطہ وبلا واسطہ تلامذہ، کراچی سے پشاور تک کے مدارس میں
گراں قدر تدریسی خدمات، انجام دے رہے ہیں۔
استاذُ العلما، مولانا یار محمد، بندیالوی کا وصال ۲۲ محرم ۱۳۶۷ھ/ ۶ دسمبر ۱۹۴۷ء کو ہوا۔
بندیال ضلع سرگودھا (پنجاب، پاکستان) میں، آپ کا مزار، مرجع خلائق ہے۔
آپ کے صاحبزادگان، مولانا محمد عبدالحق و مولانا محمد فضلِ حق، اصحابِ علم و فضل ہوئے۔
(ملخصاً۔ ص ۵۷۰ تا ص ۵۷۲۔ تذکرۂ اکابرِ اہلِ سنّت۔ مؤلفہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف، قادری
مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور۔ طبع دوم ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۳ء۔ مع اضافہ)

مولانا شاہ عبد القدیر، عثمانی، بدایونی

مولانا شاہ "عاشق الرسول محمد عبد القدیر" عثمانی، قادری، بدایونی (ولادت بروز چہار شنبہ۔ ۱۱ر شوال ۱۳۱۱ھ/ ۱۷ر اپریل ۱۸۹۴ء۔ وصال بروز پنج شنبہ۔ ۳ر شوال ۱۳۷۹ھ/ ۳۱ر مارچ ۱۹۶۰ء) بن محب رسول، تاج الفحول، مولانا عبد القادر، بدایونی کا تاریخی نام "محمد ظہور الحق" ہے۔

مولانا شاہ عبد القدیر، بدایونی، ابھی آٹھ سال ہی کے تھے کہ والدِ مکرم تاج الفحول، بدایونی (وصال ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۰ء) کا ظاہری سایۂ شفقت، آپ کے سر سے اٹھ گیا۔

برادرِ بزرگ، مولانا شاہ محمد عبد المقتدر، بدایونی کے سایۂ عاطفت میں آپ کی پرورش ہوئی۔ جنھوں نے آپ کی تعلیم و تربیت کی طرف، خصوصی توجہ فرمائی۔

۱۳۳۱ھ تک، برادرِ بزرگ، مولانا شاہ عبد المقتدر ہی کی خدمت میں مولانا شاہ عبد القدیر تحصیلِ علوم و فنون کرتے رہے۔ اِس دَوران، حافظ غوثی شاہ، مولوی سید الطاف علی، مولوی سید عبد الحیٔ سے بھی ابتدائی تعلیم پائی۔

درسِ نظامی کی کتبِ متداولہ، مولانا فضلِ احمد، قادری و مولانا محب احمد، قادری و مولانا حبیب الرحمٰن، قادری اور مولانا حافظ بخش، قادری سے بھی اِکتساب و اِستفادہ کرتے رہے۔

سلسلۂ خیر آباد کے معروف و جلیل القدر اساتذہ اور علاَّمہ عبد الحق خیر آبادی، فرزند و تلمیذ علاَّمہ فضلِ حق، خیر آبادی کے سلسلۂ علم کے مشہور تلامذہ، مولانا سید عبد العزیز، انبیٹھوی، سہارن پوری و مولانا حکیم سید برکات احمد، ٹونکی تلامذۂ علاَّمہ عبد الحق، خیر آبادی کی درس گاہ سے بھی مولانا شاہ عبد القدیر بدایونی نے تعلیم پائی۔

اِس سلسلے میں مولانا اُسید الحق محمد عاصم، قادری، بدایونی اپنے جدِّ اَمجد کے بارے میں مولانا محمد عبد الهادی، قادری، فرزندِ مولانا شاہ عبد القدیر، بدایونی کی ایک تحریر پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مولانا عبد العزیز، انبیٹھوی کی درس گاہ میں آپ کی تعلیم کے آغاز کا واقعہ دل چسپی سے خالی نہ ہوگا۔

"استاذ، مولانا سید عبد العزیز صاحب کی خدمت میں حاضری دی۔

اُنھوں نے پوچھا: کون ہو؟ کیوں آئے ہو؟

انھوں نے عرض کیا: بدایوں سے پڑھنے آیا ہوں۔
بدایوں کا نام سن کر، وہ چونکے۔ والد کا نام پوچھا۔ اِنھوں نے بتایا: مولوی عبدالقادر، قادری۔
سید عبدالعزیز، انبیٹھوی صاحب نے فرمایا: تمہارے والد، میرے استاذ کے استاذ بھائی
تھے۔ انھوں نے اتنا پڑھ لیا ہے کہ سات پشتوں تک کافی ہے۔ اب تم، کیا پڑھو گے؟
''اَلْمولوی'' (مولانا عبدالقدیر، بدایونی) نے عرض کیا:
آپ، پڑھائیں گے تو، میں بھی، پڑھا ہوا، ہو جاؤں گا۔''
سید صاحب نے پوچھا: ابھی تک کیا کرتے رہے ہو؟
انھوں نے کہا: درسیات کی تکمیل، گھر پر ہی کی۔
پھر، حکیم سید برکات احمد صاحب کے پاس، ٹونک چلا گیا۔
استاذ ہنسے اور فرمایا: یہ تو، مان سکتا ہوں کہ استاذ نے بڑھاپے میں خدمت گار رکھ لیا تھا۔
ورنہ، برکات کا علم سے کیا تعلق؟
اَلْمولوی (مولانا عبدالقدیر، بدایونی) نے عرض کیا: آپ استاذ بھائی ہیں۔ ایک دوسرے
کو، جو چاہیں، کہہ سکتے ہیں۔ مگر، میں تو، حکیم صاحب کا شاگرد ہوں۔ میرے سامنے کچھ نہ فرمائیں۔''
سید صاحب خوش ہو گئے۔
فرمایا: ادب جانتے ہو۔ شاید پڑھ جاؤ۔ مگر، میں، بڑی کتابیں، نہیں پڑھاتا۔
اَلْمولوی (مولانا عبدالقدیر، بدایونی) نے عرض کیا:
جو کتاب آپ کہیں گے، وہی پڑھوں گا۔ مجھے تو، آپ سے پڑھنا ہے۔''
سید صاحب نے فرمایا: ''ایساغوجی'' لاؤ (منطق کا پہلا قاعدہ)
دوسرے روز، ایساغوجی لے کر پہنچے۔
پوچھا: کون سی کتاب لائے؟ عرض کیا: جو آپ نے فرمائی تھی۔ وہی لایا ہوں، ایساغوجی۔''
انھوں نے پڑھانا، شروع کیا۔ پہلی کتاب میں وہ مطالب، بیان کرنا شروع کیے
جو، بڑی سے بڑی کتابوں ہی میں ملتے ہیں۔
درس ختم ہوا تو، فرمایا۔ کل سے اپنی پسند سے جو کتاب چاہو، لاؤ۔''
(ص ۵۳۔ ''احوال ومقامات''۔ بحوالہ ص ۱۷۱ و ۱۷۲۔ ''خیر آبادیات'' مؤلفہ مولانا اسید الحق محمد عاصم
قادری بدایونی۔ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں۔ ۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱ء)

مولانا شاہ عبدالقدیر، بدایونی اپنے برادرِ بزرگ، مولانا عبدالمقتدر کے دامنِ کرم سے وابستہ اور آپ ہی کے مُرید تھے۔ جمادیٰ الاولیٰ ۱۳۳۱ھ میں آپ کو اپنے برادرِ بزرگ کی طرف سے اجازت وخلافت ملی۔ ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۵ء میں برادرِ بزرگ کے وصال کے بعد، مولانا شاہ عبدالقدیر، بدایونی نے اپنے آبائی سجادۂ قادریہ، مجیدیہ، بدایوں کو، زینت ورونق بخشی۔

تقریباً ۱۹۲۱ء سے، ریاستِ حیدرآباد میں مولانا شاہ عبدالقدیر بدایونی کا قیام رہا۔

جس کا سلسلہ سقوطِ حیدرآباد (۱۹۴۹ء) تک، جاری رہا۔

آپ، ریاستِ حیدرآباد کی طرف سے ''مفتیِ اعظم عدالتِ عالیہ، حیدرآباد'' کے عہدۂ جلیلہ پر، فائز تھے۔ ۱۹۵۰ء میں حیدرآباد کی جگہ، بدایوں، دوبارہ آپ کا مرکزِ توجہ بنا۔

مفتی وشیخِ طریقت ہونے کے ساتھ، مسلمانانِ ہند کے قومی ومِلّی واجتماعی اُمور ومعاملات سے آپ کو گہری دل چسپی رہی اور مختلف مسائل وتحریکات میں، سرگرمِ عمل رہے۔

تحریکِ خلافت (۱۹۱۹ء) وتحریکِ عدمِ تعاون (۱۹۲۰ء) میں

آپ نے نمایاں اور سرگرم کردار ادا کیا۔

مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفرپوری لکھتے ہیں:

''انگریزوں کے خلاف لڑائی میں کافی حصہ لیا۔ مولانا عبدالباری، فرنگی محلی، مولانا سید فضل الحسن، حسرت موہانی، مولانا سید مصباح الحسن، پھپھوندوی قُدِّسَتْ اَسْرَارُهُمْ رُفقائے خصوصی تھے۔

کاکوری شریف کے مشہور کیس کی آپ نے پوری رہنمائی کی۔ مولانا قطب الدین عبدالوالی فرنگی محلی کے ساتھ، صوبۂ سرحد کا دَورہ کیا۔ انگریزی حکومت کی دست درازی سے دیسی ریاستوں کو بچانے اور محفوظ رکھنے کے لئے لاہور میں، کل ہند کانفرنس بلائی اور خطبۂ صدارت پڑھا۔

مسجد شہید گنج (لاہور) کی واپسی کے لئے حضرت مولانا سید جماعت علی شاہ محدّث علی پوری (سیالکوٹی) نے جدوجہد کی، آپ نے ان کی پوری مدد کی۔

انگریزوں نے عرب اکثریت کا توازن برباد کرنے کے لئے اَرضِ مقدس میں باہر سے یہودیوں کو لاکر آباد کرنا شروع کیا اور عربوں نے ان کے خلاف، صدائے اِحتجاج، بلند کی تو، حالات کا مشاہدہ کرنے کے لئے آپ نے ہندوستان کے نمائندہ کی حیثیت سے فلسطین کا سفر کیا۔

مفتیِ اعظمِ فلسطین، سید امین الحسینی نے عربی یونیورسٹی کے لئے ہندوستان کا دَورہ کیا

تو، ان کے ترجمان اور سکریٹری کا کام کیا۔

.........دو بار، حج وزیارت سے مشرّف ہوئے۔ اندرونِ خانۂ کعبہ کے غسل میں شرکت کی۔ حرمِ نبوی اور روضۂ مطہّرہ کی خلوتِ خاص میں، باریاب ہوئے۔

دربارِ غوثِ اعظم (بغداد شریف) کی حاضری، معمولات سے تھی۔

آپ، سب سے پہلے عالم و بزرگ ہیں

جن کو، دربار شریف (بغداد مقدسہ) میں، امامت و خطابت کا اِعزاز ملا۔

اسی طرح، مفتیِ اعظمِ فلسطین، سید امین الحسینی کے اِصرار پر آپ نے مسجد اقصیٰ میں جمعہ کا خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔"

(ص ۱۵۰ و ص ۱۵۱۔ ''تذکرۂ عُلماے اہلِ سنّت''۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری۔ مطبوعہ کان پور ۱۹۷۱ء)

سید محمد حسین، سید پوری، آپ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ:

''اپنے پدرِ عالی قدر (تاج الفحول) اور اخِ مکرّم، مولانا شاہ عبدالمقتدر صاحب، بدایونی سے پڑھا۔ بعد آٹھ برس کی عمر کے، جب والد صاحب کا وصال ہو گیا

تو ۱۳۳۱ھ تک، صرف بھائی صاحب سے تحصیل و تکمیل کی۔

بہ مقامِ ٹونک (راج پوتانہ) تین ماہ تک معقول و منقول کا، جناب مولانا سید برکات احمد صاحب (ٹونکی) سے مطالعہ کیا۔ اس کے بعد، کتبِ معقول مولوی سید عبدالعزیز صاحب انبیٹھوی سے جو مولانا عبدالحق صاحب، خیر آبادی کی یادگار ہیں، اَخذ فرمائیں۔

سید صاحب نے نہایت فخر و مباہات کے ساتھ، آپ کو تعلیم دی۔

اور چند ماہ بعد ہی، اجازت، درس کی، عطا فرمائی۔

............۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ، بہ تقریبِ عرسِ حضرت تاج الفحول بدایونی حسبِ فرمائشِ جناب مولانا سید شاہ اسمٰعیل حَسَن صاحب، مارہروی

مولانا عبدالمقتدر صاحب نے آپ کو اور مولوی حکیم عبدالماجد صاحب بدایونی کو اجازت و خلافت تحریری و زبانی، عطا فرمائی۔

(ص ۱۴۶۔ مظہر العُلماء و تراجم الکُملاء۔ غیر مطبوعہ۔ بحوالہ ص ۴۷۔ ''تذکرۂ خانوادۂ قادریہ''۔ مرتّبہ مولانا عبدالعلیم، قادری، مجیدی۔ مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں، شوال ۱۴۳۳ھ ر ستمبر ۲۰۱۲ء)

خیر آبادی اساتذہ و طلبہ کے باہمی علاقۂ محبت و شفقت و عقیدت کا ذکر کرتے ہوئے

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری، بدایونی لکھتے ہیں:

راقم الحروف کے دادا، عاشق الرسول، مولانا عبدالقدیر، قادری، بدایونی بھی
حکیم سید برکات احمد، ٹونکی (تلمیذِ مولانا عبدالحق، خیرآبادی) کے تلمیذ ہیں۔
اپنے مشائخِ طریقت اور اساتذہ کی نسبتوں کے احترام میں آپ بھی، ایک الگ شان رکھتے ہیں۔
استاذ زادہ کے ادب و احترام کا ایک واقعہ، عمِ مکرم، حضرت عبدالمجید اقبال قادری صاحب
(مقیم کراچی) نے سنایا۔ انھوں نے فرمایا کہ:

غالباً ۱۹۵۷ء، یا ۱۹۵۸ء میں، جب حضرت عاشق الرسول، آخری بار، کراچی تشریف لائے
تو، صدیق بھائی کے گھر، قیام پذیر تھے۔
صحت، بہت خراب تھی۔ بغیر سہارے کے خود سے، اُٹھ بھی نہیں سکتے تھے۔
مریدین و متوسلین کا مجمع تھا۔ اِسی درمیان، حکیم سید محمود احمد، برکاتی، ٹونکی (جو، اُس وقت
نوجوان تھے) آئے اور مصافحہ کر کے ایک کونے میں خاموشی سے بیٹھ گئے۔
کافی دیر کے بعد کسی نے حضرت کو بتایا کہ:
''مولانا برکات احمد، ٹونکی کے پوتے، یہاں تشریف فرما ہیں۔''
یہ سنتے ہی، حضرت اپنی تمام تر کمزوری کے باوجود، کھڑے ہوئے۔
حکیم صاحب کو آگے بلایا۔ دست بوسی کی اور فرمایا کہ:
صاحب زادے! آپ نے اپنا تعارف بھی نہیں کرایا۔
اگر، آپ، ایسے ہی اٹھ کر چلے جاتے تو، میں، قیامت میں استاذ کو کیا جواب دیتا؟

اِس واقعہ کی جانب، خود حکیم سید محمود احمد برکاتی نے بھی مختصراً، اشارہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:
''۱۹۵۷ء میں، آخری بار، کراچی تشریف لائے تھے۔
میں، ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو، مفلوج ہونے کے باوجود، دوسروں کا سہارا لے کر
مجھے تعظیم دی۔ صرف، مولانا سید برکات احمد کی صُلبی نسبت کی بنا پر۔''

(ص ۷۹۔ ''مولانا حکیم سید برکات احمد! سیرت اور علوم''۔ مؤلفہ حکیم سید محمود احمد، برکاتی، ٹونکی (کراچی)
برکات اکیڈمی۔ کراچی ۱۹۹۳ء)

جب، استاذ اور استاذ زادوں سے ''خیرآبادیوں'' کے عشق و محبت اور ادب و احترام کا
ذکر چل رہا ہے تو، یہاں، یہ واقعہ بھی، بے محل، نہ ہوگا کہ:

۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء میں، خانقاہِ عالیہ صَمدیہ، پھپھوند شریف (ضلع اٹاوہ۔ یوپی) میں
حضرت مولانا سید محمد اکبر میاں، چشتی، پھپھوندوی کی دستار بندی کا جلسہ تھا۔

جس میں اپنے وقت کے اَجِلّہ عُلما تشریف فرما تھے۔

مگر، جلسہ کی صدارت کے لیے بانیِ محفل حضرت خواجہ، مصباح الحسن، چشتی رَحْمَةُ اللّٰہِ عَلَیْہ
نے حضرت عاشق الرسول، مولانا عبدالقدیر بدایونی کا نام پیش کیا۔ اور اس کی وجہ بھی
خود ہی، بیان فرما دی۔ جلسہ کی روداد کے مرتب، حکیم ظہیر السجاد لکھتے ہیں:

''جلسہ کی صدارت کے واسطے، حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر صاحب بدایونی کا نامِ نامی
اِس مختصر تقریر کے بعد، پیش فرمایا:

حضرات! اِس قصبہ پھپھوند میں مسلمانوں کو جس ذاتِ اَقدس کی وجہ سے علم و مذہب سے
ذوق و شوق پیدا ہوا، وہ، میرے حضرت قبلۂ عالَم (مولانا سید شاہ عبدالصَّمد، چشتی، سَہسوانی)
رَضِیَ اللّٰہ تَعَالیٰ عَنْہُ کی ذاتِ اَقدس تھی۔

چوں کہ میرے حضرت قبلۂ عالَم نے تمام تر فیضِ علم، تاجُ الفحول، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر
(بدایونی) صاحب سے حاصل فرمایا، جو، حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر صاحب کے والد ماجد تھے۔

پس! میں نے، اِسی لحاظ سے حضرت مولانا (عبدالقدیر، بدایونی) کا نامِ نامی پیش کیا ہے۔''

(ص ۳۸۔ یوم فضیلت۔ ظہیر السّجاد، چشتی۔ مشمولہ ''ملفوظ مصابیح القلوب''۔ انتظامی پریس، کان پور ۱۹۵۷ء)

اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ:

خیرآبادی سلسلے میں، نہ صرف تلامذہ، اپنے استاذ اور استاذ زادوں کا لحاظ فرماتے تھے
بلکہ تلامذہ کے اَخلاف و جانشین بھی، اپنے اکابر کے استاذ زادوں کا ادب و احترام فرماتے تھے۔''

(ص ۶۰ و ص ۶۱۔ ''خیرآبادیات''۔ مؤلّفہ مولانا اسید الحق محمد عاصم، قادری، بدایونی۔ تاج الفحول اکیڈمی۔
بدایوں۔ طبع اول ۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱ء)

اپنے جلسۂ دستار بندی، پھپھوند شریف ۱۹۵۷ء کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مولانا سید
محمد اکبر، چشتی، سجادہ نشین خانقاہ چشتیہ صمدیہ، پھپھوند شریف ضلع اٹاوہ، تحریر فرماتے ہیں:

''۱۳۷۶ھ میں، حضور قبلۂ عالَم، صدرِ مجلس عُلمائے اہلِ سنّت، حافظِ بخاری، خواجۂ بیکس نواز
سید شاہ عبدالصَّمد، مودودی، چشتی قُدِّسَ سِرُّہٗ النُّورَانِی کے عرس کے موقع پر، میری دستار بندی تھی۔
جس میں، اُس زمانے کے بڑے بڑے عُلمائے کرام تشریف لائے تھے۔ حضرت مفتیِ اعظم

(بریلی شریف) بھی، پہلی بار جلسۂ دستار بندی میں پھپھوند شریف تشریف لائے تھے۔
جب مجھے، پہلی مرتبہ، ملاقات کا شرف، حاصل ہوا۔"

(ص ۳۹۳۔ "جہانِ مفتیِ اعظم"۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء)

حضرت مولانا شاہ عبد القدیر، بدایونی کے مرضِ وصال کا ذکر کرتے ہوئے، مولانا احمد حسین قادری، گنّوری، بدایونی لکھتے ہیں:

"بِالآخر، وقتِ موعود آپہنچا۔ ۳ر شوال (۱۳۷۹ھ) کو، ظہر کی نماز ادا کر کے سینے پر، ہاتھ باندھے باندھے، بآوازِ بلند "یا معبود" فرما کر، وصال فرمایا۔

پورا مکان، عجب نور اور خوشبو سے بھر گیا۔

چہرۂ مبارکہ، ایسا نورانی اور متبسم تھا کہ الفاظ، بیان کرنے سے قاصر ہیں۔

اِس خبر سے، سارے شہر (بدایوں) میں کہرام مچ گیا۔ ہزار ہا بندگانِ خدا، خبر ملتے ہی مدرسہ قادریہ (بدایوں) میں آگئے ۔ ۴ر شوال (۱۳۷۹ء) کو بعدِ جمعہ، حسبِ معمول، عیدگاہِ شمسی (بدایوں) میں، نمازِ جنازہ، آپ کے صاحبزادے، حضرت شیخ سالم میاں نے پڑھائی۔

اور عصر و مغرب کے درمیان، حضور کی میت شریفہ آپ کی آخری آرام گاہ درگاہ قادریہ (بدایوں) پہنچا دی گئی۔

اور سرکار، صاحبُ الاقتدار (مولانا شاہ عبد المقتدر، بدایونی) کے پہلو میں، تدفین ہوئی۔

(ص ۶۵۔ "اکابرِ بدایوں"۔ مؤلفہ مولانا احمد حسین، قادری، گنوری، بدایونی۔ تاج الفحول اکیڈمی۔ بدایوں۔ طبعِ جدید جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ/ مارچ ۲۰۱۳ء۔ طبعِ اول ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء)

خواجہ سید مصباحُ الحسن، چشتی، پھپھوندوی

خواجہ سید مصباحُ الحسن، چشتی، پھپھوندوی (ولادت ۷ر جمادیٰ الاولیٰ ۱۳۰۴ھ۔ ۱۸۸۷ء۔ وصال رمضان ۱۳۸۴ھ) فرزند و تلمیذِ "حافظِ بخاری"، خواجہ، سید عبدالصّمد، مودودی، چشتی سَہسوانی و تلمیذ مولانا ہدایت اللہ، جون پوری و مولانا وصی احمد، محدّث سورتی بڑے جلیلُ القدر عالم اور متصلّب و متدیّن شیخِ طریقت تھے۔

آپ نے قرآن شریف اپنے والدِ محترم، حافظِ بخاری کے جاں نثار مُرید حافظ اخلاق حسین، پانی پتی (فرزندِ خواجہ الطاف حسین حالؔی) سے ختم کیا۔ حافظ اخلاق حسین نے اپنی زندگی، پھپھوند ضلع اٹاوہ (اتر پردیش، انڈیا) ہی میں گذاری۔ اور وہیں، مدفون بھی ہوئے۔

خواجہ سید مصباحُ الحسن، مودودی، چشتی نے مولانا محمد ابراہیم، بدایونی، فرزندِ مولانا محب احمد بدایونی سے پھپھوند میں ہی کافیہ، شرح جامی، شرحِ وقایہ، شرحِ تہذیب تک پڑھا۔ درمیان میں بعض کتابیں، مولانا سید اخلاص حسین، سہسوانی اور مولانا حکیم مومن سجاد، کان پوری سے بھی پڑھیں۔

اس کے بعد کی تعلیم کے بارے میں "ملفوظِ مصابیحُ القلوب" (۱۳۷۶ھ) طبعِ اول ۱۳۷۷ھ کے مرتّب، مولانا ظہیر السّجاد، نبیرۂ مولانا حکیم، مومن سجّاد، کان پوری، تحریر فرماتے ہیں:

"اور آخر میں مُلّا حَسَن، نورُالانوار، شرحِ وقایہ، حضرت قبلۂ عالم (حافظِ بخاری، خواجہ) سید عبدالصّمد، مُودودی، چشتی، سَہسوانی، رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے پڑھیں۔

بعدہٗ، حضرت قبلۂ عالم نے اپنے وصال سے چند ماہ پیشتر، ماہ صفر المظفّر ۱۳۲۳ھ میں استاذُ العلما، امامِ معقول و منقول، حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب، رام پوری رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ، جو، امامُ المَعقولات، حضرت مولانا فضلِ حق، خیر آبادی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کے ارشد تلامذہ میں تھے، اُن کی خدمت میں جون پور، بغرضِ تعلیم، روانہ فرمایا۔

وقتِ روانگی، جو نصیحت فرمائی، وہ، حضرت قبلۂ عالم کے حالاتِ وفات میں، مرقوم ہوئی۔

چنانچہ، آپ نے تین (۳) برس، حضرت مولانا (ہدایت اللہ، جون پوری) کی خدمت میں رہ کر، کتبِ معقول و فلسفہ اور اصولِ فقہ، ختم فرمائیں۔

نیز،اسی،دَوران میں مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری سے بعض پچھلی کتابوں کی تکرار کی۔
جون پور سے فارغ ہونے کے بعد، شیخ المحدّثین، مولانا وصی احمد محدّث سورتی رَحْمَةُ اللّٰهِ
عَلَيْهِ کی خدمت میں، پہلی بعیت، حاضر ہوکر،اور تین سال قیام فرما کر،علمِ حدیث وتفسیر،حاصل فرمایا۔
پھپھوند، واپس آنے کے بعد،مولانا حکیم مومن سجّاد (کان پوری) صاحب سے
"عَوَارِفُ الْمَعارف" پڑھی۔
اِس طرح، آپ نے ۱۳۲۸ھ میں،علمِ ظاہر سے فراغ،حاصل فرمایا۔
(ص ۲۶۴ وص ۲۶۵۔ "ملفوظِ مصابیح القلوب"۔حصہ دوم۔مؤلّفہ ظہیر السجّاد، کان پوری۔طبعِ دوم:۔ ۱۴۲۰ھ
/۱۹۹۹ء، مکتبہ صَمدیہ۔آستانہ عالیہ صَمدیہ، پھپھوند شریف۔ضلع اَوریّا (سابق ضلع اٹاوہ) صوبہ اتر پردیش۔انڈیا)
والدِ محترم، حافظِ بخاری، اپنے وطنِ اصلی، قصبہ سَہسوان، بدایوں سے ربیعُ الآخر ۱۲۹۳ھ میں
پھپھوند،تشریف لاکر، مستقل طور پر مقیم ہوگئے تھے اور یہیں، آپ کا وصال (۱۳۲۳ھ) ہوا۔
مرقدِ مبارک، پھپھوند شریف ضلع اٹاوہ (موجودہ ضلع اَوریّا) میں، مَرجعِ خواص وعوام ہے۔
حافظِ بخاری (وصال ۱۷ر جمادیٰ الاخریٰ ۱۳۲۳ھ) نے اپنے فرزندِ عزیز، سید مصباحُ الحسن
کو، پھپھوند شریف سے جون پور بغرضِ تعلیم، رخصت کرتے ہوئے جو قیمتی ناصحانہ کلمات
ارشاد فرمائے تھے، اُن کا ذکر کرتے ہوئے جامعِ حالات، ظہیر السجاد، کان پوری، بیان کرتے ہیں:
"محرم ۱۳۲۳ھ کا جب چاند نکلا تو، حضرت قبلۂ عالم (حافظِ بخاری، سید شاہ عبدالصّمد
مودودی، چشتی، سَہسوانی) نے، میرے حضرت، مُرشدی ومولائی (خواجہ سید مصباحُ الحسن
پھپھوندوی) مُدَّ ظِلُّـهُ الْعَالِی کو، بغرضِ تعلیم، امامِ معقول ومنقول، حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں
صاحب، جون پوری رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ کی خدمت میں، جون پور، روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔
متوسّطات تک، معقول ومنقول کی تعلیم، یہیں، مکان پر ہوئی تھی۔
شرحِ وقایہ، نورُالانوار، مُلّا حَسَن، میبذی وغیرہ، خود، حضرت قبلۂ عالم (حافظِ بخاری) نے
پڑھائی تھی۔حضرت مولانا (ہدایت اللہ، جون پوری) صاحب قبلہ کو
حضرت قبلۂ عالم نے اس سے مطلع فرمایا۔
روانگی سے ایک روز قبل، بعدِ مغرب، حضرت قبلۂ عالم (حافظِ بخاری) نے
میرے حضرت (خواجہ سید مصباحُ الحسن) کو، طلب فرما کر، ارشاد فرمایا کہ:
"میر سید شریف، رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، جب، طالب علمی کے لئے گھر سے چلے

تو، جہاں، انھوں نے تعلیم، حاصل کی، ایک گھڑا، رکھ لیا۔
جب، مکان سے کوئی تحریر جاتی تھی، اُسے، بلا پڑھے ہوئے گھڑے میں ڈال دیتے تھے۔
جب، فارِغُ التحصیل ہو گئے، تو، تمام تحریرات نکالیں۔
جس پر رونا تھا، روئے۔ اور جس پر ہنسنا تھا، ہنسے۔
تم، علم، حاصل کرنے جا رہے ہو۔
لِہٰذا، یہاں، کوئی، مَرے کہ زندہ رہے، تم، اپنے کام سے کام رکھو۔
اور، مولانا (ہدایتُ اللہ، جون پُوری) صاحب کو، راضی رکھنا، اپنا فرض سمجھو۔"
(ص ۱۴۷ تا ص ۱۴۸۔ "ملفوظِ مصابیح القلوب"، حصہ اول مؤلّفہ ظہیرِ السجّاد۔ مکتبۂ صَمدیہ، پھپھوند شریف)
حضرت حافظِ بخاری نے اپنے صاحب زادہ، سید مصباحُ الحسن کو، بغرضِ تعلیم
جون پور بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو، بغرضِ اِستصواب، ایک گرامی نامہ، جون پور بھیجا۔
حافظِ بخاری کے اس مکتوب گرامی کے جواب میں، استاذُ العلما، جون پوری کا
جو صحیفۂ گرامی، صادر اور پھر، موصول ہوا، اُس کی نقل، ملاحظہ فرمائیں:
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم۔
حَامِداً وَّمُصَلِّياً۔
خط ملا، یا۔ نعمتِ کونین، تجھ کو مل گئی   اے دلِ محزون بتا، تو، کچھ مسرت کا سبب؟
مَجْمَعُ الْعُلُومِ وَالْبَرَكَاتِ، مَنْبَعُ الْبِرِّ وَالْحَسَنَات، حضرت مولانا سید شاہ عبدالصّمد
صاحب، دَامَتْ بَرَكَاتُكم! اَرمغانِ سلام کہ، بہ ازاں متاع، بہ کشورِ اسلام، نیست، موصول باد۔
حضرت کا گرامی نامہ، وارِد ہوا۔ کتنی مسرت، کس قدر بہجت، حاصل ہوئی؟
یہ تو، اِحاطۂ تحریر سے، باہر ہے۔ رہا، یہ کہ اس یاد فرمائی کا شکریہ، ادا کروں؟ سو، یہ بھی، ناممکن ہے۔
ہاں! اپنی خوش نصیبی پر، جس قدر، ناز کروں، بجا ہے۔
اس سے بڑھ کر، اب اور کیا ہو سکتا ہے کہ، مولیٰ اپنے بندہ کو، یاد رکھے اور اس کی حالت پُرسی کرے؟
یہ تو، مجھے، کہیں اور یاد، رہ جانے کی امید، دلا رہی ہے۔
کل کے روز، میدانِ محشر میں، اپنے جَدِّ اَمجد، نبی کریم، عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِيم کے
حضور میں، جہاں، اتنا فرما دیا کہ: یہ فلاں، میرا ہے۔
پھر، کیا ہے۔ کشتی، پار ہے۔

دارَم زِغم، بیماری، بیمارِ غم را، یاد، داری
گر، تو، کنی غم خواری، ازغم، چہ باک؟ اے نازنین

اور سب سے بڑھ کر، خوشی کی بات تو، یہ ہے کہ آپ نے اب، سند بھی دینی چاہی۔
سُبْحٰنَ اللّٰہ! بھلا، میرے نصیب، ایسے کہاں کہ، اپنے آقا کی خدمت کا فخر، حاصل کرسکوں؟
یہ عین سعادتِ بخت ہے کہ خود بخود، وسیلۂ نجات پیدا ہو گیا۔ ع
بریں مژدہ، گر، جاں فشانم، رَوا ست
مولانا! آپ، حضرت صاحبزادہ صاحب کو، روانہ فرمایئے۔
اور ضرور، مجھے، اس دولتِ بے بہا سے، مالا مال ہونے کا موقع دیجیے۔
یہ بے بضاعت، صاحبزادہ صاحب سَلَّمَہٗ کی خدمت، دستاویزِ شفاعت، سمجھتا ہے۔
قیامت کے روز، جب، ربُّ الْعِزَّت جَلَّ جَلَالُہٗ، یہ سوال فرمائے گا کہ:
میرے دربار میں، کون سا تحفہ لائے؟
تو، صاحبزادہ صاحب کو، پیش کردوں گا۔
اور عرض کردوں گا کہ:
مایۂ ریاضت لایا ہوں، نہ سرمایۂ اِطاعت۔
ہاں! تیرے محبوب کے فرزند کی کچھ دنوں، خدمت کی ہے۔
بس! یہی پونجی ہے، یہی تحفہ اب، بوسیلہ، اس کے، میری نجات فرما۔"
تعلیم کی جانب سے آپ، مطمئن رہیں۔ مفید اور ضروری علوم کی طرف، توجہ دلائی جائے گی۔
اللہ بس، باقی ہَوس۔ بندہ، محمد ہدایتُ اللّٰہ عُفِیَ عَنْہُ۔
از جون پور۔ مدرسہ حنفیہ۔ (موصولہ آخر عشرۂ صفر المظفر ۱۳۲۳ھ)
(ص ۸۱، ۸۲۔ "ملفوظِ مصابیح القلوب"، حصہ اول۔ مؤلفہ ظہیر السجاد۔ طبع دوم ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء۔
مکتبۂ صمدیہ۔ آستانۂ عالیہ۔ پھپھوند شریف ضلع اوریا۔ اتر پردیش)

حضرت حافظِ بخاری کے چہیتے مرید و خلیفہ اور ملفوظِ مصابیح القلوب کے مؤلف ظہیر السجاد کے دادا، حکیم مومن سجاد، کان پوری کے نام، اسی طرح کے ایک مکتوب کے جواب میں استاذ المحدثین مولانا وصی احمد، محدث سورتی ثم پیلی بھیتی قُدِّسَ سِرُّہٗ تحریر فرماتے ہیں:
عزیزی، سید مصباح الحسن، سَلَّمَہُ اللّٰہُ وَاَصْلَحَ حَالَہٗ فِی السِّرِّ وَالْعَلَن۔..........

اگر، تحصیلِ علم کے شائق ہیں، تو، میں حسبِ اِستعداد و اِستطاعت
ان کی تعلیم کے لئے بسروچشم، موجود ہوں کہ: وہ، میرے ایسے دوست کے جگر پارہ ہیں
جن کے کمالِ صلابتِ دینی وحمایتِ مذہبی کا، مَیں، غلامِ زَرخرید ہوں۔
اور، دل سے چاہتا ہوں کہ:
صاحب زادہ صاحب کو بھی، یہ دولتِ عُظمیٰ ومنقبتِ اَسنیٰ، نصیب ہو۔
اور جس طرح، وہ، صدر نشینِ مسندِ حمایتِ سنّت، اس مذہب میں، شہرۂ آفاق رہے
اُسی طرح، ان کے خَلفِ صدق، زیب، سجادہ کو بھی، یہ فضیلت، حاصل ہو۔''
(اِنتھی بِقَدَرِ الضَّرُورَۃِ۔ مؤلّف)

(ص ۸۸۔ ''ملفوظِ مصابیح القلوب''، حصہ اول، مولفہ: ظہیر السجّاد، نبیرۂ حکیم مومن سجّاد، کان پوری۔
طبعِ دوم ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء۔ مکتبہ صَمدیہ، پھپھوند شریف)

حضرت سید شاہ مصباح الحسن، مَودودی، چشتی، پھپھوندوی کے فارغ التحصیل ہونے کے
بارے میں، مولانا ظہیر السجّاد لکھتے ہیں کہ
''یہاں (جون پور) سے فارغ ہونے کے بعد، شیخ المحدِّثین، حضرت مولانا وصی احمد، محدِّث
سورتی رَحمَۃُ اللّٰہِ عَلَیہِ کی خدمت میں، پیلی بھیت حاضر ہوکر
اور تین (۳) سال، قیام فرما کر علمِ تفسیر وحدیث، حاصل فرمایا۔
پھپھوند، واپس آنے کے بعد، مولانا حکیم مومن سجاد صاحب سے ''عوارِفُ المعارف'' پڑھی۔
اِس طرح، آپ نے ۱۳۲۸ھ میں علمِ ظاہر سے فراغ، حاصل فرمایا۔''
(ص ۲۶۵۔ ''ملفوظِ مصابیح القلوب''، حصہ دوم)

جون پور پہنچ کر، سید شاہ مصباح الحسن، بڑے اِنہماک ودل چسپی کے ساتھ
مصروفِ تعلیم تھے اور ابھی، پانچ ماہ ہی گذرے تھے کہ:
حضرت حافظِ بخاری پر، اچانک فالج کا حملہ ہوگیا۔ یہ حادثہ، جمادیٰ الاخریٰ ۱۳۲۳ھ کا ہے۔
پھپھوند شریف سے آپ کی والدہ ماجدہ اور حضرت حافظِ بخاری کی اہلیہ محترمہ نے
فوراً، مولانا حافظ محمد اسمٰعیل، محمود آبادی کو جون پور بھیجا کہ:
وہاں، حادثہ کی اطلاع دے کر، سید مصباح الحسن کو، اپنے ساتھ، پھپھوند، واپس لائیں۔
آپ کے پھپھوند پہنچنے سے چند گھنٹہ پیشتر، حضرت حافظِ بخاری کا وصال ہو چکا تھا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

اس سے آگے کا حال، ظہیر السجّاد صاحب، اِس طرح، بیان کرتے ہیں:

"فاتحۂ سوم کے موقع پر، سجادگی کی دستار بندی کا مشورہ ہوا۔

اور حضرت قبلۂ عالَم (حافظِ بخاری) کے غلامانِ خاص، مثلاً:

حکیم مومن سجاد صاحب و نور خاں صاحب افغانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِم

اور حضرت پیرانی صاحبہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہَا کا رُجحان، اِس طرح تھا کہ:

سجادگی و دستار بندی کے لئے حضرت چچا میاں رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ، زیادہ موزوں ہیں۔

لیکن، حضرت چچا میاں نے اس سے انکار فرمایا۔"

(ص ۲۶۵۔ و ص ۲۶۶۔ ملفوظِ مصابیح القلوب، حصہ دوم)

سید شاہ، اخلاص حسین، سَہسوانی۔ معروف بہ، چچا میاں

چچازاد بھائی و داماد و خلیفۂ حضرت حافظِ بخاری تھے۔

"بشارتِ شیخ" کے ذیلی عنوان سے مولانا ظہیر السجّاد لکھتے ہیں کہ:

"حضرت قبلۂ عالم (حافظِ بخاری) رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے

حضرت (سید شاہ مصباحُ الحسن) کے متعلق، جو کلمات، ارشاد فرمائے

انھیں، ملفوظِ حضرت قبلۂ عالم، مرتّبہ منشی دین محمد صاحب مرحوم سے نقل کرتا ہوں۔

حضرت مولانا، سید، اخلاص حسین (سَہسوانی) صاحب رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ، راوی ہیں کہ:

حضرت قبلۂ عالم نے اپنے وصال سے ایک ہفتہ قبل ہی

اپنی مہر کی انگوٹھی اُتار کر، حضرت پیرانی صاحبہ معظمہ کو، یہ کہہ کر، عنایت فرمائی:

"تمہارا لڑکا، بہت اچھا ہو گیا ہے۔"

دوسری روایت، جس کے راوی، منشی دین محمد صاحب اور مُصدِّق

حافظ اخلاق حسین صاحب، پانی پتی ہیں کہ، ایک مرتبہ، حضرت قبلۂ عالم نے ارشاد فرمایا:

"مصباحُ الحسن، مجھ سے، اچھے ہوں گے۔" (ص ۲۶۸۔ ملفوظِ مصابیح القلوب، حصہ دوم)

رسمِ سجادگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

.... حضرت چچا میاں رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے اپنے ہاتھ سے دستار بندی فرما کر

پہلی نذر، خود، پیش کی۔

خدائے جہاں را، ہزاراں سپاس
کہ گوہر سپردہ، بگوہر شناس

اس طرح، آپ، انیس (۱۹) سال کی عمر شریف میں، سجادۂ حضرتِ شیخ پر، رونق افروز ہوکر خلق اللہ کی رشد وہدایت پر، مامور ہوئے۔

حضرت شیخ المشائخ، سیدنا حافظ محمد اسلم، خیرآبادی رَضِیَ اللّٰہُ عَنۂ کی
خلافت ومجازیت سے جس وقت، حضرت قبلۂ عالم رَضِیَ اللّٰہُ عَنۂ، سرفراز ہوئے
اُس وقت، حضرت قبلۂ عالم کی عمر شریف بھی، تقریباً یہی تھی۔

حضرت، چاروں خانوادے، چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ میں
حضرت قبلۂ عالم رَضِیَ اللّٰہُ عَنۂ **سے مجاز ہیں اور تمامی سلاسل کا اِجرا بھی فرمایا ہے۔**
لیکن، زیادہ تر، خاندانِ چشتیہ میں بیعت فرماتے ہیں۔ اور باقی سلاسل میں بہت ہی کم۔

حضرت قبلۂ عالم رَضِیَ اللّٰہُ عَنۂ کی مجازیت وخلافت کے علاوہ
حضرت شاہ، یار محمد صاحب بختیاری رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ، جو، حضرت قطب الاقطاب رَضِیَ اللّٰہُ عَنۂ کی اولاد میں تھے اور مخدومِ جہاں، حضرت صاحبزادہ شاہ الٰہ بخش صاحب تونسوی رَضِیَ اللّٰہُ عَنۂ کے خلیفہ ومجاز تھے
انھوں نے، باوجود، کافی مُریدر کھنے اور کبرسنی کے، کسی کو بھی مجاز نہیں فرمایا تھا۔
لیکن، میرے حضرت (سید شاہ مصباح الحسن) کو بغیر کسی طلب کے، اپنا خلیفہ ومجاز فرمایا۔
نیز، حضرت سید شاہ امتیاز حسین صاحب رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ، سجادہ نشین حضرت شیخ الشیوخ سیدنا ومولانا شاہ سید حافظ محمد علی صاحب خیرآبادی، رَضِیَ اللّٰہُ عَنۂ نے بھی اپنا مجاز فرمایا تھا۔
لیکن، بوجہ غلو وشغفِ حضرت قبلۂ عالم، حضرت نے ان، ہر دو سلاسل کا
اِس وقت تک، اِجرا، نہیں فرمایا۔

یہ صورت، بالکل حضرت قبلۂ عالم کے اُس واقعہ کے مطابق ہے
جو، حضرت کو مدینہ طیبہ میں پیش آیا تھا۔ یعنی، حضرت یوسف بن مبارک یمنی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے بغیر کسی طلب کے، دو سلسلوں میں اپنا مجاز فرمایا تھا۔ مگر، حضرت قبلۂ عالم سے بھی ان سلاسل کا اِجرا، ظہور میں نہیں آیا۔" (ص ۲۶۶ تا ص ۲۶۸۔ ملفوظ مصابیح القلوب، حصہ دوم)

مولانا سید شاہ محمد اکبر، چشتی، پھپھوندوی، فرزندِ حضرت سید شاہ مصباح الحسن، چشتی، پھپھوندوی

اپنے والدِ مکرّم کی زبانی، سنی ہوئی، یہ روایت، بیان فرماتے ہیں کہ:
شیخ المشائخ، حضرت سیدنا و مولانا حافظ محمد اسلم صاحب رَضِیَ اللہُ عَنہُ کے وصال سے
ایک سال قبل، مجھے، حضرت قبلۂ عالَم رَضِیَ اللہُ عَنہُ اپنے ہمراہ لے کر حضرت شیخ المشائخ کی
خدمت میں، خیرآباد شریف، حاضر ہوئے۔ حضرت قبلۂ عالَم نے مسجد میں قیام فرمایا۔
جس وقت، حضرت شیخ المشائخ، مسجد میں آئے
تو، میری جانب، اشارہ فرما کر، حضرت قبلۂ عالَم سے دریافت فرمایا کہ: **یہ کون صاحب ہیں؟**
حضرت قبلۂ عالَم نے، عرض کیا کہ: خادم زادہ۔
حضرت شیخ المشائخ نے مجھے، اپنے پاس بلا کر، سینۂ اقدس سے لگایا
اور ارشاد فرمایا کہ: تم، ہم سے نہیں ملے؟
میں، کچھ توقف کے بعد، علیحدہ ہو کر، ایک جانب بیٹھ گیا۔
حضرت شیخ المشائخ نے کچھ دیر بعد پھر میری جانب اشارہ کر کے، دریافت فرمایا کہ:
یہ کون صاحب ہیں؟
حضرت قبلۂ عالَم نے عرض کیا کہ: **خادم زادہ۔**
حضرت شیخ المشائخ نے پھر، مجھے اپنے پاس بلا کر، سینۂ اقدس سے لگایا۔
اور ارشاد فرمایا: تم، ہم سے نہیں ملے؟
تیسری بار پھر، اس کا اِعادہ ہوا کہ حضرت شیخ المشائخ نے میرے متعلق دریافت فرمایا
اور مجھے اپنے سینۂ اَقدس سے لگایا۔" (ص ۲۶۹ و ص ۲۷۰۔ ملفوظ مصابیح القلوب، حصہ دوم)
مؤلّفِ ملفوظ، جناب ظہیر السجّاد، اِس توجہ و عنایتِ خصوصی پر
اِس طرح، اپنا تأثر، ظاہر کرتے ہیں:
"حضرت شیخ المشائخ (سید محمد اسلم، خیرآبادی) رَضِیَ اللہُ عَنہُ کا تین مرتبہ
حضرت (سید شاہ مصباح الحسن، چشتی) کو، سینۂ اَقدس سے لگانا
فیوضاتِ باطنی و توجُّہاتِ خصوصی سے سرفراز کرنے کی طرف، اشارہ کر رہا ہے کہ:
اکثر پیرانِ عِظام نے اِسی طرح، فیوضاتِ باطنی کو، منتقل فرمایا ہے۔"
(ص ۲۷۰۔ "ملفوظ مصابیح القلوب"، حصہ دوم)
اپنے حضرت شیخ قبلۂ عالَم (حافظِ بخاری) کی روحانی نسبت و اِرتباط قوی کا

ذکر کرتے ہوئے ظہیر السجاد لکھتے ہیں کہ:

..........اگر، حضرت (سید شاہ مصباح الحسن، چشتی) کے علم وعمل، عبادات وریاضات

ومجاہدات، جودوسخا، عفووحلم، اخلاق وعادات، وضع ولباس، طرز وروش

غرض کہ تمامی صفات کو، بنظرِ غائر دیکھا جائے، تو، معلوم ہوگا کہ:

حضرت، جملہ صفات میں عکس وپرتو ہیں، حضرت قبلۂ عالم رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ کے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت قبلۂ عالم کے مخصوص غلامان وجید عشاق

حتیٰ کہ خلفا نے بھی حضرت کو، قبلۂ عالم ثانی، تسلیم کیا ہے۔

یہاں، میں، صرف ایک خواب، حضرت مولانا سید اخلاص حسین (سہوانی) رَحۡمَۃُ اللّٰہِ عَلَیۡہِ خلیفہ ومجاز حضرت قبلۂ عالم کا نقل کرتا ہوں۔ جس پر ممدوح کو، اس درجہ وثوق وتیقن تھا کہ:

اِس خواب کو دیکھنے کے بعد، باصرار وبہ کوشش بلیغ، حضرت صاحب قبلہ کے دستِ اقدس پر بہ مواجہ مزارِ فائض الانوار، حضرت قبلۂ عالم رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ تجدید بیعت کی۔

''میں، مسجد میں سورہا تھا۔ خواب میں دیکھا کہ:

حضرت قبلۂ عالم، مسجد میں نماز پڑھ رہے ہیں اور میں تھوڑے فاصلے پر لیٹا، سورہا ہوں۔

اس دیکھنے کے بعد ہی، فوراً، آنکھ کھل گئی۔

میں نے، اسی قدر فاصلے پر، اسی ہیئت سے مولوی مصباح الحسن صاحب کو

اسی طرح، نماز پڑھتے، پایا۔

میرے پیر بھائی، ڈاکٹر عین النعیم صاحب نے، خوب کہا ہے:

مصباحِ حسن میں، نورِ صمدی

آئینہ میں، عکسِ مہر تاباں

(ص ۲۷۰ و ص ۲۷۱۔ ''ملفوظِ مصابیح القلوب''، حصہ دوم)

نصیبہ کی ارجمندی اور زندگی کی سب سے بڑی معراج، یہ ہے کہ:

سید شاہ مصباح الحسن، چشتی نے، دومرتبہ، زیارت مبارک

حضرت سرورِ عالم، باعثِ ایجادِ عالم، فخرِ آدم وبنی آدم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم

اور ایک مرتبہ، غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر، جیلانی، بغدادی کی سعادت، حاصل کی۔

(ص ۲۷۰۔ ''ملفوظِ مصابیح القلوب''، حصہ دوم)

۱۳۶۸ھ میں، آپ، حج وزیارتِ حرمین شریفین سے مشرّف ہوئے۔
اور، مدینہ طیبہ میں مقیم، حضرت مولانا شاہ علی حسن، خیرآبادی، بن حضرت شاہ اعظم حسین
خیرآبادی، مہاجرِ مدنی سے اجازت وسندِ حدیث، حاصل فرمائی۔"
(ص ۲۹۱۔ "ملفوظِ مصابح القلوب"، حصہ دوم)

مشائخِ سلسلۂ عالیہ کے علم وفضل کا ذکر کرتے ہوئے مؤلّفِ ملفوظ، ظہیر السجّاد لکھتے ہیں:
"اِس سلسلۂ عالیہ چشتیہ، نظامیہ، فخریہ، سلیمانیہ، حافظیہ کی، یہ ایک بڑی خصوصیت ہے کہ:
اِس سلسلۂ عالیہ کے کُلّہ شیوخ، جامع شریعت وطریقت ہوئے۔"
(ص ۲۹۲۔ "ملفوظِ مصابح القلوب"، حصہ دوم)

فخرالمِلَّۃِ وَالدِّین، حضرت خواجہ نور محمد، مہاروی، حضرت خواجہ سلیمان، تونسوی
حضرت حافظ، سید محمد علی، خیرآبادی، حضرت حافظ سید محمد اسلم، خیرآبادی، حضرت مولانا سید محمد
عبدالصّمد سَہسوانی رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْہِم اَجْمَعِین کے اسمائے گرامی لکھنے کے بعد، تحریر کرتے ہیں:
"یہ وہ جلیلُ القدر ذواتِ قُدسیہ ہیں کہ:
جنھوں نے اپنے زمانۂ مبارکہ میں علمِ شریعت وطریقت کے دریا بہا کر
خلق اللہ کو سیراب، فرمایا ہے۔
چوں کہ، قدرت نے حضرت (سید مصباحُ الحسن چشتی) صاحب قبلہ کی ذاتِ اقدس کو
اِن کا صحیح جانشین بنایا ہے۔ لِہٰذا، یہ ذاتِ گرامی، اگر، کمالاتِ باطنی میں اپنے شیوخِ طریقت کی
آئینہ ومظہر ہے، تو، علمِ ظاہری میں بھی، علم وعمل کا ایک نمونہ اور حدیث شریف
اَلنَّظْرُ اِلیٰ وَجْہِ الْعَالِمِ عِبَادَۃٌ، یعنی، عالم کے چہرے کی طرف دیکھنا، عبادت ہے۔
کی، صحیح مصداق۔" (ص ۲۹۲۔ "ملفوظِ مصابح القلوب"، حصہ دوم)

آپ کے علم ووسعتِ مطالعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
"آپ کے ذوقِ مطالعہ اور علمی مشاغل نے حضرت قبلۂ عالَم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے زمانہ کے
کتب خانہ کو، دوچند، زیادہ کردیا ہے۔
جن میں مختلف علوم، مثل اَسماءُ الرِّجال، حدیث، تفسیر، فقہ، منطق، فلسفہ، تجوید وقرأت
تصوف، تاریخ، نجوم، اخلاق، حکمت، نیز اور تمامی ضروری علوم کی کتاب کا ایک معتد بہ ذخیرہ ہے۔
جن میں، بعض کتب، تو، نادر ونایاب ہیں۔

ان میں سے اکثر کتب پر، حضرت کے قلم خاص کے تحریر کردہ
سادہ صفحات پر، صحت اغلاط اور ضروری یادداشت۔ اور حواشی پر، جابجا تشریح و توضیح، موجود ہے۔
جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان کا، ایک ایک لفظ، ملاحظہ فرمالیا ہے۔
بعض کتابیں، اِس قدر ضخیم ہیں کہ جن کے مطالعہ میں، ہفتہ اور مہینہ، صَرف ہوئے ہوں گے۔"
(ص ۲۹۳ و ص ۲۹۴۔ "ملفوظ مصابیح القلوب"، حصہ دوم)

جُملہ فِرَقِ باطلہ کا رَد، نہایت واضح الفاظ میں مفصّل طور پر تحریراً و تقریراً فرمایا کرتے تھے۔
اور اِس سلسلے میں آپ کے فتاویٰ بھی، شائع ہوتے رہے۔
تبلیغی جماعت کی دَسیسہ کاری کے خلاف ۷۲۔ ۱۳۷۱ھ میں ایک رسالہ
بنام "الیاسی جماعت، یا۔ ناسورِ وہابیت؟" لکھ کر شائع کیا۔
اور اسے اپنے ڈاک خرچ سے، ہندوستان کے بیشتر صوبوں میں بھجوایا۔
آپ کے تحریری وصایا کا، یہ حصہ بڑا ہی اہم ہے
جو، توکل علی اللہ اور حمایتِ حق و اہلِ حق سے متعلق ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:
"حضرت قبلۂ عالَم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، متوکلِ محض تھے۔
اور جہاں تک ہو سکا، میں نے بھی، اس کی پاس داری کی۔
میرے جانشین، اگر، ہمت کر سکیں، تو، اختیار کریں۔ ورنہ، تلاشِ معاش کی، انھیں، اجازت ہے۔
بہ شرطے کہ شرعی حُدود کے اندر ہو۔
مذہبِ حق اہلِ سنّت، جس کا معیار، اِس زمانے میں
حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی، رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کی تصانیف ہیں
یہی مسلک، میرے حضرت، قبلۂ عالَم کا تھا۔
اور یہی مسلک، حضراتِ پیرانِ عِظامِ سلسلہ رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالیٰ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن کا تھا۔
اور اسی کا پابند، مَیں ہوں۔
اس کی حمایت میں کسی مخالفت کی پَروا نہیں کرنا چاہیے۔
اور پابندیِ مذہب کے لئے اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہ کا پابند، رہنا چاہیے۔
اس سے ہٹنا، بدمذہبی ہے۔ جس کی گنجائش، نہ مَیں، اپنے جانشینوں کو دیتا ہوں اور، نہ متوسّلین کو۔
حضرت قبلۂ عالَم، جب ۱۲۹۳ھ میں، پھپھوند تشریف لائے

کُھلے مخالف، رَوَافضِ پھپھوند تھے۔ اوران سے علی الاعلان، ردوکد، رہا۔ الخ۔

(ص ۳۱۸۔ "ملفوظِ مصابیح القلوب"، حصہ دوم۔ مکتبہ صَمدیہ، پھپھوند شریف)

اپنے جانشین اور اَعِزَّہ وَ اَقارِب کو اپنی اور والدِ مکرّم، قبلۂ عالَم، حافظِ بخاری کا طریقہ وطرز وروِش، اختیار کرنے کی ہدایت دیتے ہوئے تحریری وصیت نامہ میں عام نصائح بھی، بے حد اہم اور مفید ہیں۔ جو، اس طرح، آپ نے تحریر فرمائے ہیں:

(۱) میرے گھر والے اور عام متوسّلین کو چاہیے کہ:

خدا سے اپنا معاملہ، صاف رکھیں کہ، اسی میں نجات ہے۔

........میرے اَعِزَّہ و متوسّلین کو، خدا سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

اور خدا کی مرضی کو، ہر چیز پر مقدّم رکھنا چاہیے کہ اسی میں نجات ہے۔

(۲) شرعِ مطہّر کی پابندی، ظاہر و باطن میں رکھنا، ضروری ہے۔

حتی الامکان، عمداً، گناہ سے بچتا رہے۔ اور شامتِ عمل سے کوئی گناہ، سرزد ہو جائے

تو، فوراً، تائب ہو جانا چاہیے۔ اور ظاہر گناہ کی توبہ، ظاہر میں کرنا چاہیے۔

(۳) عبادتِ خداوندی اور مجاہداتِ نفس، جو کچھ کرے، وہ، کسی اجر و ثواب سے مستغنی ہو کر صرف، رضائے خدا و رسول عَزَّ وَجَلَّ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے لئے کرے۔

اور اس پر جو کچھ بھی، نزولِ رحمت ہو، اُسے، خدا کا فضل

اور رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْن صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رحمت سمجھے۔

ورنہ، ہم کیا؟ اور ہماری طاعت کیا؟

تو، بندگی، چوں گدایاں، بشرطِ اُجر، مکن

کہ خواجہ، خود، رَوِشِ بندہ پروری، داند

(۴) میرے تجربے میں ایک چیز، بہت مفید اور بہتر ثابت ہوئی کہ:

چوبیس گھنٹہ کے دن اور رات میں ایک وقت، اپنے نفس سے محاسبہ کرے۔

اور جتنے افعال، سرزد ہوئے ہیں، اُن میں دیکھے کہ کتنے گناہ ہوئے اور کتنے شریعتِ مطہرہ کے اندر اور رضائے الٰہی کے لئے؟ (اگر کوئی گناہ کیا، تو، اُس سے فوراً، تائب ہو جائے)

(ص ۳۲۴ تا ۳۲۶۔ ملفوظِ مصابیح القلوب، حصہ دوم)

آپ کے فرزندِ اکبر، حضرت مولانا سید محمد اکبر، چشتی، پھپھوندی نے

مفتیِ اعظم کان پور، حضرت مولانا رفاقت حسین، صدر مدرّس مدرسہ اَحسن المدارس قدیم کان پور کی خدمت میں، تعلیم، حاصل کی تھی۔

آپ کی دستار بندی کا جلسہ، ایامِ عرس میں، پچھوند شریف میں ہوا۔

جس کی روداد "یومِ فضیلت" (۱۳۷۶ھ) کے نام سے "ملفوظِ مصابح القلوب"، حصہ دوم (ص ۳۲۸ تا ص ۳۴۱) میں، شامل ہے۔

۱۸ر جمادیٰ الاخریٰ ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۰ر جنوری ۱۹۵۷ء کو، یہ جلسۂ دستار بندی، منعقد ہوا تھا۔

مؤلّفِ ملفوظ، جناب ظہیر السجّاد، نبیرۂ مولانا حکیم مومن سجّاد، کان پوری

اس جلسے کی منظر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آج، تمام علمائے کرام نے صبح کی چائے، حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر صاحب، بدایونی کی نشست گاہ پر، پی۔ اور ابھی، یہیں، سبھی حضرات، تشریف فرما تھے۔

(حضرت مولانا کا قیام، اِحاطۂ درگاہ شریف کے اندر، ایک مکان میں تھا)

جب، جلسہ کا وقت، قریب آیا

تو، میرے حضرت، مُرشدی و مولائی (سید شاہ مصباح الحسن، چشتی) مُدَّ ظِلُّہُ العَالِی

تمام علمائے کرام کو، جلسہ گاہ میں لائے..........

اب، آخر میں، حضرت والا منزلت، صاحب زادۂ والا تبار، جناب حافظ سید بشیر الدین صاحب، متولیِ آستانۂ عالَم پناہ، سرکارِ حافظیہ، خیر آباد، تشریف لائے..........

(ص ۳۳۲۔ "ملفوظِ مصابح القلوب"، حصہ دوم)

تلاوتِ قرآن حکیم و نعتِ رسولِ مقبول (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) اور تعارفِ عُلما و مشائخ کے بعد حضرت سید شاہ مصباح الحسن، چشتی، سجادہ نشین، خانقاہِ عالیہ چشتیہ، صَمدیہ، پھپھوند شریف نے صدارتِ اِجلاس کے لئے حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر، بدایونی کا نام

اِس مختصر تقریر کے ساتھ، پیش کیا:

حضرات! اِس قصبہ پھپھوند شریف میں مسلمانوں کو، جس ذاتِ اَقدس کی وجہ سے علم و مذہب سے ذوق و شوق پیدا ہوا، وہ، میرے حضرت، قبلۂ عالَم (حافظِ بخاری، سید شاہ عبدالصّمد، چشتی، سَہسوانی) رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی ذاتِ اَقدس تھی۔

چوں کہ، میرے حضرت، قبلۂ عالَم نے تمام ترفیضِ علم، حضرت تاج الفحول، مولانا شاہ

عبدالقادر صاحب، بدایونی، رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ سے حاصل فرمایا

جو کہ، حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر صاحب، بدایونی کے والدِ ماجد تھے

پس! میں نے اسی لحاظ سے، حضرت مولانا (عبدالقدیر، بدایونی) کا نامِ نامی، پیش کیا ہے۔"

اِس تحریکِ صدارت کی تائید، حضرت مفتیِ اعظمِ ہند (مولانا الشاہ محمد مصطفیٰ رضا، نوری، بریلوی)

نیز، تمام علمائے کرام نے متفقہ طور پر فرمائی۔

اب، صاحبِ صدر (مولانا شاہ عبدالقدیر، بدایونی) صدر نشین پر، جلوہ افروز ہوئے۔

آپ کے دائیں جانب، حضرت مفتیِ اعظم ہند، مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب، قادری

بریلوی، خَلَف و جانشینِ امام العلما، حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب، بریلوی، رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ

و حضرت مولانا قاضی، اِحسان الحق نعیمی، بہرائچی و حضرت مفتیِ اعظم کان پور، تلمیذِ رشید صدرُ الشریعہ

حضرت مولانا امجد علی صاحب، رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ و حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب میرٹھی

تلمیذِ صدرُ الشریعہ، حضرت مولانا امجد علی، رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ و حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب، نظامی

الٰہ آبادی، ایڈیٹر پاسبان، الٰہ آباد و حضرت مولانا رجب علی صاحب، قادری، نان پاروی

عَلَی التَّرتیب، رونق افروز ہوئے۔

دوسری جانب، حضرت صاحبزادہ صاحب اور معزّز اہلِ علم حضرات۔

اب، میرے حضرت (سید مصباح الحسن، چشتی) صاحب قبلہ، مُدَّظِلُّہُ الْعَالِی نے

چند مختصر اور جامع الفاظ میں، حضرت مفتیِ اعظم کان پور کی اس توجہ پر

جو، انھوں نے حضرت صاحبزادہ سید محمد اکبر صاحب سَلَّمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی پر فرمائی تھی

تحسین و آفرین فرمانے کے بعد، ارشاد فرمایا کہ:

اگر چہ، مفتی صاحب، فارغُ التحصیل اور متبحر عالم ہیں۔ لیکن، مجھے، یہ معلوم ہوا ہے کہ:

مفتی صاحب کی دستار بندی، ابھی تک، نہیں ہوئی ہے۔

لِہٰذا، مَیں، ضروری اور مناسب سمجھتا ہوں کہ:

اِس موقع پر، حضرت مفتی صاحب کی بھی، دستار بندی کر دی جائے۔

اور چوں کہ مفتی صاحب کے استاذ، حضرت صدرُ الشریعہ، میرے استاذ بھائی

اور بے تکلّف دوست تھے۔ اور اسی رشتہ کی بنا پر، مفتی صاحب، مجھے، چچا کہتے ہیں۔

لِہٰذا، اِسی لحاظ سے میں، ان کا، یہ حق اپنے اوپر سمجھتا ہوں کہ میں، خود، ان کی دستار بندی کروں۔"

اس کے بعد، حضرت مفتی صاحب کو، اپنے قریب بلا کر
عمامہ اور عبا، اپنے دستِ مبارک سے پہنا کر، چند دعائیہ الفاظ فرمائے۔
زاں بعد، حضرت صاحب قبلہ نے صاحبزادۂ عالی قدر، سید محمد اکبر صاحب سَلَّمَہُ اللہ تعالیٰ کی دستار بندی کے لئے حضرت صاحبِ صدر (مولانا شاہ عبد القدیر، بدایونی) سے تحریک فرمائی۔

چنانچہ، حضرت، قبلۂ عالم، رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی دستارِ مقدس کے، دو تین پیچ صاحب صدر نے اور ایک ایک پیچ، تمام علمائے کرام نے باندھا۔

اس کے بعد، حضرت قبلۂ عالم کا عبا شریف، جو، بہت بوسیدہ تھا، اُسے آپ کے سرِ اقدس پر، تبرکاً رکھا گیا۔ حاضرین نے، والہانہ طور پر، نعرہ ہائے تکبیر، بلند کیے۔''
(ص ۳۳۴ تا ص ۳۳۷۔ ''ملفوظ مصابیح القلوب''، حصہ دوم)

''جو حضراتِ علمائے کرام، تشریف لائے تھے، اُن کی خدمت میں
حضرت صاحب قبلہ نے، بذریعہ صاحبزادہ، سید محمد اکبر میاں صاحب، نذورات، پیش کرائیں۔
لیکن، حضرت مفتیِ اعظمِ ہند، بریلوی نے
وہی نذر، صاحبزادہ صاحب کو، بطور نذرانہ، عطا فرما دی۔''
(ص ۳۴۰۔ ''ملفوظ مصابیح القلوب''، حصہ دوم۔ مؤلفہ مولانا ظہیر السجاد، طبع دوم، مکتبہ صمدیہ، پھپھوند شریف ضلع اَوْرَیا، اتر پردیش۔ ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء)

حضرت مولانا سید محمد اکبر میاں، چشتی کی سجادگی کا جلسہ، ۱۷؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۷ھ کو ہوا
جس کی مختصر روداد ''فریدِ تازہ بشارت'' (۱۳۷۷ھ) کے عنوان سے
کتاب کے آخر میں، شامل ہے۔ جس کا خاص حصہ، یہ ہے:

''ایک بجے، تمام اَحبابِ سلسلہ، مقامی و غیر مقامی، حضرت قبلۂ عالم، رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے مزارِ فائض الانوار کے مواجہہ میں، صحنِ مسجد کے اندر جمع ہو گئے۔
میرے حضرت مرشدی و مولائی، مُدَّظِلُّہُ العَالِی، مع مخصوص حضرات، مثل
حضرت صاحبزادہ، حافظ سید بشیر الدین صاحب، متولی آستانہ عالیہ حافظیہ، خیر آباد شریف
وحضرت صاحبزادہ، سید عبد الوحید صاحب و صاحبزادہ سید محمد سلمان صاحب، خیر آباد شریف
وحضرت سیدی شاہ، اسلام الدین صاحب، امامِ مسجد حضرت سلطان المشائخ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ
وحضرت شاہ قطب الدین صاحب، زیبِ سجادہ آستانہ قادریہ، چورہ شریف ضلع کان پور

وحضرت الحاج مولانا مفتی رفاقت حسین صاحب وحضرت مولانا مولوی رجب علی صاحب
نان پاروی وحکیم اعجاز رسول صاحب، خیرآبادی وجناب جمال احمد صاحب منصرم چیف کورٹ لکھنؤ کے
صحنِ مسجد اور بیرونِ گنبد شریف کی درمیانی جگہ پر، تشریف فرما ہوئے۔

میرے حضرت قبلہ دَامَتْ بَرَکَاتُھُمُ الْعَالِیہ نے اپنی تصدیق"ملفوظ مصابیح القلوب"
اور وصایا شریف جو ملفوظ شریف میں طبع ہو چکی ہے

پڑھ کر سنانے کے بعد، ارشاد فرمایا کہ:

یہ تحریر، میری ہی لکھوائی ہوئی ہے اور میں نے اِن، کو، آپ حضرات کے سامنے
اِس لئے پڑھ کر سنائی، تا کہ آپ سب، اس کے شاہد، رہیں۔"

(ص ۳۵۵ و ۳۵۶۔ "ملفوظ مصابیح القلوب"، حصہ دوم۔ مکتبہ صمدیہ پھپھوند شریف۔
طبع دوم ۱۴۲۰۔ ۱۹۹۹ء۔ مکتبہ صمدیہ، پھپھوند شریف)

حضرت مولانا سید شاہ، محمد اکبر، چشتی، خَلَفُ الصِّدق، حضرت مولانا سید شاہ، مصباحُ الحسن
چشتی، عَلَیْھِمَا الرَّحمۃُ وَالرِّضْوَان سے بہت پہلے، اُس وقت مجھے، ملاقات وگفتگو کی سعادت
حاصل ہوئی، جب کہ خانقاہِ صمدیہ، پھپھوند شریف میں میری حاضری ہوئی تھی۔

متعدد علمی ودینی موضوعات پر، آپ سے گفتگو کا شرف، حاصل ہوا۔

اس ایک ملاقات وگفتگو کا، میرے اوپر جو تاثر، قائم ہوا، وہ، یہ ہے کہ:

آپ، مجسّمۂ اخلاقِ فاضلہ ہیں۔ آپ کے اندر، علم کا وقار اور مشیخت کا اعتبار ہے۔
اپنے اسلاف کے سچے جانشین ہیں۔ سلیم الطّبع، صحیح الفکر، متورّع، وسیع القلب، متقی
اور مثالی عالم وشیخِ طریقت ہیں۔"

اِس دَورِ قحط الرّجال میں ایسے عُلما ومشائخ، اب ڈھونڈ ھنے سے بھی، کہاں ملتے ہیں
جن کے اندر، اپنے اَسلاف وَاَکابر کا عکسِ جمیل، نظر آتا ہو؟

جو بادہ کش تھے پرانے، وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دَوام، لا، ساقی

رَحِمَھُمُ اللہُ تعالیٰ وَ جَعَلَ الْجَنَّۃَ مَثْوَاھُم۔ آمین!

بِجَاہِ النَّبِیِّ الْکَرِیمِ، عَلَیْہِ وَ عَلیٰ آلِہٖ وَ اَصحابِہٖ وَ عُلَمَاءِ مِلَّتِہٖ وَمَشَائخِ
اُمَّتِہٖ اَجْمَعِین۔

مولانا الشّاہ مصطفیٰ رضا، نوریؔ، بریلوی

مفتیِ اعظم، مولانا شاہ مصطفیٰ رضا، قادری، برکاتی، نوری، بریلوی (ولادت:۔ بوقت صبح صادق بروز جمعہ، بتاریخ ۲۲ر ذوالحجہ ۱۳۱۰ھ/ ۷ر جولائی ۱۸۹۳ء۔ وصال:۔ بوقتِ شب، ایک بج کر چالیس منٹ۔ بتاریخ ۱۴ر محرمُ الحرام ۱۴۰۲ھ/ ۱۲ر نومبر ۱۹۸۱ء) خلفِ اصغر، امامِ اہلِ سُنّت مولانا الشاہ، محمد احمد رضا، حنفی، قادری برکاتی، بریلوی (ولادت:۔ بروز شنبہ، بوقتِ ظہر۔ ۱۰ر شوالُ المکرم ۱۲۷۲ھ۔ مطابق ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء۔ وصال:۔ ۲۵ر صفر المظفر ۱۳۴۰ھ/ ۲۸ر اکتوبر ۱۹۲۱ء) تبحرِ عالمِ دین، دقیقُ النظر فقیہ، نکتہ رَس مفتی، قادرُ الکلام شاعرِ نعت، متورّع ومتقی بزرگ جامعِ اوصاف شیخِ طریقت اور مَرجعِ عُلماء وخواص وعوام تھے۔

آپ کا اصل نام، محمد ہے۔ جس پر آپ کا عقیقہ ہوا۔

آپ کے مُرشدِ طریقت، نورُ العارفین، سید شاہ ابوالحسین احمد، نوری، مارہروی (وصال ۱۱ر رجب ۱۳۲۴ھ مطابق ۳۱ر اگست ۱۹۰۶ء) بن سید شاہ ظہور حَسَن، مارہروی (وصال ۱۲۶۶ھ) بن خاتم الأکابر، سید شاہ آلِ رسول، احمدی، قادری، برکاتی، مارہروی (وصال ذوالقعدہ ۱۲۹۶ھ/ دسمبر ۱۸۷۹ء) نے

آپ کا نام ''ابوالبرکات محی الدین جیلانی'' تجویز فرمایا۔

اور آپ کے والدِ ماجد، امام احمد رضا نے آپ کا عُرفی نام ''مصطفیٰ رضا'' رکھا۔ نوریؔ، آپ کا تخلص ہے۔ مفتیِ اعظم کے لقب سے عُلماء ومشائخِ کرام اور خواص وعوام کے درمیان، مشہور ہوئے۔

مفتیِ اعظم کی ولادت کے وقت، آپ کے والدِ ماجد، امام احمد رضا اپنے شہر، بریلی نہیں، بلکہ اپنے مرکزِ عقیدت، مارہرہ مطہّرہ میں تھے۔

۲۲ر ذوالحجہ ۱۳۱۰ھ کو، نورُ العارفین، حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں قُدِّسَ سِرُّہٗ نے امام احمد رضا قُدِّسَ سِرُّہٗ کو مفتیِ اعظم کی ولادت کی بشارت دی۔

ولادت کے بعد ''محمد'' کے بابرکت نام سے والدِ ماجد، امام احمد رضا نے اس بچے کا ساتویں روز، عقیقہ کیا۔ صرف، چھ ماہ تین یوم کی عمر میں ۲۵ر جمادیُ الآخرہ ۱۳۱۱ھ کو حضرت نورُ العارفین مارہروی نے اس بچے کے منہ میں اپنی انگشتِ شہادت ڈالا، جسے اس نے چوسنا شروع کیا۔

آپ نے داخلِ سلسلہ فرمانے کے ساتھ، جُملہ سلاسل کی اجازت وخلافت بھی
اُسی وقت، عطا فرمادی۔ اور ارشاد فرمایا:

''خلقِ خدا کو، اِس بچے سے بڑا فیض پہنچے گا۔ دین ومِلّت کی یہ بچہ، بڑی خدمت کرے گا۔
یہ بچہ، ولی ہے۔ یہ، **فیض کا دریا بہائے گا۔''**

مفتیِ اعظم کا، ہجری سالِ ولادت، اِس آیتِ کریمہ سے نکلتا ہے:

وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (سورۂ نمل۔ آیت ۵۹)

اپنے اِس بچے، یعنی مفتیِ اعظم کو، امام احمد رضا نے بھی جمیع اَوراد واَشغال، اَوفاق واَعمال
اور جُملہ سلاسلِ طریقت کی اجازت وخلافت، عطا فرمائی۔

مفتیِ اعظم کی تسمیہ خوانی اور تعلیم وتربیت، آپ کے والدِ مکرّم، امام احمد رضا کی آغوشِ شفقت
میں ہوئی۔ امام احمد رضا، نے علمِ ہیئت کی تعلیم، مولانا عبدالعلی، ریاضی داں، رام پوری، تلمیذِ علّامہ
فضلِ حق، خیر آبادی سے حاصل کی تھی۔ مفتیِ اعظم کے برادرِ اکبر، حجۃ الاسلام، مولانا حامد رضا، قادری
برکاتی، بریلوی (وصال ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) نے بھی، آپ کو تعلیم دی۔

آپ کے شفیق استاذ، مولانا شاہ رحم الٰہی، منگلوری، مظفر نگری (وصال ۱۳۶۱ھ)
تلمیذِ مولانا سید عبدالعزیز، انبیٹھوی، سہارن پوری، تلمیذِ مولانا عبدالحق، خیر آبادی تھے۔

ان کے علاوہ، مولانا ظہورُالحسین، فاروقی، رام پوری (وصال ۱۳۴۲ھ) تلمیذِ مولانا
عبدالحق، خیر آبادی وتلمیذِ مولانا شاہ فضلِ رحمٰن، گنج مراد آبادی اور مولانا سید بشیر احمد، علی گڑھی
تلمیذِ مفتی لطف اللہ، علی گڑھی تلمیذِ مفتی عنایت احمد، کاکوروی بھی، آپ کے اساتذۂ کرام ہیں۔

دارُالعلوم، منظرِ اسلام (قائم شدہ ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) بریلی میں جُملہ علومِ نقلیہ وعقلیہ کی
تحصیل وتکمیل کرکے، بعمر اٹھارہ سال (۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں) مفتیِ اعظم کی تعلیمی فراغت ہوئی۔

۱۹۷۵ء کے سفرِ حج وزیارتِ حرمین طیبین کے مبارک موقع پر مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی
مظفر پوری مؤلّفِ ''تذکرۂ علمائے اہلِ سُنّت'' نے میمن رباط، مکّۂ مکرّمہ میں مفتیِ اعظم سے
آپ کے ابتدائی حالات، دریافت کیے۔ آپ نے تفصیل سے جواب دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

''مولانا (حامد رضا بریلوی) کے بعد، اعلیٰ حضرت (مولانا احمد رضا، بریلوی) کے یہاں
کسی فرزند کی ولادت، نہیں ہوئی۔ اعلیٰ حضرت، مارہرہ شریف میں حاضر تھے۔

ظہر کی نماز باجماعت ادا کرکے، حضرت نورُالعارفین (سید شاہ ابوالحسین احمد، نوری

مارہروی) قُدِّسَ سِرُّہٗ کے پیچھے پیچھے، مسجد برکاتی کی سیڑھیاں، اُتر رہے تھے۔
تبھی، فرزند کی ولادت کی دعا کی درخواست کی۔
حضرت نورُ العارفین نے دعا کی اور فرزند کی ولادت کی بشارت سنائی۔
جب، میری ولادت ہوئی، اعلیٰ حضرت، مارہرہ شریف، حاضر تھے۔
حضرت نورُ العارفین، نماز ادا کر کے واپس، اُتر رہے تھے
اور اعلیٰ حضرت سیڑھیاں طے کر کے مسجد شریف میں حاضری کے لئے جا رہے تھے۔
جبھی، حضرت نورُ العارفین نے فرزند کی ولادت کی خوش خبری سنائی۔ اور فرمایا:
''مولوی صاحب! آپ کے یہاں، فرزند کی ولادت ہوئی ہے۔''
اور ''ابوالبرکات، محی الدین جیلانی'' نام، مرحمت فرمایا۔
یہی نامِ نامی، حضرت کے فرزندِ ارجمند کا تھا۔
محمد، نام پر عقیقہ ہوا، مصطفیٰ رضا، خاندانی عُرف ہوا۔
اعلیٰ حضرت نے آلُ الرحمٰن کا بھی، اِضافہ فرمایا۔
حضرت نورُ العارفین قُدِّسَ سِرُّہٗ نے بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:
''میں، بریلی آکر، فرزند کو، دیکھوں گا۔''
چنانچہ، جب، مَیں، چھ ماہ کا تھا۔ حضرت نورُ العارفین قُدِّسَ سِرُّہٗ، بریلی تشریف فرما ہوئے۔
منجھلے چچا کے یہاں، قیام فرما تھے۔ اعلیٰ حضرت نے مجھے لے جا کر حضرت کی گود میں دے دیا۔
حضرت نورُ العارفین نے میرے منہ میں انگلی ڈال دی مَیں، انگلی چوسنے لگا۔
اعلیٰ حضرت نے عرض کیا: حضور! غلام بھی بنالیں۔''
میں نے حضرت والا سیدی الکریم، مفتیِ اعظم عَلَیْہِ الرَّحْمَة سے عرض کیا۔
کچھ، اپنی تعلیم کے بارے میں بھی فرمائیں؟
فرمایا: قرآن شریف، اعلیٰ حضرت سے پڑھا۔ منجھلے اور چھوٹے چچا کے علاوہ
مولانا حامد رضا، بریلوی سے بھی پڑھا۔ اس کے بعد فارسی اور عربی بھی، انھیں حضرات سے پڑھی۔
جب، مدرسۂ اہلِ سُنّت قائم ہوا تو، اس کے اساتذہ سے بھی۔ مولانا سید بشیر احمد، علی گڑھی
سے بھی پڑھا۔ مولانا ظہورُ الحسین، فاروقی، رام پوری سے بھی پڑھا۔
جب، مولانا رحم الٰہی (منگلوری) مظفر نگری، مدرسِ دوم ہو کر آئے

تو، ان سے خاص طور سے پڑھا۔ یہ میرے خاص استاذ تھے۔
جب، متوسِطات پڑھ چکا، تو، زیادہ تر، اعلیٰ حضرت کی خدمت میں، حضوری، حاصل رہتی۔
جس سے فوائدِ کثیرہ، حاصل ہوئے۔''
میں نے عرض کیا: حضور کے شُرکاے درس، کون کون تھے؟
فرمایا: منجھلے چچا جان کے صاحب زادے، مولانا حسنین رضا خاں تھے۔
بریلی کے مولوی حشمت علی بھی تھے۔
عرض کیا: تربیتِ اِفتا کا بھی کچھ حال، ارشاد فرمائیں؟
فرمایا: دارُالافتاے اہلِ سُنّت میں اعلیٰ حضرت قبلہ کی رہنمائی میں مدرسہ اہلِ سُنّت منظرِ اسلام کے فارغ، مولانا ظفرالدین صاحب، مدرسِ سوم۔ اور مدرسہ اہلِ سُنّت ہی کے اوّلین فارغین، مولانا سید عبدالرشید صاحب، عظیم آبادی اور مولانا سید غلام محمد صاحب، بہار شریف اِفتا کا کام کرتے تھے۔ بریلی کے مولانا نواب مرزا بھی، فتاویٰ لکھتے تھے۔
ایک دن، میں، دارُالافتاے اہلِ سنّت میں پہنچا۔
دیکھا کہ مولانا ظفرالدین، فتاویٰ لکھنے میں مشغول ہیں۔
اور مراجعت کے لئے بار بار، فتاویٰ رضویہ کی جلدیں، کھول کھول دیکھتے جاتے ہیں۔
بار بار، ایسا کرتے پایا، تو، اُن سے میں نے کہا:
کیا، فتاویٰ رضویہ، دیکھ دیکھ کر، جواب لکھتے ہو؟
انھوں نے کہا: تم، بغیر دیکھے لکھو، تو، جانیں۔
ایک اِستفتا اُٹھا کر، انھوں نے مجھے دیا۔ میں نے لکھ دیا۔
تصدیق و تصویب کے لئے اعلیٰ حضرت قبلہ کی خدمت میں پیش ہوا۔
جواب، صحیح اور درست تھا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے تصویب فرمائی۔
اور ایک روپیہ، انعام میں، مرحمت فرمایا۔
بندہ (محمود احمد، قادری، رفاقتی) نے عرض کیا: کیا سوال تھا؟
حضرت والا مفتیِ اعظم نے فرمایا: رضاعت کا مسئلہ تھا۔ رضاعت ہی کا جواب اعلیٰ حضرت قبلہ نے تحریر فرمایا تھا اور اپنے والد ماجد قبلہ سے ایک روپیہ، انعام میں پایا تھا۔
مسکرا کر، ارشاد فرمایا: مولانا ظفرالدین صاحب نے بھی

پہلا جواب، رضاعت کا لکھا اور انعام پایا۔"

(ص ۱۰۸۳ و ۱۰۸۴۔ "جہانِ مفتیِ اعظم"۔ مضمون بقلم مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی۔ ترتیب مجموعۂ مضامین "جہانِ مفتیِ اعظم" از مولانا محمد احمد، اعظمی، مصباحی و مولانا عبدالمبین نعمانی، مصباحی و مولانا مقبول احمد، مصباحی۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی۔ بمبئی۔ ۱۴۲۸ھ ۲۰۰۷ء)

مفتیِ اعظم کو، اپنے پیر و مُرشد، حضرت نورُ العارفین، مارہروی اور امام احمد رضا کے ذریعہ اور آپ دونوں حضرات کے توسُّط سے، وہ تمام اجازات و اسانید، حاصل ہیں

جو، رسالہ "اَلنُّوْرُ وَالْبَهَا فِی اَسَانِیْدِ الْحَدِیْثِ وَسَلَاسِلِ الْاَوْلِیَا۔ (۱۳۰۷ھ) مولّفہ حضرت نورُ العارفین، مارہروی و "اَلْاِجَازَاتُ الْمَتِیْنَةُ لِعُلَمَاءِ بَكَّةَ وَالْمَدِیْنَةِ (۱۳۲۳ھ) از امام احمد رضا، بریلوی اور "حیاتِ اعلیٰ حضرت" حصہ سوم، مولّفہ مولانا محمد ظفر الدین، قادری رضوی، عظیم آبادی میں، مسطور و مذکور ہیں۔

اپنے شیخِ طریقت، نورُ العارفین، سید شاہ ابوالحسین احمد، نوری، مارہروی اور والدِ مکرّم امام احمد رضا، بریلوی قُدِّسَ سِرُّهُمَا کے واسطہ سے خانوادۂ قادریہ برکاتیہ کی مخصوص روایات و اجازات کے علاوہ، مسلسلات و سلاسلِ حدیث، از امام المحدّثین، شیخ عبدالحق محدّث دہلوی و سراجُ الھند، شاہ عبدالعزیز، محدِّث دہلوی فرزند و جانشینِ شاہ ولی اللہ، محدّث دہلوی و بحرالعلوم مولانا عبدالعلی، فرنگی محلی لکھنوی، اور پھر.. اِلٰی آخِرِ السِّلْسِلَةِ کی بھی، اجازتیں آپ کو، حاصل ہیں۔

خانوادۂ فرنگی محل، لکھنو کا ایک سلسلہ ہے: مفتیِ اعظم، مولانا شاہ مصطفیٰ رضا از امام احمد رضا از خاتم الاکابر، سید شاہ آلِ رسول، احمدی، مارہروی از عارف باللہ، مولانا نورُ الحق، فرنگی محلی بن مولانا انوارُ الحق فرنگی محلی از بحرالعلوم، مولانا عبدالعلی فرنگی محلی لکھنوی۔ اِلٰی آخِرِ السِّلْسِلَةِ۔

دوسرا فرنگی محلی سلسلہ، اس طرح ہے: مفتیِ اعظم، مولانا شاہ مصطفیٰ رضا بریلوی از امام احمد رضا بریلوی از مولانا نقی علی، بریلوی از مولانا مفتی رضا علی، بریلوی از مولانا خلیل الرحمٰن محمد آبادی رام پوری۔ از مولانا محمد اعلم، سندیلوی از بحرالعلوم، مولانا عبدالعلی، فرنگی محلی۔ اِلٰی آخِرِ السِّلْسِلَةِ۔

عُلماے خانوادۂ فرنگی محل (لکھنؤ) اور عُلماے خانوادۂ رضویہ (بریلی) کا دینی علمی رشتہ دو صدیوں کو محیط ہے۔ قندھار (افغانستان) سے لاہور و دہلی ہوتے ہوئے بریلی تک کا سفر خانوادۂ رضویہ (بریلی) کے جن آبا و اجداد نے کیا، اُن کے ہاتھ میں، شمشیر و سنان تھی۔

اس خانوادے کے جس فرد کے ہاتھ "قبضۂ شمشیر" چھوڑ کر" گلدستۂ علم" کی طرف بڑھے
اُس سعید و صالح مردِ میدان کا نام ہے: حافظ کاظم علی خاں، بریلوی۔
حافظ کاظم علی خاں، بریلوی پر، تدیُّن و تقویٰ کا غلبہ ہوا۔
اور وہ ساعتِ سعید بھی، ان کی زندگی میں، بہار بن کر آئی
جب حضرت مولانا شاہ انوارُ الحق قادری، رزّاقی، فرنگی محلی، لکھنوی (وصال ۱۲۳۶ھ/ ۱۸۲۱ء) کا دامنِ کرم، حافظ کاظم علی، بریلوی کے ہاتھ میں آیا۔ اور آپ، ان کی بیعت و ارادت سے بہرہ وَر و سرفراز ہوئے۔
اور حافظ کاظم علی کے صاحب زادے، حضرت مولانا مفتی رضا علی خاں، بریلوی (وصال ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء) کا دینی و علمی رشتہ بھی، بالواسطہ، اِسی خانوادۂ فرنگی محل سے اس طور پر، اُستوار ہوا کہ:
فرنگی محلی سلسلہ کے عالم و مدرس، حضرت مولانا خلیلُ الرحمٰن، رام پوری، آپ کے استاد
اور حضرت شاہ فضلِ رحمٰن، گنج مرادآبادی، آپ کے مرشدِ طریقت تھے۔
حضرت شاہ فضلِ رحمٰن، گنج مرادآبادی کے بارے میں اس کتاب کے
قارئین کو معلوم ہو چکا ہے کہ:
آپ، حضرت مولانا نورالحق، فرنگی محلی کے، نیز حضرت شاہ عبدالعزیز، محدّث دہلوی کے شاگردِ رشید تھے۔ اور حضرت شاہ آفاق، نقشبندی، مجدّدی، دہلوی کے مرید و خلیفۂ خاص تھے۔
حضرت مفتی رِضا علی، بریلوی کے تعارف و تذکرہ میں
مولانا رحمٰن علی (متوفی ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء) لکھتے ہیں:
"مولوی رضا علی خاں بن محمد کاظم علی خاں بن محمد اعظم خاں بن محمد سعادت یار خاں۔
بریلی (روہیل کھنڈ) کے مشہور عالم اور بھڑیچ پٹھان تھے۔
ان کے بزرگ، سلاطینِ دہلی کے یہاں "شش ہزاری" وغیرہ، مناصبِ جلیلہ پر، ممتاز تھے۔
۱۲۲۴ھ/ ۱۸۰۹ء میں پیدا ہوئے۔ مولوی خلیل الرحمٰن مرحوم سے ٹونک (راج پوتانہ) میں
علومِ درسیہ کی تحصیل کی۔ اور تیئس (۲۳) سال کی عمر میں، علومِ مروّجہ سے فراغت، حاصل کرلی۔
اپنے ہم عصروں میں ممتاز ہوئے۔ خصوصاً، علمِ فقہ میں بڑی مہارت تھی۔
.........۲۲ رجمادی الاولیٰ ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء میں انتقال ہوا۔
"بھڑیچ" پٹھانوں کا ایک قبیلہ ہے۔ جس کو "روہیلہ" بھی کہتے ہیں۔"

(ص ۱۹۳۔ تذکرۂ علمائے ہند۔ مؤلفہ رحمٰن علی۔ اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب، قادری۔ پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی۔ کراچی۔ ۱۹۶۱ء)

مولانا خلیل الرحمٰن، رام پوری نے مُلّا، عرفان بن عمران، رام پوری، تلمیذ بحر العلوم، علّامہ عبدالعلی، فرنگی محلی کے علاوہ، معقولات کے ماہر عالم و مدرس، مولانا شرف الدین، رام پوری اور مُلّا، حسن، فرنگی محلی سے تعلیم پائی تھی۔

مولانا خلیل الرحمٰن، نواب امیر خاں، بانیِ ریاستِ ٹونک (راج پوتانہ) کی ریاستِ ٹونک کے قاضی ہوئے۔ پھر حج و زیارتِ حرمین کے بعد، جاوَرہ (موجودہ مدھیہ پردیش) میں مقیم ہو گئے۔

حکیم عبدالحیٔ، رائے بریلوی، آپ کی تصنیفات کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَمِنْ مُصنَّفاتِهٖ "اَلدَّائِر" شرحٌ عَلىٰ "مَنار الْاُصول" و لَهٗ تعليقاتٌ عَلىٰ "حاشية غلام يحيىٰ" وَ "ميرزاهد رسالة" وَ مير زاهِد عَلىٰ شرحِ المواقف"

وَ "رسم الخير" وَ رَسم الخيرات" رسالَتان فِي اِثباتِ الرُّسوم مِنَ الْفاتحة وغيرها۔

وَ لَهٗ "مِئةُ عامل" صنّفَهٗ لِابنه عبدالعزيز وَ شرحٌ بَسيطٌ عليه، وَ لَهٗ منظومةٌ فِي الْعَروض وَ منظومة فِي جوابِ سوالٍ۔ الخ۔

(ص ۹۶۴۔ نُزهةُ الْخواطر۔ جلد سابع۔ دارابن حزم، بیروت)

مولانا خلیل الرحمٰن، رام پوری، ٹونکی کے والد، مولانا عرفان بن عمران، رام پوری تلمیذ بحر العلوم، مولانا عبدالعلی، فرنگی محلی کے بارے میں نُزھۃُ الخواطر میں ہے:

لَهٗ مُصنّفاتٌ جليلةٌ فِي الْفِقهِ وَالْاُصول۔ مِنْهَا:

"مَدَارُ الْاُصول" وَ "دوّارُ الْاُصول" كِلاهُما شَرحٌ "دائِر الْاُصول اِلىٰ عِلمِ الْاُصول"

لَهٗ خَمسةُ اَبناء كُلُّهُم علماء۔ اَجَلُّهُم الْقاضِي خليلُ الرحمٰن الطُّونكي۔ مات بِمدينة "رام فور"۔ (ص ۱۰۲۷۔ نُزهةُ الْخواطر۔ ج۔ سابع۔ دارابن حزم، بیروت)

کچھ علما و مشائخ حجاز کو، اپنی اجازات و اسانید کے اجازت نامہ (مطبوعہ اَلْاِجَازَاتُ الْمَتِيْنَة) میں، مفتیِ اعظم کے والدِ مکرم، امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

(عربی سے ترجمہ) مَیں، انھیں، عَلىٰ بَرَكَةِ اللّٰهِ تَعَالىٰ درج ذیل کتب، اور علوم و فنون کی اجازت دیتا ہوں، جن کا، میں، مجاز ہوں۔

قرآنِ مجید، نبیِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی احادیثِ مبارکہ اور کتبِ احادیث، مثل
صحاح، سُنَن، مَسانید، جوامع، معاجم، اَجزا، شروح، کتبِ اصولِ حدیث، کتب اسماء الرجال، فقہ
تفسیر، قرأت، تجوید، کلام، اصولِ فقہ، سیر، تواریخ، ادب، نحو، صرف، لُغت، معانی، بیان، بدیع
منطق، حکمت، ہندسہ، ہیأت، زیجات کی کتابیں اور مقاصد و ذرائع کی باقی کتابیں
جن کی، میں اپنے بزرگ ترین مشائخ سے روایت کرتا ہوں۔ مثلاً

(۱) میں، اپنے آقا، اپنے مُرشِد، اپنے سردار سے راوی ہوں۔
یعنی، سید شاہ آلِ رسول، احمدی (اللہ تعالیٰ، انھیں، دائمی رضا، مرحمت فرمائے)
وہ، اپنے جلیلُ القدر مشائخ سے۔ جن میں، شاہ عبدالعزیز، دہلوی بھی ہیں۔
وہ، اپنے والد، شاہ ولی اللہ محدِّث دہلوی سے (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم)

(۲) میں، اپنے والد سے راوی ہوں۔ یعنی، سیدنا و مولانا محمد نقی علی، قادری برکاتی، بریلوی
وہ، اپنے کریم باپ، عارفِ رَبّانی، سیدنا المولوی محمد رضا علی سے۔
وہ، مولانا خلیل الرحمٰن، محمد آبادی (رام پوری) سے۔ وہ فاضل، محمد اَعلم، سندیلوی سے۔
وہ بحر العلوم، مولانا عبدالعلی (فرنگی محلی) لکھنوی سے۔

(۳) میں، بَلَدِ اَمان، مکّہ مکرّمہ کے شیخ العُلَما، امام، محدِّث، پختہ رائے والے فقیہ، مولانا
السَّیِّد احمد بن زَین دحلان، مکّی سے راوی ہوں۔ وہ، شیخ عثمٰن دمیاطی وغیرہ سے، راوی ہیں۔

(۴) میں، مولانا الشیخ عبدالرحمٰن، فرزندِ مفتیِ اَحناف مکّہ مکرّمہ شیخ عبداللہ سراج سے
روایت کرتا ہوں۔ وہ، مولانا الشیخ جمال بن عبداللہ بن عمر مفتیِ اعظم اَحناف سے۔
وہ، مولانا الشیخ محمد عابد، سندھی، مدنی سے روایت کرتے ہیں۔

(۵) میں، شیخ سید حسین بن صالح جملُ اللّیل، مکّی سے راوی ہوں۔
اور وہ، شیخ عابد، سندھی، مدنی سے روایت کرتے ہیں۔

(مُلخّص از اَلاِجَازَاتُ الْمَتِیْنَۃ لِعُلَمَاءِ بَکَّۃَ وَالْمَدِیْنَۃ۔ از امام احمد رضا، بریلوی)

مفتیِ اعظم کی مجلسِ تعلیم و تربیت میں اصلاحِ فتویٰ کا انداز اور نمونہ پیش کرتے ہوئے
حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی، سابق صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور تحریر فرماتے ہیں:
"یہ مجلس، آدھی رات سے پہلے کبھی ختم نہ ہوتی۔
بارہا، رات کے دو بج جاتے۔ اور رمضان شریف میں، سحری کا وقت تو، روز ہو جاتا تھا۔

''بار ہا، ایسا ہوتا کہ حکم کی تائید میں کوئی عبارت نہ ملتی
تو، میں اپنی صواب دید سے حکم لکھ دیتا۔ کبھی، دور دراز کی عبارت سے تائید لاتا۔
مگر، مفتیِ اعظم، ان کتابوں کی عبارتیں، جو، دارُالافتا میں نہ تھیں، زبانی لکھوا دیتے۔
میں، حیران رہ جاتا۔ یا اللہ! کبھی، کتاب کا مطالعہ کرتے نہیں۔ یہ عبارتیں، زبانی کیسے یاد ہیں؟
پیچیدہ سے پیچیدہ، دقیق سے دقیق مسائل پر، ایسی تقریر فرماتے کہ:
معلوم ہوتا کہ، اِس پر، بڑی محنت سے تیاری کی ہے۔
سب جانتے ہیں کہ کلام، بہت کم فرماتے تھے۔ مگر، جب ضرورت ہوتی
تو، ایسی بحث فرماتے کہ اَجِلّۂ علما، انگشت بدنداں رہ جاتے۔
کسی مسئلہ میں فُقہا کے، متضاد اقوال ہیں
تو، سب دماغ میں، بروقت، حاضر رہتے۔
سب کے دلائل، وجوہِ ترجیح اور قولِ مختار، مفتیٰ بہ پر تیقن اور ان سب اقوال پر، اس کی
وجہِ ترجیح، سب، اَزبر۔
............انجکشن لگوانے سے روزہ، فاسد ہوتا ہے، یا نہیں؟
کچھ علما، اِس کے قائل ہیں کہ مطلقاً، ہر انجکشن سے روزہ، فاسد ہوجاتا ہے۔
کچھ عُلما، اِس کے قائل ہیں کہ روزہ، فاسد نہیں ہوتا اور کوئی کراہت بھی نہیں۔
حضرت مفتیِ اعظم کی تحقیق، یہ ہے کہ روزہ، فاسد نہیں ہوتا، مگر، مکروہ ہے۔
یہ ایک مَتن ہے جس کی شرح، میرے متعدد فتاوٰی میں موجود ہے۔'' الخ
(ص ۲۵۳ و ص ۲۵۴۔ ''جہانِ مفتیِ اعظم''۔ رضا اکیڈمی، بمبئی)

مفتیِ اعظم کے دَورِ آخر کے ایک تربیت یافتہ مفتی، مولانا محمد مطیع الرحمٰن، مضطر، رضوی، پورنوی
درس و طریقۂ تربیت کا ذکر کرتے ہوئے، تحریر فرماتے ہیں:
''حضور مفتیِ اعظم، درسِ افتا میں اِس کا اِلتزام فرماتے تھے کہ:
محض نفسِ حکم سے واقفیت، نہ ہو۔ بلکہ اس کے مَـالَهٗ وَمَاعَلَيْهِ کے تمام نشیب وفراز
ذہن نشین ہوجائیں۔
پہلے، آیات واحادیث سے اِستدلال فرماتے۔ پھر، اصولِ فقہ وحدیث سے اس کی تائید
دکھاتے اور قواعدِ کلّیہ کی روشنی میں اس کا جائزہ لے کر کتب فقہ سے جزئیات، پیش فرماتے۔

پھر، مزید اطمینان کے لئے فتاوی رضویہ، یا ارشادِ امام احمد رضا، نقل فرماتے۔
اگر، مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو، قولِ راجح کی تعیین، دلائل سے کرتے۔
اور اصولِ اِفتا کی روشنی میں مَالَهٗ وَمَا عَلَيْهِ الْفَتوىٰ کی نشان دہی فرماتے۔
پھر، فتاوی رضویہ، یا ارشادِ امام احمد رضا سے، اس کی تائید، پیش فرماتے۔
مگر، عموماً، یہ سب، زبانی ہوتا۔
عام طور پر جواب، بہت مختصر اور سادہ لکھنے کی تاکید فرماتے۔
ہاں! کسی عالم کا بھیجا ہوا اِستفتا ہوتا۔ اور وہ، ان تفصیلات کا خواست گار ہوتا
تو، پھر جواب میں وہی رنگ اختیار کرنے کی بات، ارشاد فرماتے۔"

(ص ۱۱۲۔ جہانِ مفتیِ اعظم۔ رضا اکیڈمی، بمبئی)

مفتیِ اعظم، بچپن ہی سے صاحبِ زُہد و تقوی اور پیکرِ علم و عمل تھے۔
جس کی شہادت، اہلِ خانہ و اہلِ تعلق دیتے چلے آ رہے ہیں۔

حضرت مولانا ضیاء الدین احمد، قادری، مدنی (وصال ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء۔ مدفون جنت البقیع۔ مدینہ منورہ) عَلَيْهِ الرَّحْمَة وَالرِّضْوَان، ہند و پاک کے زائرینِ مدینہ سے عموماً مفتیِ اعظم کے احوال، بڑی عقیدت کے ساتھ، بیان فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ، آپ فرماتے ہیں:

"ضیاء الدین احمد نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔
وَاللّٰهِ الْعَظِيم! مفتیِ اعظم، بچپن ہی سے پیکرِ علم و عمل ہیں۔ جامعِ زُہد و تقوی ہیں۔
اِس وقت، ان کے علم و فضل، زُہد و تقوی، بزرگی و پرہیز گاری، فکر و عرفان کا کوئی کیا اندازہ کرسکتا ہے؟

فقیر ضیاء الدین احمد، عمر میں تو، مفتیِ اعظم سے ضرور بڑا ہے۔
لیکن، مراتب میں مفتیِ اعظم، فقیر سے بہت بڑے ہیں۔"

فریضہ اَمر بِالْمَعْرُوف وَنَهْي عَنِ الْمُنْكَر کے بارے میں حافظِ ملّت، مولانا الشاہ عبد العزیز، مراد آبادی، محدّث مبارک پوری (وصال ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) ارشاد فرماتے ہیں:
فرزندِ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، حضرت مفتیِ اعظم ہند، علّامہ الشاہ محمد مصطفیٰ رضا صاحب بریلوی، اَمر بِالْمَعْرُوف وَنَهْي عَنِ الْمُنْكَر کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔
حق گوئی کے وہ، ایسے مجاہد فی الدین ہیں کہ معاصرین میں، یہ بات نہیں ملتی۔

بے خوف، بے جھجھک۔ ہر شخص کے غیر شرعی عمل پر ٹوک دینا، ان کا طرۂ امتیاز ہے۔''

(''مفتیِ اعظم نمبر''۔ استقامت ڈائجسٹ، کان پور۔ مئی ۱۹۸۳ء)

اہتمامِ صلوٰۃ و جماعت کے بارے میں، شارحِ بخاری، مفتی محمد شریف الحق امجدی (سابق صدر شعبۂ افتا، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور) اپنے گیارہ (۱۱) سالہ قیامِ بریلی و رفاقتِ مفتیِ اعظم کے مشاہدات، اِس طرح، بیان کرتے ہیں

''حضرت مفتیِ اعظم کی عادتِ کریمہ تھی کہ:

ہر نماز، مسجد میں حاضر ہو کر، تازہ وضو سے باجماعت، ادا فرماتے تھے۔

سفر کتنا ہی دشوار ہو۔ گاڑی میں کتنی ہی بھیڑ ہو۔ کبھی کوئی نماز، قضا نہیں ہوئی۔

اور فرض، یا۔ سُنّت بیٹھ کر، ادا نہ فرمائی۔

اِس سلسلے میں، بڑی دشواریاں، پیش آئیں۔ مگر، کبھی کوئی پروانہ کی۔''

(ص ۲۶۱۔ مضمون! ''مفتیِ اعظم اپنے فضل و کمال کے آئینے میں''۔ بقلم مفتی محمد شریف الحق امجدی۔ مشمولہ ''انوارِ مفتیِ اعظم''۔ باہتمام المجمع الاسلامی، مبارک پور۔ ناشر:۔ رضا اکیڈمی، ممبئی۔ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ/اکتوبر ۱۹۹۲ء)

شیخ الاسلام، مولانا سید محمد مدنی، اشرفی، کچھوچھوی۔

شہزادۂ محدِّثِ اعظم، سید محمد محدِّث اشرفی، کچھوچھوی، تحریر فرماتے ہیں:

''بخاری و مسلم کا سننے والا، جس یقین و اذعان کے ساتھ، کہہ سکتا ہے کہ:

ہم نے، رسولِ کریم (عَلَیْہِ الصَّلوٰۃ وَالتَّسْلِیم) کے اَقوال سُنے

اُسی یقین و اذعان کے ساتھ، حضور مفتیِ اعظم کے دیکھنے والے کو، یہ حق ہے کہ کہے:

ہم نے رسولِ کریم کی چلتی پھرتی سچی تصویر دیکھی ہے۔

فرائض و واجبات و مؤکدات کو، رہنے دیجیے۔

جو، ہستی، مباحات اور فطری خواہشات میں بھی رسولِ کریم کی اطاعت و اتباع سے سرِ مُو، متجاوز نہ ہو، وہ، رسولِ کریم کی سچی تصویر اور افعالِ رسول کی حفاظت کا پیکرِ نور، نہیں تو، اور کیا ہے؟

(ص ۱۲۶۔ مفتیِ اعظم نمبر۔ استقامت ڈائجسٹ، کان پور، شمارہ مئی ۱۹۸۳ء)

مولانا قمر الزماں، اعظمی، مصباحی (مانچسٹر، انگلینڈ) مفتیِ اعظم کی نماز میں خشوع و خضوع کی روحانی منظر کشی کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

حضور مفتیِ اعظم کے نزدیک "توحید" محض، ایک لفظ نہیں جس کو صرف، زبان سے ادا کیا جائے۔
بلکہ ایک کیفیت ہے، جو اُن کو جملہ موجودات اور ممکنات کے تعیُّن سے بے گانہ کر دیتی ہے۔

چنانچہ، جب وہ، نماز پڑھنے کے لئے خدا کی بارگاہ میں کھڑے ہوتے تھے
تو، ایک خاص کیفیت، اُن پر طاری ہوتی تھی۔
جس کا مشاہدہ، اُن سیکڑوں حاضر باش افراد نے کیا ہے
جنھوں نے، انھیں، نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔
وضو، اِس طرح کرتے کہ گویا، وہ، اپنے محبوبِ حقیقی کی بارگاہ میں
حاضر ہونے کے لئے، طہارتِ کاملہ کے ذریعہ، خود کو نکھار رہے ہوں۔
سُنَن و مُستحبات اور تمام جُزئیات کا، کامل اہتمام فرماتے تھے۔
عمامہ شریف، سر پر رکھتے اور عبا، زیبِ تن فرماتے تو، ایسا محسوس ہوتا کہ:
معبودِ حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لئے خود کو آراستہ کر رہے ہیں کہ:
کہیں، کوئی بٹن کھلا نہ رہ جائے۔ کہیں، کوئی آستین، مُڑی نہ رہ جائے
اور گریباں چاک حاضری کا الزام، عائد ہو جائے۔
کہیں، لااُبالی پن اور کسل مندی، نہ نمایاں ہو جائے۔ اِس لئے کہ:
یہ سب، ایمان اور محبت کے تقاضے کے خلاف ہے۔
نماز کی کیفیت کا، یہ عالَم تھا کہ:
محسوس ہوتا تھا کہ کَاَنَّکَ تَرَاہُ کے کیفِ سرمدی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

خادم نے شدید گرمی کے موسم میں، جب وہ، حالتِ نماز میں تھے
پنکھا، جھلنا شروع کر دیا تو، سلام پھیرنے کے بعد سخت ناراض ہوئے کہ:
ایک بندۂ عاجز اپنے خدا کی بارگاہ میں حاضر تھا اور تم، میری خدمت کر رہے تھے؟
کیا، ایک غلام اپنے آقا کے حضور میں کسی خدمت گار کو لے کر، حاضر ہو سکتا ہے؟
لوگ، خدا کو شہید و بصیر مانتے ہیں۔
مگر، مفتیِ اعظم کی ذات پر، خدا کے شہید و بصیر ہونے کا احساس، اِس قدر غالب تھا کہ:

وہ، ایک لمحے کے لئے بھی، اُس کے حضور میں حاضری کے احساس سے غافل نہیں تھے۔
کسی نے سوال کیا کہ: حضرت! آج کے ماڈرن دور میں بعض مقامات پر سُنّت کے مطابق
کھانا کھانے سے، ایک عجیب سا اِحساس ہوتا ہے۔
جواب، عطا ہوتا ہے کہ: تم کو، لوگوں کا احساس ہے۔ مگر، یہ احساس نہیں کہ:
تم، رَزَّاقِ مطلق کا رِزق کھا رہے ہو۔ اور تم، اس کے بندے ہو؟
کیا، ایک بندہ، اپنے آقا کے حضور میں کبر و نخوت کے انداز سے کھانا کھا سکتا ہے؟
کسی نے ضعف کی وجہ سے آپ کے ہاتھ میں لرزش محسوس کی۔
اور وضو کے لئے، لوٹے میں، آپ کے ہاتھوں پر، پانی ڈالنا چاہا تو منع فرما دیا۔ اور فرمایا کہ:
وضو، نماز کے اِہتمام کا ایک حصہ ہے۔ یہ بھی، عبادت ہے۔
اور عبادتِ غیر مقصودہ میں بھی، حتی الاِمکان، کسی غیر سے مدد نہیں لینی چاہیے۔"
مفتیِ اعظم، عَلَیہِ الرَّحمَۃُ وَالرِّضوَان، سفر و حضر میں اَوقاتِ مستحبہ میں نماز کی ادائیگی کا
اہتمام، خود بھی فرماتے اور رُفقاے سفر، نیز خُدّام حاضر باش کو بھی حکم دیتے تھے۔" الخ۔
(اِقتباس و التقاط۔ جہانِ مفتیِ اعظم۔ رضا اکیڈمی ممبئی۔ مضمون بقلم علّامہ قمر الزماں، اعظمی)
مفتیِ اعظم قُدِّسَ سِرُّہٗ کا ایک وصفِ خاص، یہ تھا کہ:
جن دینی جلسوں کی دعوت، قبول فرما لیتے، اُن میں ضرور شرکت کرتے۔
اور مدارس کے جلسوں میں بڑی دل چسپی کے ساتھ، شرکت فرمایا کرتے تھے۔
لیکن، ان کی طرف سے پیش کردہ نذرانہ، قبول نہیں کرتے۔
یا۔ اِصرار کرنے پر قبول فرما لیتے اور پھر، اُسے اپنی جانب سے، مدرسے کو عطا فرما دیا کرتے تھے۔
تعلیمی کانفرنس مبارک پور ۱۹۷۲ء میں شرکت کے بعد واپسی کے وقت کا واقعہ
حضرت علّامہ ارشد القادری (متوفی ۲۰۰۲ء) اِس طرح بیان فرماتے ہیں:
"حضور مفتیِ اعظمِ ہند، جب رخصت ہونے لگے
تو ہم نے جامعہ کی طرف سے کچھ پیش کرنا چاہا۔ حضرت نے دریافت فرمایا: کیا ہے؟
جلدی میں، میرے مُنہ سے نکل گیا: کرایہ ہے۔"
حضرت نے فرمایا: میں، کرایہ کا مولوی نہیں ہوں۔"
اس جواب پر میں، پسینہ پسینہ ہو گیا۔ رہ رہ کر پچھتاوا ہوتا تھا کہ:

میرے منہ سے، یہ جُملہ کیوں نکل گیا۔ کچھ اور کہہ دیا ہوتا۔"

(رفاقت۔ پٹنہ۔ شمارہ ۱۵ر دسمبر ۱۹۸۱ء)

"خاص طور پر، ان مدرسوں کے اجلاس میں ضرور شرکت فرماتے
جن کے ذیل میں کسی عظیم عمارت کے سنگِ بنیاد کی تقریب ہوتی۔
اِس طرح کے موقع پر سب سے پہلے عطیہ جو چندے کی جھولی میں پڑتا
وہ، خود مفتیِ اعظمِ ہند عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ وَالرِّضْوَان کی طرف سے ہوتا۔
مدارِس کے جلسوں میں حضرت کا معمول، یہ تھا کہ:
وہ، مدرسوں سے، نہ نذرانہ قبول کرتے اور نہ سفر خرچ۔" (رفاقت۔ پٹنہ۔ دسمبر ۱۹۸۱ء)

پندرہ (۱۵) بیس (۲۰) سال پہلے کی بات ہے کہ:
راقمِ سطور (یٰسٓ اختر مصباحی) ایک مرتبہ، رضا اکیڈمی، بمبئی کے آفس (جو، اُس وقت
کامبیکر اسٹریٹ میں تھا) میں، بیٹھا ہوا تھا کہ:
ایک معمر شخص، تشریف لائے۔ غالباً، اُن کا نام، عبدالقادر شریف تھا۔ جو، بمبئی ہی کے رہنے
والے اور حضور مفتیِ اعظم کے مُرید تھے۔ انھوں نے، دَورانِ گفتگو، ایک واقعہ سنایا کہ:
حضور مفتیِ اعظم، ایک بار بمبئی تشریف لائے۔ بہت پہلے کا، یہ واقعہ ہے۔
کسی خاص جگہ، آپ، رونق افروز تھے اور مریدوں وعقیدت مندوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔
ایک متمول شخص نے پانچ ہزار روپے کی گڈّی، آپ کی خدمت میں بطور نذر، پیش کی۔
آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ حضور! یہ میری طرف سے، نذرانہ ہے۔"
آپ نے اسے، یہ نذرانہ، واپس کر دیا اور اِصرار کے باوجود قبول کرنے سے انکار کیا۔
اسی مجلس کی بات ہے کہ ایک مزدور پیشہ آدمی آیا
اور اس نے دو روپے، آپ کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ نے دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟
اس نے عرض کیا: حضور، یہ میری طرف سے نذرانہ ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ:
آپ کیا کرتے ہیں؟ اس نے کہا: حضور! مَیں، سڑک پر ٹھیلہ چلاتا ہوں۔"
آپ نے اس غریب مخلص کی جائزَ کمائی کی، یہ نذر، قبول فرمالی۔
ثقہ حضرات کی زبانی، میں نے سنا کہ اگر کوئی شخص، یہ کہہ کر آپ کو کچھ رقم، پیش کرتا کہ:
یہ آپ کے مدرسے کے لئے ہے، تو، اس شخص کا نام و پتہ لکھ کر، رقم کے ساتھ اسے صدری کی

دوسری جیب میں رکھتے اور بریلی، واپس آتے ہی وہ رقم، مع نام و پتہ، مدرسے کے حوالے فرما دیتے۔
مفتیِ اعظم نے زندگی میں کبھی، چندہ نہیں کیا۔ باوجودے کہ:
آپ، دارُالعلوم مظہرِ اسلام، بریلی شریف کے بانی اور اس کے اخراجات کے کفیل تھے۔
اور اس کے اخراجات کے سلسلے میں آپ، مقروض بھی، ہو جایا کرتے تھے۔
''جب، محدِّثِ اعظم پاکستان (مولانا سردار احمد، رضوی، لائل پوری) رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه
دارُالعلوم مظہرِ اسلام، بریلی شریف میں صدرُالمدرسین و شیخ الحدیث تھے۔ ان کے ایثار و خلوص
سے متأثر ہو کر حضور مفتیِ اعظم نے طلبہ و مدرسین کے سارے اخراجات اپنے ذِمّہ لے لیے تھے۔
اس سلسلے میں آپ، ہزاروں کے مقروض ہو گئے تھے۔ آپ کی دوکانیں بھی، رہن ہو گئی تھیں۔
صدرُالشریعہ (مولانا محمد امجد علی، اعظمی، رضوی) قُدِّسَ سِرُّہٗ اپنے صاحبِ ثروت
کاٹھیاواڑی میمن سیٹھ صاحبان کے ہمراہ، عرسِ رضوی کے موقع پر
آستانۂ عالیہ رضویہ (بریلی شریف) حاضر ہوئے۔
اسی موقع پر، صدرُالشریعہ نے اپنے مُرید سیٹھ صاحبان سے فرمایا:
حضرت مفتیِ اعظم صاحب کو، نذر پیش کریں۔''
سب لوگوں نے نذرانے پیش کیے۔
اِس طرح، حضرت مفتیِ اعظم، بارِ قرض سے سُبک دوش ہوئے۔''
سُنّی دارُالاشاعت، مبارک پور، جسے فتاویٰ رضویہ جلد سوم تا جلد ہشتم کے مسوّدوں کی
تبییض سے طباعت و اشاعت تک کا شرف، حاصل ہوا
اُس کے قیام کا پس منظر، یہ ہے کہ:
حضور مفتیِ اعظمِ ہند، ۱۹۵۹ء میں، دارُالعلوم اشرفیہ، مبارک پور تشریف لائے۔
اس سے آگے کا واقعہ، استاذی الکریم، حضرت مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی، نائب
شیخ الحدیث دارُالعلوم اشرفیہ مبارک پور (متوفی ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء) اِس طرح، بیان فرماتے ہیں:
''مفتیِ اعظم، مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب، دَامَتْ بَرَكَاتُهُمُ الْقُدْسِيَة
دارُالعلوم اشرفیہ تشریف لائے۔
ان سے عرض کی گئی: ''فتاویٰ رضویہ کی اشاعت کا کیا ہوا؟
آپ نے فرمایا: تم لوگوں کے علاوہ، کس سے، اس کی توقع ہو سکتی ہے؟

اس کرامت آثار جملہ نے دلوں میں ہمت اور عزائم میں استواری، پیدا کی۔
دارُالعلوم اشرفیہ کی رہنمائی میں کام ہُوا اور "سُنّی دارُالاشاعت" کی بنیاد رکھی گئی۔"

(دیباچہ۔ فتاویٰ رضویہ، جلدِ سوم۔ مطبوعہ سُنّی دارالاشاعت، مبارک پور)

۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء میں، جس وقت، اشرفیہ مبارک پور کا عظیم منصوبہ
حافظِ مِلّت نے قوم کے سامنے پیش کیا اور قصبہ مبارک پور سے باہر، وسیع وعریض زمین
میں اس کی تعمیر اور مختلف شعبوں پر مشتمل تعلیمی منصوبہ، منظرِ عام پر آیا
تو، حضور مفتیِ اعظمِ ہند نے اپنی تائید وحمایت اور سرپرستی سے تحریکِ اشرفیہ میں جان ڈال دی۔

"مفتیِ اعظم"، حقیقی معنی میں، مفتیِ اعظم تھے۔ فقہِ اَحناف کے باب میں اپنے عہد وعصر میں
اپنی نظیر آپ تھے۔ تبحّرِ علمی کے ساتھ، احوال وتغیّراتِ زمانہ پر بھی آپ کی گہری نظر تھی۔
اور حقائق کی تہ تک پہنچ کر صحیح شرعی موقف، اختیار کرنا آپ کی عادت وروایتِ مُستمِرّہ، رہی ہے۔

چنانچہ، حضرت مفتی محمد اعظم صاحب رضوی، شیخ الحدیث دارُالعلوم مظہرِ اسلام، بریلی شریف
ایک تاریخی علمی مجلس کا، ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ایک بار، جس زمانے (۱۹۶۹ء) میں، چاند پر، امریکی آدمیوں کے پہنچنے کی خبر، امریکہ والے
خوب، زور وشور سے دنیا میں پھیلا رہے تھے، حضرت مفتیِ اعظم، رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنْہُ
اپنے دارُالافتا کی باہری بیٹھک میں تشریف فرما تھے۔

استاذِ محترم، شمس العلما، حضرت قاضی شمس الدین احمد صاحب جعفری، جون پوری
مصنّفِ قانونِ شریعت اور صدرُ العلما، حضرت مولانا سید غلام جیلانی صاحب میرٹھی
حضور مفتیِ اعظم کے پاس بیٹھے تھے۔ علمی مذاکرہ، ہو رہا تھا۔
فقیر راقمُ الحروف، محمد اعظم، رضوی بھی، اس مبارک مجلس میں حاضر تھا۔
اَثنائے مذاکرہ، چاند پر عام انسان کے پہنچ سکنے، یا نہ پہنچ سکنے کی بات بھی آ گئی۔
حضور مفتیِ اعظم سے پوچھا گیا۔ کیا چاند پر، عام انسان کا پہنچنا، ممکن ہے؟
حضرت مفتیِ اعظم نے فرمایا:
ممکن ہے۔ کیوں کہ چاند اور سورج اور تارے آسمان کے نیچے ہیں۔
زمین وآسمان کے درمیان، مسخّر ہیں۔
مَدَارِک میں، آیتِ کریمہ

''كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (سورۂ انبیا۔۳۳/۲۱) کی تفسیر میں ہے:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ الْمُرَادَ بِالْفَلَكِ السَّمَاءُ ۔وَالْجُمْهُورُ عَلٰى اَنَّ الْفَلَكَ مَوْجٌ مَكْفُوفٌ تَحْتَ السَّمَاءِ، تَجْرِي فِيهِ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوم۔

(ص ۱۵۷۔پارہ سولہ۔دارالمعرفہ۔بیروت)

یعنی، حضرت ابن عباس رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا کا موقف، یہ ہے کہ: فلک سے مراد، آسمان ہی ہے۔

جب کہ جمہور کے مسلک کے مطابق، سورج، چاند اور ستارے

سب، زمین و آسمان کے درمیان، ایک موجِ مکفوف میں، تیر رہے ہیں۔

یعنی، سورج اور چاند اور تمام تارے، زمین و آسمان کے درمیان، مسخر ہیں۔

حضرت مفتیِ اعظم نے فرمایا:

جب، چاند اور سورج، آسمان کے نیچے ہیں تو، ان تک پہنچنا، ممکن ہے۔ہاں! مشکل ہے۔

اس کے بعد، غالباً مولانا غلام جیلانی صاحب میرٹھی نے کہا کہ:

حضور! اِس آیتِ کریمہ کا کیا مطلب ہے؟

كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ۔(سورۂ انبیا۔۳۳/۲۱) ترجمہ: ہر ایک، ایک فلک میں تیر رہا ہے۔''

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ: چاند اور سورج آسمان میں ہیں۔

حضرت مفتیِ اعظم نے فرمایا:

فلک سے مراد، دائرۂ حرکت ہے۔اور، یہ دائرۂ حرکت، آسمان کے نیچے ہے۔

اور قرآنِ حکیم میں جہاں، یہ فرمایا گیا ہے کہ چاند اور سورج آسمانوں میں ہیں

وہاں، ظرفیت سے، اِسی قسم کی ظرفیت، مراد ہے، جو، شامیانے وغیرہ میں، مراد ہوتی ہے۔

کہتے ہیں کہ چراغ، فانوس، یا۔ بلب، شامیانے میں، جل رہا ہے۔

تو، اس سے، یہ مراد نہیں ہوتی کہ شامیانے کے اوپر، جل رہا ہے۔

بلکہ، یہ مراد ہوتی ہے کہ اس کے نیچے، جل رہا ہے۔

اسی طرح، آسمانِ دنیا میں بھی جو قدرتی شامیانہ ہے

اُس کے نیچے، چاند اور سورج، موجود ہیں۔

اس کے بعد، حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب نے کہا کہ:

حضور! وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا۔(سورۂ یٰسٓ:۳۸/۳۶) میں، تَجْرِي سے

اس کا چلنا، معلوم ہوتا ہے۔ اور لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا سے معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب کے لئے قرارگاہ ہے۔
تو، چلنا اور مستقر رہنا، یعنی حرکت نہ کرنا
آفتاب کے لئے دونوں باتیں، ایک وقت میں ثابت ہوتی ہیں۔
یہ اجتماعِ ضِدَّین کیسے ہوسکتا ہے کہ:
آفتاب، حرکت بھی کر رہا ہو۔ اور اسی وقت، اُس کے لئے قرار اور ٹھہراؤ بھی ہو؟
اس پر حضرت مفتیِ اعظم کا جواب، کچھ اِس طرح تھا کہ:
قرآنِ حکیم میں، یہ نہیں ہے کہ سورج، اپنے مستقر میں چل رہا ہے۔
بلکہ، یہ ہے کہ سورج، اپنے ایک مستقر اور ٹھہراؤ کے لئے چل رہا ہے۔
علاوہ ازیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم عَلَیْهِ السَّلام سے فرمایا تھا کہ:
جنت سے، زمین کی طرف جاؤ۔
قرآنِ حکیم میں ہے: وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ۔
یعنی، اللہ تعالیٰ نے زمین کو آدم عَلَیْهِ السَّلام اور ان کی اولاد کے لئے مستقر فرمایا۔
تو، کیا زمین میں، جو، انسانوں کی قرارگاہ ہے، انسان، چلتے پھرتے نہیں ہیں؟
بے حرکت کھڑے، یا بیٹھے، یا لیٹے رہتے ہیں؟
جیسے زمین، انسانوں کا مستقر اور مسکن ہے اور وہ اس میں چلتے پھرتے ہیں
اسی طرح، چاند اور سورج کے لئے کوئی مستقر ہو، اور ان کی حدود میں ان کی حرکت ہو
تو، قرارگاہ ہونا اور حرکت ہونا، دونوں امر، ثابت ہوں گے۔
اَلْغرَض، آفتاب کے لئے مستقر ہونا، اس کی حرکت کی نفی نہیں کرتا۔"
(ص ۱۰۵۲ و ص ۱۰۵۳۔ "جہانِ مفتیِ اعظم"۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی۔ بمبئی)
مفتیِ اعظم، دینی بصیرت و استقامت اور صلابت و حق گوئی کا پیکر تھے۔
سنگین اور نازک ترین حالات میں بھی آپ کے قدم، کبھی، جادۂ شریعت سے نہیں ڈگمگائے۔
آپ نے ہر حال میں وہی کہا اور وہی لکھا جو شریعتِ اسلامی و فقہِ اسلامی کا حکم تھا۔ مثلاً:
مسجد شہید گنج، لاہور کا حادثہ، پورے متحدہ ہندوستان کے لئے زلزلہ خیز تھا۔
۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء میں، یہ مسجد، ظلماً و جبراً، شہید کردی گئی تھی۔
مسلمانانِ متحدہ ہندوستان کا غم و غصہ، شباب پر تھا۔

اسی سلسلے میں ایک استفتا کے جواب میں مفتیِ اعظم تحریر فرماتے ہیں:

''لاہور کی مسجد شہید گنج ہو، یا۔ کہیں کی کوئی مسجد۔ جو مسجد ہے
وہ، ہمیشہ کے لئے مسجد ہے۔ اس کی مسجدِیت، باطل نہیں ہو سکتی۔
سکھوں نے شہید کی ہو، یا۔ کسی اور نے۔
وہ مسجد، جیسے شہید ہونے سے پہلے تھی، یوں ہی، اب ہے اور قیامت تک، مسجد رہے گی۔
عیاذاً بِاللّٰہ، کافروں کے قبضے میں مسجد آجانے سے
کسی کے نزدیک اس کی مسجدِیت نہیں جاتی۔

کعبہ، برسہا برس، قبضۂ کفّار میں رہا۔ جس کے گرداگرد، مشرکوں نے تین سو ساٹھ (۳۶۰) بت رکھے۔ ہر دن ایک نئے بت پوجا کرتے۔ **اس قبضہ سے کعبہ، غیرِ کعبہ نہیں ہو گیا۔**
وہاں، بتوں کے نصب کرنے اور پوجا ہونے سے قبلہ، بت خانہ نہیں بن گیا۔
وہ، جیسا خالصاً لوجہِ اللہ تعالیٰ برائے قُربت وطاعتِ الٰہی، پہلے تھا
یوں ہی، جب رہا، یوں ہی، اب ہے۔ یوں ہی ابدُ الآباد تک رہے گا۔

اسی طرح، مسجد کا وہ بُقعۂ طاہرہ، جو، خالِصاً لِوَجہِ اللہ تعالیٰ برائے طاعت وقُربت، وقف کیا گیا وہ، جب، مسلمانوں کے قبضہ میں تھا، جیسا جب تھا، ویسا ہی سکھوں کے قبضہ میں چلے جانے کے بعد رہا۔ **ویسا ہی مسجد کی عمارت، شہید ہو جانے کے بعد، اب ہے۔**
اصل مسجد تو، موضعِ صلوٰۃ ہے۔ عمارت ہو، یا نہ ہو۔ جو جگہ، مسجد ہو گئی، مسجد ہی رہے گی۔
اِلّا عندَ محمدٍ فی بعضِ الصُّوَر۔ وَھٰذِہٖ لیستْ مِنْھا۔''

(ص ۲۴۴ و ص ۲۴۵۔ ''فتاویٰ مصطفویہ'' از مفتیِ اعظم مولانا الشّاہ مصطفیٰ رضا، نوری، بریلوی۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی۔ بمبئی)

قدیم کتبِ فقہ کے حوالے سے اس موقف کو، مدلّل ومُبرہَن کرنے کے بعد مفتیِ اعظمِ ہند، رقم طراز ہیں:

''اِن عبارات سے آفتابِ نصف النّھار کی طرح، واضح وآشکار ہوا کہ:
مسجد شہید گنج، مسجد ہی ہے۔
بستی (آبادی) کے مسلمان اسے تو وہ ہے، کسی ایسی مسجد کو، جو بوجہِ قدامت بوسیدہ وخراب ہو چکی ہوتی۔ جس سے اِستغنا ہو گیا ہوتا۔

غیر آباد ہوگئی ہوتی۔ ویرانہ میں پڑ گئی ہوتی۔
ایسی مسجد کو بھی، فروخت نہیں کر سکتے۔
مسجد شہید گنج (لاہور) کو مسلمان
سکھوں، یا کسی کے ہاتھ، فروخت کر ڈالتے
تو بھی وہ بیع، نہ ہو سکتی تھی۔
وہ، ہزار بار، اگر، فروخت کی جائے تو بھی، وقف ہی ہے۔ ع
ہزار بار جو یوسف بکے، غلام نہیں
............مساجد، بیوت اللہ ہیں۔ اللہ کے دین کا شعارِ عظیم ہیں۔
اور کسی شعارِ دین کی ادنیٰ ہتک، ہرگز، مسلمان، برداشت نہیں کر سکتے۔
بے شک، بے شک، شعارِ دین پر حملہ ہے۔ مسلمانوں کی ذاتی ہی عزت پر حملہ نہیں
بلکہ مسلمانوں کی دینی عزت پر بھی۔ جس پر مسلمان، اپنی عزت و آبرو، اپنی جان و مال
تَن مَن دَھن سب کچھ، قربان کر دینے کا سچا جذبہ رکھتے ہیں۔ اور جو، بن پڑے
اور جس کی، اُن کا دین و مذہب، اجازت دے، وہ سب کچھ، کر گذرنے کو تیار رہتے ہیں۔
مسجد شہید گنج (لاہور) یقیناً، شعارِ دین ہے۔
مسجد کی صیانت و حفاظت، فرضِ مُبین ہے۔
جہاں تک، جس جائز طریقے سے ہو، کرنا، ناگزیر ہے۔" الخ
(ص ۲۴۶ و ص ۲۴۷۔ "فتاویٰ مصطفویہ" از مفتیِ اعظمِ ہند۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی۔ بمبئی)

جے پور (راج پوتانہ) سے ایک مسجد کے بارے میں اِستفتا آیا کہ:
ایک مسجد کے دروازہ کی توسیع کے سلسلے میں، فائرنگ ہوگئی۔ اور تنازعہ ہوگیا۔
راجہ جے پور، اس مسجد کے بدلے میں، وسیع و عریض زمین مع ایک لاکھ روپیہ دے کر
نئی مسجد، تعمیر کرانا چاہتے ہیں
تو، کیا، اس صورت میں مسلمانوں کے لئے ایسا کرنا، جائز ہے؟
یہ اِستفتا ۲۲ محرم ۱۳۵۸ھ کا لکھا ہوا ہے۔
اس کے جواب میں، مفتیِ اعظم نے، یہ فتویٰ، تحریر فرمایا:
"جو مسجد ہو چکی، تا قیامِ قیامت وہ، مسجد ہی رہے گی۔ مسجد، بیچ ڈالنے، بدل لینے کی چیز نہیں۔

نہ چند، یا ساری دنیا کے مسلمانوں کے بیچنے، بدل لینے سے، وہ مسجد، مسجد ہونے سے نکل سکے۔

ایک لاکھ نہیں، اگر، راجہ، اپنی ساری ریاست دے دے

اور مسجد نہیں، مسجد میں سے ایک گز بھر زمین لے

ہرگز، مسلمانوں کو، اس کا اختیار نہیں۔

جو، اس پر راضی ہوں گے، اشد گنہگار ہوں گے۔ بیچنے خرید نے والے سب ظالم جفا کار ٹھہریں گے۔ نہ مسجد کی تعمیر، سوا، مسلمانوں کے، کسی کے لئے، صحیح و درست۔

..........ہاں! یہ ہوسکتا ہے کہ

غیر مسلم، مسلمانوں کو روپیہ دے دے۔ مسلمان اس روپیہ کا مالک ہو کر مسجد بنائے۔

یا غیر مسلم، کسی زمین پر عمارت بنا کر مسلمانوں کو دے دے، مسلمان اس پر قابض ہو کر اس کے مالک ہو کر، اسے وقف کر دیں۔ ان دونوں صورتوں میں، وہ، مسجد ہو جائے گی۔

اس صورت میں کہ غیر مسلم، مسجد بنائے اور اسے اپنی مِلک پر باقی رکھے۔

یا۔ خود، وقف کرے، وہ، مسجد نہ ہوگی۔

نماز، اس میں ہو جائے گی۔ مگر، مسجد کا ثواب نہ ہوگا۔ نہ اس کے لئے احکامِ مسجد، ثابت ہوں گے۔

اگر، مسجدِ جامع کی بجائے، دوسری مسجد، بنا کر مسلمانوں کو، دے دینے کا خیال ہے کہ:

مسلمان، اس پر قابض ہو کر، اسے وقف کریں اور اسے مسجدِ جامع کر لیں۔

اور جو مسجد، اب تک جامع تھی، اُسے جامع نہ رکھیں، مگر، وہ مسجد رہے، صرف جامع، نہ رہے۔

بجائے اس کے، مسجدِ جامع، یہ نئی مسجد کی جائے، تو، یہ کر سکتے ہیں۔

مگر، سوال کے لفظ، یہ ہیں کہ مسجد کے معاوضہ میں، دوسری مسجد لینا، جائز ہے، یا نہیں؟

اس کا مطلب ظاہری، یہی ہے کہ دوسری کو لے کر، پہلی کو مسجد ہی، نہ رکھا جائے۔

یہ ہرگز، نہیں ہوسکتا۔ اس پر جو راضی ہوگا وہ، عذابِ الیم اور شدید وبال ونکال اپنے سر لے گا۔

وہ مسجد، ابدُ الآباد تک، مسجد ہی رہے گی۔

مسجد، خاص مِلکِ الٰہی ہے۔ جسے، نہ کوئی بیچ سکتا ہے، نہ بدل سکتا ہے۔

آباد معمور مسجد تو، آباد و معمور ہے، جو، مسجد غیر آباد ہوگئی ہو۔ خرابہ میں پڑ گئی ہو۔

بہت خستہ، بالکل شکستہ ہو چکی ہو۔ وہاں، اس کے اِرد گرد آبادی بھی نہ رہی، ویرانہ میں آ گئی ہو۔

لوگ اس سے مستغنی ہو چکے ہوں۔

ایسی مسجد کو بھی، نہیں بیچا جا سکتا۔ بلکہ اس کے ملبہ کڑی، تختہ، اینٹ، پتھر کو، دوسری مسجد میں نہیں لگایا جا سکتا۔" الخ۔ (ص ۲۶۷ تا ص ۲۶۹۔ فتاویٰ مصطفویہ۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی۔ بمبئی)

مفتیِ اعظمِ ہند نے اپنے عہدِ شباب میں اسلام اور مسلمانانِ ہند کے خلاف اٹھنے والے ایک بہت بڑے طوفان کا مقابلہ کیا تھا، جسے، شدھی تحریک، یعنی تحریک اِرتدادِ مسلمین کہا جاتا ہے۔

یہ شدھی تحریک ۱۹۲۳ء میں، آگرہ ومتھرا والُور یعنی خطۂ ملکانہ میں برپا ہوئی تھی اور ہزاروں جاہل وغریب مسلمان، اس شدھی تحریک کے اثر سے مُرتد ہو گئے تھے۔ مَعَاذَاللّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن۔

فقیہِ اسلام، امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی کی قائم کردہ "جماعت رضائے مصطفیٰ، بریلی (تشکیل ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) کے پلیٹ فارم سے

مفتیِ اعظم ودیگر علما ومشائخِ اہلِ سُنّت نے اس تحریک کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔

جنھیں، حضرت سید شاہ ابوالقاسم اسمٰعیل حَسَن، شاہ جی میاں، قادری برکاتی، مارہروی وحضرت سید شاہ علی حسین، اشرفی، کچھوچھوی وحضرت سید جماعت علی شاہ محدِّث علی پوری سیالکوٹی جیسے مشاہیرِ اُمَّت کی مبارک ومسعود دعاؤں کے ساتھ

ان حضرات کی مکمل سرپرستی وپشت پناہی، حاصل تھی۔

راقمِ سطور (یٰسٓ اختر مصباحی) نے اپنی تالیف "عُلمائے اہلِ سُنَّت کی بصیرت وقیادت" میں "شدھی تحریک اور جماعت رضائے مصطفیٰ، بریلی" کے عنوان سے

قدیم مطبوعہ مواد کی روشنی میں، شرح وبسط کے ساتھ، کچھ اہم حقائق وواقعات، پیش کیے ہیں۔

تفصیل وتحقیق کے لئے اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔

حضرت مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری، سفرِ حج وزیاراتِ حرمین شریفین ۱۹۷۵ء کے دَوران، حرمین طیبین کے اندر، حضرت مفتیِ اعظمِ ہند سے اپنی ملاقاتوں کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"استاذِ مکرم ومحترم، استاذُ العُلما، حضرت مولانا مفتی محمد عبدالعزیز خاں صاحب، نعیمی اشرفی فتح پوری، حضرت صدرُ الافاضل (مولانا محمد نعیم الدین، مرادآبادی) عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کے خاص الخاص تلمیذِ ارشد تھے۔ علاوہ، علومِ اسلامیہ میں تبحر کے، سنسکرت اور ویدوں کے بالغ نظر فاضل تھے۔ فتنۂ عظیمہ "فتنۂ اِرتداد" راج پوتانہ کے خلاف، تحفظ ودفاعِ اسلام میں سرگرم حصہ لے چکے تھے۔ جامعہ نعیمیہ، مرادآباد کے "گُروکل" میں

اسلامی مبلّغین، انھیں کی نگرانی میں ویدک علوم کا تقابلی مطالعہ کرتے تھے۔

حضرت استاذ العلماء، فتح پوری، اپنی دینی و علمی مجالس میں ''شدھی نتنہ'' کی فتنہ سامانی کی تفاصیل، بیان فرماتے

تو، اُن پر رِقّت، طاری ہو جاتی اور سننے والے بھی شدتِ تأثر میں، اَشک بار ہو جاتے۔

لُو کے تھپیڑوں میں، مئی اور جون (۱۹۲۳ء) کے مہینوں میں، گرد آلود راہوں میں چلنا

وہ بھی، میل دو میل نہیں، دس دس، پندرہ پندرہ میل کا تبلیغی سفر کرتے۔

بڑے رومال کے گوشے میں، بھُنے ہوئے چنے بندھے ہوتے۔

کسی درخت کی چھاؤں میں بیٹھ کر، چنے اور گُڑ کھا کر پانی پیا، پھر چل کھڑے ہوئے۔

..........استاذِ معظم، استاذ العلماء، فتح پوری کی وہ باتیں، یہاں، مکہ مکرّمہ میں یاد آئیں۔

بندہ (محمود احمد، قادری، رفاقتی) نے حضرت مفتیِ اعظم ہند کے سامنے

سلسلۂ بیان میں، اس کا ذکر چھیڑا۔

حضرت، سنبھل کر بیٹھ گئے اور نہایت محویت کے ساتھ

اس جدو جہد بھری داستان کے، ورق کے ورق سناتے گئے۔

خدا کی شان دیکھیے کہ اس دن، ظہر کی اذان سے پہلے، کوئی آیا بھی نہیں۔

حضرت والا سناتے سناتے، چند لمحوں کے لئے خاموش بھی ہو جاتے۔

پان، جس کے بے حد عادی تھے، ایک بار بھی نہیں کھایا۔

حضرت صدرُ الافاضل کی بے تابی، استاذ العلما، مفتیِ اعظمِ پاکستان، حضرت سید ابوالبرکات اوران کے والدِ گرامی، حضرت شیخ المحدِّثین، سید دیدار علی شاہ، اَلوَری، امیرِ مِلّت، حضرت سید جماعت علی شاہ، محدِّث علی پوری اور شبیہِ غوث الثقلین، حضرت شاہ علی حسین اشرفی میاں، میر سید غلام بھیک صاحب نیرنگ، فقیر اللہ شاہ اور حضرت مولانا سید غلام قطب الدین، اشرفی، چشتی، نظامی اور راہِ حق میں بادیہ پیما مبلّغینِ اسلام کی اعانت و حمایت میں سرگرمِ عمل

شیروانی، علی گڑھی اولوالعزم اُمرَ اور رؤسا۔

اور رئیس المتکلمین، حضرت مولانا سید شاہ محمد سلیمان اشرف صاحب، صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کی دل سوزیوں کا ذکر فرمایا۔

بندہ نے، اپنے لفظوں میں، اس مجلس کے ارشادات و ملفوظات، قلم بند کر لیے۔

اسی عمل نے توجہ دلائی تو، گذشتہ ملفوظات بھی، ضبطِ تحریر میں لایا۔'' الخ

(ص ۱۰۸۶۔ جہانِ مفتیِ اعظم۔ رضا اکیڈمی۔ بمبئی)

تحریکی و تنظیمی امور کی جانب بھی، مفتیِ اعظمِ ہند کی توجہ تھی۔

چنانچہ، آل انڈیا سُنّی کانفرنس بنارس ۱۹۴۶ء میں آپ نے نمایاں اور مرکزی کردار ادا کیا۔

۲۴ تا ۲۷ رجمادیٰ الاولیٰ ۱۳۶۵ھ / ۲۷ تا ۳۰ راپریل ۱۹۴۶ء کی اس تاریخی کانفرنس میں، متحدہ ہندوستان کے ہزاروں عُلما و مشائخ اور لاکھوں خواص و عوام کی شرکت تھی۔

اس دَور کی مِلّی سیاست میں اس کانفرنس نے بڑا گہرا اثر ڈالا اور تاریخی حیثیت سے متحدہ ہندوستان کی نمایاں ترین و مؤثر ترین کانفرنسوں میں، اس بنارس کانفرنس ۱۹۴۶ء کا شمار ہوتا ہے۔

دسمبر ۱۹۶۱ء میں، دہلی کے اندر ہونے والی "سُنّی اوقاف کانفرنس" کو بھی، حضور مفتیِ اعظمِ ہند کی سرپرستی، حاصل تھی۔ یہ کانفرنس، علاّمہ ارشد القادری و مولانا سید مظفر حسین، کچھوچھوی و مولانا سید اسرار الحق و مفتی غلام محمد، رضوی وغیرہُم کی مشترکہ کوششوں کے نتیجے میں ہوئی۔

اور تقسیمِ ہند (۱۹۴۷ء) کے بعد، اَوقاف کے تحفظ، نیز مسلم حقوق کے تحفظ کی راہیں اسی کانفرنس کے ذریعہ، ہموار ہوئیں۔

پروفیسر، مختار الدین احمد (سابق ڈین فیکلٹی آف آرٹس۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے اپنے والدِ مکرّم، مولانا محمد ظفر الدین، قادری، رضوی، عظیم آبادی (متوفی شب دوشنبہ ۱۹ رجمادیٰ الاخریٰ ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۸ رنومبر ۱۹۶۲ء) خلیفۂ امام احمد رضا، قادری، برکاتی، بریلوی کے نام حضرت مفتیِ اعظمِ ہند کے اُنیس (۱۹) خطوط کی نقل، اپنے ایک مضمون میں، پیش کی ہے۔

جس میں ۱۷ رربیع الاول ۱۳۷۱ھ / ۱۸ ردسمبر ۱۹۵۱ء کا تحریر کردہ یہ خط، نہایت اہم ہے، جو، آزادیِ ہند کے بعد ہونے والے پہلے الیکشن سے متعلق ہے۔

جنابِ محترم! اَلسَّلامُ عَلَیْکُم وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ۔

الیکشن، قریب آرہا ہے۔ اس نازک دَور میں، یہ الیکشن جیسا کہ ہے، آپ، خوب جانتے ہیں۔

یہاں، اہم و اشد ضرورت ہے کہ:

ہم سب مل کر، اس کے متعلق، غور و فکر کریں اور کوئی لائحۂ عمل، تیار کریں۔

جس سے مسلمان بِاِذْنِهٖ تَعَالٰی ہر فتنہ سے بچے رہیں اور دینی و دنیوی نقصانات سے محفوظ رہیں۔"

۲۹ ردسمبر ۱۹۵۱ء تک، مَیں، بریلی میں رہوں گا۔

اس سے پہلے پہلے، یہ اجتماع ہو جانا، ضروری ہے۔

اِس لئے اِلتماس ہے کہ آپ، بتاریخ ۲۳؍ربیع الاول ۱۳۷۱ھ مطابق ۲۳؍دسمبر ۱۹۵۱ء بروز یک شنبہ، بوقت گیارہ بجے دن، بریلی، محلہ سوداگران، فقیر خانہ پر تشریف لاکر اس ضروری امر کے اجتماع میں شریک ہوں۔

اگر، خدانخواستہ، آپ نہ آسکیں تو، اپنی رائے سے ۲۰؍۲۱؍دسمبر ۱۹۵۱ء تک مطلع فرمادیں۔

(۱) ووٹ، آپ کی رائے میں، ان جماعتوں میں سے کس جماعت کے آدمی کو دیا جائے؟

(۲) یا۔ کسی کو، نہ دیا جائے؟

(۳) ووٹ، کیسے شخص کو دیا جائے۔ دینی اعتبار سے بھی اور سیاسی لحاظ سے بھی؟

ان سوالوں کا مفصّل جواب لکھیے۔ محض مختصر رائے ہی، نہ ہو۔

فقیر مصطفیٰ رضا قادری نوری غُفِرَلَہٗ — محلہ سوداگران۔ بریلی

دسمبر ۱۹۷۲ء میں، بمبئی کے اندر، کل ہند نمائندہ مسلم پرسنل لا کنونشن کا اِنعقاد ہوا۔
جس میں حضور مفتیِ اعظم کے حکم سے برہانِ مِلّت، مفتی محمد عبدالباقی بُرہانُ الحق رضوی جبل پوری عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ وَالرِّضْوَان نے شرکت فرمائی۔
جس کا ذکر، برہانِ مِلّت نے اپنے تفصیلی مضمون میں کیا۔

برہانِ مِلّت، مفتی محمد عبدالباقی برہان الحق، رضوی، جبل پوری، خلیفۂ امام احمد رضا، بریلوی نے مسلم پرسنل لا کنونشن بمبئی، دسمبر ۱۹۷۲ء میں، اپنی شرکت سے متعلق جو مضمون تحریر فرمایا ہے وہ، سب سے پہلے "مفتیِ اعظم نمبر" استقامت ڈائجسٹ، کان پور۔ شمارہ مئی ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا۔
مسلم پرسنل لا کنونشن بمبئی دسمبر ۱۹۷۲ء میں اپنی شرکت اور تقریر وغیرہ کی بعض تفصیلات لکھنے کے بعد، حضرت برہانِ مِلّت، تحریر فرماتے ہیں:

"حضور مفتیِ اعظم عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کو، جب جلسے کی مکمل رپورٹ ملی تو، انھوں نے میری کامیابی پر، دعائیہ کلمات کے ساتھ، مبارک باد تحریر فرمایا کر، والا نامہ سے نوازا۔
جب، مَیں، بریلی شریف، حاضر ہوا
تو، حضور مفتیِ اعظم نے اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:
اگر تم، شریکِ جلسہ، نہ ہوتے اور اظہارِ حق و اعلانِ حق، نہ کیا ہوتا تو، بڑی کمی رہ جاتی۔
تم نے، اِس سلسلے میں جو احتجاجی کارروائی میں پہل کی تھی
اس کی تائید میں یہ جلسہ، بڑا کامیاب رہا۔

اور، یہ جلسہ، تمہاری شرکت سے، تمہارا جلسہ ہو گیا۔"

فَالْحَمْدُ عَلٰی اِحْسَانِہٖ وَنَوَالِہٖ وَاَفْضَالِہٖ ۔

(ص ۲۲۰۔ بقلم مفتی محمد عبدالباقی بُرہانُ الحق، رضوی، جبل پوری۔ مطبوعہ۔ "جہانِ مفتیِ اعظم"۔ رضا اکیڈمی، بمبئی ۲۰۰۷ء)

”سَوادِ اعظم کانفرنس“ کا صدارتی خطاب

خطاب: مولانا یٰسٓ اختر مصباحی

ترتیب: محمد ارشاد عالم نعمانی، مصباحی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَبْدَعَ الْاَفْلَاکَ وَالْاَرْضِیْنَ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ کَانَ نَبِیًّا وَآدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ وَعَلٰی آلِهٖ واصحابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۔ اَمَّا بَعْدُ!

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۔ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۔

محترم سامعین! ”سَوادِ اعظم“ کے نام سے اس تاریخی کانفرنس کے انعقاد پر ہم، سب سے پہلے قاری سبطین رضا قادری ایوبی (خانقاہِ قادریہ ایُّوبیہ ۔ پراکنک ۔ ضلع کوشی نگر۔ مشرقی اتر پردیش) کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں جنھوں نے اس اہم موضوع پر کانفرنس کا اِنعقاد (بتاریخ ۳ر جمادیٰ الاولیٰ ۱۴۳۳ھ /۲۷ر مارچ ۲۰۱۲ء) کر کے جماعتِ اہلِ سُنَّت، سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت و جماعت کے تعارف وتذکرہ وتشہیر کے لئے نہایت تاریخی اور مفید قدم اُٹھایا ہے۔

آپ کی اِس سرزمین پر ”سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت“ کے موضوع پر منعقد ہونے والی اِس ”سَوادِ اعظم کانفرنس“ (جسے حضرت مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی وحضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین، رضوی، مصباحی اور مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی نے خطاب فرمایا۔) کے اثرات اِنْ شاءَ اللّٰه، وسیع اور ہمہ گیر سطح پر ہوں گے اور اس نام سے ملک کے دیگر مقامات پر بھی کانفرنسیں منعقد ہوں گی۔ یہ آپ کے لئے بہت ہی اعزاز وافتخار کی بات ہے۔

”سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت و جماعت“ یہ ہمارا نام ہے جو الفاظِ حدیث سے مُستنبط اور ماخوذ ہے۔

ایک حدیثِ مبارک جسے آپ اس سے پہلے سن چکے ہیں۔ ابنِ ماجہ شریف کی حدیث ہے:

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ ۔ سَوادِ اعظم کی اِقتدا واتباع کرو کیوں کہ جو اس سے الگ ہوا وہ جہنم میں گیا۔“

”سَوادِ اعظم“ کا لفظ سن کر بہت سے لوگ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ ”سَوادِ اعظم“ کا مطلب کیا ہے؟ معنی کیا ہے؟ مفہوم کیا ہے؟

”سَوادِ اعظم“ کہتے ہیں، بڑی جماعت کو، جمہورِ اُمّت کو۔ سوادِ اعظم کا یہ لفظ حدیثِ رسول سے ماخوذ ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔ رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ ۔ تمھارے اوپر لازم ہے کہ میری سُنَّت اور میرے ہدایت یافتہ خُلفا کی سُنَّت کی پیروی کرو، ان کے ساتھ وابستہ رہو۔“

اس حدیثِ رسول کی روشنی میں ہم اپنے آپ کو اہلِ سُنّت کہتے ہیں۔ گویا یہ سَوادِ اعظم اور یہ اہلِ سُنّت، دونوں "سُنّی" نام ہیں۔

ایک حدیث میں ہے عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَة۔ اور دوسری حدیث میں ہے یَدُاللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَة۔

اِن احادیثِ مبارکہ میں جماعت کے ساتھ رہنے کی تاکید و ہدایت اور جماعت کے لئے نُصرتِ الٰہی کی بشارت ہے۔ اِس طرح پورا نام ہوا "سَوادِ اعظم اہلِ سُنّت و جماعت۔"

اہلِ سُنّت و جماعت کون ہیں؟ سَوادِ اعظم کون ہیں؟ ایک حدیث ہے جس میں رسولِ پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"یہ اُمّت، تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ 'کُلُّھَا فِی النَّار' سارے فرقے جہنم میں ہوں گے سِوائے مِلّتِ واحدہ کے، ایک مِلّت کے۔"

سوال کیا گیا حضورِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم سے کہ وہ مِلّت کون سی ہوگی؟

آپ نے ارشاد فرمایا:

مَااَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِی۔ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

اس پر گامزن رہنے والے ہی جنتی ہیں۔"

دعویٰ ہر فرقہ کا ہے کہ "مَااَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِی" کا مِصداق، ہم ہیں۔

سَوادِ اعظم، ہم ہیں۔ اہلِ سُنّت، ہم ہیں۔ اِس کا پتہ کیسے چلے؟

سَوادِ اعظم، صحیح معنی میں کون ہے؟ اہلِ سُنّت کون ہیں؟ اس سلسلے میں اہلِ سُنّت کے نہایت عظیم المرتبت محدِّث، امامُ المحدِّثین حضرت شیخ عبدالحق محدِّث دہلوی (وصال ۱۰۵۲ھ) نے بڑی عمدہ اور جامع گفتگو کی ہے اَشِعۃُ اللَّمْعات شرحِ مشکوٰۃ میں۔ اور انھوں نے فرمایا ہے کہ:

اِس سے پہلے کی جتنی بھی اہم کتابیں (تفسیر و حدیث و فقہ وغیرہ کی) ہیں، اِکٹھا کرلی جائیں اور ان کی روشنی میں تحقیق کر کے نتیجہ نکالا جائے تو یہ اہلِ سُنّت ہی سَوادِ اعظم ہیں۔ اور یہی "مَااَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِی" کا مِصداق ہیں۔ تفسیر و حدیث اور فقہ و کلام کی صدیوں قدیم کتابوں سے یہی ثابت ہے۔"

اَلْحَمْدُلِلّٰہ! کل بھی ہم، سَوادِ اعظم تھے اور آج بھی سَوادِ اعظم ہیں۔ یہاں تک کہ جب شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی (متوفی ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) کی تقریروں اور تحریروں کے نتیجے میں ہندوستان کے اندر ایک نئے فرقے کی بنیاد پڑی، فرقۂ وہابیہ کی ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء میں، اُس وقت بھی جامع مسجد دہلی کے اندر جو مباحثہ اور مناظرہ ہوا اُس کی روداد بیان کرتے ہوئے ابوالکلام آزاد نے کہا ہے۔

یہ ایک کتاب ہے "آزاد کی کہانی، آزاد کی زبانی"۔ عبدالرزاق ملیح آبادی ندوی نے جسے مرتّب کیا

ہے۔ ابوالکلام آزاد نے اس میں یہ کہا ہے کہ:

شاہ اسمٰعیل دہلوی سے یہ مباحثہ جو ہوا اُس میں سارے علمائے دہلی ایک طرف تھے اور شاہ اسمٰعیل دہلوی اور ان کے ماننے والے ایک مولوی عبدالحیٔ (بڈھانوی) دوسری طرف۔"

اور ابوالکلام آزاد (متوفی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء) کے بقول:

شاہ منوّر الدین دہلوی، شاگردِ شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی، اس مناظرہ کے انعقاد کے سلسلے میں اور شاہ اسمٰعیل کے تعاقب میں پیش پیش تھے۔"

مولانا شاہ مخصوص اللہ دہلوی و مولانا شاہ محمد موسیٰ دہلوی فرزندانِ شاہ رفیع الدین دہلوی فرزندِ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی، اور علامہ فضلِ حق خیر آبادی و مولانا رشید الدین خاں دہلوی تلامذۂ شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی اور دیگر علما و مشائخِ سوادِ اعظم اہلِ سُنّت و جماعت نے شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی (متوفی ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) اور ان کے ہم خیال مولوی عبدالحیٔ بڈھانوی (متوفی ۱۸۲۸ء) کو مباحثۂ جامع مسجد، دہلی (۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) میں بالکل عاجز و ساکت و لاجواب کر دیا۔

گویا ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء میں بھی سوادِ اعظم، اہلِ سُنّت و جماعت ہی تھے۔ اور اس سے جو الگ ہوئے اُن میں قابلِ ذکر جو جامع مسجد دہلی کے مباحثہ میں نام تھا وہ صرف دو تھے۔ اور ان دونوں کے بالمقابل سارے کے سارے علما و مشائخِ کرام، سوادِ اعظم اہلِ سُنّت و جماعت تھے۔

یہ ہندوستان کے ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء کی بات ہے۔ اور ہندوستان کے اندر سوادِ اعظم اہلِ سُنّت و جماعت کے نمائندہ وہ علما و مشائخِ کرام بھی ہیں، مختلف صدیوں اور اَدوار کے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان کے اندر اسلام کی نشر و اشاعت، صوفیہ و مشائخِ کرام کے ذریعہ زیادہ ہوئی۔ جن میں یہ حضرات نمایاں ہیں:

حضرت داتا گنج بخش ہجویری لاہوری، حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، اجمیری، حضرت فرید الدین مسعود، گنج شکر، حضرت خواجہ قطب الدین، بختیار کاکی، دہلوی، حضرت محبوبِ الٰہی نظام الدین اولیا، دہلوی، حضرت مخدوم علی احمد علاء الدین، صابر کلیری، حضرت مخدوم سید اشرف جہاں گیر، سمنانی، حضرت مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ، منیری اور اس طرح کے دیگر اکابر صوفیہ و مشائخِ کرام۔

یہ سوادِ اعظم اہلِ سُنّت و جماعت کے پیشوا اور رہنما و قائد و سالار تھے۔ اور دُنیا جانتی ہے کہ یہ سارے کے سارے صوفیہ و مشائخِ کرام سُنّی تھے۔ اور سُنّی ہونے کے ساتھ حنفی بھی تھے۔

لوگ آج کل بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کرتے ہیں اتحادِ اُمّت کی

اور اتحاد بینَ المسلمین کی۔ مَیں ان سے کہتا ہوں کہ:

یہ شخصیات جن کے ذریعہ ہندوستان کے اندر اسلام کی روشنی پھیلی ان کے قدیم مذہب و مسلک پر سب لوگ آجائیں تو خود بخود ساری اُمّت کا اتحاد ہوجائے گا۔ اور باطل مذاہب و مسالک کا وجود خود بخود مٹ جائے گا۔ اس کے لئے کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔ اسی طرح سَوادِ اعظم اہلِ سُنّت و جماعت کا تسلسل و توارُث بھی اچھی طرح واضح ہوجائے گا۔

یہ تو ماضی کی بات ہے۔ ابھی حجازِ مقدس کی بات چل رہی تھی۔ ۱۹۸۲،۸۳ء کی بات ہے۔ میں مسجدِ نبوی شریف (مدینہ طیبہ) سے عصر کی نماز پڑھ کر نکل رہا تھا۔ باہر، بابِ مجیدی کی طرف جا رہا تھا۔ حضرت مولانا ضیاءالدین احمد قادری مہاجرِ مدنی (وصال ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء) رَحمۃُ اللّٰہِ عَلَیہِ کے دولت کدے کی طرف۔ جن سے نجدی قاضی سے مباحثہ کی ایک بات حضرت علاّمہ (محمد احمد اعظمی مصباحی) مصباحی نے بیان کی۔ میں انھیں کے گھر جا رہا تھا۔ راستے میں ایک ہندوستانی ندوی اصلاحی مل گیا، جو مجھے ہندوستان ہی سے جانتا تھا۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ:

"یہاں تو سب آپ ہی کے لوگ نظر آتے ہیں۔"

وہ مدینہ یونیورسٹی میں لکچرر تھا اور کئی سال سے مدینہ طیبہ میں مُقیم تھا۔ اس نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ: یہاں تو سب آپ ہی کے لوگ نظر آتے ہیں۔"

"آپ ہی کے لوگ" کا مطلب یہ ہے کہ سُنّی زیادہ نظر آتے ہیں۔

یہ سُن کر میں نے اُس سے کہا کہ: یہاں ہمارے لوگ نہیں تو کیا تمھارے لوگ نظر آئیں گے؟

تو یہ مدینہ طیبہ کا حال اُس زمانے (۱۹۸۲،۸۳ء) میں بھی تھا۔ اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سعودیہ میں سب کے سب یا اکثر وہابی ہی ہیں۔ ایسا معاملہ نہیں۔ سعودیہ کے دو حصے اور دو علاقے اور دو خطے ہیں۔ ایک کا نام ہے نجد اور ایک کا نام ہے حجاز۔ یوپی اور بہار سمجھ لیجیے۔

نجدی حصے (ریاض، ظَہران، دَمّام، عَسِیر، اَحسا وغیرہ) میں وہابی رہتے ہیں۔ حجاز کا حصہ جس میں

مکہ مکرّمہ، مدینہ منوّرہ، جدّہ اور طائف ہیں۔

یہاں کی قدیم آبادی پہلے بھی سُنّی تھی اور آج بھی سُنّی ہی ہے۔

صرف حکومتی عہدوں اور مناصب پر نجدیوں کے منتخب افسر اور مساجد میں ان کے مقرّر امام و مؤذِّن ہوتے ہیں۔ اس لئے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہی زیادہ ہیں۔

حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ جو اصلی حجازی ہیں وہ پہلے بھی سُنّی تھے اور آج بھی سُنّی ہیں۔

اور ابھی حضرت سید محمد بن علوی مالکی مکی جن کا ۲۰۰۴ء میں انتقال ہوا ہے، حَرمین طیبین کے جلیل القدر خاندانی مُحدِّث و عالِم دین و شیخِ طریقت تھے۔ انھوں نے سارے نجدی شیوخ کو چیلنج کیا تھا کہ:

جو مجھ سے بحث کرنا چاہے، بحث کر لے۔ مَیں مذہبِ اہلِ سُنّت کی حقّانیت واضح اور ثابت کر دوں گا۔"

لیکن کوئی نجدی شیخ و عالم ان کے سامنے نہیں آیا۔ اور ان کا ادب و احترام اتنا زیادہ تھا کہ خود سعودی حکومت بھی ان کی طرف آنکھ اُٹھانے اور ان پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت و ہمت نہیں کر سکتی تھی۔

تو یہ ماضی قریب اور آج کا حال ہے حجازِ مقدس کا۔

وہاں پر صرف حکومتی سطح پر قبضہ ہے نجدیوں کا، عوامی سطح پر آج بھی سینکڑوں، ہزاروں گھروں میں میلاد شریف ہوتا ہے۔ اور مَیں خود مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ سے لے کر ریاض تک بہت سی محافلِ میلاد میں شرکت کر چکا ہوں۔

آج کی یہ "سَوادِ اعظم کانفرنس" جو درحقیقت "سَوادِ اعظم اہلِ سُنّت و جماعت کانفرنس" ہے۔ یہ پیغام دینے کے لئے منعقد ہوئی ہے کہ جو قدیم سَوادِ اعظم ہے، جو قدیم اہلِ سُنّت ہیں، ان کی راہ پر سب لوگ آ جائیں۔ یہ بعد کے جو نوزائیدہ باطل مسالک اور مسائل ہیں۔ یہ خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ ان کا کوئی وجود ہی کہیں باقی نہیں رہ جائے گا۔

اہلِ سُنّت و عُلماے اہلِ سُنّت کے تعلق سے اپنی لاعلمی بلکہ عِناد و مخاصمت کی وجہ سے مُعانِدین ومُخالفین کی طرف سے بہت سی باتیں کہی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک بات یہ بھی بار بار کہی اور لکھی جاتی ہے کہ:

"مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے اپنی تحریروں کے ذریعہ ہندوستان کے اندر مسلکی اختلاف پیدا کیا اور اسے پروان چڑھایا۔"

اِن ناواقفوں یا مخالفوں کو معلوم نہیں کہ ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء میں جب تقویۃ الایمان (جس کی تالیف کئی سال پہلے ہی ہو چکی تھی اور نقل در نقل لوگوں تک پہنچتی رہی) منظرِ عام پر آئی تو سب سے پہلا اس کا تحریری جواب ۱۲۴۰ھ ہی میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی (وصال ۱۲۳۹ھ)

کے شاگردِ رشید، حضرت علّامہ فضلِ حق خیرآبادی (وصال ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء) نے دیا۔ اور ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء میں تقویۃ الایمان کے پیدا کردہ مسائل کے خلاف عُلماے اہلِ سُنّت نے جامع مسجد دہلی میں شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی (متوفی ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء) سے مناظرہ کرکے اسے لاجواب کیا۔

اور ساتھ ہی ساتھ یہ تاریخی حقیقت بھی یادرکھنی چاہیے کہ:

اس سُنّی وہابی مناظرۂ جامع مسجد، دہلی میں نہ بدایوں کا کوئی شخص (عالمِ دین) تھا، نہ بریلی کا۔ (امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی پر "مسلکی اختلاف پیدا کرنے کا اِلزام" نہایت لغو اور باطل ہے جس کی تردید وتغلیط کے لئے اِس حقیقت کا اظہار کافی ہے کہ مناظرۂ جامع مسجد دہلی ۱۲۴۰ھ کے بتیس (۳۲) سال بعد ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء میں امام احمد رضا کی ولادت ہوئی۔ جب کہ خود آپ کے والدِ محترم، حضرت مولانا نقی علی قادری برکاتی بریلوی کی بھی اس مناظرہ (۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) کے چھ (۶) سال بعد ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء میں ولادت ہوئی تھی) بدایوں و بریلی میں متعدد جلیل القدر عُلما تھے۔ ان کی بہت ساری دینی وعلمی خِدمات ہیں۔ لیکن اس تعلق سے جامع مسجد دہلی میں جو کچھ ہُوا اُس میں صرف عُلماے دہلی شریک تھے اور انھوں نے ان نئے (وہابی) خیالات کا رَدّ وابطال کیا۔

دوسرا تاریخی مناظرہ "براہینِ قاطعہ" مؤلّفہ مولانا خلیل احمد انبیٹھوی سہارن پوری (متوفی ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۸ء) ومصدَّقہ مولانا رشید احمد گنگوہی (متوفی جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ/اگست ۱۹۰۵ء) کی ایک توہین آمیز عبارت کے خلاف ہوا۔

۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء میں بھاول پور، پنجاب (موجودہ پاکستان) کے اندر ہونے والے اِس مناظرہ میں ایک طرف سُنّی عُلماے پنجاب تھے اور دوسری طرف دیوبندی عُلماے سہارنپور۔ بدایوں اور بریلی کا کوئی عالم اس سُنّی

دیوبندی مناظرہ میں بھی شریک نہیں تھا۔

عُلمائے پنجاب کی طرف سے حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری (وصال ۱۳۱۵ھ) اور عُلمائے سہارن پور کی طرف سے مولانا خلیل احمد انبیٹھوی سہارن پوری (متوفی ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۸ء) مناظر تھے۔ مناظرۂ بہاول پور پنجاب کی تفصیلی روداد "تَقدِیسُ الوَکِیل عَنْ تَوهِینِ الرَّشِیدِ والخلیل" مؤلّفہ مولانا غلام دستگیر قصوری، پاک و ہند سے شائع ہو چکی ہے۔

اہلِ سُنّت کے درمیان مختلف اَدوار میں مختلف شخصیتیں جلوہ گر ہوتی رہیں اور انھوں نے اپنے اپنے طور پر نمایاں دینی و علمی خدمات انجام دیں۔

اِدھر آخری دَور میں سب سے نمایاں اور ممتاز خدمات ،فقیہِ اسلام، امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (وصال ۲۵/صفر ۱۳۴۰ھ/ ۲۸/اکتوبر ۱۹۲۱ء) عَلَیْهِ الرَّحْمَةُ وَالرِّضْوَان کی ہیں۔ جن کی خدمات کے بارے میں آپ بہت کچھ پڑھتے اور سنتے چلے آ رہے ہیں۔

ہندوستان کے اندر ہماری جو شخصیات ہیں اور ہمارے جو نظریات ہیں وہ تسلسل کے ساتھ ہیں اور ان کا تسلسل، ہماری شخصیات کا، قدیم دینی و روحانی مراکز کے ساتھ خانوادۂ ولی اللّٰہی عزیزی، دہلی و خانوادۂ فرنگی محل، لکھنؤ اور بدایوں، پھر بریلی، ان سب دینی و علمی مراکز کے عُلما و مشائخِ کرام کے ذریعہ ہماری شخصیات کا تسلسل ہے۔ اور ہمارے نظریات کا تسلسل اور ہمارے جو عقائد اور معمولات ہیں وہ سب مشہور و معروف ہیں۔ جنھیں ذِکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

سَوادِ اعظم سے الگ ہٹ کر ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۴ء میں جو عُلما سامنے آئے اور جو نظریات سامنے

آئے وہ بالکل نوزائیدہ ہیں۔ سَوَادِ اعظم سے بالکل الگ ہٹ کر ہیں۔ تو وہ ہم سے جدا ہوئے ہیں۔ ہم کسی سے جدا نہیں ہوئے ہیں۔ بلکہ اپنی اصل سے، اپنی جڑ سے، اپنے وجود سے وابستہ، ہم کل بھی تھے اور آج بھی ہیں۔ اور ہندوستان سے لے کر حرمین طیبین تک ہمارا تسلسل، شخصیاتی بھی اور نظریاتی بھی، ہر طرح سے قائم اور باقی ہے۔

ضرورت ہے کہ ہم اپنے اِن نظریات کو، اپنی اِن شخصیات کو تسلسل کے ساتھ جانیں بھی اور ان کا ذِکر و بیان بھی کریں۔

اپنے اکابر و اسلاف کو جاننا، ان کی خدمات کا تعارف کرانا، یہ ہمارا مذہبی، ملّی اور قومی فریضہ ہے۔ اور جس طرح سے کوئی سعید اور صالح اولاد، کوئی نیک بخت لڑکا اپنے باپ دادا کا ذکر کرتا ہے اور تعریف کرتا ہے اور تعریف سننے پر خوش ہوتا ہے، ہم کو بھی اسی طرح سے، بلکہ اس سے زیادہ اپنے اسلاف کا اور جتنی بھی نمایاں اور ممتاز اسلامی شخصیات و افراد ہیں، حسبِ ضرورت و اہمیت و اِفادیت سب کا ذِکر و بیان کرنا چاہیے تاکہ نئی نسل ان سب سے واقف ہو۔ اور یہ وراثت، نسل در نسل آگے کی طرف منتقل ہوتی رہے۔

ایسا نہ ہو کہ کوئی نام جب نئی نسل کے سامنے آئے تو یہ نوجوان پوچھیں کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ جیسا کہ "سَوَادِ اعظم" کا لفظ جب پہلی مرتبہ یہاں آپ کے سامنے آیا تو آپ چونک گئے کہ "سَوَادِ اعظم" کیا چیز ہے؟ اور اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا مفہوم ہے؟ تو یہ نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ شخصیات کا نظریات کا، بار بار ذِکر ہونا چاہیے، ان کا تعارف و تذکرہ کرنا اور کرانا چاہیے

اوران سے وابستہ رہ کرآگے کا جو کام ہے دینی، علمی، وہ کرتے رہنا چاہیے۔

آج میں یہ سمجھتا ہوں کہ:

اِس ''سوادِ اعظم کانفرنس'' سے بانیِ خانقاہ اور بانیِ ادارہ، حضرت مولانا محمد ایوب شریف القادری صاحب علَیہِ الرَّحمَۃُ و الرِّضوَان کی روح، یقیناً خوش ہو رہی ہوگی کہ میرے لڑکوں نے، میرے اہلِ خانہ نے، میرے مُریدین، مخلصین، متوسلین اور محبین نے میرے چھوڑے ہوئے کام اور مشن کو آگے بڑھایا اور اسے ترقی دی۔

یہ ان کے لئے ایک بے حد روحانی مسرت کی بات ہوگی اور وہ اپنی قبر میں یقیناً خوش ہو رہے ہوں گے۔

اِس طرح کا کام یہاں کے جو متعلقین و منتظمین ہیں ان کو آئندہ بھی کرتے رہنا چاہیے تاکہ ان کا دینی و علمی فریضہ ادا ہوتا رہے اور ان کے بزرگوں کی روحیں بھی خوش ہوتی رہیں۔

وَمَاعَلَینَا اِلَّا البَلَاغ۔

(خطاب در ''سوادِ اعظم کانفرنس'' منعقدہ شب سہ شنبہ ۳ رجمادی الاولی ۱۴۳۳ھ/۲۷ر مارچ ۲۰۱۲ء۔
بمقام پپرا اکنک۔ضلع کوشی نگر۔مشرقی اتر پردیش۔انڈیا)

خانقاہ ایوبیہ: تعمیر کی طرف

شاہ محمد سبطین رضا، قادری، ایوبی
سجادہ نشین: خانقاہ قادریہ ایوبیہ، کشی نگر۔ اتر پردیش

خانقاہِ قادریہ، ایوبیہ (پڑ اکنک، ضلع کشی نگر، یوپی) راقمِ سطور کے والدومرشدِ گرامی، عالمِ باعمل صوفیِ باصفا، حضرت علاّمہ محمد ایوب شریف القادری عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کے مبارک نام سے منسوب ہے۔ والدِ گرامی کے وصال کے بعد، راقمِ سطور کے ناتواں کندھے پر آپ کی جانشینی کا بارِ گراں اہلِ عقیدت اور وابستگانِ شریف العلما کے ذریعہ، ڈال دیا گیا۔

اللہ کریم کی ذات پر بھروسا کرتے ہوئے، اپنے اکابر علما اور مخلص احباب کے تعاون سے والدِ گرامی کے چھوڑے ہوئے مشن کی تکمیل کے لیے ہم نے لائحۂ عمل تیار کیا، جس کے نتیجے میں مختلف شعبوں میں خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کی سرگرمیاں، جاری ہوئیں۔

اللہ جَلَّ وَ عَلَا کے فضل وکرم اور اس کے حبیبِ مکرّم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے صدقہ وطفیل میں، بہت کم عرصے میں خانقاہ کی تعمیری، علمی اور دینی خدمات کو، اہلِ علم کے ساتھ برادرانِ طریقت نے بھی سراہا، جس سے آگے بڑھ کر کچھ اور خدمت کرنے کا حوصلہ ملا۔

خانقاہ کی تعمیراتی پیش رفت کی تفصیل کا، یہ موقع نہیں ہے۔ البتہ اس کے تحت ہونے والے دینی وعلمی کاموں کی ایک مختصر روداد، ذیل میں پیش کی جا رہی ہے۔

تا کہ اہلِ علم اس کی حوصلہ افزا پیش رفت سے آگاہ ہو سکیں۔

خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے زیرِ اہتمام، اب تک جن کتابوں کی اشاعت، عمل میں آچکی ہے ان کی تفصیل، حسبِ ذیل ہے:

(۱) یادگارِ ایوبی: یہ خانقاہ کے زیرِ اہتمام نکلنے والا سالانہ مجلّہ ہے، جس کی اب تک پانچ جلدیں، قارئین اور برادرانِ طریقت کی خدمت میں پیش کی جا چکی ہیں۔ ان کی ترتیب وتدوین کے لیے مختلف اصحابِ علم وفن کی خدمات، حاصل کی گئیں، جنھوں نے اپنا قیمتی وقت، صَرف فرما کر ان شماروں کی اہمیت میں اضافہ کیا۔

سالنامہ ''یادگارِ ایوبی'' کے خصوصی شماروں میں حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ کی حیات وخدمات پر ''انوارِ امامِ اعظم'' صفحات ۸۵۳۔ غوثِ اعظم، سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کی حیات وخدمات پر ''فیضانِ غوثِ اعظم'' صفحات: ۲۵۲۔

اور مشائخِ مارہرہ مطہّرہ کی حیات وخدمات پر ''فیضانِ برکات'' صفحات: ۲۰۸۔ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

(۲) سَوادِ اعظم: یہ کتاب بھی، خانقاہِ قادریہ ایوبیہ وتحریکِ جماعتِ اہلِ سنّت کے زیرِ اہتمام اشاعت پذیر ہوئی۔ کتاب کے مؤلّف، حضرت علّامہ یٰسٓ اختر مصباحی دَامَ ظِلُّہٗ ہیں۔ ۱۲۲ر صفحات پر مشتمل یہ کتاب، جماعتِ اہلِ سنّت کی مرکزی شخصیات اوران کی دینی وعلمی خدمات اور افکار وعقائد پر مشتمل ہے۔ کتابی شکل میں اس کی پہلی طباعت، دارُالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی سے ۱۹۹۸ء میں ہوئی، پھر بعد میں، ہندو پاک کے متعدد اداروں کے زیرِ اہتمام، اس کے کئی ایڈیشن آئے۔

خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے زیرِ اہتمام اشاعت میں حضرت مصباحی صاحب نے بڑے قیمتی اضافے کیے ہیں، جن سے کتاب کی اِفادیت، مزید بڑھ گئی ہے۔ ۲۰۱۱ء میں، گیارہ سو(۱۱۰۰) کی تعداد میں اس کی اشاعت ہوئی، جو بِفَضۡلِہٖ تَعَالٰی خانقاہ کی طرف سے مفت تقسیم ہوئی۔

(۳) شریف العلما کے اَحوال وآثار: یہ کتاب بھی، خانقاہِ قادریہ ایوبیہ وتحریکِ جماعتِ اہلِ سنّت کے زیرِ اہتمام ۲۰۱۱ء میں شائع ہوئی۔

کتاب کی ترتیب وتالیف کا کام، نوجوان صاحبِ قلم، مولانا ارشاد عالم نعمانی، مصباحی نے کیا ہے۔ کتاب ۹۶ر صفحات پر مشتمل ہے۔

یہ کتاب، والدِ گرامی حضرت مولانا محمد ایوب شریف القادری عَلَیۡہِ الرَّحۡمَۃُ وَ الرِّضۡوَان کی زندگی کے اَحوال اوران کی دینی وعلمی خدمات پر مشتمل ہے۔

(۴) آفتاب وماہتاب: یہ کتاب فقیہِ اسلام، اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا، قادری اور مفتیِ اعظم علّامہ الشاہ مصطفیٰ رضا، قادری قُدِّسَ سِرُّھُمَا کے احوال اور دینی وعلمی خدمات پر مشتمل ہے۔

جس کی تالیف وترتیب، رئیس التحریر، حضرت علّامہ یٰسٓ اختر مصباحی صاحب بانی وصدر دارالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی کے قلم سے ہوئی ہے۔ کتاب ۱۳۴ر صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی طباعت واشاعت، خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے زیرِ اہتمام ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ ر ستمبر ۲۰۱۳ء میں، پانچ ہزار

(۵۰۰۰) کی تعداد میں عمل میں آئی۔

اور سارے نسخے، مفت، تقسیم کیے گئے۔

مذکورہ بالا کتابوں اور یادگاری سالانہ مجلّہ کے متعدد شماروں کی اشاعت کے بعد ۲۵ر شوال ۱۴۳۵ھ/۲۲ر اگست ۲۰۱۴ء کو، خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے زیرِ اہتمام باضابطہ ایک اہم تصنیفی و تحقیقی ادارہ "مرکزِ مجلسِ ایوبی" کے نام سے قائم کیا گیا۔

جس کا اہم مقصد، یہ ہے کہ عام مسلمانوں کی اصلاح و تربیت کی خاطر مفید اور مؤثر کتابیں چھاپی جائیں۔ اور خصوصی طور سے مجلس کے ارکان کی تصانیف کی اشاعت ہو۔

اس کے ارکان میں حسبِ ذیل علمائے کرام اور اہلِ قلم، شامل ہیں:

۱۔صدرُ العلما، حضرت علاّمہ محمد احمد، اعظمی مصباحی (ناظمِ تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارکپور) سرپرستِ اعلیٰ

۲۔رئیس التحریر، حضرت علاّمہ یٰسٓ اختر مصباحی (بانی وصدر: دارالقلم، ذاکرنگر، نئی دہلی) سرپرستِ اعلیٰ

۳۔سراج الفقہا، حضرت علاّمہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی (صدرالمدرسین، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

۴۔حضرت مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی (پرنسپل دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی، یوپی)

۵۔حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی (استاذِ جامعہ اشرفیہ، مبارکپور)

۶۔حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی (استاذِ جامعہ اشرفیہ، مبارکپور)

۷۔حضرت مولانا محمد نظام الدین قادری مصباحی (استاذِ دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی۔ یوپی)

۸۔مولانا ارشاد عالم نعمانی، مصباحی (ریسرچ اسکالر: جامعہ ہمدرد، نئی دہلی)

۹۔مولانا شمس الدین رضوی مصباحی (استاذِ دارالعلوم مظہرِ اسلام، اِلتفات گنج، یوپی)

۱۰۔مولانا جنید احمد مصباحی (استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارکپور)

۱۱۔مولانا غلام سید علیمی (پرنسپل جامعہ نظامیہ بیدیاپور۔ یوپی)

۱۲۔مولانا کمال احمد علیمی (استاذ دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی۔ یوپی)

۱۳۔مولانا محمد ابراہیم مصباحی (استاذِ دارالعلوم فیضانِ مدینہ، کشی نگر۔ یوپی)

۱۴۔مولانا عبد مناف ایوبی (استاذِ مرکز اہلسنّیہ جامعہ ایوبیہ، کشی نگر، یوپی)

۱۵- مولانا شمشاد احمد (استاذِ جامعہ ایوب نسواں، کشی نگر۔ یوپی)

۱۶- مولانا عبدالسلام ثقافی (استاذِ جامعہ ایوب نسواں، کشی نگر۔ یوپی)

۱۷- مولانا داؤد کمال عزیز مصباحی (گوپال گنج، بہار)

اب تک کئی ایک مشاورتی مجلسیں ''مرکزِ مجلسِ ایوبی'' کے زیرِ اہتمام منعقد ہو چکی ہیں۔

اور ہر سال، جو لائحۂ عمل، علمائے کرام کی جانب سے طے کیا جاتا ہے، اس کے مطابق عمل کی کوشش کی جاتی ہے۔ اب تک ''مرکزِ مجلسِ ایوبی'' کے زیرِ اہتمام جو کتابیں، اشاعت پذیر ہو کر اہلِ علم اور قارئین کی خدمت میں پیش کی جا چکی ہیں، اُن کی تفصیل، حسبِ ذیل ہے:

(۱) شرح ہدایۃ النحو: یہ کتاب، والدِ گرامی، حضرت مولانا ایوب شریف القادری کی تالیف ہے، جو، انھوں نے ہدایۃ النحو کے مختلف اہم مباحث کی تشریح میں ۱۳۷۰ھ/۱۹۷۰ء میں لائل پور (پنجاب، پاکستان) میں قلمبند فرمائی تھی۔

مولانا کمال احمد علیمی نے ترتیبِ جدید اور حواشی کے ساتھ، اسے کتابی شکل میں تیار کیا ہے۔

کتاب کا مقدمہ، خود، حضرت مولانا کمال احمد علیمی نے تحریر کیا ہے۔

جو، کتاب کی اِستنادی اور اِفادی حیثیت پر ایک جامع تحریر ہے۔

کتاب کی ترتیبِ جدید و حواشی میں مولانا موصوف نے بڑی دلچسپی اور لگن سے کام کیا ہے۔

حواشی کے ذریعہ، مباحث کو، مزید آسان کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی طلبہ کی استعداد کے پیشِ نظر مشقی و تمرینی سوالات کا اضافہ کر کے، انھوں نے کتاب کی افادیت میں خاطر خواہ، اِضافہ کر دیا ہے۔

یہ کتاب، درسِ نظامی کے طلبہ کے لیے اُردو زبان میں ''مرکزِ مجلسِ ایوبی'' کی جانب سے ایک قیمتی تحفہ ہے۔ کتاب کی پہلی طباعت ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء میں عمل میں آئی ہے۔

صفحات کی تعداد ۸۴ ہے۔

(۲) تبلیغی جماعت کا حقیقی روپ: یہ کتاب، والدِ گرامی کی تصنیف ہے، جو، انھوں نے ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء میں علاقہ کشی نگر و اَطراف میں تبلیغی جماعت کے پروپیگنڈے کے جواب میں قلمبند کیا تھا۔ کتاب کی پہلی اشاعت، آپ کی حیات ہی میں

تحریکِ جماعتِ اہلِ سنّت، کشی نگر کے زیرِ اہتمام ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء میں ہوئی تھی۔

اس کا جدید ایڈیشن، مولانا جنید احمد، مصباحی، استاذِ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کی تخریج و تحقیق کے بعد ''مرکزِ مجلسِ ایوبی'' کے زیرِ اہتمام ۱۴۲۵ھ/۲۰۱۶ء میں اشاعت پذیر ہوا ہے۔

کتاب ۷۷ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں مصنف نے
تبلیغی جماعت کی حقیقت اور افکار و نظریات پر مفید گفتگو کی ہے۔

(۳) تنویر الابصار: یہ کتاب، حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی، استاذِ جامعہ اشرفیہ کے صاحبزادۂ گرامی، مولانا رئیس اختر مصباحی کی تالیف ہے۔

کتاب، احادیث و آثار میں مقبول و مسنون دعاؤں کا ایک نہایت مفید انتخاب ہے جو انھوں نے بڑی عرق ریزی سے عوام الناس کے افادے کے لیے جمع کیا ہے۔

کتاب، دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں دعا کے فضائل و آداب پر بڑی جامع گفتگو ہے، جب کہ دوسرے حصے میں احادیث و آثار میں مختلف مواقع کے لیے مسنون دعاؤں کا انتخاب ہے۔ یہ بھی ''مرکزِ مجلسِ ایوبی'' کے زیرِ اہتمام ۱۴۳۶ھ/۲۰۱۵ء میں شائع ہو چکی ہے۔

(۴) ممتاز علمائے فرنگی محل، لکھنؤ: استاذ الھند، مُلاّ، نظام الدین محمد، فرنگی محلی و بحر العلوم، علاّمہ عبد العلی، فرنگی محلی اور دیگر مشاہیر علمائے فرنگی محل کی حیات و خدمات پر حضرت علاّمہ یٰسٓ اختر مصباحی کی، یہ نہایت وقیع اور تاریخی کتاب ''مرکزِ مجلسِ ایوبی'' کے زیرِ اہتمام، اہلِ علم اور باشعور قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔

(۵) انوارِ قرآن: حضرت شریف العلما عَلَیْہِ الرَّحْمَہ کے تفسیری مضامین کا مجموعہ جس کی ترتیب و تخریج، مولانا ارشاد عالم نعمانی، مصباحی کر رہے ہیں۔
یہ کتاب بھی ''مرکزِ مجلسِ ایوبی'' کے زیرِ اہتمام، اِشاعت کے لیے پریس کے حوالے کی جانے والی ہے۔

(۶) شریف العلما: حیات و خدمات: حضرت شریف العلما عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کی حیات و خدمات کے تعلق سے مولانا کمال احمد علیمی کی کوششوں سے اب تک اہلِ تعلق کے کثیر بیانات کیسٹوں میں محفوظ ہو چکے ہیں۔
انھیں، اصل صورت میں، مناسب سرخیاں، قائم کر کے کتاب کے حصۂ اول کے طور پر اسی سال، عرسِ ایوبی میں ''مرکزِ مجلسِ ایوبی'' کے زیرِ اہتمام، پیش کی جا رہی ہے۔ اور اہلِ تعلق و وابستگانِ شریف العلما کے وہ بیانات جو بعد میں دستیاب ہوں گے۔
انہیں آئندہ عرس کے موقع پر، حصہ دوم کے طور پر شائع کیا جائے گا۔

(۷) قواعدِ عربی: یہ کتاب، حضرت شریف العلما، عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کے ذریعہ، جمع کیے ہوئے

قواعدِ عربی کا مجموعہ ہے۔ جس کی تبییض وترتیب، مولانا کمال احمد علیمی کررہے ہیں۔

(۸) شریف العلما اور اصلاحِ معاشرہ: اس کی تالیف وتصحیح کا کام، مولانا شمس الدین مصباحی (استاذ: دار العلوم منظرِ اسلام، اِلتفات گنج، امبیڈکر نگر۔ یوپی) نے کیا ہے۔

یہ کتاب بھی "**مرکزِ مجلسِ ایوبی**" کے زیرِ اہتمام، اشاعت پذیر ہو رہی ہے۔

(۹) الدُّروس الایوبیۃ: نصابی کتاب "الدُّروس الایوبیۃ" (عربی، انگریزی) "**مرکزِ مجلسِ ایوبی**" کے زیرِ اہتمام، اشاعت پذیر ہونے والی ہے۔

کتابوں کی اشاعت وتشہیر کے ساتھ ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۲ء سے خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے زیرِ اہتمام اہم موضوعات پر، سیمینار و کانفرنس کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا، جو، اب تک، تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔

خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے زیرِ اہتمام، اکابر علمائے اہلِ سنّت، خصوصاً صدرُ العلما، علّامہ محمد احمد اعظمی، مصباح ورئیس التحریر، علّامہ یٰسٓ اختر مصباحی اور سراج الفقہاء، مفتی محمد نظام الدین رضوی، مصباحی دَامَ ظِلُّهُم الْعَالِی کی قیادت وصدارت اور نگرانی میں

اب تک، چار اہم سیمینار منعقد کیے جاچکے ہیں اور ان چاروں سیمیناروں کے مقالات بھی کتابی شکل میں اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ ذیل میں منعقدہ سیمینار و کانفرنس کی مختصر تفصیل آپ بھی ملاحظہ کیجیے:

☆ **سہ روزہ امامِ اعظم ابوحنیفہ سیمینار و کانفرنس:** یہ سیمینار ۷-۸-۹/صفر ۱۴۳۴ھ/۲۱-۲۲-۲۳/دسمبر ۲۰۱۲ء کو ممبئی میں منعقد کیا گیا۔

شرکائے سیمینار کے مقالات کا مجموعہ ۸۵۳/صفحات پر مشتمل "**انوارِ امامِ اعظم**" کے نام سے خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے زیرِ اہتمام ۱۴۳۴ھ/مارچ ۲۰۱۳ء میں چھپ کر، نذرِ قارئین ہو چکا ہے۔

اس سیمینار و کانفرنس کے مقالات کی ترتیب وتدوین کا اہم کام

حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی، مصباحی، حضرت مولانا نفیس احمد، مصباحی اور حضرت مولانا اختر حسین، فیضی، مصباحی نے انجام دیا ہے۔

☆ **فیضانِ برکات سیمینار و کانفرنس:** مشائخِ مارہرہ مطہّرہ کی حیات وخدمات پر، یک روزہ سیمینار و کانفرنس کا انعقاد، خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے زیرِ اہتمام ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء میں کیا گیا۔

اور شرکائے سیمینار کے مقالات، عرسِ ایوبی، جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ/مارچ ۲۰۱۴ء میں "**فیضانِ برکات**" کے نام سے شائع کیے گئے۔

اس سیمینار کے مقالات کی ترتیب، حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی اور حضرت مولانا اختر حسین فیضی، مصباحی کے اِشتراک سے عمل میں آئی۔

☆ **فیضانِ غوثِ اعظم سیمینار و کانفرنس**: غوثِ صمدانی، محبوبِ سبحانی، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، بغدادی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی حیات وخدمات پر، یہ سیمینار، خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے زیرِ اہتمام انعقاد پذیر ہوا۔ شرکاے سیمینار کے مقالات اور دیگر اہلِ قلم کی اہم تحریروں کی شمولیت کے ساتھ مقالات کا مجموعہ "**فیضانِ غوثِ اعظم**" کے نام سے خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے زیر اہتمام ۱۴۳۷ھ/۲۰۱۶ء میں شائع کیا گیا۔ اس کی ترتیب بھی، حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی اور حضرت مولانا اختر حسین، فیضی کی مرہونِ منّت ہے۔

☆ **فیضانِ خواجہ غریب نواز سیمینار و کانفرنس**: سلطانُ الہند، عطاے رسول، حضرت خواجہ معین الدین، چشتی، اجمیری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی حیات وخدمات پر
سیمینار کا انعقاد، خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے زیرِ اہتمام ہوا۔
شرکاے سیمینار کے مقالات کا مجموعہ "**فیضانِ خواجہ غریب نواز**" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

☆ **شاہ عبدالعزیز، محدّث دہلوی سیمینار و کانفرنس**: سراجُ الہند، حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز، محدّث دہلوی، فرزند و جانشینِ امام الہند، حضرت شاہ ولی اللہ، محدّث دہلوی کے دوسو سالہ یومِ وصال کی مناسبت سے آپ کی حیات وخدمات پر ۲۰۱۶ء میں اِنعقاد پذیر ہوا۔
شرکاے سیمینار کے مقالات کا مجموعہ
"**شاہ عبدالعزیز، محدّث دہلوی: اَحوال وآثار**" کے نام سے، زیرِ ترتیب ہے۔

☆ **بحرالعلوم، حضرت علّامہ عبدالعلی، فرنگی محلی سیمینار و کانفرنس**: ۱۴۳۸ھ/۲۰۱۷ء میں مذکورہ موضوع پر سیمینار و کانفرنس کے انعقاد اور "مرکزِ مجلسِ ایوبی" کے زیرِ اہتمام علمی کتابوں کی اشاعت کے لیے ایک مشاورتی مجلس میں
جو اُمور، باتفاقِ رائے طے کیے گئے، اُن کی رپورٹ اِس طرح ہے:

"آج، مؤرخہ ۱۵/ذی قعدہ ۱۴۳۷ھ/۱۸/اگست ۲۰۱۶ء شب جمعہ، بعد نمازِ مغرب مرکزِ مجلسِ ایوبی، خانقاہِ قادریہ ایوبیہ، کشی نگر کی ایک سالانہ نشست
زیرِ صدارت، صدرُ العلما، حضرت علّامہ محمد احمد اعظمی مصباحی دَامَ ظِلُّہُ الْعَالِی
ناظمِ تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور منعقد ہوئی۔

جس میں باتفاقِ راے، درج ذیل اُمور، طے ہوئے:

(۱) اِس سال عرسِ قادری ایوبی کے موقع پر، بحرالعلوم، فرنگی محلی سیمینار کے لیے سب سے پہلے، حضرت علاّمہ یٰسٓ اختر مصباحی کی کتاب ''تذکرۂ بحرالعلوم فرنگی محلی'' شائع کی جائے۔

اور پھر، متعلقہ موضوع کے تحت، عنوانات، مقرر کر کے قلم کاروں کو دعوت نامے کے ساتھ یہ کتاب بھی، بھیج دی جائے۔ تاکہ مقالہ نویسی میں آسانی ہو اور مقالے، نسبتاً، وقیع، کارآمد اور مفید ہو سکیں۔

(۲) حضرت شریف العلما عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کی حیات وخدمات کے تعلق سے مولانا کمال احمد علیمی کی کوششوں سے اب تک، اہلِ تعلق کے جو بیانات کیسٹوں میں محفوظ ہو چکے ہیں

انھیں، اصل صورت میں، مناسب سرخیاں، قائم کر کے کتاب کے حصۂ اول کے طور پر

اِسی سال، عرسِ ایوبی میں شائع کیا جائے۔

اور بعد میں جو مواد دستیاب، ہو، اُسے آئندہ عرس کے موقع پر، حصہ دوم کے طور پر شائع کیا جائے۔

(۳) حضرت شریف العلما عَلَیْہِ الرَّحْمَہ کی مختلف موضوعات سے متعلق تقریروں کا ایک مجموعہ، تیار کر کے، آئندہ عرس تک شائع کیا جائے۔

اس کی ترتیب وتدوین کی ذمہ داری، مولانا محمد طیب علیمی (استاذ: دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی بستی۔ یوپی) کے حوالے کی گئی۔

(۴) حضرت شریف العلما عَلَیْہِ الرَّحْمَہ کے تفسیری مضامین کا مجموعہ بھی

اِسی سال، عرسِ قادری ایوبی کے موقع پر، شائع ہونا ہے۔

جس کی ترتیب وتخریج کی ذمہ داری، مولانا ارشاد عالم نعمانی مصباحی کو، سپرد کی گئی۔

(۵) ''شریف العلما اور اصلاحِ معاشرہ'' نامی رسالہ بھی، اِسی سال، عرسِ قادری ایوبی کے موقع پر، اشاعت پذیر ہوگا۔

جس کی تالیف وتصحیح کا کام، مولانا شمس الدین مصباحی (استاذ: دارالعلوم منظرِ اسلام التفات گنج، امبیڈکر نگر۔ یوپی) کے ذمہ کیا گیا۔

اخیر میں حضرت صدرالعلما دَامَ ظِلُّہ الْعَالی کی دعا پر پونے دس بجے رات کو نشست کا اِختتام ہوا''

شرکاے نشست:

۱-صدرُ العلما، حضرت علاَّمہ محمد احمد، اعظمی، مصباحی صاحب قبلہ دَامَ ظِلَّہٗ الْعَالِی، مبارک پور۔
۲-حضرت علاَّمہ فروغ احمد اعظمی مصباحی، دارالعلوم علیمیہ، جمد اشاہی۔ بستی۔
۳-حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
۴-حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
۵-حضرت مولانا جنید احمد مصباحی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
۶-حضرت مولانا شمس الدین مصباحی، دارالعلوم منظرِ اسلام، اِلتفات گنج۔ یو پی
۷-حضرت مولانا غلام سید علی علیمی، پرنسپل جامعہ نظامیہ
۸-حضرت مولانا محمد طیب علیمی، علیمیہ، جمد اشاہی، بستی
۹-حضرت مولانا کمال احمد علیمی، علیمیہ، جمد اشاہی، بستی
۱۰-حضرت مولانا محمد داؤد کمال عزیز مصباحی، گوپال گنج
۱۱-حضرت مولانا شمشاد احمد، استاذِ جامعہ ایوبیہ نسواں، پرا کنک
۱۲-حضرت مولانا محمد ابراہیم مصباحی، دارالعلوم فیضانِ مدینہ، کشی نگر
۱۳-حضرت مولانا عبدالسلام ثقافی، استاذِ جامعہ ایوبیہ نسواں، پرا کنک
۱۴-برادر محترم، کونین رضا، قادری ایوبی
۱۵-برادرِ گرامی، انجینئر حسنین رضا، قادری، ایوبی
۱۶-راقمِ سطور (سبطین رضا قادری ایوبی، سجادہ نشین خانقاہ قادریہ ایوبیہ)

شرکائے نشست کی رائے کے مطابق، بحرالعلوم حضرت علاَّمہ عبدالعلی، فرنگی محلی پر سیمینار و کانفرنس کا فیصلہ ہوا۔ اور صدرُ العلما و دیگر اہلِ تعلّق کی رائے اور خواہش کے مطابق راقم نے، رئیس التحریر، حضرت علاَّمہ یٰسٓ اختر مصباحی دَامَ ظِلُّہٗ الْعَالِی سے کتاب کی تصنیف کی گزارش کی۔ حضرت نے عریضے کو منظور فرمایا۔

اور ایک گراں قدر کتاب، آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

راقم، ذاتی طور پر، اس اہم کام کی تکمیل پر حضرت مصباحی صاحب کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہے اور اس بات کے لیے بھی آپ کا ممنونِ احسان ہے کہ:

خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے دینی و علمی و تحقیقی کاموں کے پیچھے
حضرت کی مشفقانہ تحریک و سرپرستی، بے حد معاون، ثابت ہوتی رہی ہے۔

خانقاہِ قادریہ ایوبیہ میں عُلما و مشائخ کی آمد:

یہاں، اِس حقیقت کا اظہار بھی، ضروری ہے کہ:

خانقاہ قادریہ ایوبیہ میں ابتدا ہی سے مستند عُلما و مشائخ کی آمد ہوتی رہی ہے

جس سے، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ:

شروع ہی سے اِس خانقاہ کو، عُلما و مشائخِ عصر کی تائید و سرپرستی، حاصل ہے۔

خانقاہ کے تعلق سے، عُلما و مشائخ کے گراں قدر تأثرات، احساسات اور خیالات

ہمارے اس دعوے پر شاہد ہیں، ان تأثرات کے نقل کا یہ موقع نہیں۔

ان عُلما و مشائخ کی حوصلہ افزائیوں سے کاروانِ ایوبی، بڑی تیزی کے ساتھ منزل مقصود کی

جانب، رواں دواں ہے۔

قارئینِ کرام، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ، اس میں مزید اِستحکام و ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔

ذیل میں، چند مشاہیر کے اسماے گرامی، ذکر کیے جاتے ہیں

جن کی آمد سے ہمارے حوصلوں کو تقویت ملی:

۱۔ حضرت علاّمہ محمد احمد، اعظمی، مصباحی (ناظمِ تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارکپور)

۲۔ حضرت علاّمہ یٰسٓ اختر مصباحی (بانی و صدر: دارالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی)

۳۔ حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی (صدرالمدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

۴۔ حضرت مولانا توصیف رضا خان، قادری، رضوی (بریلی شریف)

۵۔ حضرت مفتی عبدالمنان، کلیمی، مصباحی (صدر مجلسِ عُلماے ہند و مفتی شہر مرادآباد)

۶۔ حضرت مفتی محمد قاسم، ابراہیمی (سابق ایم ایل اے، حکومتِ بہار)

۷۔ حضرت مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی (پرنسپل: دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی، یوپی)

۸۔ حضرت قاری رضی اللہ، چترویدی (دیوریا۔ یوپی)

۹۔ حضرت مولانا نظام الدین مصباحی

(استادِ شعبہ عربی ادب، دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی بستی)

۱۰۔ حضرت مولانا مسعود احمد برکاتی مصباحی (استادِ جامعہ اشرفیہ، مبارکپور)

۱۱۔ حضرت مولانا مقبول احمد مصباحی

(مہتمم جامعہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی۔ دہلی)

۱۲- حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی (ایڈیٹر، ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور)

۱۳- حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی (استاذ: جامعہ اشرفیہ، مبارکپور)

۱۴- حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی (استاذ: جامعہ اشرفیہ، مبارکپور)

ان مشاہیر علما و مشائخ کے علاوہ، جن دانشورانِ قوم و ملّت کی بنفسِ نفیس خانقاہ قادریہ ایوبیہ میں آمد ہو چکی ہے، اُن میں، درج ذیل شخصیات، قابلِ ذکر ہیں:

۱- جناب پروفیسر، اختر الواسع (جامعہ ملّیہ اسلامیہ، نئی دہلی)

۲- جناب شمس الدین محمد مشرف (ایس ایم مشرف)
(سابق آئی پی ایس، پونے، مہاراشٹر)

۳- جناب عزیز برنی (سابق گروپ ایڈیٹر، راشٹریہ سہارا۔ نوئیڈا۔ یوپی)

ان کے علاوہ، دیگر علما و مشائخ اور دانشوروں کی خانقاہ قادریہ ایوبیہ، کشی نگر و ممبئی میں آمد ہو چکی ہے، جن کا ذکر، طوالت کے خوف سے ترک کیا جا رہا ہے۔

خانقاہ قادریہ ایوبیہ کی تعلیمی، تدریسی اور تعمیری خدمات پر مشتمل تفصیلی مضمون میں ان حضرات کا ذکر کیا جائے گا اور ساتھ ہی خانقاہ اور صاحبِ خانقاہ کے حوالے سے ان کے گراں قدر تأثرات، خیالات اور احساسات بھی، پیش کیے جائیں گے۔

شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی
سجادہ نشین: خانقاہِ قادریہ ایوبیہ، کشی نگر۔ اتر پردیش
۷رنومبر ۲۰۱۶ء، بروز پیر، شب بعد نمازِ مغرب

اَشْرَفِیَّہ، عہدِ ماضی کا حُدِی خواں، زندہ باد

نتیجۂ فکر

یٰسٓ اختر مصباحی

اشرفیہ، مَطلعِ ایمان وایقاں، زندہ باد ۔۔۔ اشرفیہ، مَصدرِ احسان وفیضاں، زندہ باد

اشرفیہ، حاملِ آیاتِ قرآں، زندہ باد ۔۔۔ اشرفیہ، داعیِ پیغامِ فاراں، زندہ باد

اشرفیہ، وارثِ علمِ رسولاں، زندہ باد ۔۔۔ اشرفیہ، قاسمِ کنزِ فراواں، زندہ باد

اشرفیہ، مَشعَل وفانوسِ ایماں، زندہ باد ۔۔۔ اشرفیہ، جادۂ منزل کا عنواں، زندہ باد

اشرفیہ، آیۂ ایمان وعرفاں، زندہ باد ۔۔۔ اشرفیہ، مایۂ اصحابِ ایماں، زندہ باد

اشرفیہ، عظمتِ رفتہ پہ نازاں، زندہ باد ۔۔۔ اشرفیہ، عہدِ ماضی کا حُدِی خواں، زندہ باد

اشرفیہ، آشنائے رمزِ دوراں، زندہ باد ۔۔۔ اشرفیہ، فکرِ مستقبل کا عنواں، زندہ باد

اشرفیہ، لہلہاتا باغ وبُستاں، زندہ باد ۔۔۔ اشرفیہ، نَخلِ تازہ کا خیاباں، زندہ باد

اشرفیہ، علم وحکمت کا دبستاں، زندہ باد ۔۔۔ اشرفیہ، شاخِ تازہ، گُل بداماں، زندہ باد

اشرفیہ، رونقِ شہرِ نگاراں، زندہ باد ۔۔۔ اشرفیہ، آمدِ فصلِ بہاراں، زندہ باد

اشرفیہ، گوہرِ قطراتِ نیساں، زندہ باد ۔۔۔ اشرفیہ، خندۂ صبحِ گلستاں، زندہ باد

اشرفیہ، علم کا خورشیدِ تاباں، زندہ باد ۔۔۔ اشرفیہ، فکر کا مہرِ درخشاں، زندہ باد

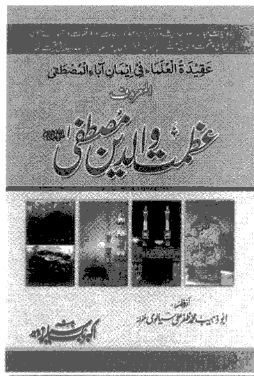
اشرفیہ، اہلِ سُنّت کی رگِ جاں، زندہ باد ۔۔۔ اشرفیہ، سَلسَبیلِ بحرِ عرفاں، زندہ باد

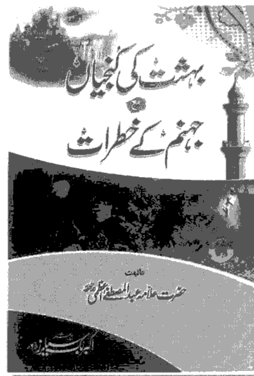
اشرفیہ، اخترِ آفاقِ ایماں، زندہ باد ۔۔۔ اشرفیہ، شمعِ بزمِ عشق وعرفاں، زندہ باد

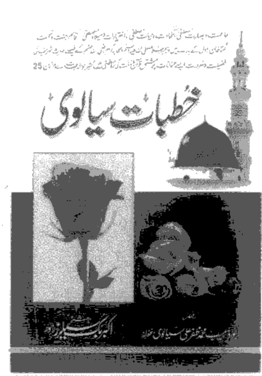
زندہ باد اے اشرفیہ! ”اَزہرِ ہندوستاں“

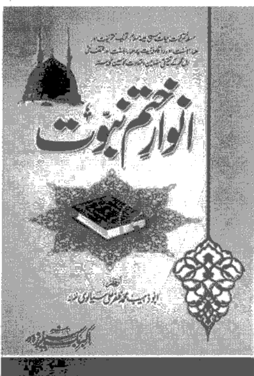
”چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں“

چند دیگر تصانیف

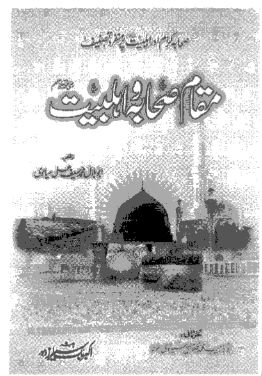


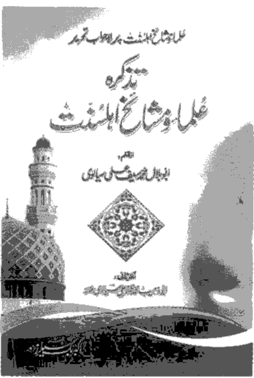


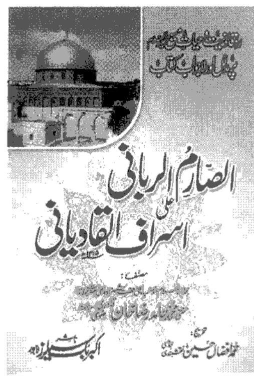


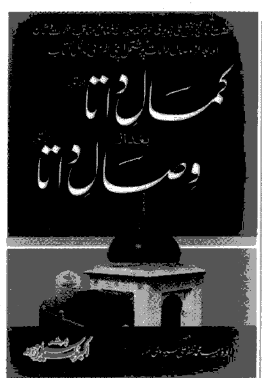












ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور
Ph: 042 - 37352022